حضرت غوثِ اعظمؒ کی کتاب فتوح الغیب کی
بے نظیر فارسی شرح کا اردو ترجمہ

شرح
فتوح الغیب اردو

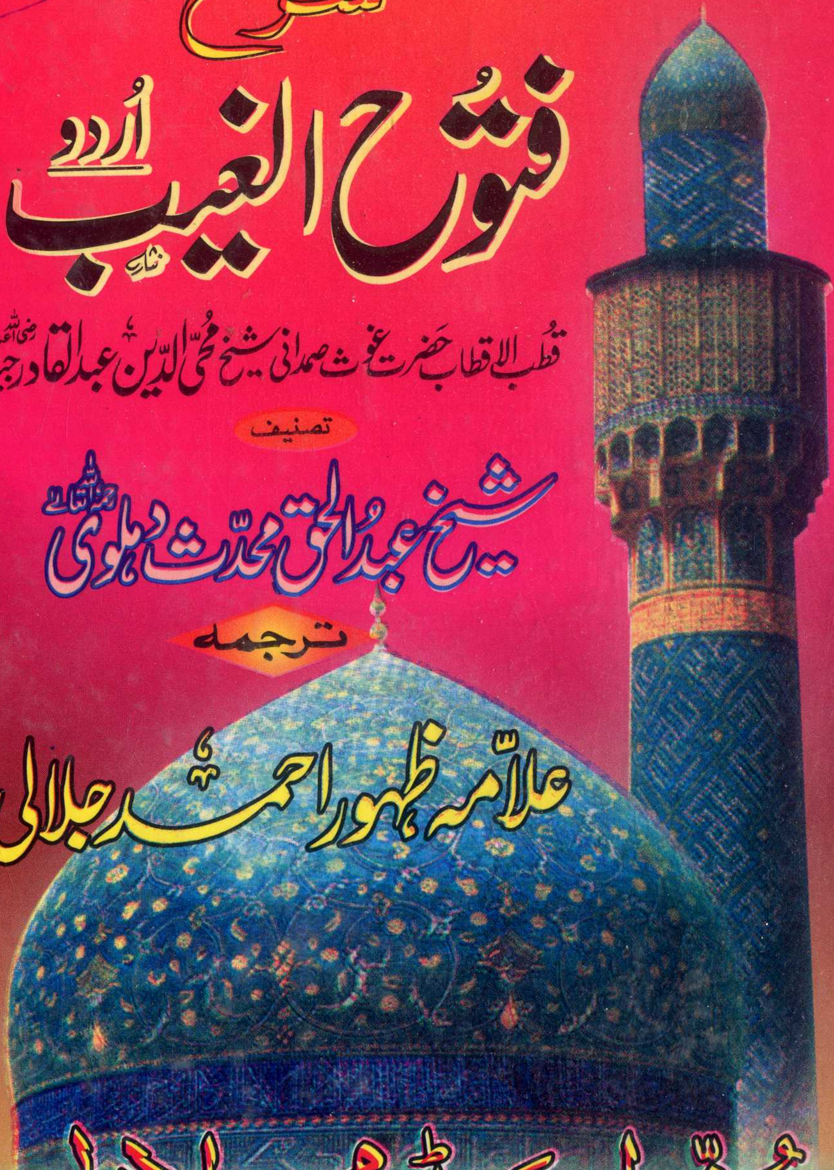
قطب الاقطاب حضرت غوث صمدانی شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

تصنیف

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ترجمہ

علامہ ظہور احمد جلالی



صفہ اکیڈمی ۔ لاہور

شرح
فتوح الغیب اردو

قطب الاقطاب حضرت غوث صمدانی شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

۱۴۸

تصنیف

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ

علامہ ظہور احمد جلالی

صفہ اکیڈمی لاہور

نام کتاب	شرح فتوح الغیب
تصنیف	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
اردو ترجمہ	علامہ ظہور احمد جلالی
ناشر	صفہ اکیڈمی لاہور
زیر اہتمام	علامہ محمد اسلم شہزاد

حجاز پبلی کیشنز لاہور

بار اول	مئی ۲۰۰۰ء
تعداد	گیارہ سو (۱۱۰۰)
قیمت	۲۲۵ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش گفتار

فتوح الغیب حضور غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی نہایت بابرکت تصنیف ہے جس کا ایک ایک لفظ معارف سے پر اور ہر مقالہ اسرار رموز کا بحر بے کنار ہے حضرت سلطان ملک ولایت نے توحید کی حقیقت رسالت کا عرفان توکل وایقان تقاضائے ایمان مرتبہ انسان جسم تا جان ہر قسم کے عرفانی اور روحانی مباحث و فتوحات سے اس صحیفہ لاثانی کو مزین فرمایا ہے۔

سلسلہ عالیہ قادریہ اور مشائخ سلسلہ کا مزاج اگر حقیقی معنوں میں سمجھنا ہو تو اس کتاب کا مطالعہ مستقل بنیادوں پر اپنے معمولات حیات کا حصہ بنا لینا چاہئے۔

مکہ شریف میں آج سے تقریباً چار سو سال پہلے ایک شیخ طریقت اور محدث کبیر مقیم تھے جن کا نام نامی اسم گرامی شیخ عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ انہوں نے اپنے ایک قابل فخر شاگرد اور مرید شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ فتوح الغیب حاصل کر کے اس کا مطالعہ خوب لگن سے کرو۔

شیخ محقق حضرت امام عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) نے اس کتاب کی تلاش شروع کی جو آخر انہیں ہندوستان کے ایک قادری بزرگ کی وساطت سے مل گئی۔

اور پھر سلسلہ عالیہ قادریہ کے ایک اور بزرگ رونق لاہور صاحب مرتبہ عالی حضرت شاہ ابو المعالی قادری کرمانی (م ۱۰۲۴ھ) کے ارشاد اور فرمان کی تعمیل میں شیخ محقق نے اس کتاب لاجواب کی تشریح اور ترجمہ فارسی زبان میں کر دیا۔

شیخ محقق حضرت شاہ ابو المعالی سے کمال درجہ عقیدت رکھتے تھے شرح مشکوۃ اشعۃ اللمعات بھی حضرت باباشاہ ابو المعالی الرحمہ ہی کے کہنے پر تحریر کی گئی تھی۔

یہ شرح ہندوستان میں متعدد بار شائع ہوئی۔ مطبع نون کشور لکھنو سے الداء اور اس کے بعد ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی۔

پشاور قصہ خوانی بازار کے ایک ناشر نے اس کا عکسی ایڈیشن غالباً ۹۲-۱۹۹۱ء میں شائع کیا۔

اور یہی کتاب ۱۹۹۷ء میں نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی کی طرف سے لاہور میں شائع ہو کر اہل ذوق کی تسکین کا باعث ہوئی۔

زیر نظر اردو ترجمہ شرح فتوح الغیب علامہ محمد اسلم شہزاد صاحب صفہ اکیڈمی لاہور کے زیر اہتمام شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ مترجم مولانا ظہور احمد جلالی مدظلہ العالی اس عظیم سعادت سے بہرہ مند ہو کر لائق مبارکباد ٹھہرے ہیں۔

مولانا اکرام اللہ زاہد نے پروف ریڈنگ کے ذریعے فیوضات و برکات میں سے حصہ حاصل کیا ہے۔

راقم کو بھی اس خرمن سے خوشہ چینی کا موقع میسر آیا۔ یعنی تمام اختتام کی توفیق آخری تین صفحات کے ترجمہ کی صورت میں نصیب ہوئی۔ رب قادر قدیر کے کرم سے عبد قادر کے ارشاد فرمودہ اسرار و معارف مطبوعہ صورت میں آپ تک پہنچ رہے ہیں۔ مولائے کریم عزوجل اس کوشش و کاوش کو مصحح، مترجم شارح اور ناشر کی طرف سے قبول و منظور فرما کر ذریعہ نجات بنائے آمین۔

محمد شہزاد مجددی سیفی
دار الاخلاص
۴۹۔ ریلوے روڈ لاہور

فہرست

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا ظَاهِرًا
وَّبَاطِنًا عَدَدَ خَلْقِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ
وَرِضَا نَفْسِهٖ وَعَدَدَ كُلِّ شَفْعٍ وَّوَتْرٍ وَّرَطْبٍ وَّيَابِسٍ.

تمام تعریفیں خدائے عزوجل کے لیے ثابت ہیں۔ جو کہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے[1]۔ اوّل و آخر میں[2]، ظاہر و باطن میں[3]، اس کی مخلوق کی تعداد کے برابر۔ اور اس کے اسماء و صفات[4] کی مقدار کے مطابق، اس کے عرش عظیم کے وزن کے برابر اور اس کی رضا کے برابر جیسے کہ وہ ذاتِ کریم کامل الصفات راضی ہو اور ہر جفت و طاق کے شمار کے برابر[5]۔ ہر خشک و تر کے برابر[6]۔

---

۱ یعنی عالم ملک و ملکوت، جن و انس، حیوانات و نباتات و جمادات اور تمام افرادِ انسانی کا۔ ہر فردِ انسانی صورتاً عالم صغیر اور حقیقۃً عالم کبیر ہے۔

۲ یعنی مبدء و معاد میں۔ یا ازل و ابد میں۔ یا۔ دُنیا و آخرت میں یا ہر کام کے اوّل و آخر میں۔

۳ یعنی دل میں اور زبان پر۔ یا عالم ارواح و اشباہ میں۔ یا ظہور کے بعد مرتبۂ خالقیت میں۔ یا ظہور سے پہلے بطون کے ہر حال میں مرتبہ احدیت میں۔

۴ یا کلام قدیم اور اس کے معانی و اشارات۔

۵ یعنی تمام افرادِ کائنات کے برابر کیونکہ تمام افرادِ کائنات خواہ علویات سے ہوں یا سفلیات سے جفت و طاق کے زمرے میں آتی ہیں۔

۶ رطب و یابس (خشک و تر) دراصل کتاب مبین میں بیان کردہ تمام معلومات ثابتہ سے کنایہ ہیں۔

وَجَمِيعَ مَاخَلَقَ رَبُّنَا وَذَرَاءَ وَبَرَاءَ اَبَدًا اَدًا اِمًا سَرمَدًا
طَيِّبًا مُبَارَكًا اَلَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى وَقَدَّرَ

اور جو کچھ ہمارے پروردگار نے تقدیر کیا، پیدا کیا اور پھیلایا[7] ہمیشہ ہمیشہ اور پاکیزہ حمد[8] سب سے بڑھ کر یعنی وہ خدا جس نے تمام چیزوں کو پیدا کیا پھر ان کی پیدائش، شکل و صورت کی تخلیق کو سیدھا اور برابر کیا[9] تقدیر و اندازہ کیا[10] اور ان کی راہنمائی فرمائی[11]۔

---

٧ خَلَقَ، ذَرَءَ اور بَرَءَ تینوں لفظ لغات میں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ خَلَقَ میں تقدیر و اندازہ کرنے کے معنی، ذَرَءَ میں نشر و پراگندہ کرنے اور بَرَءَ میں گھڑنے اور از سرِ نو پیدا کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں۔
اس لیے علماء نے کہا ہے کہ اسم اَلْبَارِیْ کے معنی خالِق بے مثال ہیں یعنی مخلوقات کو پیدا کرنے والا بغیر اس کے کہ ان کی کوئی مثال یا نظیر تھی کہ اسے دیکھ کر اسی طرح کی کسی مخلوق کو پیدا کیا ہو۔

٨ جو قصور و نقصان کی آلائش سے پاک ہو۔

٩ اس طرح کہ فرق نہ رہنے دیا جیسا ہونا چاہیے تھا اسی طرح بنایا۔

١٠ اجناس و اشخاص، اشیاء و مقادیر اور ان کی صفات، افعال اور آجال کو مقرر فرمایا۔

١١ اس طرح کہ تمام مخلوق کا رُخ ان افعال کی طرف موڑ دیا جو ان سے بالطبع یا بالاختیار صادر ہوتے ہیں یا اس کے معنی یہ ہیں کہ حق کی دریافت میں نصبِ دلائل اور انزالِ آیات کے ساتھ دُنیا و آخرت میں نتائج و امور کی شناخت کے علم کے ساتھ ان کو ہدایت دی۔

وَاَمَاتَ وَاَحْيٰى وَاَضْحَكَ وَاَبْكٰى وَاَقْرَبَ وَاَدْنٰى وَرَحِمَ
وَاَخْزٰى وَاَطْعَمَ وَاَسْقٰى وَاَسْعَدَ وَاَشْقٰى وَمَنَعَ وَاَعْطٰى
اَلَّذِىْ بِكَلِمَتِهٖ قَامَتِ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ الشِّدَادُ
بِهَا رَسَتِ الرَّوَاسِىْ وَالْاَوْتَادُ وَاسْتَقَرَّتِ الْاَرْضُ الْمِهَادُ

وہ ذات جس نے قلوب و اجسام کو زندگی اور موت دی۔ ہنسایا اور رلایا[12] بعض کو اپنی بارگاہِ فضل و رحمت کے قریب کیا اور بہت قریب کیا[13]۔ ایک پر مہربانی کی اور دوسرے کو رُسوا کیا۔ کھلایا اور پلایا[14]۔ ایک کو نیک بخت کیا اور دوسرے کو بدبخت۔ ایک پر بخشش فرمائی اور دوسرے کو محروم رکھا۔ جس کے حکم سے سات قوی اور مضبوط آسمان قائم ہیں[15]۔ پہاڑ ثابت و استوار ہیں جیسے پانی پر لنگر انداز ہوں اور میخوں کی طرح زمین میں گڑے ہوئے ہوں اور بچھے ہوئے فرشِ زمین نے آرام و قرار پایا ہے۔

---

١٢ لوگوں کو خوش کیا اور غمناک کیا۔

١٣ اَدْنٰی بمعنی اَقْرَبَ ہے اور اس کے معنی بہت زیادہ قریب کرنا بھی ہیں اور اگر اسے دناءۃ (ہمزہ کے ساتھ) سے مشتق مانیں تو بھی درست ہے۔ اس وقت معنی یہ ہوں گے کہ بعض کو ناکس اور پست رکھا اس طرح یہ اَقْرَبَ کے مقابل اور مقام کے مناسب ہوگا اور قرائن کے لحاظ سے بعید بھی نہیں ہے۔

١٤ جسمانی و روحانی طعام و شراب کے ساتھ سیر کیا۔

١٥ کہ مرورِ زمانہ ان میں اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

فَلَا مَقْنُوطًا مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلَا مَامُوْنًا مِّنْ مَّكْرِهٖ
وَغِيَرِهٖ وَاِنْفَاذِ قَضِيَّتِهٖ وَفِعْلِهٖ وَاَمْرِهٖ وَلَا مُسْتَنْكِفًا
عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا مَخْلُوًّا مِّنْ نِّعْمَتِهٖ فَهُوَ الْمَحْمُوْدُ بِمَا
جَنٰى وَالْمَشْكُوْرُ بِمَا زَوٰى۔

تو ذاتِ حق وعزّ وجل کی رحمت ومغفرت سے کوئی مایوس نہیں کیا گیا اور کوئی اس کی خفیہ تدابیر آزمائشوں اور آفتوں[16] سے، اس کے احکام اور فرمودات کے نفاذ اور جاری کرنے سے مامون نہیں ہے اور کوئی شخص اس کی بندگی سے ننگ وعار محسوس نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی نعمت سے کوئی خالی ہے۔ اس کی عطا اور نعمت سے نوازنے اور مہربانی فرمانے پر تعریف کی گئی ہے اور بلا ومحنت کے روک لینے پر شکریہ ادا کیا گیا ہے[17]۔

---

[16] غِيَرَ بکسر غین وفتح یا ہو تو یہ غِيَرَة کی جمع ہے نیز اس کی جمع اغیار بھی آتی ہے۔ بعض نسخوں میں مِنْ غَيْرَتِهٖ ہے غیرت کا معنی رشک۔ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر غیرت یہ ہے کہ وہ انہیں قربِ الٰہی سے دُور کرنے والی اور محرمات ومکروہات اشیاء سے ان کا ارتکاب کرنے پر قہر وابتلا نازل کر کے جزاء وعقاب دے کر ان کا ارتکاب کرنے سے انہیں روکے۔

[17] روکی اور باز رکھی جانے والی اشیاء سے مراد وہ ظاہری عطیات بھی ہو سکتے ہیں جو الطاف مخفیہ کو متضمن ہوں۔ یعنی اس کا ہر حال میں شکر ہے خواہ حالت نعمت ہو یا حالتِ مشقت۔ علماء فرماتے ہیں کہ حصولِ نعمت

ثُمَّ الصَّلٰوةُ عَلٰى نَبِيِّهٖ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفَى الَّذِیْ
مَنِ اتَّبَعَ مَا جَاءَ بِهٖ اهْتَدٰى وَمَنْ صَرَفَ عَنْهُ ضَلَّ
وَارْتَدٰى اَلنَّبِیُّ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ۔

اس کے بعد درود ورحمت[18] نازل ہو اللہ کے برگذیدہ نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ کہ جس شخص نے آپ کے لائے ہوئے دین کی اتباع کی وہ ہدایت پا گیا۔ اور جس شخص نے آپ سے اور آپ کے دین سے روگردانی کی وہ ہلاک ہو گیا۔ وہ صادق ومصدوق نبی ہیں[19]۔

کی طرح نزولِ بلا کے وقت کا وظیفہ بھی شکر ہے۔ کیونکہ یہ باطنی نعمتوں کو متضمن ہے۔ مگر چونکہ بلا کے وقت بندے کو دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے صبر کو شکر کا بدل قرار دیا گیا ہے۔

؎ بہنگام زحمت مشو ناامید
کہ ابر سیاہ بارد آبِ سفید

زحمت کے وقت ناامید نہیں ہونا چاہیے کیونکہ سیاہ بادل سفید پانی برساتے ہیں کیونکہ بندے کی شان ہے فِی الْعَطَاءِ شَاكِرٌ فِی الْبَلَاءِ صَابِرٌ کہ بندہ انعام پر شاکر اور مصیبت پر صابر ہوتا ہے۔

[18] بعض نسخوں میں الصلوٰۃ کے بعد السلام بھی ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ درود شریف پڑھتے وقت صلوٰۃ کے ساتھ سلام بھی ملانا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ ۳۳ آیت ۵۶ "ان پر درود اور اور خوب سلام بھیجو"۔ پر پوری طرح عمل ہو سکے۔

الزَّاهِدُ فِی الدُّنْیَا الطَّالِبُ الرَّاغِبُ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی الْمُجْتَبٰی
مِنْ خَلْقِهٖ الْمُنْتَخَبُ مِنْ بَرِیَّتِهٖ الَّذِیْ جَاءَ الْحَقُّ بِمَجِیْئِهٖ
وَزَهَقَ الْبَاطِلُ بِظُهُوْرِهٖ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِهٖ ثُمَّ
الصَّلَوَاتُ الْوَافِیَاتُ وَالْبَرَکَاتُ الطَّیِّبَاتُ الزَّاکِیَاتُ الْمُبَارَکَاتُ
عَلَیْهِ ثَانِیًا وَعَلَی الطَّیِّبِیْنَ مِنْ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ
وَالتَّابِعِیْنَ لَهُمْ بِاِحْسَانِ الْاَحْسَنِیْنَ لِرَبِّهِمْ فِعْلًا۔

دُنیا کی خواہش نہیں رکھتے[20] رفیقِ اعلیٰ[21] کے طالب اور اس کی طرف
راغب ہیں۔ وہ پروردگارِ عالم کی تمام مخلوق میں برگزیدہ اور تمام آفرینش
میں چُنے ہوئے ہیں جن کی آمد سے دینِ حق نے ثبات و قرار پایا اور آپ کے

یعنی جو چیز اللہ تعالیٰ نے عطا کی اور حضرت جبریل علیہ السلام لائے وہ راست
اور درست ہے۔ چنانچہ امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ع نے بہوا گفت کہ او راز گفت
کانچہ بگفتند بدو باز گفت

آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ اپنی خواہش سے نہیں فرمایا بلکہ جو کچھ حکم ملا وہی کہا۔
چونکہ آپ کی شان میں وارد ہے وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی "آپ اپنی خواہش
سے نہیں بولتے"۔

[20] دنیا کی نعمت و آسائش سے بے نیاز ہیں۔

[21] رفیق اعلیٰ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذاتِ کریم، ملائکہ اور انبیاءِ کرام علیہم السلام
ہیں حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال

ظہور سے باطل جاتا رہا[22] پھر آپ پر کامل و پاکیزہ برکتیں اور افزوں تر
آسائش ہمیشہ ہمیشہ ہو اور درود و سلام ہو آپ کی پاکیزہ آل و اصحاب
اور احسان کے ساتھ ان کی اتباع کرنے والوں پر جو اپنے کردار میں مخلوق
میں بہت زیادہ نیک، گفتار میں بہت ہی سچے اور راہِ مقصود تک رسائی اور
اس پر چلنے کے اعتبار سے بہت ہی درست ہیں[23]

شریف کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام آیا۔ کہ کیا آپ دُنیا میں رہنا
چاہتے ہیں۔ یا ہمارے پاس آنا پسند فرماتے ہیں؟ اگر دُنیا میں رہے تو
آپ کی مرضی کے مطابق سارے جہان کے خزانے آپ کے سامنے ڈھیر کر
دیئے جاتے ہیں اور آپ کے مرتبہ و مقام میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور اگر
ہمارے پاس تشریف لاؤ تو وہ علیحدہ بات ہے۔
اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:
اِخْتَرْتُ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی یعنی میں رفیقِ اعلیٰ وہاں آنا ہی پسند
کرتا ہوں۔

[22] مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکّہ کے دن دیوارِ کعبہ کے ساتھ
مضبوط باندھے ہوئے بتوں کی طرف چھڑی سے اشارہ فرماتے ہوئے یہ آیت
تلاوت فرمائی: جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ "حق آیا اور
باطل پاش پاش ہوگیا"۔
تو بُت دیوار سے اُکھڑ کر زمین پر آگرے۔

[23] یہاں صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ عنہم کی افضلیت تمام اُمّت کے
اعتبار سے بیان کی گئی ہے۔

وَالْاَقْوَمِيْنَ لَهٗ قِيْلًا وَالْاَصْوَبِيْنَ اِلَيْهِ طَرِيْقًا وَّسَبِيْلًا ثُمَّ
تَضَرُّعُنَا وَدُعَاۗئُنَا وَرُجُوْعُنَا اِلَيْهِ رَبُّنَا وَمُنْشِيْنَا وَخَالِقُنَا
وَرَازِقُنَا وَمُطْعِمُنَا وَمُسْقِيْنَا وَنَافِعُنَا وَحَافِظُنَا وَكَالِيْنَا
وَمُحْيِيْنَا وَالذَّابُّ وَالدَّافِعُ عَنَّا جَمِيْعَ مَا يُؤْذِيْنَا وَيَسُوْءُنَا
كُلُّ ذٰلِكَ بِرَحْمَتِهٖ وَتَحِيَّتِهٖ وَفَضْلِهٖ وَمِنَّتِهٖ بِالْحِفْظِ الدَّائِمِ
فِى الْاَقْوَالِ وَالْاَفْعَالِ فِى السِّرِّ وَالْاِعْلَانِ وَالْاِظْهَارِ
وَالْكِتْمَانِ وَالشِّدَّةِ وَالرَّخَاءِ وَالنِّعْمَةِ وَالْبَاْسَاۗءِ
وَالضَّرَّاۗءِ اِنَّهٗ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ وَالْحَاكِمُ
لِمَا يَشَاۗءُ الْعَالِمُ بِمَا يَخْفٰى

پھر ہر وقت ہماری تضرع و دعا اور جمیع اوقات و احوال میں ہمارا رجوع اس کی طرف ہے۔ جو ہمارا پروردگار اور عدم سے وجود میں لانیوالا ہے۔ ہمیں درست اندازے کے مطابق پیدا کرنے والا، کھلانے پلانے والا، نفع و نقصان دینے والا، آفات ظاہری سے محفوظ اور دُنیا و آخرت میں باطنی خطرات سے نگہبانی فرمانے والا ہے۔ حیاتِ جسمانی و روحانی کے ساتھ زندہ کرنے والا اور تمام رنجیدہ اور غمناک کرنے والی اشیاء کو ہم سے دُور اور دفع کرنے والا ہے۔

یہ تمام نعمتیں اس کی رحمت، مہربانی، بخشش اور احسان کرنے اور ہمیشہ حفاظت میں رکھنے سے ہیں۔ وہ گفتار و کردار، نہاں و آشکارا، اظہار و اخفاء، سختی و سستی، تنگی و فراخی اور نرمی و گرمی[24] میں حفاظت فرماتا ہے

۲۴ باساء اور ضراء دونوں کے معنی سخت حالت کے ہیں باساء باس بمعنی عذاب اور ضراء ضرّ بمعنی گزند سے مشتق ہے۔

وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جس چیز کے متعلق چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ دوسروں پر مخفی اشیاء کو جانتا ہے۔

اَلْمُطَّلِعُ عَلَى الشُّيُوْنِ وَالْاَحْوَالِ مِنَ الزَّلَّاتِ وَالطَّاعَاتِ
وَالْقُرُبَاتِ اَلسَّامِعُ الْاَصْوَاتِ الْمُجِيْبُ لِلدَّعَوَاتِ لِمَا يَشَاۗءُ لِمَنْ
يَّشَاۗءُ وَاَرَادَ مِنْ غَيْرِ تَنَازُعٍ وَّتَرَدُّدٍ ۝
اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ نِعَمَ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ كَثِيْرَةٌ مُّتَوَاتِرَةٌ
فِىْ اٰنَاۗءِ اللَّيْلِ وَاَطْرَافِ النَّهَارِ وَالسَّاعَاتِ وَاللَّحَظَاتِ
وَالْخَطَرَاتِ وَجَمِيْعِ الْحَالَاتِ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِنْ
تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى وَمَا بِكُمْ
مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ فَلَا يَدَانِ لِىْ وَلَا جَنَانَ وَلَا لِسَانَ
فِىْ اِحْصَاۗئِهَا وَاِعْدَادِهَا فَلَا يُدْرِكُهَا التَّعْدَادُ ۔

لغزشوں، طاعتوں، عبادتوں اور ہر حال و ہر کام سے واقف ہے۔ آوازوں کو سُنتا ہے بغیر کسی نزاع و تردد کے جس شخص کے لیے جس چیز کے متعلق ارادہ کرتا ہے اس کی دُعا قبول فرماتا ہے[25]۔

[26] حمد و صلوٰۃ اور تضرع و دُعا کے بعد میں کہتا ہوں کہ رات[27] دن کی ہر ساعت، ہر لحظہ، ہر خطرۂ دل اور ہر حال میں پے در پے بندوں پر اللہ

۲۵ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز لازم اور واجب نہیں ہے۔ دُعاؤں کو قبول کرنا اس کی مشیت اور فضل و کرم پر موقوف ہے۔

۲۶ بعض نسخوں میں اس طرح ہے فَاِنَّ نِعَمَ اللّٰهِ عَلَيَّ كَثِيْرَةٌ کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ انعامات ہیں۔ یہ بعد والے کلام کے زیادہ مناسب ہے۔

تعالیٰ کی بہت ہی نعمتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (س۱۴ - آیت ۳۴) اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے۔ نیز فرمایا: وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (س۔ آیت) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شمار کرنے کے لیے نہ مجھ میں طاقت ہے اور نہ ہی دل اور زبان کو یہ قوت حاصل ہے کہ اس سلسلہ میں کام آسکیں۔ ان نعمتوں کی گنتی نہیں ہو سکتی۔

وَلَا تُضْبِطُهَا الْعُقُوْلُ وَالْاَذْهَانُ وَلَا يُحْصِيْهَا الْجَنَانُ وَلَا يُعَبِّرُهَا
اللِّسَانُ فَمِنْ جُمْلَةِ مَا مَكَّنَ مِنْ تَعْبِيْرِهَا اللِّسَانَ وَاِظْهَارِهَا
الْكَلَامَ وَكَتْبِهَا الْبَنَانَ وَتَفْسِيْرِهَا الْبَيَانَ كَلِمَاتٍ بَرَزَتْ
وَظَهَرَتْ لِيْ مِنْ فُتُوْحِ الْغَيْبِ فَحَلَّتْ فِي الْجَنَانِ فَاشْتَغَلَتِ
الْمَكَانَ فَانْتَجَهَا وَاَبْرَزَهَا صِدْقُ الْحَالِ فَتَوَلَّى اِبْرَازَهَا لُطْفُ
الْمَنَّانِ وَرَحْمَةُ رَبِّ الْاَنَامِ فِيْ قَالِبِ صَوَابِ الْمَقَالِ مُحَجَّةً
لِمُرِيْدِي الْحَقِّ وَالطُّلَّابِ فَمِنْ ذٰلِكَ قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ
تَعَالٰى عَنْهُ

عقول اور اذہان ان سا ضبط نہیں کر سکتے۔ دل احاطہ کرنے سے عاجز اور زبان بیان کرنے سے قاصر ہے۔ تو ان تمام نعمتوں میں سے جن کی تعبیر کے لیے زبان کو۔ اظہار کے لیے کلام کو۔ لکھنے کے لیے انگلیوں کو اور ان کی تفسیر و تشریح کے لیے بیان کو اللہ تعالیٰ نے قدرت بخشی اور فتوح الغیب سے ظاہر ہونے

۲۷ ساعتِ وقت زمانہ کے موجودہ حصہ کو کہتے ہیں لحظہ کا معنی ہے بدنبال چشم نگریستن آنکھ کے پچھواڑے سے دیکھنا اور خاطر کا معنی ہے دل میں گذرنے والا اندیشہ۔

والے کلمات سے کچھ یہ ہیں جو حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائے کہ وہ عالم غیب کی فتوح سے مجھ پر ظاہر ہوئے اور لوگوں کے قلوب میں بیٹھ گئے اور مکان کو بھر دیا[۲۸] پھر حال و قال کی موافقت ظہور پذیر ہوئی[۲۹] تو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص نعمتِ حفاظت سے ان کلمات کو ظاہر (بہ نوک لسان و قلم) لانے کی توفیق بخشی اور مخلوقات کے پروردگار کی رحمت یہ ہوئی کہ صحتِ گفتار میں غلطی نے راہ نہ پائی اور مریدین و طالبانِ راہ حقیقت کو درمیانی راہ کے قریب تر لانے کی طرف حجت ٹھہری۔ حضرت شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور شیخ کو اپنے سے راضی کر دے۔

---

۲۸ یعنی سارے دل کا احاطہ کر لیا۔
۲۹ یعنی صحت حال اور صدقِ مقال جمع ہو گئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

المقالۃ الاولیٰ

لَا بُدَّ لِكُلِّ مُؤْمِنٍ فِيْ سَائِرِ اَحْوَالِهٖ مِنْ ثَلٰثَةِ اَشْيَاءَ
اَمْرٌ يُّمْتَثِلُهٗ وَنَهْيٌ يَّجْتَنِبُهٗ وَقَدَرٌ يَّرْضٰى بِهٖ فَاَقَلُّ حَالَةٍ
لَا يَخْلُو الْمُؤْمِنُ فِيْهَا مِنْ اَحَدِ[1] هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ الثَّلٰثَةِ۔

مقالہ نمبر ۱: مومن کے لیے ضروری چیزیں: حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر مومن کے لیے تمام احوال میں تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کا حکم بجالائے اور اس کی اتباع کرے۔

(۲) شریعت کے ممنوعہ افعال سے مکمل احتراز اختیار کرے۔

(۳) تقدیرِ الٰہی پر راضی رہے۔

مومن کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ ان تینوں چیزوں میں کسی ایک[1] سے بھی کبھی بھی تہی دامن نہ رہے[2]۔

---

[1] بعض نسخوں میں لفظ "اَحَدٍ" نہیں ہے اور یہ زیادہ ظاہر ہے۔

[2] **قضا و قدر کی تحقیق** قَدَر دال کے فتح اور سکون کے ساتھ دونوں طرح درست ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے امور کے متعلق جو فیصلہ اور حکم فرمادیا ہے وہ قدر ہے۔ لغات کی کتاب "صراح" میں ہے کہ قدر حرکت و سکون سے دونوں طرح ہو سکتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان

پر جو حکم مقرر فرمادیا ہے وہ قدر ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے قضا و قدر ایک ہی چیز ہیں۔ بعض حضرات نے ان دونوں میں فرق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ازلی قضا ہے اور آئندہ اس حکم کا وقوع قدر ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے قضا قدر پر مقدم ہے کبھی اس کے برعکس بھی اطلاق کرلیتے ہیں کہ قدر سے مراد تقدیر ازلی ہے اور قضا سے مراد اس تقدیر ازلی کے مطابق پیدا کرنے اور ظاہر کرنے کا حکم دینا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قضا و قدر حکم کے اعتبار سے ازلی ہیں اور دونوں ایک ہی چیز ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ قضا کا تعلق اسباب کلیہ مثلاً کواکب، عناصر اور ملائکہ وغیرہ کے ساتھ ہے اور قدر کا تعلق ان اسباب کلیہ پر مرتب ہونے والے اور ان کے ساتھ متعلق حوادثات کے ساتھ ہے۔

فَيَنْبَغِيْ لَهٗ اَنْ يَّلْزَمَ هَمَّهَا قَلْبُهٗ وَلْيُحَدِّثْ بِهَا نَفْسَهٗ
وَيَاْخُذُ الْجَوَارِحَ بِهَا فِيْ سَائِرِ اَحْوَالِهٖ۔

لہٰذا ایک مومن کی یہی شان ہے کہ وہ ان تینوں کو واجب قرار دیکر ہمیشہ ان کا قصد کرتا رہے انہیں اپنے نفس کے سامنے بیان کرتا رہے[3] اور اپنے اعضاء و جوارح کو ہر وقت ان میں مصروف و مشغول رکھے[4]۔

---

[3] کہ ہمیشہ اپنے باطن میں ان کی تکرار و اعادہ اور ان کے متعلق غور و فکر کرتا رہے۔

[4] **امر کی قسمیں** واضح ہو کہ امر کی دو قسمیں ہیں: (۱) امر ارادی (۲) امر تشریعی۔ امر تشریعی میں وظیفۂ عبودیت حکم کی بجاآوری ہے اور امر ارادی میں تسلیم و رضا ہے۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے قول اَمْرٌ يَّمْتَثِلُهٗ وَنَهْيٌ يَّجْتَنِبُهٗ سے قسم اول کی طرف اور قَدَرٌ يَّرْضٰى بِهٖ سے دوسری قسم کی طرف اشارہ کردیا۔ اسلام اور طریقۂ سلوک کے تمام مذاہب کا خلاصہ یہی دو چیزیں ہیں۔

المقالة الثانية ۲

وَاتَّبِعُوْا وَلَا تَبْتَدِعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَلَا تَمْرُقُوْا وَوَحِّدُوْا وَلَا
تُشْرِكُوْا وَنَزِّهُوا الْحَقَّ وَلَا تَتَّهِمُوْا وَصَدِّقُوْا وَلَا تَشُكُّوْا
وَاصْبِرُوْا وَلَا تَجْزَعُوْا وَاثْبُتُوْا وَلَا تَنْفِرُّوْا وَاسْئَلُوْا
وَلَا تَسَامُوْا

مقالہ ۲ : نیکیوں کی ترغیب :- حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : سنّت کی پیروی کرو اور بدعات[1] سے احتراز کرو۔ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں مشغول رہو اور ان کے احکام سے روگردانی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کو یکتا جانو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ[2]۔

ہر ناپسندیدہ فعل اور نقص سے اسے پاک جانو اور بارگاہ الوہیت وحمدیت کے نامناسب باتیں کر کے اس پر بہتان طرازی نہ کرو۔ دینِ اسلام کی حقانیت پر یقین رکھو اور شک وشبہ میں نہ پڑو۔ مصائب وآلام پر صبر کرو اور گھبراؤ نہیں۔ ثابت قدم رہو اور راہِ فرار اختیار نہ کرو۔ خدا سے سوال کرنے کو بُرا نہ سمجھو اور پریشان نہ ہو[3]۔

---

۱ یعنی جس چیز کی اصل دین میں موجود نہ ہو۔

۲ یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ جہاں میں سب کچھ اس کے ارادہ وقدرت سے ہورہا ہے اور حقیقی طور پر اس کے سوا کوئی قادر ومتصرف نہیں ہے۔
یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور

جس کا ارادہ کرتا ہے حکم دیتا ہے۔

۳ **سوال افضل ہے یا خاموشی** | یعنی بتقاضائے طبیعت وبشریت کے حصول مطلوب میں تاخیر کی وجہ سے سوال کرنے سے ملول نہ ہو۔ لیکن بارگاہِ ربّ العزت کی ہیبت وادب کے پیش نظر یا یہ سمجھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے احوال سے واقف ہے اور تسلیم قضا کی وجہ سے سوال نہ کرنا یہ ایک الگ مقام ہے جو کہ سوال وطلب سے بلند تر ہے۔ صوفیاء اس سلسلہ میں مختلف ہیں کہ سوال وطلب راجح ہیں یا ادب کے پیش نظر خاموشی اختیار کرنا۔ مختار یہی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ وقت کے تقاضے کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ ان میں سے راجح کا علم بروقت حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ مسئلہ آئندہ مقالات میں خوب وضاحت کے ساتھ بیان ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

وَانْتَظِرُوْا وَتَرَقَّبُوْا وَلَا يَتَسَاَسُوْا وَتَوَخُّوْا وَلَا تَعَادُوْا وَاجْتَمِعُوْا
عَلَى الطَّاعَةِ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا وَتَحَابُّوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا
وَتَطَهَّرُوْا عَنِ الذُّنُوْبِ وَبِهَا لَا تَتَدَنَّسُوْا وَلَا تَلَطَّخُوْا
وَبِطَاعَةِ رَبِّكُمْ فَتَزَيَّنُوْا وَعَنْ بَابِ مَوْلٰكُمْ فَلَا تَبْرَحُوْا

قبولیت دعا اور عطا کا اثر ظاہر ہونے کے وقت کے منتظر رہو۔ اُمید رکھو[4]۔ اور مایوس نہ ہو[5]۔ باہم بھائی بھائی بن کر رہو اور دشمن نہ بنو۔ خدا کی بندگی کے

---

۴ اور جلد بازی سے کام نہ لو۔

۵ کیونکہ قبولیتِ دُعا کا وعدہ برحق ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انتظار سے مراد راہِ مقصود کی طرف متوجہ رہنا ہو کہ اسی ساعت مقصود حاصل ہو جائے اور محبوب دروازے سے اندر جلوہ فرما ہو۔

لیے اکٹھے رہو اور جماعت سے نہ نکلو۔ خدا کی رضا کی خاطر آپس میں محبت رکھو اور نفس کی خاطر بغض و عداوت نہ رکھو۔ گناہوں سے مکمل پرہیز کرو اور خود کو ان کے ساتھ آلودہ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی سے خود کو آراستہ کرو اور اس کے دروازے سے پیچھے نہ ہٹو۔[6]

وَعَنِ الْاِقْبَالِ عَلَيْهِ فَلَا تَتَوَلَّوْا وَبِالتَّوْبَةِ فَلَا تُسَوِّفُوْا عَنِ
الْاِعْتِذَارِ اِلٰى خَالِقِكُمْ فِيْ اٰنَاءِ اللَّيْلِ وَاَطْرَافِ النَّهَارِ فَلَا
تَمَلُّوْا فَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْا وَتُسْعَدُوْا وَعَنِ النَّارِ

اس کی طرف متوجہ رہنے سے اعراض[7] نہ کرو اور گناہوں سے توبہ کرنے اور غفلت چھوڑنے میں تاخیر نہ کرو۔

رات دن کے کسی حصہ میں استغفار و عبادات کے ساتھ گناہوں اور کوتاہیوں سے معافی مانگنے کو طبیعت پر بوجھ نہ جانو۔ پھر شاید تمہیں رحمت و سعادت سے نوازا جائے۔ آتش دوزخ سے دُور اور بہشت میں عزت و انعام کے ساتھ مسرور کیا جائے۔[8]

ے مدام یاد تو در جان اگر است مرا
ہمیشہ دیدۂ امید در رہست مرا

اگر میرے دل میں تمہاری یاد رہتی ہے تو میری پُر اُمید نگاہیں راہ پر لگی رہتی ہیں۔

[6] یہ دوام حضور اور اس کی طرف ہمیشہ التجا کرتے رہنے کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن اگر اطاعت کا اثر ظاہر نہ بھی ہو تو ملول نہیں ہونا چاہیے اور پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے۔

[7] اگرچہ مصائب و آلام نازل ہو رہے ہوں،

ے بہر جور کہ آں مہ میکند از جام روحی
کہ دلداری مرا شاید کہ مقصود امتحان باشد

تُبْعَدُوْا وَفِي الْجَنَّةِ تُحْبَرُوْا وَاِلَى اللّٰهِ تُوْصَلُوْا وَبِالنَّعِيْمِ
وَافْتِضَاضِ الْاَبْكَارِ فِيْ دَارِ السَّلَامِ تَشْغَلُوْا وَعَلٰى ذٰلِكَ
اَبَدًا تَخْلُدُوْا وَعَلَى النَّجَائِبِ تَرْكَبُوْا وَبِحُوْرِ الْعِيْنِ وَاَنْوَاعِ الطِّيْبِ
وَصَوْتِ الْقِيَانِ مَعَ ذٰلِكَ النَّعِيْمِ تُحْبَرُوْا۔

اور تمہیں وصال خداوندی میسر آجائے اور دار السلام (جنت) میں تمہیں نازونعمت اور کمال و احسان کے ساتھ پاکیزہ کنواریوں[9] سے سرفراز کر دیا جائے اور مذکورہ نعمتوں میں ابدیت و مداومت شامل ہو۔ اور تمہیں اعلیٰ ترین گھوڑوں پر سواریوں کا شرف عطا کیا جائے۔ سفید و سیاہ کشادہ چشم لمبی پلکوں والی خوبرو سیمیں جسم، حوروں، عمدہ خوشبوؤں، خوش گلو لونڈیوں۔

وہ ماہ جس قدر بھی جفا کرے تم اپنی جگہ سے ہرگز نہ ہٹو، کیونکہ ممکن ہے کہ اس سے محبوب کا مقصود امتحان لینا ہو۔

[8] **مقصود حقیقی** | قرآن حکیم میں ہے: فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ (س ۔ آیت ۔) پس وہ باغ میں خوش کیے جائیں گے۔

جنت کی تمام نعمتوں، مسرتوں اور عظمتوں میں اصل چیز اور دخول جنت سے مقصود حقیقی اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا دیدار ہے۔

ے رفت بر بوئی سر زلف تو حقی بچمن
ورنہ کے بوئی نسیم سحری بود غرض

[9] **ایک وہم کا ازالہ** | اسے جنت کی عمدہ نعمتوں میں شمار کیا جاتا ہے جیسا کہ یہ دنیا میں غرائب لذات سے ہے۔ یہ بھی ان مقامات میں سے ہے جہاں کوتاہ اندیش لوگوں کی عقل اس کے کمال کی حقیقت سے محجوب و مستور

وَمَعَ الْاَنْبِیَآءِ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِیْنَ

فِیْ عِلِّیِّیْنَ تُرْفَعُوْا

اور دوسری نعمتوں[۱] کے ساتھ خوش[۱۱] کر دیا جائے اور تم صدیقین، شہدا اور صالحین کے ساتھ مقامِ علیّین میں درجاتِ رفیعہ اور مراتبِ عَلیّہ پر فائز کر دیئے جاؤ۔[۱۲]

ہے۔ مباشرت و جماع کو بصورتِ نقصان تصور کرتے ہوئے اس میں مشغول لوگوں کو اربابِ لہو و لعب قرار دیتے ہیں۔ یہ کم فہمی اور رہبانی کج طبعی کا نتیجہ ہے جبکہ تمام لوگ اس پر فخر و مباہات کرتے چلے آئے ہیں۔ انبیاء و رُسل علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بھی یہ کام کیا ہے۔ حضرت سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک ہی اس کے حُسن ہونے پر حجت و سند کافی ہے۔

اور ظہورِ عالم کی علت غائیہ فعل و انفعال اور تاثیر و تاثر کی حقیقت جامعہ جس قدر اس فعل میں پائی جاتی ہے۔ وہ دوسرے کسی فعل میں موجود نہیں ہے اور خود جنت کی حسی لذتیں اور نعمتیں معنوی و عقلی صفات و کمالات کا پرتو اور مظہر ہیں ان کو لذاتِ دنیا پر قیاس نہیں کر سکتے۔ ہاں اہل ذوق و وجدان عرفاء کے حق میں یہ بات متصور ہو سکتی ہے۔

۱۰ جو اس جہان میں میسر آئیں گی اور ان کی صفات کی کنہ تک رسائی ممکن نہیں۔

۱۱ تُحْبَرُوْا اگر حاء کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی ہیں خوش کر دیا جائے گا اور اگر تُجْبَرُوْا جیم کے ساتھ ہو بشرطیکہ یہ روایت جو صحت تک پہنچ جائے تو اس کے معنی ہوں گے کہ تمہارے نقصان کو پورا اور تمہاری حالت کو درست کر دیا جائے۔

۱۲ ولایت ظلّ نبوت ہے اور مقام غوث اعظم رضی اللہ عنہ | واضح ہو کہ یہ کلام حضرت

خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص میں سے مرتبۂ جَوَامِعَ الْکَلِمِ "مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے ہیں" کی نورانیت کا عکس اور پرتو ہیں۔ ان کلمات میں ہر جملہ جامع، راہ قرب و وصول کے سالکین کے لیے دستور العمل اور قاعدہ کلیہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب ولایت ظلِّ نبوت ہے تو جو چیز اصل میں موجود ہو گی وہ ظل میں بھی ظاہر ہو گی۔ خصوصاً حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی ولایت کبریٰ جو کہ حضرت سید المرسلین علیہ السلام کی ذاتِ نبوت کا عکسِ تام ہے اور آپ کے آفتابِ کمال کا لازوال نور ہے۔ حضرت غوث اعظم نے جو فرمایا ہے وہ زبانِ نبوت کا کلام ہے جو کہ صدیقین کا منصب و مقام ہے۔

كَلَامُ الْمُلُوْكِ مُلُوْكُ الْكَلَامِ۔ کلامِ امام - امامِ کلام۔

ذرا اس بات کا اندازہ تو کرو کہ جب حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ اپنے باطنی تصرف اور جاہ و جلال کے ساتھ ملک الموت کی پوشیدہ ہستیوں کی موجودگی میں حاضرینِ محفل کے سامنے یہ کلمات ارشاد فرما رہے ہوں گے۔ تو کس قدر ان کے قلوب میں انجذاب و نورانیت پیدا ہو رہی ہو گی اور کتنے مُردہ جسموں میں جان آ گئی ہو گی اور دیدارِ الٰہی کے شوق میں کتنے ہی جان فدا کرنے والوں کے جنازے اُٹھائے گئے ہوں گے۔ بلکہ حیاتِ حقیقی کے ساتھ زندہ ہو گئے ہوں گے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔

ے (۱) اے لفظِ خوش تو موج دریائے کمال

عالم ز جواھرِ سخنت مالا مال

(۲) یک لفظ تو با ہزار معنی دربر
اُوتِیتُ جَوَامِعَ الْکَلِم راست مثال
(۳) گہ زندہ کنی ہزار جان در نفسے
گہ جان بری از کرشمہ و ناز بسے
(۴) یُحْیِیُ وَیُمِیتُ ما توئی در عالم
در ہر دو جہاں جز تو نداریم کسے

(۱) اے محبوب! آپ کا مبارک کلمہ دریائے کمال کی ایک موج ہے اور ایک جہاں آپ کے ارشادات کے جواہر سے مالا مال ہے۔

(۲) آپ کے ایک ایک لفظ میں ہزارہا معانی پوشیدہ ہیں اور اُوتِیتُ جَوَامِعَ الْکَلِم کی صحیح تصویر ہیں۔

(۳) کبھی ایک سانس میں ہزاروں مُردہ دلوں کو زندہ فرما دیتے ہیں اور کبھی ناز و انداز میں آکر کتنوں کی جان لے لیتے ہو۔

(۴) ہمارے لیے (دلوں کو) زندہ کرنے اور (نفوس کو) مارنے والے آپ ہی ہیں اور مخلوقات میں آپ کے سوا ہمارا اور کوئی نہیں ہے۔

یاد رہے کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ دراصل دیارِ عجم کے باشندہ تھے ابتداءِ شباب میں ہی طلبِ صادق کی رہبری میں بغداد تشریف لے گئے۔ علومِ ظاہری و باطنی کی تحصیل فرمائی اور ان علوم کی تقریر و تعبیر کی وجہ سے ذُوالِلسَانَیْنِ وَالْبَیَانَیْنِ کے لقب سے ملقب ہو کر تمام اہلِ علاقہ پر فائق ہو گئے۔ کسبی اور موروثی حسن و ملاحت کی وجہ سے ملک عرب کے شیر دل لوگوں کو شکار کر لیا اور اپنی ولایت کے غلبہ سے تمام اہلِ دیار کو مسخر کرتے ہوئے اولیاءِ وقت کی گردنوں پر قدم مبارک رکھا۔

اس مضمون کو آپ کے شیدائی و فدائی، وقت بے وقت آپ کی بارگاہ کے مقبول و محرم، صاحبِ قدر عالی و مرتبتِ متعالی حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ نے لباسِ مجاز میں اپنے خلوت نشینوں کو جلوہ دیتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا:

(۱) آن ترکِ عجم چوں زمے حسن طرب کرد
بر پشت سمند آمدہ و صیدِ عرب کرد
(۲) چوں کاکل ترکانہ برانداخت زمستی
غارت گری کوفہ و بغداد و حلب کرد
(۳) خوباں کہ زخوبی چو گُلے و لالہ نمودند
نازاں ہمہ را زیرِ قدم کرد عجب کرد
(۴) داری خبرے اے مہِ جیلی! کہ معالی
بر یاد تو القادر قادر ہمہ شب کرد

(۱) اس ترکِ عجم نے شرابِ محبت سے مست ہو کر کیا خوب طرب دکھایا۔ عمدہ گھوڑے پر سوار ہو کر عرب کو شکار کر لیا۔

(۲) جب عجمی زلفوں کو مستی میں آکر چہرۂ انور سے اٹھایا تو کوفہ، بغداد اور حلب تک غارت گری کی۔

(۳) گل و لالہ کی طرح دکھائی دینے والے خوبرو نازنینوں کو زیرِ قدم لا کر کیا ہی عجب کیا۔

(۴) اے ماہِ جیلاں! ابوالمعالی کی خبر لینا جو آپ کی یاد میں ساری رات قادر قادر پکارتا ہے۔

اپنی فریفتگیِ عاشقی کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:-

این قاید اگر از حسن رخت شیدا بود
بوالمعالیست کر بر حسن تو شیدا تر ازوست

قاید اگر آپ کے حسن وجمال کا شیدائی ہے تو ابو المعالی اس سے بڑھ کر آپ کے حسن پر فدا ہے۔

قاید آنجناب رضی اللہ عنہ کے جمالِ باکمال کے عاشقوں، مخلص مریدوں اور مقبولانِ بارگاہِ رب العزت سے ہوئے ہیں۔ ان کے بارے میں آپ نے فرمایا: هُوَ مُؤَيَّدُ الْحَضْرَتِ، کہ انہیں حضرت غوثِ اعظم علیہ الرحمۃ کی تائید حاصل ہے۔

المَقَالَةُ الثَّالِثَةُ

وَقَالَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَاِذَا ابْتُلِيَ الْعَبْدُ بِبَلِيَّةٍ تَحَرَّكَ
اَوَّلًا فِيْ نَفْسِهٖ بِنَفْسِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَتَخَلَّصْ مِنْهَا اسْتَعَانَ
بِغَيْرِهٖ مِنَ الْخَلْقِ كَالسَّلَاطِيْنِ وَاَرْبَابِ الْمَنَاصِبِ وَاَبْنَاءِ
الدُّنْيَا وَاَصْحَابِ الْاَمْوَالِ وَاَهْلِ الطِّبِّ فِي الْاَمْرَاضِ
وَالْاَوْجَاعِ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فِيْ ذٰلِكَ خَلَاصَةً رَجَعَ حِيْنَئِذٍ
اِلٰى رَبِّهٖ عَزَّوَجَلَّ بِالدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ وَالثَّنَاءِ فَمَا دَامَ
يَجِدُ عِنْدَ نَفْسِهٖ نُصْرَةً لَّمْ يَرْجِعْ اِلَى الْخَلْقِ وَمَا دَامَ
يَجِدُ عِنْدَ الْخَلْقِ نُصْرَةً لَّمْ يَرْجِعْ اِلَى الْخَالِقِ۔

مقالہ ۳ ابتلاء: حضرت فرماتے ہیں کہ بندے کو جب کسی بڑی مصیبت میں مبتلا کرکے آزمایا جاتا ہے تو وہ اس سے رہائی کے لیے اوّلاً اپنی ہمّت وطاقت صَرف کرتا ہے۔ اگر اس طرح رہائی حاصل نہ کرسکے تو دوسرے لوگوں مثلاً سلاطین و اشراف قدرت و منزلت کے مالک دنیادار اور صاحبِ ثروت حضرات سے مدد طلب کرتا ہے۔ اور اگر ان ذرائع سے بھی اس رنج وبلا سے چھٹکارا حاصل نہ کرسکے تو پھر اللہ رب العزت کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ دُعائیں مانگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تضرع اور زاری کرتا ہے اور اس کی صفاتِ لُطف وکرم بیان کرکے تعریفیں

کرتا ہے[2]۔ اولادِ آدم کا یہی طریقہ ہے کہ جب تک خود مقابلہ کر سکتا ہو اس وقت تک دوسروں کے دروازے پر نہیں جاتا اور ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور جب تک مخلوق سے تعاون حاصل رہے خالق کی بارگاہ سے دُور رہتا ہے[3]۔

ثُمَّ اِذَا لَمْ یَجِدْ عِنْدَ الْخَالِقِ نُصْرَۃً اِنْطَرَحَ بَیْنَ یَدَیْہِ مُدِیْمًا
لِلسُّوَالِ وَالدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ وَالثَّنَاءِ وَالْاِفْتِقَارِ مَعَ الْخَوْفِ مِنْہُ
وَالرَّجَاءِ ثُمَّ یُعْجِزُہُ الْخَالِقُ عَزَّوَجَلَّ عَنِ الدُّعَاءِ وَلَمْ یُجِبْہُ حَتّٰی
یَنْقَطِعَ عَنْ جَمِیْعِ الْاَسْبَابِ فَحِیْنَئِذٍ یَنْفُذُ فِیْہِ الْقَدْرُ وَیَفْعَلُ فِیْہِ
الْفِعْلُ فَیَفْنٰی الْعَبْدُ عَنْ جَمِیْعِ الْاَسْبَابِ وَالْحَرَکَاتِ فَیَبْقٰی رُوْحًا۔

اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد نہیں[4] پاتا تو اس کی بارگاہ میں سوال و دُعا تضرع و ثنا اور اظہار احتیاج کرتے ہوئے گر پڑتا ہے۔ اور قہر خداوندی سے خائف ہونے کے ساتھ لطف خداوندی کا امیدوار بھی رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے دُعا کرنے سے عاجز کر دیتا ہے[5] اس کی دُعا کو شرفِ قبولیت نہیں بخشتا حتیٰ کہ وہ تمام

---

[1] اور اپنی طرف سے اس مصیبت کو دُور کرنے اور اس سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے علاج معالجہ کرتا ہے۔
[2] اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف بھی بطریقِ تعریض و کنایہ سوال و دُعا کی ایک قسم ہے۔
[3] گویا کہ اس کلام میں انسان کے حال کی شکایت اور اس کی جہالت و نادانی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اگر اس کے پاس علم و معرفت کی دولت ہوتی تو ابتداءً ہی بارگاہِ رب العزت کی طرف رجوع کرتا۔

اسباب سے منقطع ہو کر رہ جاتا ہے۔ تو اس وقت[6] بندے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم اور قضاء وقدر نافذ ہوتے ہیں اور تقدیر اس پر اپنا کام کرتی ہے تو بندہ تمام حرکات، تدابیر اور تعلقات سے فانی ہو جاتا ہے[7]۔ اور بندہ محض روح کی صورت میں باقی رہ جاتا ہے[8]۔

---

[4] کہ اللہ تعالیٰ رجوع میں تاخیر کی وجہ سے بطور سزا امداد روک لیتا ہے یا کسی مصلحت کے پیش نظر آدمی کو اسباب و تعلقات سے منقطع کر دیتا ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔
[5] یا عاجز پاتا ہے کیونکہ اعجاز کا معنی عاجز کرنا بھی ہے اور عاجز پانا بھی۔
[6] جب اسباب نظر سے گر جاتے ہیں اور انقطاع الی اللہ حاصل ہو جاتا ہے۔
[7] یا فانی کر دیا جاتا ہے یَفْنِی اور یُفْنٰی معروف و مجہول دونوں طرح درست ہے۔
[8] اس سے اوصاف بشریت ہوا و ہوس اور آرزو و خواہش نکل جاتے ہیں اور رُوح کی خصال آجاتی ہیں مثلاً خورد و نوش، نیند اور دیگر حرکات جسمانی نہیں رہتیں اور اس کا قوام ذکرِ خدا کے ساتھ ہوتا ہے اور محسوسات سے انس و سکون وغیرہ صفات جسمانیہ و بشریہ خارج ہو جاتی ہیں۔ ان کی جگہ ان کی اضداد صفاتِ روحانیت و ملکیت لے لیتی ہیں بندہ ارواح و ملائکہ سے ملاقات کرتا ہے اور مبدءِ فیاض اللہ تعالیٰ سے متصل ہو جاتا ہے۔

فَقَطْ فَلَا یَرٰی اِلَّا فِعْلَ الْحَقِّ عَزَّ وَجَلَّ فَیَصِیْرُ مُوْقِنًا مُوَحِّدًا
ضَرُوْرَۃً فَیَقْطَعُ اَنْ لَّا فَاعِلَ عَلَی الْحَقِیْقَۃِ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا مُحَرِّکَ
وَلَا مُسَکِّنَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا خَیْرَ وَلَا شَرَّ وَلَا ضَرَّ وَلَا نَفْعَ وَلَا خَیْرَ
وَلَا عَطَاءَ وَلَا مَنْعَ وَلَا فَتْحَ وَلَا غَلْقَ وَلَا مَوْتَ وَلَا حَیٰوۃَ وَلَا عِزَّ
وَلَا ذُلَّ وَلَا غِنٰی وَلَا فَقْرَ اِلَّا بِیَدِ اللّٰہِ۔

وہ خدا کے احکام کے سوا کچھ نہیں دیکھتا[9] اور اضطراری طور پر صاحبِ یقین اور موحّد بن جاتا ہے[10]۔ اور وہ جزم کر لیتا ہے اور یقین و شہود کے ساتھ معلوم کر لیتا ہے کہ موجودات[11] میں اللہ کے سوا کوئی خالق اور متصرف حقیقی نہیں ہے حرکت و سکون کا خالق، خیر و شر نفع و نقصان کا مالک وہی ہے اور وہ یہ بھی معلوم کر لیتا ہے کہ عطا کرنا یا نہ کرنا، کھولنا اور بند کرنا، موت و حیات، عزت و ذلت اور تونگری اور محتاجی اس کی قدرت میں ہیں اور اسی کے فعل سے متعلق ہیں۔

---

۹ یعنی جب صفائی باطن اور نورانیت قلب پیدا ہو جائے اور حقیقتِ کار منکشف ہو جائے تو بندہ فعلِ حق کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔

۱۰ یعنی اگرچہ نظر و فکر سے بھی فاعلِ حقیقی اور مؤثر تحقیقی کی پہچان ہو سکتی ہے کہ وہ واجب الوجود اور قادرِ مطلق ذات ہے۔ مگر اس مقام پر بلا اختیارِ نظر و فکر بطریق ہدایت و وجدان اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے کیونکہ بندے کی ذات اس کا وجود اسباب و آلات اور مبادیٔ فعل سب اس کی طرف سے ہیں۔ بندے کی قدرت کا اس میں دخل نہیں ہے کیونکہ جو کچھ بھی بندے سے صادر ہو رہا ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

ثَبِّتِ الْجِدَارَ ثُمَّ النَّقْشَ۔ کہ پہلے دیوار کھڑی کرو پھر نقش و نگار بناؤ۔

فَیَصِیْرُ حِیْنَئِذٍ فِی الْقَدَرِ کَالطِّفْلِ الرَّضِیْعِ فِیْ یَدِ الظِّئْرِ
وَالْمَیِّتِ الْغَسِیْلِ فِیْ یَدِ الْغَاسِلِ وَالْکُرَۃِ فِیْ صَوْلَجَانِ الْفَارِسِ
یُقَلَّبُ وَیُغَیَّرُ وَیُبَدَّلُ وَیُکَوَّنُ وَلَا حَرَاکَ بِہٖ فِیْ نَفْسِہٖ۔

تو اس وقت بندہ قضاء و قدر کے اس مقام پر پہنچ کر ایسے ہو جاتا ہے جیسے طفل شیر خوار[12]۔ دایہ کے ہاتھ میں، یا غسل دینے والوں کے ہاتھوں میں مردہ[13]، اور چوگان سوار کے سامنے گھومتی ہوئی گیند[14] ہوا کرتی ہے۔ کہ وہ اسے ایک حالت سے دوسری حالت پر ایک وضع سے دوسری وضع پر اور ایک فعل سے دوسرے فعل کی طرف پھراتا جاتا ہے اور اسے اپنے اور غیر کے حق میں کسی قسم کی حرکت پر قدرت نہیں ہوتی۔

چیزے کہ وجود او بخود نیست
ہستیش نہاد از خرد نیست

جس چیز کا وجود ہی اپنا نہ ہو تو اس کی طرف سے دعوئے ہستی دانشمندی نہیں ہے۔

ہاں محض فعل بننے کے اعتبار سے بندے کا دخل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ و اختیار سے جو فعل چاہے اس میں پیدا کر سکتا ہے۔

دست ترا دست ہمہ آستیں

۱۱ خواہ بندے کے افعال ہوں یا دیگر اشیاء۔ سب کا خالق اور متصرف حقیقی وہی ہے اگرچہ عالم مجاز کی رعایت کرتے ہوئے بظاہر اسباب کی طرف نسبت کر دیتے ہیں۔

۱۲ کہ اس بچے کی تدبیر و اختیار اور نظر و فکر کا اپنے معاملات میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔

۱۳ کہ غاسل میت کو جس جہت لٹائے وہ لیٹا رہتا ہے۔ یہ مرتبہ طفل شیر خوار کے

وَلَا فِیْ غَیْرِہٖ فَھُوَ غَائِبٌ عَنْ نَفْسِہٖ فِیْ فِعْلِ مَوْلَاہُ فَلَا یَرٰی
غَیْرَ مَوْلَاہُ وَ فِعْلِہٖ وَلَا یَسْمَعُ وَلَا یَعْقِلُ مِنْ غَیْرِہٖ اِنْ اَبْصَرَ
فَلِصُنْعِہٖ اَبْصَرَ وَاِنْ سَمِعَ وَعَلِمَ فَلِکَلَامِہٖ سَمِعَ وَبِعِلْمِہٖ عَلِمَ
وَبِنِعْمَتِہٖ تَنَعَّمَ وَبِقُرْبِہٖ اَسْعَدَ وَبِتَقْرِیْبِہٖ تَزَیَّنَ وَتَشَرَّفَ۔

اسی طرح بندہ بھی اپنی ذات سے اپنے مولیٰ کے افعال میں گم ہو جاتا ہے کہ وہ خدا کی ذات کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا[۱۵]۔ اور غیر خدا سے سنتا ہے نہ سمجھتا۔ اگر دیکھتا ہے تو اس کی نظرِ قدرت[۱۶] سے۔ اگر سنتا اور جانتا ہے تو اس کے کلام اور علم[۱۷] سے۔ اس کی نعمت سے سرفراز۔ اس کے قرب سے سعادت مند اور قریب کرنے سے مزین و مشرف ہو جاتا ہے۔

مرتبہ سے برتر ہے کیونکہ بچے کو اگر تکلیف پہنچے یا بھوک و پیاس محسوس ہو تو وہ چیختا چلاتا ہوا اپنی ماں سے لپٹ جاتا ہے۔ اگرچہ اسے کوئی اختیار حاصل نہیں ہے مگر وہ حرکت تو کر سکتا ہے۔ جب کہ مُردہ حرکت نہیں کر سکتا اور نہ ہی اسے علم و شعور حاصل ہے۔

[۱۴] اس میں پہلی دو مثالوں کی نسبت مبالغہ ہے کیونکہ گیند خِلقت کے اعتبار سے بے جان ہے اور اس میں علم و اختیار کی صلاحیت نہیں بلکہ اس کے وہم و گمان کا محل تک نہیں ہے۔

[۱۵] (توحید شہودی اور توحید وجودی) توحید افعالی یہی ہے۔ سلف اور اکثر اہلِ تمکین مشائخ کے کلام میں اس توحید کے سوا کسی اور کی طرف اشارہ نہیں ملتا۔ جس پر توحید غلبہ کرے تو اس کی نظرِ شہود میں غیرِ حق موجود نہیں رہتا۔ اللّٰہُ وَلَا سِوَاہُ کے معنی سے یہ حقیقت ثابت ہو جاتی

وَبِوَعْدِہٖ طَابَ وَسَکَنَ وَبِہٖ اطْمَأَنَّ وَبِحَدِیْثِہٖ اَنِسَ وَعَنْ
غَیْرِہٖ اسْتَوْحَشَ وَنَفَرَ وَاِلٰی ذِکْرِہٖ الْتَجَأَ وَرَکَنَ
وَبِہٖ عَزَّوَجَلَّ وَثِقَ وَعَلَیْہِ تَوَکَّلَ وَبِنُوْرِ مَعْرِفَتِہٖ
اھْتَدٰی وَتَقَمَّصَ وَتَسَرْبَلَ۔

دُنیا و آخرت میں اُس کی نوید سے خوش و خرم ہوتا ہے اور سکون پاتا ہے اس کے ذکر و وعدہ بلکہ اس کی ذات سے اطمینان اور اس کی بات سے انس حاصل کرتا ہے۔ غیر سے وحشت پکڑتا اور نفرت کرتا ہے۔ اسی کے ذکر کی طرف مائل و راغب رہتے ہوئے اس کی ذات پر اعتماد اور توکل کرتا ہے[۱۸]۔ اس کے نورِ معرفت سے ہدایت پاتا اور پیراہن معرفت زیب تن کرتا ہے[۱۹]۔

ہے۔ یہ معنی توحید شہودی میں ہے نہ کہ توحید وجودی میں جیسا کہ بعض مشائخ کے کلام میں واقع ہے۔

رفت او ز میاں ہمچنیں خدا ماند خدا
اَلْفُقْرُ اِذَا تَمَّ ھُوَ اللّٰہ اینست

بندہ درمیان سے اُٹھ گیا بس خدا ہی خدا رہ گیا۔ اس قول "فقر جب مکمل ہو جاتا ہے تو وہ خدا ہے" کے یہی معنی ہیں۔

[۱۶] شک اور تردد کا کلمہ "ان" لا کر اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ ممکن ہے کہ بندہ مطلق مجذوب و مستہلک ہو جائے اور دیکھنے سُننے اور سمجھنے سے جاتا رہے۔

[۱۷] بمعنی متکلم میں یہ کلام اسی کی پیدا کردہ ہے۔ یہ معلوم اسی کی ایجاد ہے اور اپنی سمع و بصر کو اسی کی طرف سے جانتا ہے۔ یہ فناءِ صفات کا مقام قربِ نوافل کا مرتبہ ہے اور محققین کے نزدیک اَنَا الْحَقُّ اسی شہود سے ناشی لعد اسی مقام پر واقع ہے۔

وَعَلٰی غَرَائِبِ عُلُوْمِہٖ اَطْلَعَ وَعَلٰی اَسْرَارِ قُدْرَتِہٖ
اَشْرَفَ وَمِنْہُ عَزَّوَجَلَّ سَمِعَ وَوَعٰی ثُمَّ
عَلٰی ذٰلِكَ حَمِدَ وَاَثْنٰی وَشَكَرَ وَدَعَا۔

اللہ تعالیٰ کے نادر و غریب علوم پر واقفیت حاصل کرتا ہے اسرارِ قدرت سے مطلع ہوتا ہے اسی سے سُنتا اور یاد رکھتا ہے اور ان تمام نعمت ہائے گوناگوں پر شکر بجا لاتا ہے اور حمد و ثنا میں مصروف ہو جاتا ہے۔[20]

---

[18] اور اپنے معاملات اس کے سپرد کر دیتا ہے۔

[19] یعنی جب نورِ معرفت چمکتا ہے تو بندے کی تمام عادات و عبادات اللہ تعالیٰ کے اذن و امر سے ہوتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اس وقت تک کھاتا پیتا نہیں جب تک مجھے یہ نہ کہا جائے اے عبدالقادر! میرے حق کی وجہ سے جو تجھ پر ہے کھاؤ اور پیو۔ اور لباس پہننے کے متعلق حکم ہوتا ہے کہ اے عبدالقادر! میرے حق کی وجہ سے جو تجھ پر ہے ایک دینار گز والا کپڑا پہنو۔ اور میں اس وقت تک کلام نہیں کرتا یہاں تک کہ مجھے حکم ہوتا ہے۔ اے عبدالقادر! میرے حق کی وجہ سے جو تم پر ہے کلام کرو۔ آپ کی بات سُنی جائے گی۔

[20] یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ منتہائے کارِ بندگی شکر و دُعا ہے جو کہ مزیدِ نعمت، دوامِ عافیت اور حسنِ عاقبت کا سبب ہے۔

المقالۃ الرابعۃ

قَالَ رضی اللہ عنہ اِذَا مُتَّ عَنِ الْخَلْقِ قِيْلَ لَكَ رَحِمَكَ اللّٰهُ
وَاَمَاتَكَ عَنِ الْهَوٰى وَاِذَا مُتَّ عَنْ هَوَاكَ قِيْلَ
لَكَ رَحِمَكَ اللّٰهُ وَاَمَاتَكَ عَنْ اِرَادَتِكَ وَمُنَاكَ۔

مقالہ ۴ معنوی موت: حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم مخلوقات سے فانی ہو جاؤ گے[1] تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کہا جائے گا[2] کہ تمہارے اوپر خدا کی رحمتیں ہوں اور ہوائے نفس سے مردہ ہو جاؤ[3] اور جب تم خواہش سے فانی ہو جاؤ گے تو تمہیں فرمایا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کرے اور تمہیں ارادوں اور آرزوؤں سے موت دے دے۔

---

[1] ان کی منع اور عطا، مدح و ذم۔ نیک و بد اور تمام احوال سے فانی و بے تعلق ہو جاؤ گے۔ ۱۲۔

[2] ملکوتِ اعلیٰ میں تمہارے حق میں دُعا کی جائے گی۔ یا واقعہ و معاملہ یا الہام و اشارہ میں بتا دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و فضل اور پہلے سے بلند تر مقام کی خوش خبری دی جائے گی۔ ۱۲۔

[3] شہوات و لذاتِ نفس سے فانی ہو جاؤ تاکہ خواہش مکمل طور پر حق کے تابع ہو جائے اور اُس کی مخالفت کی راہ اختیار نہ کرے۔

[4] تاکہ دل میں کوئی خواہش اور آرزو نہ رہے اس سے وہ خواہش اور ارادہ مراد ہے جو تم اپنی طرف سے اپنے لیے تدبیر اور محال اندیشی عقل و فکر سے اختیار

کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لیے مقرر کردہ وظائف وعبادات وطاعات میں بھی تدبیرات واختیارات کا ارادہ طریقِ بندگی کے منافی نہیں ہے۔ بزرگوں کے قول "بندے کا اپنا ارادہ نہیں ہونا چاہیے" کا یہی مطلب ہے۔

اور جو طلب طلبِ حق کے موافق ہو وہ طلبِ بندہ نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی چاہت اور حکم ہے کہ بندہ اس مقام پر طلب کرے۔ البتہ آدمی کی خواہش وہی ہونی چاہیے جو مرضی و مامورِ مولیٰ ہو۔ اگر اس کی طلب نہیں کرے گا تو بندہ نہیں رہے گا اور مامور و محکوم نہیں ہوگا۔ شیخ کبیر ابوالحسن شاذلی قدس اللہ سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ شریعت کی اختیار کردہ اور تربیت دادہ کسی چیز میں تمہارا کوئی دخل نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تمہارے حق میں تدبیر ہے لہٰذا اسے سن کر عمل پیرا ہو جاؤ اور فرمانبردار بن جاؤ۔

ے (۱) آنچہ نماید کہ بکن آن بکن ❊ آنچہ بگوید کہ گلو آں مگو

(۲) با نسخنے او ہمہ تن گوش باش وسوسہ بگذار پریشاں مگو

(۱) جس چیز کے کرنے کا حکم دیں وہ کرو۔ جس چیز کے متعلق کہیں کہ نہ کہو وہ نہ کہو۔

(۲) اس کی بات پر ہمہ تن گوش ہو جاؤ وسوسہ چھوڑ دو اور پریشان باتیں نہ کرو۔

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کا قول

اُرِیْدُ اَنْ لَآ اُرِیْدَ۔ میں چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں۔

اس پر مبنی ہے۔ جن لوگوں نے آپ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ خواہش کا نہ رہنے کی آرزو بھی تو ایک خواہش ہے؟ انہوں نے آپ کے کلام کو سمجھا نہیں اور سلطان العارفین قدس سرہٗ کے کلام کے راز کو نہ جانتے ہوئے یہ اعتراض کیا ہے۔

وَاِذَا مُتَّ عَنِ الْاِرَادَۃِ وَمُنَاكَ قِیْلَ لَكَ رَحِمَكَ اللّٰهُ وَاَحْیَاكَ
فَحِیْنَئِذٍ تُحْیٰی حَیٰوۃً لَا مَوْتَ بَعْدَهَا وَتُغْنٰی غِنَاءً لَا فَقْرَ بَعْدَهٗ
وَتُعْطٰی عَطَاءً لَا مَنْعَ بَعْدَهٗ وَتُرَاحُ بِرَاحَۃٍ لَا شِفَاءَ بَعْدَهَا۔

اور جب تم ارادہ و آرزو سے فانی ہو جاؤ گے تو تمہیں کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے اور تمہیں اپنی ذات اور اپنے ارادہ کے ساتھ باقی اور زندہ کر دے[5]۔ اس مقام پر تمہیں دائمی زندگی عطا کی جائے گی جس کے بعد موت نہیں اور ایسی غنا حاصل ہوتی ہے کہ جس کے بعد احتیاج نہیں اور ایسی نعمتیں عطا ہوں گی جن کے بعد منع نہیں اور ایسی راحتوں سے ہمکنار کیا جائے گا جن کے بعد کوئی سختی اور غم نہیں ہے۔

---

۵ کیونکہ فنا کو بقا لازم ہے اور جب بندہ اپنے آپ سے فانی ہو جائے تو حق کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔ جب اندھیرا چلا جائے تو روشنی آجاتی ہے۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔

ے ذَهَبَ الزُّوْرُ مَا وَ مَن باشد
دَخَلَ النُّوْرُ ذوالمنن باشد

ظلم و جہل جو کہ میں اور ہم کہنا ہے نکل جائے تو نور داخل ہو جاتا ہے اور اللہ ذوالمنن کا جلوہ ہوتا ہے۔

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے کلمات قدسیہ سے ہے کہ جب سے مجھ پر حقیقت کار آشکارا ہوئی ہے اور اس معاملہ کی سمجھ بوجھ پیدا ہوئی تو اس وقت سے میری عمدہ ترین خواہش یہی ہے کہ ایسی موت حاصل ہو جس میں

حیات نہ ہو اور ایسی حیات ملے جس میں موت نہ ہو۔ یعنی اپنے آپ سے کلی موت جس کے بعد کوئی خواہش اور آرزو نہ رہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ حیات کہ نفس کی طرف رجوع نہ ہو سکے۔

یہ کلمات بعض گذشتہ مقالات میں گذر چکے ہیں اس کی مزید توضیح اور تشریح آئندہ ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

وَتُنَعَّمُ بِنَعِیْمٍ لَا بُؤْسَ بَعْدَهٗ وَتُعَلَّمُ عِلْمًا لَا جَهْلَ بَعْدَهٗ
وَتُؤَمَّنُ اَمْنًا لَا تَخَافُ بَعْدَهٗ وَتُسْعَدُ فَلَا تَشْقٰی
وَتُعَزُّ فَلَا تُذَلُّ وَتُقَرَّبُ فَلَا تُبْعَدُ وَتُرْفَعُ فَلَا تُوْضَعُ
وَتُعَظَّمُ فَلَا تُحَقَّرُ وَتُطَهَّرُ فَلَا تُدَنَّسُ۔

نازونعمت اور نیکی و نرمی کے ساتھ اس طرح نوازا جائے گا جس کے بعد محنت و سختی نہیں ہے اور اسے علمِ لُدنی سے بہرہ ور کیا جائے گا جس کے بعد جہالت نہیں تمام خطرات سے مامون کر دیا جائے گا کہ بعد میں خوف نہیں ہوگا اور نیک بخت کر دیا جائے گا کہ بعد میں شقاوت کا نام و نشان نہیں رہے گا۔ وہ عزت دی جائے گی جس کے بعد کوئی ذلت نہیں۔ تمہیں بارگاہِ ربّ العزت کے قریب کیا جائے گا پس دُور نہیں کیا جائے گا اور مراتبِ عالیہ پر بلندی عطا کی جائے گی پھر ان سے گرایا نہیں جائے گا۔ وہ عظمت دی جائے گی جس کے بعد تحقیر نہیں اور تمام بشری آلودگیوں اور عیوب و نقصان سے پوری طرح پاک کر دیا جائے گا پھر آلودہ نہیں کیا جائے گا۔[6]

---

[6] حاصل یہ کہ جب ظلماتِ بشریت نکل جائیں تو صفاتِ ربوبیت کے انوار جلوہ گر ہو جاتے ہیں اور صفاتِ ربوبیت یقیناً ابدی اور باقی ہیں ان

فَیَتَحَقَّقُ فِیْكَ الْاَمَانِیُّ وَتَصَدَّقُ فِیْكَ الْاَقَاوِیْلُ
فَتَكُوْنُ كِبْرِیْتًا اَحْمَرَ۔

اور تمہارے بارے میں آرزوئیں ثابت و درست ہوں گی[7] اور تمہارے بارے اور لوگوں کی باتیں سچی ہوں گی[8] اور تم سُرخ گندھک بن جاؤ گے۔[9]

پر زوال نہیں آسکتا اس سے معلوم ہوا کہ
اَلْفَانِیْ لَا یُرَدُّ اِلٰی اَوْصَافِهٖ۔ صفاتِ بشریت سے نابود ہونے والا اپنے اوصاف کی طرف لوٹایا نہیں جاتا۔

مستِ جامِ عشق گشتم پارسائی چوں کنم
خلعتِ شاہی بپوشیدم گدائی چوں کنم

میں تو جامِ عشق سے مست ہو چکا ہوں پارسائی کیونکر کروں میں نے شاہی لباس پہن رکھا ہے گدائی کیسے کروں۔

اگر سالکے محرمِ راز گشت
بہ بندند بروی درِ بازگشت

کسی رہ سوئے گنجِ قارون نبرد — وگر برد رہ باز بیروں نبرد

۱۔ اگر سالک محرمِ راز ہو جائے تو اس پر واپسی کا راستہ بند کر دیتے ہیں۔
۲۔ کسی نے گنجِ قارون کا راستہ نہیں پایا اور اگر پہنچ بھی گیا تو واپسی کی راہ پائی۔

مشائخ کرام قدست اسرارہم فرماتے ہیں: مَا رَجَعَ مَنْ رَجَعَ اِلَّا مِنَ الطَّرِیْقِ۔ حقیقت تک رسائی پانے والا کبھی واپس نہیں لوٹا۔ جو لوٹا ہے وہ راستہ سے ہی پھر آیا ہے۔

[7] یعنی جو شخص جو آرزو بھی رکھتا ہو اور جو مراد و مدعا چاہتا ہو گا وہ تجھ

فَلَا تُکَادُ تُرٰی

کہ تمہارا مرتبہ پہچانا نہیں جا سکے گا۔[10]

سے پلٹے گا۔

[8] یعنی تمہاری صفت و ثنا میں جو کچھ کہیں گے درست ہوگا۔

[9] کہ جس سے تانبا سونا بن جاتا ہے یعنی مرتبۂ کمال سے مرتبۂ تکمیل میں آ جاؤ گے اور دور لوگوں کو نزدیک، مہجوروں کو واصل، نادانوں کو دانا، نابیناؤں کو بینا، بیگانوں کو آشنا اور بدبختوں کو نیک بخت بنا دو گے۔

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے کلمات مبارکہ سے ہے۔

اَلشَّیْخُ مَنْ یُّسْعِدُ الشَّقِیَّ کہ شیخ کامل وہ ہے جو بدبخت کو نیک بخت بنا دے۔

آنہا کہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشم بما کنند

جو لوگ ایک نگاہ سے خاک کو کیمیا بنا دیتے ہیں کیا ہو سکتا ہے کہ ہماری طرف بھی توجہ فرمائیں۔

[10] کہ عزتِ مقام، علو شان اور عمدگیٔ حال کو دیکھنا جاننا اور پا لینا کسی کے لیے ممکن نہیں ہوگا اور اولیاء اللہ کو بارگاہِ الٰہی میں جو مقام حاصل ہے درحقیقت کسی کو اس کے راستے کا علم اور اطلاع حاصل نہیں ہے اس مخلوق کا حصہ فقط بعض صفاتِ ظاہرہ کا مشاہدہ ہے مثلاً انوارِ استقامت اور آثارِ کرامت کا اور

اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قِبَائِیْ لَا یَعْرِفُھُمْ غَیْرِیْ۔

کہ میرے اولیاء میری قبا کے نیچے ہیں جن کو میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔

کلمہ عموم ہے مگر جس کو اللہ تعالیٰ مطلع فرما دے اور آگاہ کر دے درحقیقت معرفتِ اولیاء معرفتِ حق کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے۔

"حِکَمِ عطائیہ" میں مذکور ہے۔

سُبْحَانَ مَنْ لَمْ یَجْعَلِ	پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے
الدَّلِیْلَ عَلٰی اَوْلِیَائِہٖ	اولیاء پر وہ دلیل قائم کی ہے
اِلَّا مِنْ حَیْثُ الدَّلِیْلِ	جو اس کی اپنی ذات پر دلیل ہے
عَلَیْہِ وَلَمْ یُوْصِلْ اِلَیْھِمْ	اور ان تک اس کو رسائی بخشی جس کو
اِلَّا مَنْ اَرَادَ اَنْ یُّوْصِلَ اِلَیْہِ	اپنا واصل بنانے کا ارادہ فرمایا۔

[11] چنانچہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے مرض الموت میں فرمایا:

اَنَا مِنْ وَّرَاءِ عُقُوْلِکُمْ	کہ میرا معاملہ تمہاری عقلوں سے بلند
فَلَا تَقِیْسُوْنِیْ عَلٰی اَحَدٍ	ہے لہذا مجھے کسی پر قیاس نہ کرو اور
وَلَا تَقِیْسُوْا اَحَدًا عَلَیَّ۔	نہ ہی کسی کو مجھ پر قیاس کرو۔

درحقیقت ان مقالات میں آپ نے جو کچھ فرمایا وہ آپ نے اپنی طریقت و سلوک کا بیان کیا ہے اور اپنے مرتبہ و مقام کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

خوشتر آن باشد کہ سرّ دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

یہ بات کتنی عمدہ ہے کہ محبوبوں کی باتیں دوسروں کی گفتگو کے ضمن میں بیان کی جائیں۔

آپ نے اپنے حال و مقام کی خبر دیتے ہوئے فرمایا۔

شعر (۱) وَهَبَ لِیَ الْاَیَّامُ رَوْنَقَ صَفْوِهَا
فَحَلَتْ مَنَاهِلُهَا وَطَابَ الْمَشْرَبُ
(۲) وَغَدَوْتُ مَخْطُوبًا بِکُلِّ کَرِیْمَةٍ
لَا یَهْتَدِیْ فِیْهَا اللَّبِیْبُ وَیَخْطُبُ

(۱) ایام نے مجھے اپنی چمک دمک ہبہ کر دی تو ان کے گھاٹ میٹھے اور مشروب پینے کی جگہیں پاکیزہ ہو گئیں۔

(۲) میں نے اس حال میں صبح کی کہ ہر کنواری لڑکی کی طرف سے مجھے خطبہ کیا گیا۔ کسی دانا کو یہ بات معلوم نہیں اور نہ ہی اسے خطبہ کیا گیا۔

شیخ محقق علیہ الرحمۃ نے ان اشعار کا ترجمہ اس طرح فرمایا ہے:

شعر (۱) صد شکر کہ ایام بکام است مرا
دلبر ببر و بادہ بجام است مرا
(۲) بادۂ ہمگی صاف حریفاں ہم صاف
با اہل صفا عیش مدام است مرا
(۳) از لطف و کرم بادہ بجامم کردند
در جام چہ باشد کہ بکامم کردند
(۴) در ملک حقیقت بعروسان قدم
ہم خطبہ و ہم خطبہ بنامم کردند

(۱) اس بات پر بار بار شکر ہے کہ ایام میرے مقصد کے مطابق ہیں میرا محبوب بغل میں اور شراب جام میں۔

(۲) بادہ مکمل طور پر صاف ہے اور حریف بھی باصفا ہیں اور میری

زندگی ہمیشہ اہلِ صفا کے ساتھ ہی گذرتی ہے۔

(۳) اپنے لطف و کرم سے شراب سے نہ صرف میرا پیمانہ بھرا بلکہ میرے حلق میں ڈالی۔

(۴) ملک حقیقت میں قدم کی دلہنیں میرے نام کا خطبہ دیتی ہیں اور خطبہ کرتی ہیں۔

فَرْدَ الْفَرْدِ وِتْرَ الْوِتْرِ غَیْبَ الْغَیْبِ۔

فرد الفرد (یگانہ یگانہ) تنہا و طاق غیب الغیب۔

سِرَّ السِّرِّ

اور سر السر ہو جاؤ گے [12]

---

[12] یعنی تنہائی و یگانگی، نایابی اور پوشیدگی میں اس مقام تک پہنچ جاؤ گے کہ اولیاء وقت سے کوئی بھی تمہاری مثل اور برابر نہیں ہو سکے گا اور تمہارا قدم سب سے آگے ہوگا۔ تمہارے حال کی حقیقت اور اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز سے کوئی آگاہ نہیں ہوگا اور تمہارا مقام سب سے بلند ہوگا۔ یہ قطب الاقطاب کے مقام کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے کلام شریف سے ہے:

شعر مَا فِی الصَّبَابَةِ مَنْهَلٌ مُسْتَعْذَبٌ
اِلَّا وَلِیَ فِیْهِ الْاَلَذُّ الْاَطْیَبُ
مَا فِی الْوِصَالِ مَكَانَةٌ مَخْصُوْصَةٌ
اِلَّا وَ مَنْزِلَتِیْ اَعَزُّ وَاَقْرَبُ

ے (۱) ہر جا کہ بعشق مشربِ شیریں است
در حضرت وصل رتبۂ تمکین است

(۲) شیریں تر و والا تر ازاں بہرِ منست
قطبم من و قطبِ را مراتب ایں است

(۱) جہاں کہیں بھی عشق کا شیریں گھاٹ ہے بارگاہِ وصل میں مقام ارفع حاصل ہے۔

(۲) میرا حصہ اس سے بھی زیادہ میٹھا اور بلند ہے کیونکہ میں قطب ہوں اور قطب کے یہ مراتب ہوتے ہیں۔

غیب الغیب کا عمل مرتبۂ ذات اور مرتبۂ اخفیٰ پر ہے۔ بعض حواشی کے مطابق مقامِ فناء الفناء کی طرف اشارہ ہے یہ بھی صحیح ہے مگر سیاق کلام کے مناسب نہیں۔ واللّٰہ اعلم

فَحِيْنَئِذٍ تَكُوْنُ وَارِثَ كُلِّ رَسُوْلٍ وَّنَبِيٍّ وَّصِدِّيْقٍ بِكَ
تُخْتَمُ الْوِلَايَةُ وَاِلَيْكَ تَصْدُرُ الْاَبْدَالُ۔

تو اس وقت تم تمام رسولوں، نبیوں اور صدیقوں کے وارث بن جاؤ گے۔[١٣] اور تمہارے ساتھ اپنے زمانے میں مراتب ولایت ختم کر دیئے جائیں گے۔[١٤] اور ابدال تمہاری طرف رجوع کریں گے۔[١٥]

---

[١٣] یعنی مرتبۂ علم و دین اور منصبِ ارشاد و ہدایت سے ان کا پس ماندہ تمہیں حاصل ہو گیا۔ کیونکہ ولایت ظلِ نبوت ہے اور اس کے بعد ہے اور صدیقیت مرتبۂ نبوت سے نیچے والا مرتبہ ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ان دو مراتب کے درمیان کوئی دیگر مقام فاصل نہیں ہے، چونکہ یہ مراتب ولایت میں بلند تر ہے اس لیے اسے علیحدہ ذکر فرمایا۔

[١٤] تمہارے زمانہ میں مرتبۂ ولایت تمام و مکمل کر دیا جائے گا یا مہر لگا دی جائے گی اور تمہارا کمال تمام کے کمالات سے بلند اور تمہارا قدم سب کی گردنوں پر ہو گا۔

[١٥] اس مقام پر فائز ہونے کے بعد، بیان کرتے ہیں کہ ابدال اولیاء کے ایک گروہ کا نام ہے۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے آئندہ مقالات میں کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتبہ ابدال ولی سے بڑھ کر ہے۔ ابدال کیلئے قطب کی خدمت میں حاضری ملازمت واجب ہے یہ قطب کے احکام و فرمودات مخلوق میں جاری و نافذ کرتے ہیں اسلیے اسے قطبِ ابدال کہتے ہیں اور قطب ارشاد دوسرا شخص ہوتا ہے جس کے ذمہ علم الٰہی کی تعلیم اور اس کی طرف راہنمائی ہوتی ہے اور کبھی ایک ذات قطبِ ابدال بھی ہوتی ہے اور قطبِ ارشاد بھی۔

وَبِكَ تُنْكَشَفُ الْكُرُوْبُ وَبِكَ تُسْقَى الْغُيُوْثُ وَبِكَ تُنْبَتُ
الزُّرُوْعُ وَبِكَ تُدْفَعُ الْبَلَايَا وَالْمِحَنُ عَنِ الْخَاصِّ
وَالْعَامِّ وَاَهْلِ الثُّغُوْرِ وَالرَّاعِيْ وَالرَّعَايَا وَالْاَئِمَّةِ وَالْاُمَّةِ وَ
سَائِرِ الْبَرَايَا فَتَكُوْنُ شِحْنَةَ الْبِلَادِ وَالْعِبَادِ۔

اور تمہارے دم قدم سے جان لیوا سختیاں دُور کی جائیں گی اور وجود دُعا کی برکت سے لوگوں پر بارانِ رحمت نازل ہو گی۔ اور کھیتیاں اُگائی جائیں گی اور تمہاری امداد و اعانت سے سرحدوں پر قائم لوگوں[16] چرواہوں، والیانِ سلطنت رعایا[17]۔ پیشوایانِ قوم انکے متبعین[17] اور باقی تمام مخلوق سے تکالیف و مصائب دُور کی جائیں گی تو تم شہروں اور شہروں کے باشندوں کے والی بن جاؤ گے[18]۔

---

[16] دارالسلام اور دارالحرب کے درمیان واقع سرحد پر مقیم مسلمان جو کفار کے ساتھ لڑائی کے لیے تیار رہتے ہیں اور انہیں دارالاسلام میں داخلہ کی اجازت نہیں دیتے۔

[17] رعیت دراصل چرائے جانے والے جانوروں کو کہتے ہیں اور عرف میں عام لوگ مراد لیے جاتے ہیں یہاں دونوں مضمون کا احتمال ہے۔ راعی سے مراد اگر چرواہا ہے تو رعایا سے مراد چرندے ہوں گے اور اگر راعی سے مراد والی سلطنت ہے تو رعایا سے مراد عام لوگ ہوں گے۔

[17] امت لغت کے لحاظ سے جنسِ حیوان سے تعلق رکھنے والے گروہ یا قوم کو کہتے ہیں اور شریعت میں اُمت سے مراد وہ جماعت ہے جن کی طرف پیغمبر مبعوث ہو۔

[18] شحنہ سلطان کی طرف سے مقرر کردہ شہر کے متولی کو کہتے ہیں جن کے ذمہ شہر کا انتظام و انصرام ہوتا ہے۔

طرف متوجہ کرتا ہے اور آپ کی ذاتِ گرامی ہی کی مدح و ثناء کرتے ہوئے استمداد و استعانت اور محبت و عشق کی داد دیتا ہے۔

(۱) ہر خامہ کہ بر صفحۂ ہستی راند
عاشق ہمہ زاں صفاتِ جاناں خوند

(۲) ہر جا کہ سخن ز حسن و خوبی گذرد
مجنوں ہمہ را صفاتِ لیلی داند

(۱) صفحۂ ہستی پر جو بھی قلم چلتا ہے عاشق اسی سے اپنے محبوب کی صفات ہی پڑھتا ہے۔

(۲) جس جگہ بھی کسی کے حسن و خوبی کی بات ہوتی ہے تو مجنوں اسے صفاتِ لیلیٰ ہی جانتا ہے۔

اَلْمَقَالَةُ الْخَامِسَةُ

قَالَ رضـ إِذَا رَأَيْتَ الدُّنْيَا فِي أَيْدِي أَرْبَابِهَا بِزِيْنَتِهَا وَأَبَاطِيْلِهَا
وَخِدَعِهَا وَمَصَائِدِهَا وَسُمُوْمِهَا الْقَاتِلَةِ مَعَ لِيْنِ مَسِّ ظَاهِرِهَا
وَضَرَارَةِ بَاطِنِهَا وَسُرْعَةِ إِهْلَاكِهَا وَقَتْلِهَا لِمَنْ مَسَّهَا وَ
اغْتَرَّ بِهَا وَغَفَلَ عَنْ رَاهِيَتِهَا وَغَيْرِهَا بِأَهْلِهَا وَ
نَقْضِ عَهْدِهَا فَكُنْ كَمَنْ رَأَى إِنْسَانًا عَلَى الْغَائِطِ بِالْبَرَازِ
بَادِيَةً سَوْأَتُهُ وَفَائِحَةً رَائِحَتُهُ فَإِنَّكَ تَغُضُّ بَصَرَكَ عَنْ
سَوْأَتِهِ وَتَسُدُّ عَلَى أَنْفِكَ مِنْ رَائِحَتِهِ وَنَتْنِهِ
فَهٰكَذَا كُنْ فِي الدُّنْيَا إِذَا رَأَيْتَهَا غُضَّ بَصَرَكَ عَنْ
زِيْنَتِهَا وَسُدَّ عَلَى أَنْفِكَ بِمَا يَفُوْحُ مِنْ رَوَائِحِ شَهْوَاتِهَا
وَلَذَّاتِهَا لِتَنْجُوَ مِنْهَا وَمِنْ آفَاتِهَا وَيَصِلُ إِلَيْكَ قِسْمُكَ مِنْهَا

مقالہ ۵ دُنیا کا حال اور اس سے عدم التفات کی ترغیب:

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب تم دُنیا کو اپنی زینتِ باطل و ناچیز اسباب، مکروفریب اور اس کے اسباب[1]، زہر کی طرح ہلاک کرنے والی بظاہر نرم و نازک بباطن سخت و درست لذات اسے چھونے والے اور اس کے دجل وفریب سے غافل ہو کر اس پر غرہ کرنے والے کو تباہ و برباد کرنے والی لذّات اور اس کے حوادث[2] اور عہد شکنی کو دنیاداروں کے ہاتھوں میں دیکھو[3] تو یوں سمجھو کوئی برہنہ حوائج ضروریہ سے فارغ ہونے کے عمل میں ہے[4] اور تم اس نفرت انگیز منظر اور بو سے اپنی آنکھیں اور ناک بند کر لیتے ہو۔ بالکل

اسی طرح اہل دنیا کی ظاہری زیب و زینت دیکھ کر اپنی آنکھیں اور اس کی لذات و شہوات کی بُو سے اپنی ناک بند کر لو تاکہ تم آفاتِ دُنیا سے نجات حاصل کر سکو اور تمہاری قسمت تمہیں پہنچتی رہے گی۔

---

[1] کہ ان سے لوگوں کے دلوں کو شکار اور غافل کر دیتی ہے۔

[2] غیر بکسر غین و فتح یا بمعنی حوادث زمانہ۔ بعض نسخوں میں غیر تہا ہے یعنی دنیا کا اہل دُنیا پر غیرت رشک کرنا کہ انہیں آخرت کی طرف مائل نہیں ہونے دیتی حق کے ساتھ پیوستگی سے روکے ہوئے اور اپنے ساتھ مشغول کیے ہوئے ہے۔

[3] حاصل کلام یہ کہ جب ان قباحتوں، شناعتوں اور نقائص کے باوجود دُنیا کو دُنیاداروں کے ہاتھوں میں دیکھو۔

[4] براز در اصل صحراء اور فضا کو کہتے ہیں۔

وَاَنْتَ مُهَنًّا بِهَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِنَبِيِّهِ الْمُصْطَفٰى صلی اللہ علیہ وسلم وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۵ س ۲۰ آیت ۱۳۱

اور تم اس سے بہرہ اندوز ہوگے۔ یا تمہیں اس بات پر مبارک دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: اور اے سننے والے اپنی آنکھیں نہ پھیلا۔ اس کی طرف جو ہم نے کافروں کے جوڑوں کو برتنے کے لیے دی ہیں یعنی دُنیا کی تازگی کہ ہمیں انہیں اس کے سب فتنہ میں ڈالیں، اور تیرے رب کا رزق سب سے اچھا اور سب سے دیرپا[5]۔

---

۵ یعنی جو ہدایت و نبوت سے تمہیں حصہ ملا اور جو آخرت میں تمہارے لیے رکھا ہے وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔

ای آنکہ ہوائی خوش مذاقی داری
از عشق بتان دل فراقی داری
رو دیدۂ دل ز حسنِ فانی بربند
گر میل شہود وجہ باقی داری

اے خوش مذاقی کی خواہش رکھنے والے (دنیا فانی کے) بتوں سے دل فراقی (جدائی) رکھنے والے۔

اور باقی و پائندہ ذات کے مشاہدہ کا میلان ہے تو آنکھیں حسنِ فانی سے بند کرلے۔

اَلْمَقَالَةُ السَّادِسَةُ

قَالَ رض اِفْنِ عَنِ الْخَلْقِ بِحُكْمِ اللّٰهِ وَعَنْ هَوَاكَ بِاَمْرِ اللّٰهِ وَعَنْ اِرَادَتِكَ بِفِعْلِ اللّٰهِ۔

مقالہ ۶: مخلوق سے فنا: حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اپنے آپ کو حکمِ[1] خدا کے مطابق مخلوق سے فنا کرلو۔ امرِ[2] خدا کے پیش نظر اپنی خواہش اور شہود و فعلِ حق کی وجہ سے اپنے ارادہ[3] سے فانی ہو جاؤ۔

---

۱ یعنی قضاء و قدر کے مطابق تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے اور تم اس حقیقت کو پاسکو کہ جہان میں سب کچھ اس کی تقدیر کے مطابق ہے اور کوئی ذرہ بھی اس کی قدرت کے بغیر حرکت نہیں کرتا اور کسی کا اذن مولا کریم کے بغیر اس کی مملکت میں دخل نہیں ہے۔

۲ جو امر بزبانِ شریعت جاری ہوا ہے تاکہ تمہاری خواہش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کے لائے ہوئے احکام کے تابع ہو جائے۔ یا امر سے مراد قرآن پاک میں واقع یہ آیت کریمہ ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (س ۵ آیت ۲۳)

اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔ اگر تمہیں ایمان ہے یعنی اپنے امور اللہ کے سپرد کردو۔

یہ وجہ اس فنا کے بیان میں واقع کلام کے سیاق کے زیادہ مناسب ہے جیسا کہ آگے آئیگا۔

۳ تاکہ ارادۂ الٰہی کے بغیر کوئی ارادہ نہ رہے اور اس کی خواست کے بغیر تمہاری خواست نہ ہو۔

تَعْلَمَ اَنْ تَكُوْنَ وِعَاءً لِعِلْمِ اللّٰهِ فَعَلَامَةُ فَنَائِكَ عَنْ
خَلْقِ اللّٰهِ اِنْقِطَاعُكَ عَنْهُمْ وَعَنِ التَّرَدُّدِ اِلَيْهِمْ وَالْيَاْسُ مِمَّا فِيْ
اَيْدِيْهِمْ وَعَلَامَةُ فَنَائِكَ عَنْ هَوَاكَ تَرْكُ التَّكَسُّبِ
وَالتَّعَلُّقِ بِالسَّبَبِ فِيْ جَلْبِ النَّفْعِ وَدَفْعِ الضَّرَرِ.

تو اس وقت[4] تم علمِ الٰہی کا محل اور ظرف بننے کے قابل اور لائق ہو جاؤ گے[5-1] خلق سے فنا کی علامت یہ ہے کہ تمہاری مخلوق سے علیحدگی اور تنہائی ہوگی ان کی آمد و رفت ختم اور ان کے ہاتھوں میں موجود چیز سے مکمل مایوسی ہوگی اور خواہش نفس سے فنا کی علامت یہ ہے کہ تم نفع حاصل کرنے اور ضرر کو دور کرنے کے لیے کسب کی طلب اور اس میں تکلیف و مبالغہ ترک کردو گے۔

---

[4] کہ جب تم خلق، خواہش اور ارادہ سے فانی ہو جاؤ گے۔

[5-1] اور تمہیں علم لدنی حاصل ہوگا اور تم اس کے امین بن جاؤ گے۔

[5-2] یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے اگر کسی کسب و نسب میں مبالغہ اور تکلیف نہ ہو تو وہ صحت توکل کے منافی نہیں ہے۔

فَلَا تَتَحَرَّكُ فِيْكَ بِكَ وَلَا تَعْتَمِدُ عَلَيْكَ لَكَ وَلَا
تَذُبُّ عَنْكَ وَلَا تَنْصُرُ نَفْسَكَ وَلٰكِنْ تَكِلُ ذٰلِكَ
كُلَّهٗ اِلَى اللّٰهِ لِاَنَّهٗ تَوَلَّاهُ اَوَّلًا فَيَتَوَلَّاهُ اٰخِرًا كَمَا كَانَ
ذٰلِكَ مَوْكُوْلًا اِلَيْهِ فِيْ حَالِ كَوْنِكَ مُغَيَّبًا
فِي الرَّحِمِ وَكَوْنِكَ رَضِيْعًا طِفْلًا فِيْ مَهْدِكَ.

اور تم اپنے نفس کے نفع و نقصان کے لیے اپنے نفس کی تدبیر سے غور و فکر نہیں کرو گے اور اپنے نفس کے امور میں اپنی سمجھ پر اعتماد نہیں کرو گے اور تم اپنے آپ سے ضد اور مخالفت طبع و نفس دور نہیں کرو گے اور نفس کی امداد و اعانت[6] نہیں کرو گے بلکہ اپنے تمام امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کردو گے[7] کیونکہ وہ ابتداً ہی سے تمام امور کا والی و متصرف ہے تو آخر میں بھی وہی والی ہوگا جیسا کہ پہلے اس کے سپرد[8] تھے جبکہ تم رحم مادر میں پوشیدہ اور نوزائیدہ گہوارہ میں شیرخوار تھے[9]

---

[6] اپنی تدبیر و اختیار اور قول و قوت کے ذریعے۔

[7] کیونکہ اس نے اسباب رزق پیدا فرما کر شرائع و احکام مقرر کر کے تمہارے دنیا و آخرت کے کاموں کو مرتب کر دیا ہے اور تمہارے لیے اپنے نفس کی تدبیر سے کوئی کام کرنے کی حاجت نہیں چھوڑی۔

[8] کہ اس کی تدبیر و اختیار اور لطف و کرم کے ذمہ ہیں۔

[9] یعنی جب تم میں عقل و فکر، تدبیر و اختیار اور قوت و قدرت نہیں تھی تو وہ پرورش فرماتا رہا، خوراک دیتا رہا اور جسم و جان کے آلات و اسباب مہیا فرماتا رہا ہے تو کیا اب یہ اسباب مہیا نہیں فرمائے گا حَاشَا وَكَلَّا۔

(۱) فراموشت نکرد ترا ایزد دراں حال
کہ بودی نطفۂ مدفون و مدہوش

(۲) روانت داد و عقل و طبع و ادراک
جمال و حسن رائی و فکرت و ہوش

(۳) دہ انگشت مرتب کرد بر کف
دو بازو بیت مرتب ساخت بردوش

(۴) کنون پنداری ای ناچیز ہمت
کہ خواہد کردنت روزی فراموش

(۵) ایں ہمہ تدبیر و عقل حیلہ جوست
عقل باری کیست در جائے کہ اوست

(۱) جب تو مدفون و مدہوش نطفہ تھا تو تجھے اللہ تعالیٰ نے اس حال میں نہ بھلایا (۲) عقل و جان، طبع و ادراک، جمال و حسن رائے اور فکر و ہوش سے نوازا۔

(۳) ہاتھوں پر دس انگلیاں اور کندھوں پر دو بازو مرتب فرمائے۔

(۴) اے گھٹیا خیال والے کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ایک دن فراموش کردے گا۔

(۵) یہ تمام تدابیر و عقول جو تو بطور حیلہ استعمال کرتا ہے ان کو عقل باری تعالیٰ سے کیا نسبت۔

وَعَلَامَةُ فَنَائِكَ عَنْ إِرَادَتِكَ بِفِعْلِ اللّٰهِ أَنَّكَ لَا تُرِيْدُ مُرَادًا قَطُّ وَلَا يَكُوْنُ لَكَ غَرَضٌ وَلَا يَبْقٰى لَكَ حَاجَةٌ وَلَا مَرَامٌ لِأَنَّكَ لَا تُرِيْدُ مَعَ إِرَادَةِ اللّٰهِ سِوَاهَا بَلْ يَجْرِيْ فِعْلُ اللّٰهِ فِيْكَ فَتَكُوْنُ عِنْدَ إِرَادَةِ اللّٰهِ وَفِعْلِهٖ سَاكِنَ الْجَوَارِحِ مُطْمَئِنَّ الْجَنَانِ مَشْرُوْحَ الصَّدْرِ۔

اور فعلِ اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ کی وجہ سے فناءِ ارادہ کی علامت یہ ہے کہ تم کسی مراد کے خواستگار نہیں ہوگے تمہاری کوئی آرزو نہیں ہوگی۔ کوئی حاجت اور مطلب باقی نہیں رہے گا، چونکہ تم ارادہ سے فانی ہوچکے ہو۔ اللہ کی مرضی کے سوا کوئی ارادہ نہیں کروگے[1] بلکہ تمہارے ارادہ کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ کا ارادہ تم میں جاری ہوگا اور جب خواست حق کے بغیر کوئی چیز ہی نہیں رہے گی تو تم مبالغۃً عین ارادہ و فعلِ الٰہی بن جاؤگے اور اعضاء اس طرح سکون پائیں گے کہ کسی حادثہ میں بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹوگے۔ دِل مطمئن ہوجائے گا کہ کسی اندیشے سے پریشان نہیں ہوگے۔ شرح صدر ہوجائے گا کہ اغیار کی مزاحمت اور باربرداری سے تنگ

---

[1] تو حاجت و مقصد کہاں رہے گا۔

مُنَوَّرَ الْوُجْهِ عَامِرَ الْبَطْنِ غَنِيًّا عَنِ الْاَشْيَاءِ بِخَالِقِهَا
تُقَلِّبُكَ يَدُ الْقُدْرَةِ وَيَدْعُوكَ لِسَانُ الْاَزَلِ۔

نہیں پڑوگے[11] چہرہ منور ہو جائے گا[12] باطن معمور ہو جائے گا[13] خالق کے ساتھ تعلق کی وجہ سے اطاعت وعبادت سمیت ہر چیز سے بے نیاز ہو جاؤ گے[14] تمہیں دستِ قدرت پھرائے گا[15] اور لسانِ ازل بلائے گی[16]

---

[11] شرحِ صدر انتہائی بلند مقام ہے جو بہ تمام وکمال حضرت سید السادات علیہ الصلوات والتسلیمات کو ہی حاصل ہے دوسروں کو متابعت کے مطابق اس سے حصہ ملا ہے اللہ تعالیٰ کا بطور امتنان

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (س ۹۴ آیت ۱) کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔

فرمانا اس طرف اشارہ ہے۔ بعض دیگر رسائل میں اس کا کچھ حصہ ذکر ہوا ہے وہاں ملاحظہ کریں۔

[12] کہ دنیا کے غم واندوہ سے تیرہ وترش نہیں ہوں گے۔

[13] کہ مقام حضورِ وجمعیت سے باہر نہیں آؤ گے۔

[14] یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے سوا کسی کے نیاز مند نہیں رہو گے اور کسی پر اعتماد نہیں کرو گے۔

[15] جو کہ تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کے فضل وتصرف سے عبارت ہے۔

[16] یہ اللہ تعالیٰ کے امر ارادی اور حکم قضاء وقدر کی طرف اشارہ ہے لسانِ ازل سے مراد امر ونہی پر مشتمل کلام قدیم بھی ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَيُعَلِّمُكَ رَبُّ الْمُلْكِ وَيَكْسُوكَ اَنْوَارًا مِنْهُ
وَالْحُلَلَ وَيُنْزِلُكَ مَنَازِلَ مَنْ سَلَفَ مِنْ اُولِي
الْعِلْمِ الْاُوَلِ فَتَكُوْنُ مُنْكَسِرًا اَبَدًا فَلَا يَثْبُتُ
فِيْكَ شَهْوَةٌ وَلَا اِرَادَةٌ كَاِنَاءٍ مُنْثَلِمِ الَّذِيْ
لَا يَثْبُتُ فِيْهِ مَائِعٌ وَلَا كُدْرَةٌ فَتَنْقِيْ عَنْ
اَخْلَاقِ الْبَشَرِيَّةِ فَلَنْ يَقْبَلَ بَاطِنُكَ شَيْئًا
غَيْرَ اِرَادَةِ اللّٰهِ فَحِيْنَئِذٍ يُضَافُ اِلَيْكَ التَّكْوِيْنُ وَخَرْقُ الْعَادَاتِ۔

اور پروردگار عالم تمہیں علم پڑھائے گا[17] اپنی طرف سے انوار کی خلعتیں اور معرفت کے حلے پہنائے گا[18] اور سابقین اربابِ علم ومعرفت کے مقامات ومنازل تک رسائی عطاء فرمائے گا۔ تو اس[19] وقت تم ہمیشہ کے لیے شکستہ وخراب حال ہو جاؤ گے اور تم میں ارادے اور خواہشیں نہیں ٹھہریں گی جیسا کہ سوراخ شدہ برتن میں پانی ودیگر کثافتیں نہیں ٹھہر سکتیں۔ پھر تم بشری اوصاف سے پاک ہو جاؤ گے تمہارا باطن ارادۂ الٰہی کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں کرے گا تو اس مقام[20] پر تکوین اور فرق عادات کی نسبت تمہاری طرف کر دی جائے گی۔[21]

---

[17] کہ جس سے تم حق کو باطن سے پہچان لو گے اور تمہارا ظاہر علمِ معاملہ سے آراستہ فرما دے گا۔ بعض نسخوں میں رَبُّ الْمِلَلِ ہے ملت کی جمع بمعنی دین وشریعت یہ لفظ رعایت سجع کے لحاظ سے اولیٰ اور مناسب ہے۔

[18] کہ تمہارا باطن علم مکاشفہ سے متجلی ومتنور ہو جائے گا۔

[19] علم حق اور نور معرفت کے ساتھ دل منور ہونے اور باری تعالیٰ کے فعل وارادہ میں فنا کے حصول کے بعد۔

فَيُرٰى ذٰلِكَ مِنْكَ فِىْ ظَاهِرِ الْعَقْلِ وَالْحُكْمِ
وَهُوَ فِعْلُ اللّٰهِ وَاِرَادَتُهٗ حَقًّا فِى الْعِلْمِ فَتَدْخُلُ
حِيْنَئِذٍ فِىْ زُمْرَةِ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمُ الَّذِيْنَ
انْكَسَرَتْ اِرَادَتُهُمُ الْبَشَرِيَّةُ وَاُزِيْلَتْ شَهَوَاتُهُمُ
الطَّبْعِيَّةُ فَاسْتُوْنِفَتْ لَهُمْ اِرَادَةٌ رَبَّانِيَّةٌ وَّشَهَوَاتٌ
وَظِيْفِيَّةٌ كَمَا قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

تو وہ فعل و تصرف ظاہر عقل وحکم کے اعتبار سے تم سے دکھائی دے گا[22]
حالانکہ وہ تکوین اور فرق عادت اللہ تعالیٰ کی تصرف و فعل ہے اور نظر علم اور یقین
باطن کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا ہی ارادہ ہے۔

اس مقام پر متمکن و فائز ہونے کے بعد تم منکسرۃ القلوب میں داخل ہو
جاؤ گے جو کہ ہمیشہ کے لیے شکستہ دل اور فانی ہو چکے ہیں۔ جن کے بشری ارادے
ختم اور طبعی شہوات زائل ہو چکی ہیں[23]۔ اور نئے سرے سے انہیں وجود حقانی
اور ارادۂ ربانی سے نوازا گیا ہے[24] اور ان میں روزمرہ کی خواہشات پیدا کی گئی ہیں[25]
جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

---

۲۰ جب تم خود سے فانی ہو جاؤ گے اور فعل و ارادۂ حق میں رہ جاؤ گے۔
۲۱ یعنی خوارق و کرامات کے علم میں تمہیں تصرف عنایت کر دیا جائے گا۔
۲۲ بعض باطن اور نفس الامر کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا فعل ہے کیونکہ معجزہ اور کرامت خدا کا فعل ہے جو کہ بندے کی تصدیق و تکریم کے پیش نظر اس کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے۔ دیگر افعال کی طرح بندے کے قصد و اختیار سے صادر ہونے والا فعل نہیں ہے۔ ۲۳ اور حق تعالیٰ کے ساتھ باقی ہیں۔

حُبِّبَ اِلَىَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلٰثٌ اَلطِّيْبُ وَالنِّسَاءُ وَجُعِلَتْ
قُرَّةُ عَيْنِىْ فِى الصَّلٰوةِ فَاُضِيْفَ ذٰلِكَ اِلَيْهِ بَعْدَ اَنْ خَرَجَ مِنْهُ
وَزَالَ عَنْهُ تَحْقِيْقًا لِمَا اَشَرْنَا اِلَيْهِ وَتَقَدَّمَ۔

کہ حق تعالیٰ کے فعل و ارادہ سے مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزیں محبوب
بنا دی گئیں ہیں[26] (۱) خوشبو (۲) عورتیں (۳) اور میری آنکھوں کی مسرت و خوشی
اور روشنی اور میرا آرام اور شہود خاص نماز میں رکھ دیا گیا ہے۔

تو ان اشیاء کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے جبکہ آپ اس کی
محبت سے دور اور جدا ہو چکے ہے[27] تاکہ جس حقیقت کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے
ہیں وہ درست و ثابت ہو[28]۔

---

۲۴ یعنی اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ان کا ارادہ ہے یہ مقام ہے
بِىْ يَبْصُرُ وَبِىْ يَسْمَعُ کہ وہ میرے ساتھ دیکھتا اور سنتا ہے
۲۵ کہ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِىْ شَاْنٍ (۵۵ آیت ۲۹) اسے ہر دن ایک کام ہے۔
کے مطابق ان میں پیدا فرماتا ہے دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی عادات مستمرہ کے خواہشات نفس اور طبیعت بشری سے پیدا نہیں ہوتیں کیونکہ ارباب معرفت و شہود کے حصے کے حقوق کا علم حاصل کر لیتے ہیں۔
۲۶ کہ جنہیں تم خواہش نفسانی اور میلان شہوانی کی وجہ سے دوست رکھتے ہو وہ میں خواہش اور میل و شہوت سے پسند نہیں کرتا۔
۲۷ جو کہ حکم طبیعت اور خواہش بشری کے مطابق تھی (قرۃ العین کی تحقیق)
۲۸ واضح ہو کہ قرۃ العین فرح و سرور دریافت مقصود اور فوز غیبت سے کنایہ ہے۔ قُرَّةٌ قَرٌّ بمعنی قرار و ثبات پکڑنا سے مشتق ہے کہ آنکھیں محبوب کے نظارہ سے

قرار اور دیدارِ محبوب سے آرام پاتی ہیں اور کسی طرف متوجہ نہیں ہوتیں۔ خوشی کے وقت ساکن اور برقرار رہتی ہیں۔ غیر محبوب کی طرف توجہ سے پریشان، اِدھر اُدھر نگران اور خوف و حزن کی حالت میں لرزاں و سرگرداں رہتی ہیں۔

تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِىْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ۔ ان کی آنکھیں اس آدمی کی طرح گھومتی ہیں جس پر موت کی وجہ سے غشی طاری ہو۔

اس پر دلیل ہے۔ یا قُرَّۃٌ قُرٌّ بمعنی ٹھنڈک سے مشتق ہے۔ محبوب کے مشاہدے سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور لذت حاصل ہوتی ہے اور اغیار کی دید سے گرمی اور سوزش محسوس ہوتی ہے اس لیے کہتے ہیں

اَلْوَلَدُ قُرَّةُ الْعَيْنِ کہ بیٹا آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الصَّلٰوۃُ کی بجائے فِی الصَّلٰوۃِ فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ بمطابق

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ۔ کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ اسے دیکھ رہے ہو۔

نماز میں مشاہدۂ حق کی وجہ سے سرور و آرام ہے نہ کہ نفس نماز سے۔ مشاہدہ کے وقت اگر غیر کی طرف التفات ہو تو اس کا ثواب نہیں ہوتا۔ نماز اگرچہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور نعمت ہے اور فضل و نعمت پر خوشی ایک بلند مقام، مگر نماز عینِ حق نہیں بلکہ غیر حق ہے اور فرمانِ ایزدی ہے

قل بفضل الله وَبِرَحْمَتِهٖ

فَبِذَالِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔

لیکن انعام و فضل فرمانے والے کے مشاہدہ اور اس کی ذات پر فرح و سرور سے کم درجہ ہے۔ چونکہ حق تعالیٰ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز سے ارفع و اعلیٰ

ہیں اس لیے فرمایا فَلْيَفْرَحُوْا کہ لوگ خوش ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فَلْتَفْرَحْ نہیں فرمایا کہ اے محبوب آپ خوش ہوں یعنی اے میرے خاص محب اور مخصوص محبوب آپ کی خوشی میری ذات کی وجہ سے ہے نہ کہ میرے فضل و انعام کی وجہ سے۔ اگرچہ بعض وارثانِ ملت اور خاصانِ امت کو بھی مقام قُرَّةُ الْعَيْنِ سے اپنے مرتبہ کے مطابق نصیب و شرکت حاصل ہے چونکہ قرۃ العین کا شہود معرفت کے مشہود کے مطابق حاصل ہے تو کسی کی معرفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کی مثل نہیں لہذا کسی کا شہود بھی آپ کے شہود جیسا نہیں اور کسی اور کا مقام قرۃ العین آپ کے مقام قرۃ العین کی مانند نہیں۔ دوسرے حضرات بھی اگرچہ حَسْبُنَا اللّٰهُ کہتے ہیں مگر آپ کی حَسْبِيَ اللّٰهُ میں خاص مقام ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں۔

اللھم صل علی محمدٍ وآلہ وصحبہٖ وخواص اولیاء امتہٖ

ووارثی مقامِہٖ وَحَالِہٖ۔

اس حدیث شریف کے بارے میں محدثین عظام نے علم اور روایتِ الفاظ کے اعتبار سے خوب تحقیق فرمائی ہے اور صراط المستقیم کی شرح میں اس کے متعلق استفسار ذکر فرمایا ہے۔

قَالَ اللّٰہُ اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ مِنْ اَجْلِیْ فَاللّٰہُ تَعَالٰی
لَا یَکُوْنُ عِنْدَکَ حَتّٰی تَنْکَسِرَ جُمْلَتُکَ ھَوَاکَ وَ اَرَادَتُکَ۔

[29] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ مِنْ اَجْلِیْ کہ جو لوگ میری ذات اور میری ربوبیت کی عزت وعظمت کی وجہ سے شکستہ دل ہیں میں انکے قریب ہوں۔ تو جب تک تم مکمل طور پر شکستہ نہیں ہو گے اللہ تعالیٰ تمہارے قریب نہیں ہوگا اور مقام قرب وعبدیت سے حقیقۃً مشرف نہیں فرمائے گا۔ وجود بشری کے توڑنے میں عمدہ چیز ہوائی نفس اور ارادۂ دل کو توڑنا ہے جب تم مکمل ٹوٹ جاؤ گے تو تم میں کوئی چیز نہیں ٹھہر سکے گی اور تم اس کے سوا کسی کے کارآمد نہیں رہو گے اور نہ تم میں صلاحیت ہوگی اور فناءِ تمام حاصل ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ ولادت ثانی و وجود حقانی کے ساتھ نئی زندگی مرحمت فرمائے گا [30] پس تم میں اپنی طرف سے ارادہ پیدا فرمادے گا جس سے تم کسی چیز کا ارادہ کرو گے۔

جب [31] تم اس پیدا شدہ ارادہ میں پائے جاؤ گے [32] تو فی الجملہ تمہارا وجود اس ارادہ میں پایا جانے کی وجہ سے۔

---

[29] پھر حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ مقام فنا وبقا کا شرح وبسط کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں۔

[30] بعض نسخوں میں لَہٗ کا اضافہ پایا جاتا ہے کہ اپنے لیے اپنی معرفت اور اظہار تجلیات کے لیے تمہیں پیدا فرمائے گا جیسا کہ موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرمایا۔

وَاصْطَفَیْتُکَ لِنَفْسِیْ۔ اور میں نے تجھے اپنے لیے چن لیا ہے۔

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے احوال میں مذکور ہے آپ نے فرمایا میں ہر روز خلوت میں یہ ندا سنتا ہوں وَاصْطَفَیْتُکَ لِنَفْسِیْ اور میں نے تجھے اپنے لیے چن لیا ہے ؎

دلبراں آئینہ سازند از برائے خویش خاص
تا تماشائی جمال خود در آنجا میکنند

محبوب اپنے جمال کا جلوہ دکھانے کی خاطر اپنے لیے خاص آئینہ تیار کرتے ہیں۔

[31] ابھی مقامِ بقا بہت بلند ہے اس کی تحقیق مزید ذکر فرماتے ہیں۔

[32] یعنی ابھی وجود کا کچھ حصہ اور امتزاج پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ آگے آئے گا کہ یہ ارادۂ حق مجھ میں پیدا ہوا ہے اور آدمی اس سے آرام اور اس کی طرف میلان پائے گا جبکہ حضرت رضی اللہ عنہ خود ذکر فرمائیں گے۔

اور بعض نسخوں میں اس طرح آیا ہے کہ فَاِذَا وُجِدَ فِیْکَ تِلْکَ الْاِرَادَۃُ کہ جب تم میں یہ ارادہ پایا جائے گا جو تمہارے اندر پیدا کیا گیا ہے۔

فَإِذَا انْكَسَرْتَ وَلَمْ يَثْبُتْ فِيكَ شَيْءٌ وَلَمْ تَصْلُحْ بِشَيْءٍ
سِوَاهُ أَنْشَأَكَ اللّٰهُ فَجَعَلَ فِيكَ إِرَادَةً فَتُرِيدُ بِتِلْكَ
الْإِرَادَةِ فَإِذَا وُجِدْتَ فِي تِلْكَ الْإِرَادَةِ النَّشْأَةِ فِيكَ
كَسَرَهَا الرَّبُّ تَعَالَى لِوُجُودِكَ فِيهَا فَتَكُونُ
مُنْكَسِرَ الْقَلْبِ أَبَدًا فَهُوَ لَا يَزَالُ يُجَدِّدُ فِيكَ إِرَادَةً
ثُمَّ يُزِيلُهَا عِنْدَ وُجُودِكَ فِيهَا هٰكَذَا إِلَى
أَنْ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ۔

اللہ تعالیٰ اسے توڑ دے گا اور تم ہمیشہ کے لیے منکسر القلب ہو جاؤ گے تو وہ ہمیشہ ارادہ پیدا فرماتا رہے گا اور جب تک وجود کا کوئی شمہ بھی باقی رہے گا اللہ تعالیٰ اسے زائل کرتا رہے گا[۳۳]۔ یہ معاملہ اس طرح چلتا رہے گا یہاں تک کہ نوشتۂ تقدیر اپنی اجل کو پہنچ جاتا ہے[۳۴]۔

---

۳۳ جیسا کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ کے لباس فاخرہ پر اعتراض کرنے والوں سے فرمایا:

هٰذَا الْكَفَنُ الْمَيِّتِ وَكَفَنُ الْمَيِّتِ أَجْمَلُ وَهٰذَا بَعْدُ أَلْفِ مَوْتٍ۔ یہ میت کا کفن ہے میت کا کفن عمدہ و نفیس ہوتا ہے جبکہ یہ تو بہ ہزار موت کے بعد ہے۔

ع یکبار میرد ہر کسے بیچارہ جامی بارہا

ہر ایک ایک بار مرتا ہے اور جامی بیچارہ بارہا مرتبہ۔

ے ہزار بار بمیری و صد ہزاراں بار
ہنوز مردہ نۂ تا می زتو باقیست

فَيَحْصُلُ اللِّقَاءُ فَهٰذَا هُوَ مَعْنَى أَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ
قُلُوبُهُمْ مِنْ أَجْلِي وَمَعْنَى قَوْلِنَا عِنْدَ وُجُودِكَ فِيهَا
هُوَ رُكُونُكَ وَطَمَأْنِينَتُكَ إِلَيْهَا۔

تو اس وقت خالص اللہ تعالیٰ کی ملاقات حاصل ہوتی ہے[۳۵]۔ یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول مبارک کا،

أَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ أَجْلِي۔ — کہ میں ان کے قریب ہوں جن کے دل میری وجہ سے شکستہ ہیں۔

اور ہمارے قول عِنْدَ وُجُودِكَ فِيهَا کا معنی ہے کہ تمہارا نو پیدا ارادہ اور باطن کی طرف نظر و التفات سے اطمینان و تسکین پانا[۳۶]۔

جب تک ایک سانس بھی باقی ہو ہزاروں بلکہ لاکھوں پر مارنے سے بھی مردہ نہیں کہلا سکتے۔

۳۴ یعنی وقت بقا آجاتا ہے۔

۳۵ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (س ۱۸ آیت ۱۱۰) — تو جسے اپنے رب سے ملنے کی اُمید ہو اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے ربّ کی بندگی میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

عمل صالح ایسی فنا کی طرف اشارہ ہے جس میں بود و نابود کا امتزاج اور وجود کا شائبہ تک نہ رہے اور کوئی ایک چیز بھی وجہ دو شہود حق میں شریک نہ ہو کیونکہ کارخانۂ وجود سالک کی درستی اسی جگہ ہے اس کے سوا سب فساد ہی

قَالَ اللہُ تَعَالیٰ فِیْ بَعْضِ مَا یَذْکُرُہٗ عَنْہُ نَبِیُّہٗ صلی اللہ علیہ وسلم لَا یَزَالُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنُ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ۔

حدیث[37] قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کہ میرا بندہ ہمیشہ نفلی عبادات اور زیادتی خیرات کے ذریعہ میرا قرب ڈھونڈتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں پروردگار عالمین اس کو دوست بنا لیتا ہوں پس جب

فساد ہے۔ [36] کیونکہ ہر وہ مقام و کمال کہ جس پر نظر پڑی اور باطن کی طرف التفات ہوا تو حجاب بن گیا اور حقیقتِ فنا مفقود ہوگئی۔

؎ (۱) تا در تو زپندارِ تو ہستی باقیست
میداں بیقین کہ بت پرستی باقیست
(۲) گفتی بتِ پندار شکستم رستم
ایں بت کہ تو پندارِ شکستی باقیست

(۱) جب تک تم میں پندارِ ہستی باقی ہے تو جان لو کہ بت پرستی ابھی باقی ہے۔
(۲) تم تو کہتے ہو کہ پندار کو توڑ کر رہائی پا چکے ہیں۔ نہیں۔ جس پندار کو تو نے توڑا ہے وہ ابھی باقی ہے۔

[37] یہ مقام فنا کی تحقیق ذکر کرنا ہے۔

فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّذِیْ یَمْشِیْ بِہٖ وَفِیْ لَفْظٍ اٰخَرَ فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَبْطِشُ وَبِیْ یَعْقِلُ وَھٰذَا اِنَّمَا یَکُوْنُ حَالَۃَ الْفَنَا لَاغَیْرُ۔

دوست بنا لوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

دوسری حدیث میں اس طرح ہے۔ تو مجھ سے سنتا اور دیکھتا ہے اور میرے ساتھ پکڑتا اور سمجھتا ہے[38] اور یہ حال حالتِ فنا میں ہی حاصل ہو سکتا ہے[39] نہ کہ غیر فنا میں۔

---

[38] مخفی نہ رہے کہ پہلے عقل کا ذکر نہیں آیا جو بِیْ یَعْقِلُ اس پر متفرع ہو مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عقل و ادراک سننے اور دیکھنے کو لازم ہیں یا کسی اور حدیث میں اس طرح ہو وَکُنْتُ عَقْلَہُ الَّذِیْ یَعْقِلُ بِہٖ کہ میں اس کی عقل بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سمجھتا ہے۔

؎ بی یسمع و بی یبصر بی یبطش و بی یمشی
سر لیست بے غامض تدریہ ولا تغشی

میرے ساتھ سنتا، دیکھتا، پکڑتا اور چلتا ہے یہ انتہائی مشکل راز ہے جسے تم معلوم کرو گے اور اس سے پردہ میں نہیں رکھے جاؤ گے۔

[39] حدیث شریف کا حاصل معنی یہ ہوگا جیسا کہ حضرت رضی اللہ عنہ کے سیاق کلام کی دلالت ہے کہ جب بندے کے وجود کا کارخانہ ٹوٹ جائے۔ ہوا و ہوس ارادہ و خواہش اور فعل اس سے نکل گئے اور بندہ کلی طور پر فانی ہوگیا اور بندے کی نظر شہود میں اللہ تعالیٰ

کے فعل وارادہ کے سوا کچھ نہ رہا اور غلبۂ محبت بندے کو اس سے سلب کرتے ہوئے لے گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے فعل وارادہ کے ساتھ باقی ہوگیا اور اس کے شہود اور صفتِ قیومیت کے ساتھ باقی ہوگیا تو ہر چیز اللہ تعالیٰ سے پاتا ہے اور اس کے ساتھ پاتا ہے۔

؎ رفت او زمیاں ہمی خدا ماند و بس ۔

الفقر اذا تم ھو اللہ اینست

بندہ درمیان سے اُٹھ گیا صرف خدا ہی خدا رہ گیا الفقر اذا تم ھو اللہ کا یہی معنی ہے ۔

ع کے بود زما جدا ماندہ من و تو رفتہ و خدا ماندہ

وہ ہم سے جُدا کیسے رہ سکتا ہے میں اور آپ اُٹھ گئے تو خدا رہ گیا۔

واضح ہو کہ حضرت رضی اللہ عنہ کا اشارہ مقامِ فناء مطلق کی طرف ہے جو کہ جمیع مقاماتِ فنا کو جامع ہے اس مقام کا نام قربِ نوافل رکھ کر فنائے صفات کے ساتھ اس کی تخصیص کرتے ہوئے اور اس کے اوپر مقامِ قربِ فرائض اور اس کے اوپر مقام جامع مرتبتین ثابت کرنا یہ متاخرین صوفیہ کی جدید اصطلاح ہے لہذا یہ وہم نہ کرنا کہ کتاب میں جس کی طرف اشارہ ہے یہی مرتبۂ کمال کی انتہا ہے۔

یہ بات کتاب کے آخری مقالات میں مزید شرح وبسط کے ساتھ بیان ہوگی اور انشاء اللہ تشفی بخش ہوگی۔

فَاِذَا اَفْنَيْتَ عَنْكَ وَعَنِ الْخَلْقِ وَالْخَلْقُ اِنَّمَا هُوَ خَيْرٌ
وَّ شَرٌّ وَّ كَذٰلِكَ اَنْتَ خَيْرٌ وَّ شَرٌّ فَلَمْ تَرْجُ خَيْرَهُمْ وَلَا تَخَافُ
شَرَّهُمْ يَبْقَى اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَمَا كَانَ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ.

جب[40] تو خود کو اپنے آپ سے اور مخلوق سے فنا کرلے گا۔ اور مخلوق خیر بھی ہے اور شر بھی اور اسی طرح تم خیر بھی ہو اور شر بھی۔ لہذا مخلوق کی خیر کی امید نہ رکھو اور اس کے شر کا خوف نہ کھاؤ نظر شہود میں اللہ تعالیٰ وحدہ باقی رہے گا۔[41] جیسا کہ وہ وجودِ مخلوق سے قبل تھا

فَفِيْ قَدَرِ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ شَرٌّ فَيُؤْمِنُكَ مِنْ شَرِّهٖ وَيُغْرِقُكَ
فِيْ بِحَارِ خَيْرِهٖ فَتَكُوْنُ وِعَاءً لِّكُلِّ خَيْرٍ وَّ مَنْبَعًا لِّكُلِّ نِعْمَةٍ
وَّ سُرُوْرٍ وَّ حُبُوْرٍ وَّ نُوْرٍ وَّ ضِيَآءٍ وَّ اَمْنٍ وَّ سُكُوْنٍ
فَالْفَنَآءُ هُوَ الْمُنٰى وَالْمُبْتَغٰى وَالْمُنْتَهٰى.

اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں خیر وشر دونوں موجود ہیں[42] تو وہ تقدیر کے شر سے تمہیں محفوظ کردے گا۔[43] اور اپنے خیر کے دریا میں غرق کردے گا۔[44] اور تم ہر بھلائی کے کاموں اور ہر نعمت وراحت، نور وچین اور امن وسکون کا چشمہ بن جاؤ گے[45] یہی فنا طالبوں اور سالکوں کا مطلوب ومقصود اور ان کے مطالب کا منتہی ہے۔

---

۴۰ اس کے بعد فنا وبقا کے نتیجہ وخلاصہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ولی کو دارِ دُنیا میں اقامت اہلِ عالم کے ساتھ معاشرت ومخالطت حاصل ہوتی ہے اور اس حال میں وہ زندگی گذارتا ہے۔ چنانچہ آگے فرمارہے ہیں۔

۴۱ اس طرح دکھائی دے گا کہ اس کے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔

۴۲ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کا ہر نیک وبد کے ساتھ تعلق قائم ہے۔

۴۳ جو اس نے مقدر کر رکھی ہے۔

۴۴ اور اس مقام پر نظرِ شہود میں خیر کے سوا کچھ نہیں رہا کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کی خالقیت کی نسبت ایک ذرہ بھی حکمت سے خالی نہیں ہے تمام حسن و خیر ہی ہے۔ قبح و شر بندہ کی نسبت سے ہے کہ اس کا فعل نہی کے ساتھ متعلق ہو گیا ہے در حقیقت فعلِ شر شر ہے نہ کہ خلقِ شر اور آیہ مبارکہ

وھو العزیز الرحیم الذی احسن کل شئی خلقه۔

کا اس کی طرف اشارہ ہے۔

؎ کفر ہم نسبت بخالق حکمت است
چوں بما نسبت کنی کفر آفتست

کفر پیدا کرنے والے کی نسبت کفر حکمت ہے، لیکن ہماری نسبت کفر آفت ہے۔ ۴۵ نور اور ضیاء ہم معنی ہیں۔ بعض مقام پر فرق بھی کرتے ہیں۔ ضیاء اس روشنی کو کہتے ہیں جو بالذات ہو اور بالعرض کو نور کہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں شمس کو ضیاء اور چاند کو نور بتایا گیا کیونکہ چاند کا نور سورج سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ مشہور ہے واللہ اعلم۔

یعنی تم ہر ذاتی اور عرضی، اندرونی و بیرونی روشنی کا منبع بن جاؤ گے۔ دعائے ماثورہ میں آتا ہے: اے اللہ میرے دل و جان، آنکھ، کان اور زبان میں نور بھر دے۔ میرے دائیں بائیں، اوپر نیچے اور آگے پیچھے نور ہی نور کر دے اور مجھے نور عطا فرما اور میرے لیے نور کو عظیم بنا دے اور مجھے سراپا نور بنا دے اور نور اللہ تعالیٰ و تقدس کا اسم گرامی ہے اس لیے مرد عارف یہ کہتا ہے:

؎ سرتاپا یم فدای سرتاپایت
میں سرتاپا تیرے سرتاپا کا فدا ہوں

وَحدۃٗ وَمَردٗ یَنتَھِی اِلَیہِ سیرُ الاَولیاءِ

اور یہی حد اور بازگشت ہے کہ جہاں جا کر اولیاء کرام کے سیر و سلوک کی انتہا ہوتی ہے۔

۴۶ مقام ولایت کی تفصیل اور حیاتِ انبیاء

عرفاء کہتے ہیں کہ سلوک جسے سیر الی اللہ کہتے ہیں کار تمام فنا کے ساتھ ہے اور ولایت کا دروازہ جب اس میں داخل ہوں تو ولایت کے شہر میں پہنچ جائیں وہ فنا ہی ہے اور یہی انتہا کا معنی ہے اور جو اس مقام پر پہنچ جائے وہ منتہی ہے اور سالک جب اس مقام پر پہنچتے ہیں تو زیورِ کمال کے ساتھ آراستہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد بقا اور سیر فی اللہ کی ابتداء ہے اور اس مقام پر صفاتِ حق کی تجلیات کے ساتھ تربیت پا کر مرتبۂ تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں پھر سیر من اللہ ہے کہ ناقصوں کی تکمیل کے لیے اس مقام سے سالکین نیچے آجاتے ہیں۔

؎ قاصد از زیر آید از چرخ بلند
تا شکستہ پایگاں بر دے تنند

عاجزوں کو وابستہ کرنے کی خاطر قاصد چرخ بلند سے نیچے آتا ہے۔

اس کے بعد ایک اور سیر ہے جسے سیر الی اللہ کہتے ہیں جس میں مخلوق سے مطلق لاتعلقی ہے:

اِختَرتُ الرَّفِیقَ الاَعلٰی۔ کہ میں نے رفیق اعلیٰ کو اختیار کیا۔

اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اس سیر کے بعد سلسلہ ارشاد و تکمیل منقطع ہو جاتا ہے، لیکن بعض خاص کامل اولیاء کی طرف حیاتِ معنوی کے وجود کے ساتھ امداد و اعانت باقی ہے ؎

تُدُمَاتُ قَومٌ وَھُم فِی النَّاسِ اَحیَاءُ۔ کچھ لوگ دنیا سے

چلے جانے کے بعد بھی لوگوں میں زندہ ہیں۔

؎ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

جس کا دل عشق سے زندہ ہوگیا وہ ہرگز نہیں مرتا۔ صفحۂ ہستی پر ہماری جاودانی ثابت ہے۔

اربابِ طریقت اور اہلِ کشف کے نزدیک یہ امر تحقیق شدہ ہے اور شرعی قواعد واحکام کی کوئی چیز بھی ان کے خلاف نہیں ہے۔

دیگر مقالات پر تفصیلی کلام واقع ہوا ہے لیکن یہاں تنگی مقام کے پیش نظر اس پر اکتفاء ہے۔ یہ بات اولیاء کے بارے میں ہے، لیکن انبیاء کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات حیاتِ حقیقی دنیاوی کے ساتھ زندہ اور باقی ہیں اور تصرف فرماتے ہیں۔ یہاں ان کی بات نہیں ہو رہی۔

وَهُوَ الْاِسْتِقَامَةُ الَّتِیْ طَلَبَهَا مَنْ تَقَدَّمَ مِنَ الْاَوْلِيَاءِ وَالْاَبْدَالِ
عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اَنْ يَّفْنُوْا عَنْ اِرَادَتِهِمْ وَتَتَبَدَّلَ بِاِرَادَةِ الْحَقِّ
عَزَّوَجَلَّ فَيُرِيْدُوْنَ بِاِرَادَةِ الْحَقِّ اَبَدًا اِلَى الْوَفَاتِ۔

اور [47] فنا وہی استقامت ہے جس کے پہلے اولیاء وابدال رحمہم اللہ طالب رہے ہیں [48] کہ وہ اپنے ارادے سے فانی ہوجائیں اور اسی کی جگہ ارادۂ حق سے اور اس کے ساتھ باقی ہوجائیں تو وہ ہمیشہ فوت ہونے اور اس عالم سے جانے تک ارادۂ حق کا ساتھ چاہتے ہیں [49]۔

---

[47] مقام فنا کی تشریح اور تعریف فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ

[48] جو کہ صراطِ مستقیم پر چلنے والے ہیں اور الذین انعمت علیہم کے ساتھ ان کی طرف اشارہ ہے اور مغضوب علیہم وہ لوگ ہیں جو نفس اور خواہشاتِ نفس میں گرفتار دوری اور محرومی کے بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں اور الضالین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس راہ پر چلنے کا قصد کرتے ہیں اور اچانک نفس وشیطان کا وسوسہ اسے دائیں یا بائیں گرا دیتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ صراطِ مستقیم پر چلنے اور اس پر دوام وثبات کو استقامت کہتے ہیں جس کا نتیجہ اور مرجع وحاصل وہ فنا ہے۔

[49] کہ یہ احکام واعمال کے جاری رہنے کی انتہا ہے اور احوال کن (کرو) مکن (نہ کرو) کا تعلق جہاں تک ہے۔

فلهذا اسموا الابدال فذنوب هؤلاء السادات ان تشركوا
ارادة الحق بارادتهم وعلى وجه السهو والنسيان وغلبة الحال
والدهشة فيدركهم الله تعالى برحمته بالتذكرة
واليقظة فيرجعوا عن ذلك ويستغفروا ربهم۔

اسی لیے ان کا نام ابدال رکھا گیا ہے [50] ان کے گناہ [51] یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے ساتھ غفلت، غلبۂ حال اور دہشت و حیرت کی وجہ سے [52] اپنے ارادے کو شریک کرنا تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی اور لطف و کرم کے ساتھ انہیں پالیتا ہے اور بیدار و ہوشیار کرکے یاد کرادیتا ہے [53] تو وہ اس غفلت و فراموشی سے رجوع کرتے ہوئے اپنے رب کی بارگاہ میں مغفرت کے طالب ہو جاتے ہیں [54]

---

[50] **ابدال کی وجہ تسمیہ** کہ ان کے ارادہ ارادۂ حق سے تبدیل ہو چکے ہیں اور ابدال اس لیے بھی کہتے ہیں کہ دنیا ان سے خالی نہیں رہتی۔ اگر ایک چلا جاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ آجاتا ہے اور بعض عرفاء نے ان کو ابدال کہنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ کبھی بدن کو اپنی جگہ چھوڑ کر خود کسی اور جگہ چلے جاتے ہیں۔ یا اپنا اصلی بدن یہاں چھوڑ کر وہ کبھی بدن کے ساتھ کسی اور جگہ چلے جاتے ہیں۔

[51] جب یہ لوگ اس مرتبہ علیا پر فائز ہیں تو لوگوں کے گناہ تو ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع کردہ کاموں کا ارتکاب مگر......

[52] جب لوگ مشاہدۂ حق کی وجہ سے سررشتہ گم کردیتے ہیں اور اعتدال و استقامت کی رعایت نہیں رہتی۔

[53] جیسا کہ آیہ کریمہ اس پر دلالت کرتی ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ۔

بیشک جب پرہیزگاروں کو شیطانی گروہ چھوتا ہے تو انہیں (حق بات) یاد آجاتی ہے اور وہ انکھیارے ہو جاتے ہیں۔

[54] کہ انہوں نے اپنے ارادہ کو ارادۂ حق کے ساتھ شریک بنالیا تھا اگر سہو و نسیان کے ساتھ تھا۔

اذ لا معصوم عن الارادة الا الملئكة عصموا
عن الارادة والانبياء عصموا عن الهوى
وبقية الخلق من الجن والانس المكلفين لم يعصموا
منهما غير ان الاولياء يحفظون عن الهوى والابدال
عن الارادة ولا يعصمون منهما على معنى انه
يجوز في حقهم الميل اليهما في الاحيان۔

کیونکہ اپنے ارادہ و خواہش کو خدا کے ارادہ و خواہش کے ساتھ شریک ٹھہرانے میں فرشتوں کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے کیونکہ انہیں ارادے سے بچالیا گیا ہے [55] اور انبیاء کرام علیہم الصلوات خواہش نفس سے معصوم ہیں [56] اور باقی جمیع مخلوق خواہ جن ہوں یا انسان ان دونوں (ارادہ و خواہش نفس)

---

[55] کیونکہ ان میں وجود بشریت اور لوازم بشریت ہی موجود نہیں ہیں۔

[56] اس جگہ فرشتوں کی انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ فضیلت کا دارومدار یہاں کثرت ثواب پر ہے نہ کہ عصمت ذاتی اور جوہر کے مجرد ہونے پر۔ اس کی تحقیق اپنے مقام پر آئے گی۔

سے معصوم نہیں۔ مگر اتنی بات ہے کہ اولیاء خواہش نفس سے اور ابدال ارادہ سے محفوظ ہیں معصوم نہیں ہیں۔ اس معنیٰ کے اعتبار سے کہ اولیاء کرام کے حق میں خواہشِ نفس کی طرف اور ابدال کے حق میں اپنے ارادہ کی طرف بعض اوقات بطریق[58] غفلت و فراموشی غلبۂ حال اور دہشت و حیرت کے میلان جائز ہے۔

ثُمَّ یَتَدَارَکُھُمُ اللّٰہُ بِالْیَقْظَةِ بِرَحْمَتِہٖ۔

پھر اللہ تعالیٰ انہیں ہوشیار و بیدار کرتے ہوئے اپنی رحمت سے پالیتا ہے[59]

---

[57] کہ جنہیں شریعت کے اوامر و نواہی کی تکلیف دی گئی ہے۔

[58] نہ کہ ذلت، معصیت اور ہفوت کے اسباب سے۔

[59] انہیں چھوڑ نہیں دیتا اور اس حال پر احراز کرنے والے نہیں بننے دیتا۔

عصمت و حفاظت میں فرق

عصمت و حفاظت میں فرق یہ ہے کہ عصمت کی صورت میں خطا و معصیت راہ نہیں پاتی اور حفاظت کی صورت میں خطا اگر ہو جائے تو قائم نہیں رہتی جلد ہی چلی جاتی ہے اور توبہ و استغفار اور رحمت پروردگار سے محو ہو جاتی ہے۔ یہی مراد ہے بزرگوں کے اس کلام سے کہ عصمت معصیت سے پہلے ہوتی ہے اور حفاظت معصیت کے بعد امر یہ کہ انبیاء معصوم ہیں اور اولیاء محفوظ ..... واللہ اعلم۔

المَقَالَةُ السَّابِعَةُ

قَالَ رضہ اُخْرُجْ مِنْ نَفْسِكَ وَتَنَحَّ عَنْهَا وَانْعَزِلْ مِنْ مُلْكِكَ
وَسَلِّمِ الْكُلَّ اِلَى اللّٰهِ فَكُنْ بَوَّابَهٗ عَلٰى بَابِ قَلْبِكَ۔

مقالہ ۷: **دلی غم سے نجات**: حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خود کو نفس کی خواہش اور پیروی سے نکال کر یکسو ہو جاؤ اور اس کے پیچھے نہ چلو اور اپنے وجود کی مملکت سے بیگانہ ہو جاؤ[1]۔ اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو[2] اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دربان بن کر اپنے دل کے دروازے پر بیٹھ جاؤ[3]

---

[1] اور جس چیز میں تمہارا تصرف اور حکم چلتا ہے اس سے جدائی اختیار کر دو۔ مِلک میم کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن مُلک میم کے ضمہ کے ساتھ زیادہ مناسب ہے۔

[2] تاکہ وہ جو چاہے کرے شرعی احکام و اوامر بجالاتے ہوئے اور احکام قہریہ کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے حکم اور امر کے تابع ہو جاؤ۔

[3] رو بر درِ دل بنشین کان دلبر خرگاہے
وقت سحرے آید یا نیم شبی باشد

وہ محبوب سحری کے وقت یا آدھی رات کے وقت جلوہ گر ہوگا اس لیے جاؤ اور دل کے دروازہ پر بیٹھ جاؤ۔

وَامْتَثِلْ اَمْرَهٗ فِیْ اِدْخَالِ مَنْ یَّامُرُكَ
بِاِدْخَالِهٖ وَانْتَهِ بِنَهْیِهٖ فِیْ صَدِّ مَنْ یَّامُرُكَ
بِصَدِّهٖ فَلَا تُدْخِلِ الْهَوٰی فِیْ قَلْبِكَ بَعْدَ اَنْ خَرَجَ
مِنْهُ فَاِخْرَاجُ الْهَوٰی عَنِ الْقَلْبِ بِمُخَالَفَتِهٖ وَتَرْكِ
مُتَابَعَتِهٖ فِی الْاَحْوَالِ كُلِّهَا وَاِدْخَالُهٗ فِی الْقَلْبِ
بِمُتَابَعَتِهٖ وَمُوَافَقَتِهٖ فَلَا تُرِدْ اِرَادَةً غَیْرَ اِرَادَتِهٖ۔

اور جس چیز کو دل میں داخل کرنے کا حکم دے اس کو دل میں جگہ دے کر امرِ حق کی پیروی کرو[۴] اور جس چیز کو دل میں داخل کرنے سے منع فرما دے اسے دل میں داخل کرنے سے رُک جاؤ[۵] جب خواہش تمہارے دل[۶] سے نکل چکی ہے تو اسے دل میں داخل نہ ہونے دو۔ خواہش کو دل سے ہر حال میں اس کی مخالفت اور ترک متابعت کے ذریعے ہی نکالا جا سکتا ہے اور اسے دل میں داخل کرنے کا ذریعہ خواہش کی پیروی اور متابعت ہے۔ پس تم اللہ تعالیٰ کے ارادے کے سوا کوئی ارادہ نہ کرو[۷]۔ اس کے

اگرچہ یہ بھی کہا ہے :

؎ مبر اُمید کہ عمرم بشد و یار نیامد
کہ گہہ آید وی میگہ نہ ہمہ در سحر آید

یہ خیال نہ کرنا کہ عمر یونہی گذر گئی اور محبوب نہیں آیا وہ وقت و بے وقت آ سکتا ہے سحری کے وقت کوئی ضروری نہیں۔

یعنی ہمیشہ دل کا دربان اور وقت کا پاسبان رہنا چاہیے۔

۴ یعنی اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء کرام اور اوامر و نواہی کا ذکر

وَغَیْرُ ذٰلِكَ مِنْكَ تَمَنٍّ وَهُوَ وَادِی الْحُمَقَاءِ
وَفِیْهِ حَتْفُكَ وَهَلَاكُكَ وَسُقُوْطُكَ مِنْ عَیْنِهٖ
وَحِجَابُكَ عَنْهُ اَحْفَظْ اَبَدًا اَمْرَهٗ وَانْتَهِ اَبَدًا
نَهْیَهٗ وَسَلِّمْ اَبَدًا اِلَیْهِ مَقْدُوْرَهٗ وَلَا تُشْرِكْ
بِشَیْءٍ مِّنْ خَلْقِهٖ فَاِرَادَتُكَ وَهَوَاكَ
وَشَهَوَاتُكَ كُلُّهَا خَلْقُهٗ

علاوہ تیری آرزو[۸] ہے اور یہ بے عقلوں اور احمقوں کی وادی ہے[۹] اس میں پڑنا تمہاری ظاہری و باطنی موت و ہلاکت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت سے گرنے کا سبب اور اس کے مشاہدہ و معرفت سے حجاب (پردہ) ہے[۱۰] ہمیشہ اس کے امر کی پیروی اور نہی سے اجتناب کرو اور اس کی تقدیر اس کے سپرد کر دو[۱۱]۔ اس کی مخلوق میں سے کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ تمہارا ارادہ خواہش اور آرزوئیں سب اس کی مخلوق ہیں لہٰذا تم ارادہ

---

۵ یعنی گناہ اور لایعنی باتوں کا خیال اور اللہ تعالیٰ اور اس کے تعلق والوں کے غیر کا ذکر جیسا کہ بادشاہ دربان کو دروازے پر بٹھاتا ہے اور جس کے اندر آنے کی اجازت دیتا ہے اسے آنے دیتا ہے اور جس کی اجازت نہیں ہوتی اسے داخل نہیں ہونے دیتا۔

۶ ایمان، توبہ اور انابت کے ذریعے۔ کیونکہ توبہ کے بعد گناہ میں گرنا سخت تر اور زیادہ نقصان دہ ہے چنانچہ کہتے ہیں :

النکسۃُ اشد من المرض کہ مرض کا لوٹ آنا مرض لگنے سے

زیادہ سخت ہے۔

[7] کیونکہ وہ جو چاہتا ہے اور تقدیر کرتا ہے وہی ہوتا ہے۔

[8] نفس کی خواہش اور آرزو باطل و بے اثر ہے۔

[9] جو نفس کی وادی سے حیران و سرگردان پھرتے ہیں۔

[10] لہٰذا اس کی تقدیر اور ارادہ پر راضی رہنا چاہیے اور اس کے ارادے کے خلاف نہ کچھ کرنا چاہیے نہ ہی سوچنا اور نہ ہی امید رکھنی چاہیے اس کے باوجود امر و نہی کے دائرہ سے باہر نہیں نکلو گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح قضا و قدر کو بنایا ہے اسی طرح امر و نہی کو بھی بنایا ہے جیسا کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ آگے فرماتے ہیں:

[11] دین اسلام کا خلاصہ یہ تین چیزیں ہی ہیں (۱) حکمِ الٰہی کی پیروی (۲) اس کی منع کردہ چیز سے رُکنا (۳) رضا بقضائے الٰہی جیسا کہ اس فتوح الغیب کے پہلے مقالے میں فرمایا ہے کہ ہر مومن کے لیے ہر حال میں تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے:

(۱) امر کی پیروی (۲) نہی عنہ سے پرہیز کرے (۳) اور قدر پر راضی رہے۔

فَلَا تُرِدُوْا وَلَا تَهْوُوْا وَلَا تَشْتَهِ لِئَلَّا تَكُوْنَ مُشْرِكًا
قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَآءَ رَبِّهٖ
فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا
لَيْسَ الشِّرْكُ عِبَادَةَ الْاَصْنَامِ فَحَسْبُ بَلْ هُوَ مُتَابَعَتُكَ
لِهَوَاكَ وَاَنْ تَخْتَارَ مَعَ رَبِّكَ عَزَّوَجَلَّ شَيْئًا سِوَاهُ مِنَ الدُّنْيَا
وَمَا فِيْهَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا فِيْهَا۔

اور خواہش نہ کرو اور کسی چیز کی آرزو نہ کرو تاکہ تم شرک کرنے والے نہ ہو[12] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جسے اپنے رب سے ملنے کی اُمید ہو اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور ربّ کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے (پ ۱۸ آیت ۱۱۰)

شرک صرف بتوں کی پوجا ہی نہیں ہے اور اپنی خواہش کی پیروی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ماسوا دنیا اور اس کی اشیاء آخرت اور اس کی اشیاء کو اختیار کرنا بھی شرک ہے۔

---

[12] شرکِ خفی نہ کر سکو، لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا اور سوال ارادہ و خواہش کے قبیل سے نہیں ہے بلکہ یہ تو عبودیت ہے کہ بندہ امر الٰہی کی پیروی کا قصد کرتے ہوئے بجا لاتا ہے جیسا کہ وقت آنے پر نماز مامور بہ ہے دعا بھی وبلکے اُترنے یا نہ اترنے کے خوف کے سبب مامور بہ ہے ہاں نماز فرض ہے اور دُعا فرض نہیں ہے اور دُعا بھی اگر بطریقِ خواہشِ نفس تعمیل بشری ہوگی تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

حاصل کلام۔ اگر ارادۂ عبد ارادۂ حق کے مطابق ہو جائے اور بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادہ کے پیشِ نظر ارادہ کرے تو وہ درحقیقت ارادہ نہیں ہے وہی حیثیت

فَمَا سِوَاہُ عَزَّوَجَلَّ غَیْرُہٗ فَاِذَا کُنْتَ اِلٰی
غَیْرِہٖ فَقَدْ اَشْرَکْتَ بِہٖ عَزَّوَجَلَّ غَیْرَہٗ۔

اور جو چیز خدا نہیں اور خدا کے لیے بھی نہیں وہ اللہ تعالیٰ کا غیر ہے[13] جب تم غیر کی طرف میلان کرو گے اور اس سے سکون و آرام حاصل کرو گے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراؤ گے[13]۔

(انتقالِ امر) پیش نظر رہنی چاہیے نہ کہ یہ

دوست دارم خویشتن را نہ از برائے خویشتن
بلکہ بہر آنکہ دلبر دوست میدارد مرا

میرا محبوب مجھ سے محبت رکھتا ہے اس لیے مجھے بھی اپنے آپ سے لگاؤ ہے ورنہ نہیں۔

اور استغراق واضمحلال (نابود ہونا) اور چیز ہے جس میں شعور اور ادراک نہیں رہتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ قربِ خدا کی تحقیق | شیخ کامل عالم، عارف باللہ، امام علی متقی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ رسالہ "تبیین الطریق" میں فرماتے ہیں غیر اللہ سے سالک کی دوری اللہ تعالیٰ کا قرب ہے۔ غیر اللہ سے قطع تعلق وصل باللہ ہے۔ غیر منہی عنہ اور مباح میں منحصر ہے۔ تمام مخلوق، زمین و آسمان، دریا و بیابان، شجر و حجر اور اسبابِ معیشت اور اس کے متعلق علوم میں اشتغال مباح میں داخل ہے لہذا سالک کا منہیات کے بعد مباحات کے چھوڑے بغیر قرب ناقص قرار پائے گا اور مباحات کے ذھول سے قرب تام ہوگا، تو سالک جس قدر غیر سے بعید اور منقطع

فَاحْذَرْ وَلَا تَرْکَنْ وَخَفْ وَلَا تَاْمَنْ فَتِّشْ وَلَا تَغْفَلْ
فَتَطْمَئِنَّ وَلَا تَنْسُبْ اِلٰی نَفْسِکَ حَالًا وَّلَا مَقَامًا وَّلَا تَدَّعِ
شَیْئًا مِّنْ ذٰلِکَ فَاِنْ اُعْطِیْتَ حَالًا وَّ اُقِمْتَ فِیْ مَقَامٍ
فَلَا تُخْبِرْ اَحَدًا شَیْئًا مِّنْ ذٰلِکَ فَاِنَّ اللّٰہَ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ
فِیْ تَغْیِیْرٍ وَّتَبْدِیْلٍ وَاِنَّہٗ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ۔

تجھے غیر حق سے پرہیز کرنا چاہیے سکون نہیں پکڑنا چاہیے ڈرنا چاہیے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے حال کی تحقیق کرو[14] ماسوائے اطمینان حاصل کرنے کیلئے غافل و بے خبر نہ ہو[15] اپنے نفس کی طرف کسی حاصل شدہ حال اور مقام کی طرف نسبت نہ کرو اور نہ ہی اس کا دعویٰ کرو[16] اگر تجھے ایک حال بخشا جائے اور ایک مقام میں اقامت عطا کی جائے تو کسی کو اس کی خبر نہیں دینی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر دن[17] تغیر و تبدل کرنے کے اعتبار سے ایک نئی شان میں ہے مردہ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل اور پردہ بن جاتا ہے[18]

ہوگا اسی قدر حق کے قریب اور واصل ہوگا۔

قرب نے بالا و پستی رفتن است
قربِ حق از جنس ہستی رستن است

یعنی اپنی ہستی سے چھٹکارا پانا ہی قربِ حق ہے نہ کہ بالا و پستی کی سیر۔

۱۳ غیرِ حق یک ذرہ کل مقصود تست ٭ تیغ لا برکش کہ آں معبود تست

غیرِ حق ایک ذرہ بھی تمہارا مقصود ہو تو اس پر لا کی تلوار چلا دو کیونکہ وہ تمہارا معبود ہے۔

۱۴ تاکہ اپنے اندر شرک کی باریکیوں اور مخفی باتوں کو دیکھ اور سمجھ سکو۔

شاید کہ جس حال و مقام کی تونے اطلاع دی ہے اسے زائل کردے اور جس بقا و ثبات کا خیال کرتا تھا اس کو تبدیل کردے تو تم نے جس کو اطلاع دی ہو اس کے سامنے شرمندہ ہو گے[19] اسے اپنے باطن میں محفوظ رکھو اور غیر کو مطلع نہ کرو اگر دوام و بقا حاصل ہو تو اسے عطاء الٰہی سمجھتے ہوئے توفیقِ شکر اور زیادتیٔ نعمت کا سوال کرو۔

---

۱۵ یہ ماسوائے آرام و سکون دنیا کی متمنیات و شہوات اور اس کے مطالب و مقاصد میں ہوتا ہے بلکہ سلوک و قرب کے احوال و مقامات کو بھی شامل ہے جیسا کہ حضرت رضی اللہ عنہ خود آگے فرما رہے ہیں :

۱۶ کلام تو یہی بتاتا ہے کہ سکون و اطمینان کی اپنی طرف نسبت اور احوال و مقامات کا دعویٰ اور اغیار کو اطلاع و اخبار سے مخالفت مقامِ فنا اور ترک ارادہ و خواہش کے منافی ہونے کی وجہ سے ہے مگر آئندہ کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و تعریف، تغیر و تبدیل اور بندے کے احوال و مقامات کا مراقبہ و ملاحظہ کرنے والے طریقِ کمال کے سالک کو وصیت ہے تاکہ وہ دوسرے احوال کے وارد ہونے کے وقت شرمندہ اور جھوٹا نہ ہو۔

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ آگے فرماتے ہیں :

۱۷ مخلوقات کے احوال و مقامات اور کائنات کے محو و اثبات میں۔

۱۸ وہ ہمتوں کو منسخ کرنے اور ارادوں کو توڑنے، مطالب کو تبدیل اور مقاصد کو بعید کرنے میں مالک و متصرف ہے۔

فَيُزِيلُكَ عَمَّا اَخْبَرْتَ بِهٖ وَيُغَيِّرُكَ عَمَّا تَخَيَّلْتَ
ثَبَاتَهٗ وَبَقَائَهٗ فَتَخْجَلُ عِنْدَ مَنْ اَخْبَرْتَهٗ بِذٰلِكَ
بَلْ اِحْفَظْ ذٰلِكَ فِيْكَ وَلَا تَعُدْهُ اِلٰى غَيْرِكَ
فَاِنْ كَانَ الثَّبَاتُ وَالْبَقَاءُ فَتَعْلَمُ اَنَّهٗ
مَوْهِبَةٌ وَتَسْئَلُ تَوْفِيْقَ الشُّكْرِ وَاسْتِزَادَتِهٖ
وَاِنْ كَانَ غَيْرُ ذٰلِكَ كَانَ فِيْهِ زِيَادَةُ عِلْمٍ
وَّمَعْرِفَةٍ وَّنُوْرٍ وَتَيَقُّظٍ وَتَادِيْبٍ۔

اور اگر دوام حاصل نہ ہو[20] تو اس میں علم و معرفت[21]، نور[22] و بیداری[23] اور تادیب[24] کا اضافہ ہوگا۔

---

۱۹ اور اس حال و مقام میں دوام و بقاء کے دعویٰ میں کذب لازم آئے گا اللہ تعالیٰ کے قہر و عظمت اور احوالِ بندگان میں تغیر و تبدیل سے بے خوفی کی وجہ سے خسارہ و رسوائی حاصل ہوگی۔

۲۰ کہ اس حال و مقام کو فنا و زوال آجائے۔

۲۱ صفاتِ حق کی تصریف، تغیر و تبدیل افناء و اعدام، غلبہ و جلال اور دیگر صفاتِ قہریہ کی معرفت میں اضافہ ہوگا۔

۲۲ جو کہ علوم و معرفت کو لازم ہے۔

۲۳ تاکہ اس حال کے تغیر و تبدل پر تمام احوال و اوضاع کو قیاس و استدلال کرتے ہوئے عبرت حاصل ہو۔

۲۴ تاکہ مولیٰ کریم کی سیاست سے بندہ اپنے حال پر مغرور، اس کی قدرت سے غافل اور خفیہ تدبیر سے بے خوف نہ رہے۔ نور اور تیقظ کی زیادتی کا ذکر اس

لیے فرمایا کہ بندۂ مومن اصل صفات سے خالی نہیں ہوتا اور اس حال کا ورود نمو اور زیادتی کا باعث ہوگا یا زیادتی ثبات وبقا کی نسبت ہوگی کیونکہ لطف اور صفات لطیفہ کی تجلی میں غفلت، اس میں انہماک نفس وراحت اور آسائش میں مشغولیت کا احتمال ہوتا ہے بخلاف قہر اور صفات قہریہ کی تجلیات۔ ورود میں ماسوا سے جدائی تنہائی۔ تجرد اور حق تعالیٰ کی طرف توجہ بہت زیادہ اور قوی رہتی ہے اگرچہ تعرُّف (حصولِ معرفت) دونوں حالتوں میں موجود ہے۔ درحقیقت لطف و قہر کے وارد کرنے سے مقصودِ الٰہی بندے کو اپنی شناسائی اور معرفت عطا کرنا ہے۔

علم و معرفت نور و تیقظ اور تادیب کی زیادتی سے مقصود یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بندے کو آگاہی اور یقین حاصل ہو جائے کہ پہلے حال کے فناء و زوال سے مقصود اصلی تربیت و تادیب ہے نہ کہ قہر و غضب لہٰذا وہ ناامید نہ ہو کیونکہ وہی حال لوٹ آئے گا یا اس سے بہتر عطا فرما دیں گے۔ لہٰذا حال و مقام کے ثبات و دوام میں بے خوف نہیں رہنا چاہیے اور زوال و فنا میں ناامید نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ حضرت رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا
اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے۔ کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے[25] (۲ آیت ۱۰۶)

---

۲۵ کہ جب وہ منسوخ کر سکتا ہے تو بے خوفی کیسی اور جب وہ اس کی مثل یا اس سے بہتر لا سکتا ہے تو ناامیدی کیونکر

؎ (۱) ناامیدی بر ارباب طریقت کفر
گر درے بستہ شد اے دل دگرے بکشایند

(۲) ہلہ نومید نہ باشی گرت آن یار براند
گرت امروز براند کہ نہ فردات بخواند

(۳) گہہ بلطفم مینوازد گہہ بنازم میکشد
زندہ میسازد مرا آنشوخ بازم میکشد

(۱) اہل طریقت پر ناامیدی کفر ہے اگر ایک دروازہ بند ہو جائے تو دوسرا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

(۲) اگر محبوب تجھے دور کرے تو ہرگز مایوس نہ ہونا۔ اگر آج دور کرتا ہے تو کل کو بلائے گا۔

(۳) کبھی وہ محبوب مہربانی سے نوازتا ہے اور کبھی ناز سے قتل کرتا ہے دل لگی کرتے ہوئے پہلے زندہ کرتا ہے اور پھر قتل کر دیتا ہے۔

فَلَا تُعْجِزِ اللّٰهَ فِیْ قُدْرَتِهٖ وَلَا تَتَّهِمْهُ فِیْ تَقْدِیْرِهٖ وَتَدْبِیْرِهٖ وَلَا تُشَكَّ فِیْ وَعْدِهٖ فَلْیَكُنْ لَّكَ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ نُسِخَتِ الْاٰیَاتُ وَالسُّوَرُ النَّازِلَةُ عَلَیْهِ الْمَتْلُوَّةُ بِهَا الْمَقْرُوَّةُ فِی الْمَحَارِیْبِ الْمَكْتُوْبَةُ فِی الْمَصَاحِفِ وَرُفِعَتْ۔

پس تم اللہ تعالیٰ کو اس کی قدرت کے معاملہ میں عاجز نہ جانو[26] اس پر تقدیر اور تدبیر کے معاملہ میں تہمت نہ لگاؤ[27] اور اس کے وعدہ کی سچائی میں شک نہ کرو[28] تو تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں بہترین عادت ہونی چاہیے[29]۔ آپ پر نازل شدہ آیات و سُوَر منسوخ کی گئیں جن پر عمل ہوتا رہا۔ محرابوں میں پڑھی گئیں اور صحیفوں میں لکھی گئیں ان کو اُٹھا لیا گیا۔

---

۲۶ تاکہ یہ کہو وہ پہلے حال اور مقام کی بازگشت پر قادر نہیں بلکہ وہ تو ہر چیز کے لے جانے اور لے آنے پر قادر ہے۔

۲۷ یہ گمان کر بیٹھو کہ اس حال کے لانے اور لے جانے میں خطا اور غلطی ہو گئی ہو۔ تدبیر کا معنی ہے انجام کار پر نگاہ رکھنا اور تقدیر سے مراد ہے کہ بندے پر حکم کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اندازہ کرنا۔

یارم نکند غلط شماری کہ کند
جوری نہ کند در اختیاری کہ کند

وہ جو کرتا ہے ظلم (نہیں کرتا) میرا دوست (معبود حقیقی) شمار و تقدیر میں غلطی نہیں کرتا کہ اسے اختیار ہے کہ وہ کرے وہ جو کرتا ہے ظلم (نہیں کرتا)۔

۲۸ جو اس نے دشواری کو آسان تنگی کو دُور غم سے نجات اور عفت رفتہ

کی بازآوری کا کہہ رکھا ہے۔

۲۹ کہ جس کی اقتداء و متابعت کی جائے۔

وَبُدِّلَتْ وَاُثْبِتَ غَیْرُهَا مَكَانَهَا وَنُقِلَ اِلٰی غَیْرِهَا هٰذَا فِیْ ظَاهِرِ الشَّرْعِ اَمَّا فِی الْبَاطِنِ وَالْعِلْمِ وَالْحَالِ فِیْمَا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ اللّٰهِ فَكَانَ یَقُوْلُ اِنَّهٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ فَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِیْ كُلِّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّةً وَیُرْوٰی مِائَةَ مَرَّةً

اور تبدیل کر دیا گیا ان کی جگہ دیگر آیات و سور لائی گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسری آیات کی طرف پھیر گیا[30] یہ ظاہر شرع میں ہے[31]۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن میں، باطن سے متعلق علم میں اور آپ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حال میں تغیر و تبدل کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بیشک میرے دل پر پردہ کر دیا جاتا ہے اور وہ پوشیدہ ہو جاتا ہے[32] تو میں ہر روز ستر بار، ایک روایت کے مطابق سو بار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کرتا ہوں[33]۔

---

۳۰ باوجود اس قدر ثبات و قرار کے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معاملہ ہے تو آپ کے متبعین اور پیروکاروں کو بھی یہی توقع اور ترقب چاہیے کہ وہ کسی حال کو لے آئے اور کسی کو لے جائے۔

۳۱ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں آیات کے نسخ رفع و تبدیل اور ان کی جگہ دیگر آیات کے اثبات سے تغیر و تبدل ظاہر دین و شریعت میں ہے کیونکہ احکام آیات قرآنی کے ساتھ مربوط و وابستہ ہیں اور آپ کی ذات مقدس میں

احوال کی تبدیلی بھی ہوتی تھی جیسا کہ آگے فرما رہے ہیں :

۳۲ غین اس باریک بادل کو کہتے ہیں جو آفتاب کو ڈھانپ لیتا ہے ۔

۳۳ دل کا پوشیدہ ہونا احوال کے تغیر و تبدل سے کنایہ ہے اور استغفار بھی اس جہت سے تھی ۔

اس لیے آگے فرما رہے ہیں :

كَانَ يُنْقَلُ ۔ آپ کو منتقل کیا جاتا تھا ۔

يُنْقَلُ مِنْ حَالَةٍ اِلٰى اُخْرٰى فَتُبَدَّلُ بِحَالَةٍ اُخْرٰى
وَيُسْرٰى بِهٖ فِيْ مَنَازِلِ الْقُرْبِ وَمَيَادِيْنِ الْغَيْبِ وَيُغَيَّرُ
عَلَيْهِ خِلَعُ الْاَنْوَارِ فَتَبَيَّنَ الْحَالَةُ الْاُوْلٰى عِنْدَ مَا يَلِيْهَا
ظُلْمَةً وَّنُقْصَانًا وَّمِنْهُ تَقْصِيْرًا فِيْ حِفْظِ الْحُدُوْدِ ۔

آپ کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کیا جاتا (بعض نسخوں میں ہے) ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف تبدیل کیا جاتا اور قرب کی منزلوں اور غیب کے میدانوں کی سیر کرائی جاتی ۳۴ اور آپ کو لباسہائے نورانی بدل بدل کر زیب تن کرائے جاتے ۳۵ تو دوسری ساتھ والی حالت کے ظاہر ہونے پر پہلی حالت بمنزلۂ تاریکی و نقصان کے نظر آتی ۳۶ اور اس پہلی حالت حدود و آداب کی نگاہداشت میں بمنزلۂ تقصیر و کوتاہی کے نظر آتی ۳۷

---

۳۴ غیب سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور دوسرے عالم ہیں جو سر کی آنکھوں سے نظر نہیں آتے ۔

۳۵ اس سے مراد وہ تجلیات اور مکاشفات ہیں جو آپ کے قلب شریف کا

احاطہ کر لیتے ہیں جیسا کہ لباس جسم ڈھانپ لیتا ہے اس لیے بعض صوفیاء کرام نے کہا ہے کہ هٰذَا غَيْنُ الْاَنْوَارِ لَا غَيْنُ الْاَغْيَارِ کہ یہ انوار کا پردہ ہے اغیار کا نہیں ۔ درحقیقت انوارِ صفات جو کہ ذات کے لیے پردہ ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر مکشوف ہوتے تھے ۔

۳۶ کیونکہ دوسری حالت کی نورانیت انتہائی قوی اور شدید ہوتی

۳۷ کیونکہ پہلی حالت میں توقف آپ کے علو مقام و مرتبہ کے اعتبار سے تقصیر ہے اس لیے آپ ہر حالت میں دائمی ترقی میں رہتے اور انوار و تجلیات کا ایک دوسرے سے بڑھ کر ورود رہتا ۔ جب آپ اوپر والی تجلی میں جلوہ گر ہوتے تو نیچے والی تجلی دیکھ کر استغفار کرتے ۔ نیز تجلیاتِ الٰہیہ کی حد و انتہاء نہیں اس لیے آپ کی ترقیات کا بھی کوئی کنارہ نہیں اور یہ ترقی فقط اس جہان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ابدالآباد تک جاری و ساری رہے گی ۔

؎ مرا کمال محبت ترا کمالِ جمال
دمے مباد کہ نقصان پذیر دایں دو کمال

مجھ میں کمال محبت ہے اور آپ میں کمالِ جمال ، خدا کرے ان دونوں کمالوں میں ایک لمحہ کے لیے بھی نقصان واقع نہ ہو ۔

محققین عرفاء نے اس حدیث کی یہی توجیہ فرمائی ہے ۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ غین سے مراد وہ انتہائی لطیف پردہ ہے جو دین و ملت کی مہمات کے اہتمام اور کثرت ازدحام کے باعث بشری تقاضے کے مطابق ایک پل بھر کے لیے نظر شہود کے سامنے آجاتا تو ساتھ والی آن میں ظہورِ ذات کے ذکر اور نورِ وحدت میں اشتغال اضمحلال پذیر ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت کے طاری ہونے اور حالت کے عارض ہونے سے استغفار فرماتے

ہیں کیونکہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ. کہ ابرار کی نیکیاں مقربین کے نزدیک سیئات کا درجہ رکھتی ہیں۔

ہم نے اپنے رسالہ مرج البحرین میں مزید تفصیل کے ساتھ اس مقام کو بیان کیا ہے وہاں دیکھنا چاہیے کہ کیسا کہا گیا ہے۔

فَلُقِّنَ الْاِسْتِغْفَارُ لِاَنَّهٗ اَحْسَنُ حَالِ الْعَبْدِ وَالتَّوْبَةُ
فِیْ سَائِرِ الْاَحْوَالِ لِاَنَّ فِیْهِ اِعْتِرَافًا بِذَنْبِهٖ وَقُصُوْرِهٖ

تو آپ کو استغفار کی تلقین کی جاتی [۳۸] کیونکہ استغفار احوالِ بندہ سے بہترین حال ہے اسی طرح ہر وقت توبہ کرتے رہنا [۳۹] کیونکہ اس میں اپنے گناہ اور قصور کا اعتراف ہوتا ہے۔

---

[۳۸] استغفار اگرچہ بظاہر وقوعِ خطا و معصیت پر مبنی ہے لیکن یہاں اس وجہ سے نہیں تھا بلکہ

[۳۹] اگرچہ گناہ نہ کیا پھر بھی ہر وقت توبہ کرتے رہنا بہتر ہے۔

وَهُمَا صِفَتَا الْعَبْدِ فِیْ سَائِرِ الْاَحْوَالِ فَهُمَا وِرَاثَةٌ
مِنْ اَبِی الْبَشَرِ اٰدَمَ الْمُصْطَفٰی حِیْنَ اِعْتَوَرَتْ صَفَاءَ
حَالِهٖ ظُلْمَةُ النِّسْیَانِ لِلْعَهْدِ وَالْمِیْثَاقِ وَاِرَادَةُ
الْخُلُوْدِ فِیْ دَارِ السَّلَامِ وَمُجَاوَرَةِ الْحَبِیْبِ الرَّحْمٰنِ
الْمَنَّانِ وَدُخُوْلِ الْمَلٰٓئِكَةِ الْكِرَامِ عَلَیْهِ بِالتَّحِیَّةِ وَالسَّلَامِ

اور یہ دونوں بندے کی صفتیں ہیں اور ہر حال میں حالِ عبودیت کے لائق ہیں[۴۰]۔
اور یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی وراثت ہیں جب آپ کے حال کی صفائی کو اللہ تعالیٰ کے عہد و میثاق کے نسیان کی ظلمت، دار السلام جنّت میں ہمیشگی، اللہ مہربان، نعمت دہندہ حبیب کی مجاورت اور ملائکہ کرام کا تعظیم و تکریم، سلام[۴۱] عرض کرنے کے لیے حاضری کے ارادے نے مکدّر کر دیا[۴۲]۔

---

[۴۰] خواہ گناہ ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کمالِ عزت و عظمت کے پیشِ نظر بندہ شائبۂ تقصیر سے خالی نہیں رہ سکتا۔

مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ۔ کہ ہم نے تیری عبادت نہیں کی جیسا کہ تیری عبادت کا حق ہے۔

ع

دیدم کہ خاطرش من آزار میکشد
کردم از و قبول گناہ نبودہ را

مَیں نے دیکھا کہ محبوب کا دِل میری طرف سے تکلیف محسوس کرتا ہے تو مَیں نے ناکردہ گناہ بھی تسلیم کر لیا۔

جیسا کہ مغفرتِ ذنوب مرتبۂ ربوبیت کے لائق ہے اور بندے کو معترف کرنے

فَوُجِدَتْ هُنَاكَ هَوَاءُ نَفْسِهٖ وَمُشَارَكَةُ اِرَادَتِهٖ لِاِرَادَةِ الْحَقِّ
فَانْكَسَرَتْ لِذٰلِكَ تِلْكَ الْاِرَادَةُ وَزَالَتْ تِلْكَ الْحَالَةُ
وَانْعَزَلَتْ تِلْكَ الْوِلَايَةُ فَانْهَبَطَتْ تِلْكَ الْمَنْزِلَةُ وَاظْلَمَتْ
تِلْكَ الْاَنْوَارُ وَتَكَدَّرَ ذٰلِكَ الصَّفَا .

پس یہاں ہوائے نفس اور ارادۂ الٰہی کے ساتھ اپنے ارادے کی مشارکت پائی گئی[۴۲]
اس لیے آدم علیہ السلام کا ارادہ ٹوٹ گیا اور اس تیرگی کی وجہ سے پہلی صفائی اور
حالت زائل ہو گئی اور ولایت دور ہو گئی تو بارگاہِ ربّ العزت میں سابقہ
منزلت و مرتبت جاتی رہی اور یہ انوار تاریک اور صفائی وقت مکدّر ہو گئی[۴۴]

کے لیے عنایت۔ گو گناہ درمیان میں نہ ہو۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ — تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے (ش۴۸ آیت۲) تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

۴۱ جیسا کہ بہشت میں ہوتا ہے۔

۴۲ یہ ابلیس ملعون کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ اس نے کہا کہ اے آدم اگر اس درخت سے کھا لو گے تو ہمیشہ کے لیے جنّت میں رہو گے اس سے ہرگز نکالے نہیں جاؤ گے، تو آدم علیہ السلام نے اس کی رغبت کرتے ہوئے کھا لیا۔

۴۳ کیونکہ ارادۂ الٰہی ازلی یہی تھا کہ آپ بہشت میں نہ رہیں بلکہ زمین پر جائیں تاکہ توالد و تناسل کا سلسلہ وجود میں آئے اور دیگر ان گنت فوائد اس پر مترتب ہوں۔

۴۴ یعنی اس حالت کا زوال، مرتبہ و انحطاط اور عروض کدورت یہ سب نفسانی خواہش اور ارادہ پیدا ہونے کی وجہ سے تھا نہ کہ محض خطا و معصیت کے ظاہر ہونے سے۔ ظاہر یہی ہے کہ آپ اس وقت بھی نبی تھے اور انبیاء کرام معزول نہیں ہوتے۔ یا

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس جگہ معزولی سے مراد لباسِ نبوّت کا اترنا نہیں بلکہ آپ کے علوِ مرتبہ و منزلت اور صفاءِ وقت کا نقصان پذیر ہونا ہے جیسا کہ کلام صراحت کے ساتھ اس کی طرف مُشْعِر ہے۔

اعتراض : خلودِ جنت اور حق تعالیٰ کی مجاورت کا ارادہ تو محمود ہے تو مذموم کس بنا پر ہو گا؟

جواب : ارادہ مجاورت اور خلودِ جنت فی نفسہٖ محمود ہے مگر جب درخت سے کھانے سے منع کر دیا گیا تو خلودِ جنت کا ارادہ اس پر مرتب ہونے کی وجہ سے مذموم اور قبیح ہو گا۔ جب آدم علیہ السلام اس ارادہ کی بنا پر اپنے مرتبہ علیا سے نیچے چلے آئے مگر آپ کے اصطفاء و اجتباء کا تقدیرِ الٰہی میں فیصلہ ہو چکا تھا اس لیے توبہ و استغفار کی توفیق بخش کر پھر سے توبہ اور بزرگی کا تاج آپ کے سر پر رکھ دیا گیا۔ اور درست و صواب راہ کی طرف راہنمائی فرمائی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ہلاکت معصیت میں نہیں بلکہ توبہ چھوڑنے میں ہے جیسا کہ حضرت رضی اللہ عنہ آگے فرما رہے ہیں :

ثُمَّ نُبِّهَ وَذُكِّرَ صَفِیُّ الرَّحْمٰنِ فَعُرِّفَ الْاِعْتِرَافَ
بِالذَّنْبِ وَالنِّسْیَانِ وَلُقِّنَ الْاِقْرَارَ بِالْقُصُوْرِ وَالنُّقْصَانِ
فَقَالَ اٰدَمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ
تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔

پھر اس مہربان خدا کے برگزیدہ کو تنبیہہ و تذکیر کی گئی اس کے ذنب و نسیان سے شناسا کر کے نگاہ ہدایت امر الٰہی میں تقصیر اور اپنے نقصان حال کے افراد کی تعلیم و تلقین کی گئی تو آدم علیہ السلام نے عرض کیا "اے ہمارے رب ہم نے اپنا برا کیا (اور تیرے حق میں کوتاہی کی) تو اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں سے ہوئے۔ تو آپ کے پاس

فَجَآئَتْہُ اَنْوَارُ الْھِدَایَۃِ وَعُلُوْمُ التَّوْبَۃِ وَ مَعَارِفُھَا
وَالْمَصَالِحُ الْمَدْفُوْنَۃُ فِیْھَا مَا کَانَ غَآئِبًا مِّنْ
قَبْلُ فَلَمْ تَظْھَرْ اِلَّا بِھَا ثُمَّ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ
لِیَتُوْبُوْا فَبُدِّلَتْ تِلْکَ الْاِرَادَۃُ بِغَیْرِھَا وَالْحَالَۃُ
الْاُوْلٰی بِاُخْرٰی وَجَآءَتْہُ الْوِلَایَۃُ الْکُبْرٰی وَالسُّکُوْنُ
فِی الدُّنْیَا ثُمَّ فِی الْعُقْبٰی فَصَارَتِ الدُّنْیَا۔

ہدایت کے انوار، توبہ کے علوم و معارف[۴۵] اور اس میں پنہاں مصلحتیں اور حکمتیں[۴۶] آ گئیں جو کہ پہلے پوشیدہ تھیں اور وہ علوم و معارف توبہ اور تعلیم توبہ کے ذریعے

---

[۴۵] کہ توبہ کرنی چاہیے اور کیسے کرنی چاہیے اس کی شرائط و آداب کیا ہیں تاکہ توبہ قبول ہو۔

[۴۶] یعنی اس کے منافع و ثمرات

ہی ظاہر ہوئے[۴۷] تو اس خلود جنت کے ارادے کو دوسرے[۴۸] ارادے کے ساتھ[۴۹] اور پہلی ظلمت و کدورت والی حالت کو دوسری صفا و نورانیت کی حالت میں تبدیل کر دیا گیا اور آپ کے پاس پہلی سے بڑھ کر بادشاہی آ گئی[۵۰] دنیا میں اور پھر آخرت[۵۱] میں بھی قرار و سکون حاصل ہو گیا اور دنیا آپ کے لیے اور آپ

---

[۴۷] اس سے پتہ چلتا ہے کہ توبہ جس طرح کہ چاہیے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے الہام کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی جیسا کہ کلام الٰہی میں ہے۔
ثُمَّ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ کہ اللہ تعالیٰ نے رجوع برحمت
لِیَتُوْبُوْا۔ فرمایا تاکہ وہ توبہ کریں۔
بندے پر خدا کی توبہ سے مراد ہے رجوع برحمت اور توفیق توبہ اور جب آدم علیہ السلام کو توبہ کا الہام ہوا تو آپ نے توبہ کر لی۔

[۴۸] جو کہ وجود نفس اور وساوس شیطان کی وجہ سے ظاہر ہوا تھا۔

[۴۹] جو کہ ارادۂ الٰہی کے موافق تھا اور پہلا ارادہ ترک کر دیا تاکہ ارادۂ الٰہی کے تابع ہو جائے۔

[۵۰] کیونکہ آپ اچھا ارادہ ترک کر کے ارادۂ حق کی اتباع کرتے ہوئے قضا پر راضی ہو چکے تھے۔

[۵۱] کیونکہ انجام کار مآل و معاد اُس کی جانب ہے۔

لَهٗ وَلِذُرِّيَّتِهٖ مَنْزِلًا وَالْعُقْبٰى لَهُمْ مَوْئِلًا وَمَرْجِعًا
وَخُلْدًا فَلَكَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ مُحَمَّدٍ حَبِيْبِهِ الْمُصْطَفٰى وَاَبِيْهِ اٰدَمَ
صَفِيِّ اللّٰهِ عُنْصُرِ الْاَحْبَابِ وَالْاَخِلَّآءِ اُسْوَةٌ فِى الْاِعْتِرَافِ
بِالْقُصُوْرِ وَالْاِسْتِغْفَارِ فِى الْاَحْوَالِ كُلِّهَا وَالذِّلَّةِ وَالْاِفْتِقَارِ فِيْهَا

کی اولاد کے لیے منزل بن گئی[52] اور آخرت پناہ گاہ، بازگشت اور خلود کی جگہ بن گئی۔[53] اے بندۂ مومن اے سالک راہِ حق تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے محبوب و محب برگذیدہ رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے والد آدم اللہ تعالیٰ کے خاص دوست اور تمام احباب و اَخِلآء کے اصل حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام ہیں ہر وقت اپنے قصور کے اعتراف ہر حال میں استغفار خواریٔ نفس اور نیازمندی

---

[52] تاکہ مدت معینہ تک یہاں قیام رکھیں اور پھر اس سے آگے کا سفر اختیار کریں۔

[53] یعنی اپنا ارادہ ترک کرنے اور ارادۂ الٰہی کے ساتھ عدم شرکت کی برکت و سعادت دنیا و آخرت دونوں میں حاصل ہوئی یہاں بھی اور وہاں بھی خیر و برکت نصیب ہوئی۔

ع کہ خوباں بادشاہانند خواہ اینجا و خواہ آنجا

کہ محبوب ہر مقام پر بادشاہ ہیں خواہ یہاں ہوں یا وہاں

؎ بلندی کسی یافت کو پست شُد درنیستی کوفت تا ہست شُد

جس نے تواضع اپناتے ہوئے خود کو پست کیا اسے بلندی نصیب ہوئی اور جو پہلے عدم میں کوفتہ ہوا اسے وجود کی دولت میسر آئی۔

میں بہترین نمونہ ہے[54]

---

[54] ؎ بندگی نبود بجز افگندگی
واست ناید خواجگی با بندگی

بندگی تواضع کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ بندگی کی حالت میں سرداری زیب نہیں دیتی۔

واضح رہے کہ حبیب اور خلیل دونوں کا معنیٰ دوست ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ حبیب وہ محب ہے جو مقامِ محبوبیت پر فائز ہو۔ بعض مقامِ خلت کو مرتبۂ محبت سے بلند قرار دیتے ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں مرتبوں کا جامع جانتے ہیں اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تسلیم اور ترکِ ارادہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی منزل و مقام ہے اور یہی ملتِ ابراہیمی ہے جس کی متابعت و موافقت کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ	جب کہ اس سے اس کے رب نے
قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ	فرمایا۔ گردن رکھ، عرض کی میں نے

(س ۲ آیت ۱۳۱) گردن رکھی اس کے لیے جو رب ہے سارے جہان کا۔

حضرت حبیب خدا اور آدم صفی اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اس مقام میں خصوصیت کے ساتھ ذکر اس لیے ہے کہ توبہ و استغفار کا وقوع ان سے قریب ہی ہو گیا جیسا کہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا کلام اس پر دال ہے یا اس لیے کہ دونوں ہستیاں سلسلۂ نبوت کے اوّل و آخر ہیں اور اوساط کا بھی یہی حکم ہوگا۔

خلاصہ المرام: بندگی کا وظیفہ تواضع، خود کو گرانا توبہ اور عذر معذرت ہے جب بزرگوں کا یہ حال ہے تو دوسروں کا ذکر ہی کیا

ے (۱) حبذا قومے کہ دیدِ حق بود دیدار شان
محو باشد در شہودِ ذاتِ حق آثار شان

(۲) از خدا خواہند سرِ ذاتِ خود در ذاتِ او
این بود ساعت بساعت سرِ استغفارِ شان

(۱) وہ قوم کس قدر مبارک ہے کہ ان کا دیدار دیدارِ حق ہے ان کے آثار ذاتِ حق کے مشاہدہ میں محو ہوتے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی ذات میں اپنی ذات کا راز ڈھونڈتے ہیں ان کے ہر وقت توبہ و استغفار کرنے کا یہی فلسفہ ہے۔

صلوٰۃ اللہ وسلامہ علی الانبیاء والمرسلین وسیرھم واماھم محمد النبی الامی الامین وعلیٰ الہٖ واصحابہٖ واتباعہٖ سالکی طریق الحق ومحی علوم الدین

اَلْمَقَالَةُ الثَّامِنَةُ

قَالَ رض اِذَا كُنْتَ فِيْ حَالَةٍ لَا تَخْتَرْ غَيْرَهَا اَعْلٰى مِنْهَا وَلَا اَدْنٰى فَاِذَا كُنْتَ عَلٰى بَابِ دَارِ الْمَلِكِ لَا تَخْتَرِ الدُّخُوْلَ اِلَى الدَّارِ

مقالہ ۸ تقربِ الٰہی

حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تم حالات کمال یا نقصان میں سے کسی حالت میں ہو تو اس کے علاوہ کسی اعلیٰ یا ادنیٰ حالت کو اختیار نہ کرو[1] اور جب تم بادشاہ کے محل کے دروازہ پر ہو تو محل میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرو۔

---

[1] کیونکہ حالتِ پستی کی طلب پست ہمتی اور حالت بالا کی آرزو شہوتِ خفی کی وجہ سے ہے جیسا کہ شیخ عطاء اللہ اسکندری شاذلی رحمۃ اللہ علیہ صاحب ''کتابُ الحِکَم'' فرماتے ہیں منزل تجرید میں حق تعالیٰ کے ٹھہرانے کے باوجود تمہارا اسباب کا ارادہ کرنا پست ہمت ہونے کی وجہ سے ہے اور جب تجھے اللہ تعالیٰ اسباب کے ساتھ اقامت بخشے تو تجرید کا ارادہ کرنا مخفی خواہش کا نتیجہ ہے۔

شیخ ابو العباس مرسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَنْ يَّصِلَ الْوَلِيُّ حَتّٰى يَنْقَطِعَ مِنْهُ شَهْوَةُ الْوُصُوْلِ۔

جب تک وصول کی خواہش ختم نہیں ہوگی ولی واصل باللہ نہیں ہو سکتا۔

شیخ ابن عطاء اللہ اس کلام کی تشریح میں فرماتے ہیں : -

کہ اس سے وصول کا ارادہ آرزو، عزت وعظمتِ کبریائی، ارادۂ حق کے مشاہدہ اور ادب کے پیشِ نظر نکل جاتا ہے نہ کہ ملالت، عدمِ طلب اور شوقِ محبت نہ ہونے کی وجہ سے ۔ کیونکہ طالب محبّ سے جلال کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ لفظ شہوت سے مقصود کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

حَتّٰی تُدْخَلَ اِلَیْهَا جَبْرًا لَا اِخْتِیَارًا وَاَعْنِیْ بِالْجَبْرِ
اَمْرًا عَنِیْفًا مُّنْكَرًا مُّتَكَرَّرًا ۔

دروازے پر قیام پر راضی رہو[2] یہاں تک کہ بجبر داخل نہ کیا جائے اور داخل نہ ہونا جبر سے میری مراد ہے سختی اور بنا شناسائی سے بار بار بلایا جائے[3] ۔

---

[2] چنانچہ فرماتے ہیں :
بر در بنشینم اگر از خانہ برانند
اگر گھر سے نکال دیں گے تو دروازے پر ڈیرا جما لوں گا ۔
گفتم بنشینم بدرت تا بدر آئی — چنداں بنشیں گفت کہ جانت بدر آید
میں نے کہا کہ تمہاری تشریف آوری تک دروازے پر قیام کروں گا اس نے جواب دیا کہ اس وقت بیٹھو کہ جان نکل جائے ۔

[3] یعنی جب تک سختی اور درشتی کے ساتھ بار بار حکم نہ دیں داخل نہ ہو ۔ پیشِ نظر نسخہ میں اسی طرح ہے بعد میں تصحیح شدہ نسخہ میں دیکھا منکر کی بجائے متاکد تھا یہ اظہر، اصح اور انسب ہے ۔

داخل ہونا اختیار نہ کرنا تواضع، انکساری، تادب اور ترکِ اختیار کی وجہ سے ہے نہ کہ امر کی بجا آوری سے انکار و تکبر کی بنا پر ۔ اور یہ ظاہر ہے ۔ امر سے

مراد یا تو صیغہ "اِفْعَلْ" ہے یا شک و شبہ سے بالا صحیح وسلیم دل میں پیدا ہونے والا یقین راسخ ہے یہاں دونوں معنے بن سکتے ہیں ۔ حضرت کا کلام دیگر مقامات پر بھی دونوں معنی کا ناطق ہے ۔

وَلَا تَقْنَعْ بِمُجَرَّدِ الْاِذْنِ فِی الدُّخُوْلِ لِجَوَازِ اَنْ یَّكُوْنَ
ذٰلِكَ مَكْرًا وَّخَدِیْعَةً مِّنَ الْمَلِكِ لٰكِنِ اصْبِرْ حَتّٰی
تُجْبَرَ عَلَی الدُّخُوْلِ فَتُدْخَلَ الدَّارَ جَبْرًا مَّحْضًا وَّ
فِعْلًا مِّنَ الْمَلِكِ نَعَمْ لَا یُعَاقِبُكَ الْمَلِكُ عَلٰی فِعْلِهٖ وَ
اِنَّمَا یَتَعَرَّضُ الْعُقُوْبَةُ نَحْوَكَ لِشُؤْمِ تَخَیُّرِكَ وَشَرْهِكَ
وَقِلَّةِ صَبْرِكَ وَسُوْءِ اَدَبِكَ وَتَرْكِ الرِّضَا بِحَالِكَ
الَّتِیْ اُقِمْتَ فِیْهَا فَاِذَا حَصَلْتَ وَدَخَلْتَ فِی الدَّارِ عَلٰی
هٰذَا الْوَجْهِ فَكُنْ مُّطْرِقًا غَاضًّا لِبَصَرِكَ مُتَاَدِّبًا
مُحَافِظًا لِمَا تُؤْمَرُ بِهٖ مِنَ الشُّغْلِ وَالْخِدْمَةِ فِیْهَا

محض اجازت ملنے پر اکتفا نہ کرو[4] کیونکہ ممکن ہے کہ یہ اذن بلا امر بادشاہ کی طرف سے ایک حیلہ اور تدبیر[5] ہو، لیکن تمہیں صبر کرنا چاہیے یہاں تک کہ مجبور کر کے اندر لایا جائے اور یہ دخولِ جبر محض بادشاہی فعل ہوگا[6] تو اس

---

[4] یعنی دروازہ کھول کر مانع ہٹا دیں اور سامنے سے اندر آ جاؤ ۔

[5] اور امتحان ہو کہ کون اندر آنے کی نفسانی خواہش رکھتا ہے اور ارادہ ظاہر کرتا ہے اور کون ہے جو ادب ملحوظ رکھتے ہوئے امر کا منتظر رہتا ہے ۔

[6] نہ کہ اپنا فعل واختیار ۔

غَيْرَطَالِبٍ لِلتَّرَقِّيْ اِلَى الذُّرْوَةِ الْعُلْيَا قَالَ اللّٰهُ
لِنَبِيِّهِ الْمُصْطَفٰى وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ
اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ
فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى فَهٰذَا تَادِيْبٌ مِّنْهُ
لِنَبِيِّهِ الْمُخْتَارِ فِيْ حِفْظِ الْحَالِ وَالرِّضَآءِ بِالْعَطَآءِ بِقَوْلِهٖ۔

وقت بادشاہ اپنے فعل پر تمہیں سرزنش وغیرہ نہیں کرے گا۔ عقوبت و عذاب تو محض شومئ اختیار، حرص، بے صبری، سوءِ ادبی اور حالتِ اقامت پر راضی نہ ہونے کی وجہ سے ہے[7]۔ جب تمہیں فعلِ حق کے ساتھ بجز محل میں داخلہ مل جائے تو سر جھکائے خاموش، آنکھیں بند کر کے باادب جو خدمت اور کام ذمہ لگائیں

اسی میں رہ کر ادا کرنا چاہیے اس سے بلند مقام پر ترقی کی طلب ہرگز نہیں کرنی چاہیئے[8]۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے برگزیدہ آخرالزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: اور اپنی آنکھیں نہ پھیلا اس کی طرف جو ہم نے کافروں کے جوڑوں کو برتنے کے لیے دی ہیں جتنی دنیا کی تازگی کہ ہم انہیں اس کے سبب فتنہ

---

[7] جہاں اللہ تعالیٰ نے ٹھہرایا ہو وہاں ٹھہرنا سالکِ طریقت کے واجباتِ وقت سے ہے۔ اس سے نکلنا اور اس کے خلاف کی تمنا کرنا مقامِ رضا کے خلاف اور اللہ تعالیٰ کے غضب و عذاب کا موجب ہے۔ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ مقام میں قیام و رضا کی علامت اس مقام کے آداب و حقوق کی پابندی ہے بعض مقربینِ بارگاہ میں صریح امر بھی واقع ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔

میں ڈالیں کہ یہ زیب و زینت تروتازگی صرف دنیا میں ہے) اور تمہارے پروردگار کا رزق بھی نبوت، ہدایت، علم، صبر اور قناعت جو آپ کو عطا ہوا ہے یہ سب سے اچھا اور سب سے دیرپا ہے (۲۰ / ۱۳۱)

یہ کلام[9] اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی مختار کو احوالِ باطن کی حفاظت عنایاتِ الٰہی پر رضا اور بغیر کسی بلند تر مقام کی امید اور انتظار۔ جس مقام پر فائز ہیں اس پر رضا پر دال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اَيْ مَا اَعْطَيْتُكَ مِنَ الْخَيْرِ
وَالنُّبُوَّةِ وَالْعِلْمِ وَالْقَنَاعَةِ وَالصَّبْرِ وَوِلَايَةِ الدِّيْنِ
وَالْغَزْوَةِ فِيْهِ اَوْلٰى مِمَّا اَعْطَيْتُ غَيْرَكَ وَاَحْرٰى
فَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِيْ حِفْظِ الْحَالِ وَالرِّضَا بِهَا وَتَرْكِ
الْاِلْتِفَاتِ اِلٰى مَا سِوَاهَا لِاَنَّهٗ لَا يَخْلُوْ اِمَّا اَنْ تَكُوْنَ
قِسْمَكَ اَوْ قِسْمَ غَيْرِكَ اَوْ اَنَّهٗ لَا قِسْمَ لِاَحَدٍ
بَلْ اَوْجَدَهُ اللّٰهُ فِتْنَةً۔

اور تمہارے رب کا رزق سب سے اچھا اور دیرپا ہے (۲۰ / ۱۳۱) یعنی جو میں نے آپ کو خیر کثیر (بعض نسخوں کے مطابق) نبوت، علم و معرفت، عطاءِ الٰہی پر رضا، مصائب پر صبر، دعوتِ خلق، دشمنانِ اسلام سے قتال اور غلبۂ دین عطا کیا ہے یہ دوسروں کو ملنے والی اشیا سے اولیٰ اور شکر کے زیادہ لائق

---

[8] ذُرْوَہ، کوہان اور پہاڑ کی چوٹی کو کہتے ہیں۔

[9] اگرچہ ظاہر دنیا اور اس کے نقش و نگار کی طرف متوجہ نہ ہونے پر مشتمل ہے لیکن بطریق اشارہ۔

ہے۔ ساری کی ساری بھلائی اپنے حال کی حفاظت اس پر رضا اور اس کے ماسوا سے اعراض میں ہے[10]، کیونکہ جس دوسری حالت کی طرف دیکھو گے وہ تین حال سے خالی نہیں یا تو تمہارے لیے اس میں حصہ رکھا گیا ہے یا کسی اور کا نصیب ہوگا یا کسی کا بھی اس میں حصہ نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے بندوں کی آزمائش کے لیے پیدا کیا ہوگا۔[11]

---

[10] ؎ باش راضی بنعمتی کہ تراست
منگر سوئے نعمتِ دگراں

تمہارے پاس جو نعمت موجود ہے اس پر خوش رہنا چاہیے اور اِدھر اُدھر نہیں جھانکنا چاہیے۔

؎ ہم بحالیکہ ہست خوش میباش
ہان مشو جانب دگر نگراں

جس حال میں ہو اس پر خوش رہو۔ دوسری جانب نہ دیکھتے پھرو۔

[11] تاکہ جو اس کی طرف التفات کرتے ہوئے مقام صبر و رضا سے نکلے گا تو محنت و مشقت میں مبتلا ہوگا اور جو اس کی طرف التفات نہ کرتے ہوئے اپنے مقام پر راضی ہوگا مقامِ امن و سکون میں متمکن ہوگا۔

فَاِنْ كَانَ قِسْمَكَ فَهُوَ وَاصِلٌ اِلَيْكَ شِئْتَ اَمْ اَبَيْتَ فَلَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَّظْهَرَ مِنْكَ سُوْءُ الْاَدَبِ وَالشَّرَهُ فِيْ طَلَبِهٖ فَاِنَّ ذٰلِكَ غَيْرُ مَحْمُوْدٍ فِيْ قَضِيَّةِ الْعَقْلِ وَالْعِلْمِ۔

پس اگر وہ دوسرا حال تمہاری قسمت میں رکھ دیا گیا ہے تو وہ تمہاری دخل اندازی کے بغیر ہی پہنچ جائے گا خواہ آپ خوش ہوں یا ناخوش لہذا اس کی طلب میں حرص اور سوءِ ادبی کا اظہار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ ازروئے علم و عقل ناپسندیدہ فعل ہے۔[12]

---

[12] عقل کہتی ہے کہ جو چیز مل ہی جانی ہے تو اس کی طلب بے سود ضائع اور تحصیل حاصل ہے اور علمِ دین کے فیصلے کے مطابق پروردگارِ عالم کی قضاء وقدر میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اور اس کی طلب میں حرص اور سوءِ ادبی مذموم ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ جو قضاءِ الٰہی کے مطابق واقع ہے احوال ظاہر و باطن سے بندے کو جو ملتا ہے اس پر راضی رہنا چاہیے۔ دیگر اشیاء کی طلب و آرزو سعی و خواہش ہوائے نفس اور حرصِ طبیعت ہونے کی وجہ سے ضائع اور باطل ہے۔ لیکن وصولِ حق مقاماتِ علیّہ میں قرب ترقی احوال اور بمقتضائے امر و نہی عمل اور شوق ہونا چاہیے اور اس کا ارادہ بایں حیثیت ہونا چاہیے کہ مولیٰ کریم نے اس کا حکم دیا ہے اور اس پر عمل بطریقِ وجوب یا استحباب لازم و مستحسن ہے اور نفس سے پیدا ہونے والا ارادہ مذموم ہے یہی حال جانبِ نہی میں ہے جب تقدیر کے سبقت کر جانے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

فَفِيْمَ الْعَمَلُ يا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو عمل کس لیے ہیں؟

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعملوا فکل میسر لما خُلِقَ لَہٗ۔ کہ تم عمل کرو جو شخص جس کے لیے پیدا کیا گیا وہ کام اس کے لیے آسان کر دیا جاتا ہے۔

وَاِنْ كَانَ قِسْمَةَ غَيْرِكَ فَلِمَ تَتْعَبُ فِيْمَا لَا تَنَالُهٗ وَلَا يَصِلُ اِلَيْكَ اَبَدًا وَاِنْ كَانَ لَيْسَ بِقِسْمٍ لِاَحَدٍ بَلْ هُوَ فِتْنَةٌ فَكَيْفَ يَرْضَى الْعَاقِلُ وَيَسْتَحْسِنُ اَنْ يَّطْلُبَ لِنَفْسِهٖ فِتْنَةً وَّيَسْتَجْلِبُهَا لَهَا فَقَدْ ثَبَتَ اَنَّ الْخَيْرَ كُلَّهٗ وَسَلَامَةً فِيْ حِفْظِ الْحَالِ فَاِذَا ارْتَقَيْتَ اِلَى الْغُرْفَةِ ثُمَّ اِلَى السَّطْحِ فَكُنْ كَمَا ذَكَرْنَا مِنَ الْحِفْظِ وَالْاِطْرَاقِ۔

اور اگر وہ حال غیر کا حصہ ہو[13] تو خود کو ایسی چیز میں کیوں تکلیف دیتے ہو جسے تم پا نہیں سکتے اور نہ وہ تم تک پہنچ سکتی ہے۔ اگر وہ مال کسی کا حصہ نہ ہو[14] تو کوئی عقلمند اسے کیسے پسند کرے گا اور اس فتنہ و مصیبت کو طلب کرنا کیونکر اچھا جانے گا اور اسے اپنی طرف کیوں کھینچے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کی بھلائی، سلامتی اور آفات و عیوب سے رہائی مال کی نگہداشت اور ماسوا اللہ سے انقطاع میں ہے جب تمہیں بالاخانہ پر پھر بام خانہ پر چڑھنا نصیب ہو تو تمہیں ہمارے اس بیان کردہ طریقہ کے مطابق

امر و نہی کا معاملہ حکم قضا و قدر کے منافی نہیں ہے بلکہ اس کی جزئیات

وَالْاَدَبِ بَلْ يَتَضَاعَفُ ذٰلِكَ مِنْكَ لِاَنَّكَ اَقْرَبُ اِلَى الْمَلِكِ وَاَدْنٰى اِلَى الْخَطَرِ فَلَا تَتَمَنَّ الْاِنْتِقَالَ مِنْهَا اِلٰى اَعْلٰى مِنْهَا وَلَا اِلٰى اَدْنَاهُ وَلَا ثَبَاتِهَا وَبَقَائِهَا وَلَا تَغَيُّرِ وَصْفِهَا وَاَنْتَ فِيْهَا

سر جھکا کر مقام قرب کو پیش نظر رکھتے ہوئے باطن کی نگاہداشت میں خاموشی اور ادب کے ساتھ بیٹھنا چاہیے۔ بلکہ بادشاہ کے زیادہ قرب میں زیادہ ادب لازم کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ ہلاکت کے زیادہ قریب ہے[15]۔ اس احوال سے اعلیٰ کی طرف انتقال اور ان میں دوام و ثبات کی تمنا نہ کرو اور نہ ہی ان کے اوصاف کی تبدیلی کی خواہش کرو[16]۔

اور احکام سے ہے۔ امر و نہی شارع کی طرف سے واقع ہے بندے میں اس کی سمجھ اور اس کے قصد کی قدرت پیدا کی گئی ہے اس سے بڑھ کر کیا ہونا چاہیے۔

قضا و قدر کا اعتقاد رکھنے میں بندے کو اپنے عمل میں فنا اور اس پر عدم اعتماد و عدم استفادہ کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی جب سب کچھ اس کی تقدیر سے ہے میرا درمیان میں کچھ بھی نہیں یہ بھی اپنی جگہ ایک کمال ہے۔ اسے سمجھ لو اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے توفیق ہے برائی سے روکنے والا اور نیکی کی قوت دینے والا وہی اللہ ہے بلند عظمت والا۔

[13] تمہارے لیے نہ رکھا ہو تو تمہارے پاس ہرگز نہیں پہنچے گا۔

[14] بلکہ امتحان و ابتلاء کے لیے پیدا کیا گیا ہو۔

[15] کیونکہ مقربین زیادہ پُرخطر رہتے ہیں اور ان پر حق تعالیٰ کی تعظیم و تکریم کی پابندی

ولا يكون لك في ذلك اختيارا البتة فان ذلك كفر في نعمة الحال والكفر يحل لصاحبه الهوان في الدنيا والآخرة فاعمل على ماذكرنا ابدا حتى ترقى الى حالة تصير لك مقاما تقام فيه فلا تزال عنه فتعلم انه موهبة بعلامات وآيات تظهر فتمسكه ولا تزال

کیونکہ تمہیں اس سلسلے میں کوئی اختیار نہیں ہے کیونکہ ایسی آرزو ناشکری میں داخل ہے اور ناشکری آدمی کو دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا کرتی ہے لہذا تمہیں ہمارے ذکر کردہ طریقے پر عمل کرنا چاہیے یہاں تک کہ تمہیں بلند مقام پر ترقی دے کر قائم و متمکن کر دیا جائے اور اس سے زائل نہ کیا جائے پھر تم علامات و آیات[17] کے ظاہر ہونے سے معلوم کر لوگے کہ یہ مقام بخشش الٰہی ہے تو اسے محفوظ رکھنا اور دور نہ ہٹنا۔[18]

زیادہ اہم ہے۔ خطر بمعنی بزرگی اور علو قدر بھی ہو سکتا ہے یعنی تمہیں بادشاہ کے حضور قدر و منزلت پانے اور زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے مؤدب رہنا چاہیے تاکہ خدمت و نوازش کے قابل ہو سکو۔

؎ حافظ علم و ادب ورز کہ در خدمت شاہ
ہر کہ را نیست ادب لائق خدمت نبود

اے حافظ علم و ادب حاصل کر کیونکہ بے ادب خدمت کے لائق نہیں ہوتا۔

16 بالآخر اس کی صفت ہی تجھے اچھی لگے گی۔

17 جو اس مقام کے ثابت و برقرار رہنے پر دلالت کریں گی۔

فالأحوال للأولياء والمقامات للأبدال رضؓ

پس احوال اولیاء کے لیے ہیں[19] اور مقامات ابدال کے لیے۔[20]

---

18 اگرچہ اولیاء کرام کا معزول ہونا جائز ہے لیکن ایسا وقوع پذیر ہونا قاعدہ کلیہ نہیں ہے جیسا کہ زلّت و معصیت کا صدور اولیاء کرام سے جائز ہے لیکن اس کا بطریق عموم قاعدہ کلیہ وجود لازم نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اسے معزول و مردود نہ ہونے کی بشارت سے مشرف کر دیا گیا جیسا کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے احوال شریفہ میں لکھا ہے:
"اے عبدالقادر! مبارک ہو ہم نے تمہیں رد سے مامون کر دیا ہے" یا اس قسم کے الفاظ آئے ہیں۔

19 جن میں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی یا تنزل کے لیے تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔

20 جو کہ خواہشات کے معدوم ہونے اور ان کے ارادوں کے ارادۂ الٰہی میں متبدل ہونے کی وجہ سے اپنی جگہ پر متمکن و برقرار ہو چکے ہیں جیسا کہ مقالہ 6 کے آخر میں گذر چکا ہے۔ حضرت غوث رضی اللہ عنہ کا کلام اولیاء پر ابدال کی فضیلت میں صریح ہے۔

صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

المقالة التاسعة

قَالَ رضہ فِی الْکَشْفِ وَالْمُشَاھَدَۃِ فِی الْاَفْعَالِ

مقالہ ۹ کشف و مشاہدہ | حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے کشف اور افعال کے مشاہدہ کے متعلق فرمایا[1]

---

[1] کشف کا لغوی معنی ہے کھولنا، برہنہ کرنا، مشاہدہ و معائنہ کرنا اور آنکھوں سے دیکھنا۔ مکاشفہ کا معنی صوفیاء کی اصطلاح میں کسی حکم کے ساتھ مقید اور کسی وصف کے ساتھ مختص اسمِ الٰہی کے شفاف حجاب کے پردۂ رقیق کے پیچھے سے سالک پر بعض ایسی صفات حقائقِ الٰہیہ یا حقائق کونیہ کا ظاہر ہونا۔
اور مشاہدہ کا معنی ان حقائقِ الٰہیہ کا بے مظہر و بے صفت ظاہر ہونا لیکن اس سابقہ معائنہ سے بلند خصوصیت و امتیاز کے ساتھ ہو اور پہلا ظہور بلا خصوصیت و بلا امتیاز ہوتا ہے بلکہ معیّن دکھائی دینے والے کے عین کا ظہور ہے۔ کذا فی اصطلاحات الکبیر کلامِ قوم میں اکثر طور پر کشف صفات میں اور مشاہدہ ذات میں استعمال کرتے ہیں اور یہاں دونوں کی افعال کے ساتھ نسبت ہے کیونکہ ان کی صفات پر دلالت ہے اور صفات کی ذات پر۔
کشف جلال میں اور مشاہدہ جمال میں مستعمل ہے۔ جلال سے مراد صفات قہریہ اور جمال سے مراد صفاتِ لطیفہ ہیں۔

انکشاف کی تخصیص جلال سے اور مشاہدہ کی جمال سے اس لیے ہے کہ گویا صفاتِ جلالیہ ہیں صفات سے پردہ اُٹھتا ہے تو بندے کے حال میں ہیبت اور خوف سرایت کر جاتا ہے اور صفاتِ جمالیہ کے ظہور کے وقت بندہ شوق و نشاط کی وجہ سے جو اسے حاصل ہوتا ہے۔

يُكْشَفُ لِلْأَوْلِيَاءِ وَالْأَبْدَالِ مِنْ أَفْعَالِ اللهِ مَا يَبْهَرُ الْعُقُوْلَ
وَيَخْرِقُ الْعَادَاتِ وَالرُّسُوْمَ فَهِيَ عَلٰى قِسْمَيْنِ جَلَالٌ
وَجَمَالٌ فَالْجَلَالُ وَالْعَظَمَةُ يُوْرِثَانِ الْخَوْفَ الْمُقْلِقَ
وَالْوَجَلَ الْمُزْعِجَ وَالْغَلَبَةَ الْعَظِيْمَةَ عَلَى الْقَلْبِ بِمَا
يَظْهَرُ عَلَى الْجَوَارِحِ كَمَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ
يُسْمَعُ مِنْ صَدْرِهِ أَزِيْزٌ كَأَزِيْزِ الْمِرْجَلِ فِي الصَّلٰوةِ

اولیاء و ابدال کے لیے ایسے افعالِ خداوندی کا کشف ہوتا ہے جو عقول پر غالب آکر عادات و رسوم کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں۔ ان افعال کی دو قسمیں ہیں:
(۱) جلال (قہر) (۲) جمال (لطف)
جلال و عظمت کا ظہور بے آرام کر دینے والا خوف، ہلا کر رکھ دینے والا ڈر اور احوال کو شگاف کر دینے والا دل پر عظیم غلبہ پیدا کرتا ہے۔

دیدۂ محبت کھول کر مشاہدہ کرتا ہے اور فرحت و شادی جسے قرۃ العین کہتے ہیں حاصل کرتا ہے۔ واللہ اعلم

مِّنْ شِدَّةِ الْخَوْفِ لِمَا يَرٰى مِنْ جَلَالِ اللّٰهِ تَعَالٰى
وَيَنْكَشِفُ لَهٗ مِنْ عَظَمَتِهٖ وَنُقِلَ مِثْلُ ذٰلِكَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ
خَلِيْلِ الرَّحْمٰنِ وَعُمَرَ الْفَارُوْقِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَاَمَّا
مُشَاهَدَةُ الْجَمَالِ فَهُوَ التَّجَلِّيْ لِلْقُلُوْبِ بِالْاَنْوَارِ
وَالسُّرُوْرِ وَالْاَلْطَافِ وَالْكَلَامِ اللَّذِيْذِ وَالْحَدِيْثِ
الْاَنِيْسِ وَالْبِشَارَةِ بِالْمَوَاهِبِ الْجِسَامِ وَالْمَنَازِلِ الْعَالِيَةِ
وَالْقُرْبِ مِنْهُ مِمَّا سَيَؤُوْلُ اَمْرُهُمْ اِلَيْهِ وَجَفَّ بِهٖ
الْقَلَمُ مِنْ اَقْسَامِهِمْ فِيْ سَابِقِ الدُّهُوْرِ فَضْلًا
مِنْهُ وَرَحْمَةً وَاِثْبَاتًا مِنْهُ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا
اِلٰى بُلُوْغِ الْاَجَلِ وَهُوَ الْوَقْتُ الْمُقَدَّرُ

جس کے آثار اعضاء پر ظاہر ہوتے ہیں جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جلالِ الٰہی کے مشاہدہ اور عظمتِ پروردگار کے انکشاف سے شدّتِ خوف کی وجہ سے آپ کے سینۂ اقدس سے ابلتی ہوئی ہنڈیا کی سی آواز سنائی دیتی۔ اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے،

لیکن مشاہدہ جمال و انوار و سرور اور الطاف و توفیقات سے متعلق صفات کی قلوب پر تجلی سے ہوتا ہے[2]۔

---

[2] لطف، عمل و کردار میں نرمی اور نزاکت کو کہتے ہیں۔ اور لطفِ خداوندی سے مراد توفیقِ عمل اور گناہوں سے عصمت ہے۔ ملاطفت کا معنی نیکی کرنا اور تلطف کا معنی نرمی کرنا۔

اور لذیذ گفتگو، سکون دہ حکایات، عطیاتِ جلیلہ مواضع بلند و مقامات ارجمند اور لطف و رحمت خداوندی کے قرب کی خوشخبری سے نوازا جاتا ہے جن کی طرف ان (بندوں) کا انجام ہوگا اور وہ زمانہ مستقبل میں حاصل ہوں گے اور ان کے متعلق قلم خشک اور آئندہ زمانہ میں بخششیں مقدر ہو چکی ہیں[3]۔ اس کے فضل و رحمت اور ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں ثابت و برقرار رکھنا[4]، موت آنے تک ہے اور وہ وقت معین ہو چکا ہے[5]۔

---

[3] یہ تقدیر ہائے ازلی سے کنایہ ہے۔

[4] کہ ان تجلیات و بشارات کی وجہ سے امیدوار اور طلب و جستجو میں خوش اور ثابت قدم رہیں۔

[5] کہ اس کا تعین اور اندازہ ہو چکا ہے اس وقت سے قبل حصول مطلوب اور منزلِ مقصود تک رسائی میسر نہیں ہو سکتی

سَحَابُ الْخَيْرِ لَهَا مَطَرٌ
فَاِذَا جَاءَ الْاِبَّانُ تَجِيْءُ

خیر کے بادل برستے ہیں مگر وقت مقررہ پر ان کی آمد ہوتی ہے اِبّان کا معنی کسی چیز کا معین وقت۔

تا در نرسد نوبت ہر کار کہ ہست
سودی نکند یاری ہر یار کہ ہست

جب تک کسی کام کا مقرر وقت نہ آ پہنچے اس وقت تک کی دوست کی دوستی کام نہیں دیتی۔

جدید اذان کہہ دیتے ہیں اور انتظار قوم کے پیشِ نظر اقامتِ صلوٰۃ میں تاخیر کرتے ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضور بارگاہ کے غلبۂ شوق کی تاب نہ لاتے ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تکبیر کا حکم دیتے ہوں اس احتمال کی ان احادیثِ صحاح سے تائید ہو جاتی ہے جن میں صلوٰۃ کے ساتھ اقامت کا بھی ذکر ہے ایک حدیث میں ہے: اَرِحْنَا بالصلوٰۃ و اِقَامتِہٖ. اسے سمجھ لو اور اللہ ہی سے توفیق ہے. بہر تقدیر آپ ارحنا یا بلال فرماتے اور آپ کا مقصود ہوتا کہ،

لِنَدْخُلَ فِی الصَّلٰوۃِ لِمُشَاھَدَۃِ مَا ذَکَرْنَا مِنَ الْجَمَالِ وَلِھٰذَا
قَالَ وَجُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ۔

ہم مذکورہ جمال اور صفتِ لطف کی تجلّی حق کا مشاہدہ کرنے کے لیے نماز میں داخل ہو سکیں. اسی لیے فرمایا، نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنائی گئی ہے[۱۴]

---

[۱۴] اس کی تشریح مقالہ ۵ میں گذر چکی ہے. اس کلام شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال مشاہدۂ جمال تھا اور اغلب و اکثر تجلیات لطیفہ کا ورود رہتا اور انکشافِ جلال کی وجہ سے سینۂ اقدس سے ہنڈیا کے جوش کرنے کی سی آواز سنائی دیتی وہ نادر اور قلیل تھی. واللہ اعلم

تنبیہ: ارحنا یا بلال اور جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ کا مضمون ملتا جلتا ہے اور اس راحت سے مراد کثرت کی قید سے خلاصی، مناجات حق کا وجود اور حضرت معبود کا شہود رہے۔

بعض اسی طرح معنی کرتے ہیں: اے بلال! اذان کہو تاکہ ہم نماز ادا کریں اور اسے ادا کر کے اس کے ساتھ شغلِ قلب اور تعلق باطن سے فارغ ہو جائیں۔ اور اس سے بری الذمہ ہوتے ہوئے حق اطاعت بجا لا کر امتثالِ امر کے ساتھ راحت پائیں۔

ان دونوں معنوں میں فرق یہ ہے کہ معنی اول کے اعتبار سے وجود نماز اور شہود حق کی وجہ سے راحت ہے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے نماز ادا کر کے اس کے ساتھ تعلق سے بری الذمہ ہو جانے میں۔

ان دونوں معنوں میں بونِ بعید ہے مقام اوّل ارفع و اعلیٰ ہے اسے سمجھ لو۔

اَلْمَقَالَةُ الْعَاشِرَةُ

قَالَ رض اِنَّمَا هُوَ اللهُ وَنَفْسُكَ وَاَنْتَ الْمُخَاطَبُ وَالنَّفْسُ ضِدُّ اللهِ وَعَدُوُّهٗ وَالْاَشْيَاءُ كُلُّهَا تَابِعَةٌ لِلّٰهِ وَالنَّفْسُ لِلّٰهِ خَلْقًا وَمِلْكًا حَقِيْقَةً وَلِلنَّفْسِ اِدِّعَاءٌ وَتَمَنِّيْ وَشَهْوَةٌ وَلَذَّةٌ بِمُلَاَبَسَتِهَا فَاِذَا وَافَقْتَ الْحَقَّ فِيْ مُخَالَفَةِ النَّفْسِ وَعَدَاوَتِهَا فَكُنْتَ لِلّٰهِ خَصْمًا لِنَفْسِكَ كَمَا قَالَ اللهُ لِدَاوٗدَ يَا دَاوٗدُ اَنَا بُدُّكَ اللَّازِمُ فَالْزِمْ بُدَّكَ ۔

مقالہ نمبر ۱۰: نفس اور اس کے احوال

فرمایا آپؓ نے کہ تعبد اور امتثالِ حکم میں منظور و متحقق اللہ تعالیٰ ہے اور تمہارا نفس[1]۔ تم اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے اور نہ کرنے کے مخاطب و مکلف ہو اور نفس اللہ تعالیٰ کا دشمن اور مغضوب و مقہور ہے[2]۔ جہاں کی تمام اشیاء اس کے قہر و ارادہ کے تابع ہیں۔ اور نفس درحقیقت اللہ تعالیٰ کی مخلوق و مملوک ہے[3] نفس کے اپنی ہستی کے محض باطل اور جھوٹے دعوے[4] میلانِ طبع کے مناسب آرزوئیں، خواہشات اور اس سے ملی ہوئی لذتیں ہیں۔ جب تم نفس کی مخالفت اور عداوت میں حق تعالیٰ کی موافقت کروگے تو حق تعالیٰ کی طرف سے اپنے نفس کے مخاصم[5] بن جاؤگے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا۔ اے داؤد آپ کا چارہ ساز میں ہی ہوں[6] تم اپنے چارہ ساز سے تعلق محکم کرلو[7]۔

[1] اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت بجالاؤگے تو نفس کی مخالفت ہوگی اور اگر نفس کی موافقت و اطاعت کروگے تو امرِ الٰہی کی مخالفت لازم آئے گی۔

[2] کیونکہ رضائے حق اس کے احکام بجالانے میں ہے اگرچہ اس کا ارادہ تمام کو شامل ہے۔ اس لیے وہ مومنوں کو دوست اور کافروں کو دشمن قرار دیتا ہے۔

[3] اگر بظاہر اس کے حکم کی مخالفت کرتا ہے۔ نفس کی آفرینش ہی اسطرح واقع ہوئی ہے۔

[4] حتیٰ کہ بعض نے خدائی کا دعویٰ کردیا دیگر دعاوی تو بعد کی باتیں ہیں۔

[5] اور نفس سے حقوق اللہ کے طالب بن جاؤگے۔

[6] تم مجھ سے جدا نہیں ہوسکتے اور میرے بغیر آپ کی گذر بسر نہیں ہوسکتی۔

[7] اپنے نفس کو ترک کردو تاکہ مجھ سے جدا اور دائرہ رضا سے باہر نکل سکو۔

الْعُبُوْدِيَّةُ أَنْ تَكُوْنَ لِيْ خَصْمًا عَلٰى أَنْفُسِكَ
فَتَحَقَّقَتْ مُوَالَاتُكَ لِلّٰهِ وَعُبُوْدِيَّتُكَ لَهُ عَزَّوَجَلَّ
وَأَتَتْكَ الْأَقْسَامُ هَنِيْئًا مَرِيْئًا مُطَيَّبًا وَأَنْتَ عَزِيْزٌ
مُكَرَّمٌ وَخَدِمَتْكَ الْأَشْيَاءُ

اور حقیقتِ بندگی اسی صورت میں حاصل ہوگی کہ نفس کی مخالفت شعار بنالو اس طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوستی اور اس کی بندگی ثابت ہوگی تمہیں صاف و خوشگوار و پاکیزہ حصے ملیں گے[8] تم معزز و مکرم ہو جاؤ گے تمام چیزیں تمہاری غلامی و اطاعت کریں گی[9]

---

[8] صوری و معنوی اور روحانی و جسمانی رزق دیا جائے گا۔
رزق کی تین قسمیں بیان کی ہیں :
(۱) رزق مضمون کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ ہر ذی روح کے رزق کی ضامن بن چکی ہے۔
(۲) کہ متقی حضرات کے لیے وعدہ ہو چکا ہے وہ ان کے تکلیف اٹھائے بغیر اور بے گمان ان کے پاس پہنچ کر رہے گا۔
(۳) مقسوم کہ رزق مضمون و موعود جو قسمت میں لکھا جا چکا ہے وہی حاصل ہوگا اس سے زاید نہیں۔

چوں قسمتِ تو یکیست و دہ میطلبی
آں دہ بتو کے دہند خود قاضی باش

جب تمہاری قسمت میں ایک ہے اور تم دس کے طالب ہو۔ خود ہی فیصلہ کر لو کہ دس تمہیں کیسے مل سکتے ہیں۔

لیکن جب تم تقویٰ امرِ الٰہی کی موافقت اور نفس کی مخالفت اختیار کرو گے تو حلال و پاکیزہ اور اَرزاقِ مقسومہ پہنچتے رہیں گے۔
[9] آدمی و غیر آدمی میں تمہارا فعل و تصرف جاری ہوگا۔

وَعَظَمَتُكَ وَفَخْمَتُكَ لِأَنَّهَا بِأَجْمَعِهَا تَابِعَةٌ لِرَبِّهَا
مُوَافِقَةٌ لَهُ إِذْ هُوَ خَالِقُهَا وَمُنْشِيْهَا وَهِيَ مُقِرَّةٌ
لَهُ بِالْعُبُوْدِيَّةِ قَالَ اللّٰهُ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ
بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ أَيْ تَذْكُرُوْهُ
وَتَعْبُدُوْهُ وَقَالَ عَزَّوَجَلَّ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ
اِئْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِيْنَ۔

تمہاری عظمت و ہیبت ان پر بیٹھ جائے گی[10] کیونکہ ہر چیز قدرتِ پروردگار کے تابع و موافق ہے وہی ان کا خالق اور از سر نو وجود دینے والا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے۔ ہاں مگر تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے (س ۱۷، آیت ۴۴)
یعنی تمام اشیاء اس کا ذکر اور اس کی بندگی کا اقرار کرتی ہیں[11] نیز

---

[10] جیسا کہ متقین، مطیعین، خائفین اور بارگاہِ ربّ العزت کی طرف متوجہ حضرات کے لیے وعدۂ الٰہی ہو چکا ہے۔
[11] کیونکہ تسبیح و تحمید اقرارِ بندگی کو مستلزم ہے۔

فرمایا، آمادگی یا غیر آمادگی سے میری اطاعت کے لیے آجاؤ تو انہوں نے جواب دیا[12] کہ ہم اطاعت گذار بن کر حاضر ہیں[13]

فَالْعِبَادَةُ كُلُّ الْعِبَادَةِ فِي مُخَالَفَةِ نَفْسِكَ وَهَوَاكَ
قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاهْجُرْ هَوَاكَ فَاِنَّهَا لَا مُنَازِعٌ
يُنَازِعُنِيْ فِيْ مُلْكِيْ غَيْرُ الْهَوٰى وَالْحِكَايَةُ
الْمَشْهُوْرَةُ عَنْ اَبِيْ يَزِيْدَ الْبُسْطَامِيْ لَمَّا رَاٰى رَبَّ الْعِزَّةِ
فِي الْمَنَامِ فَقَالَ لَهٗ كَيْفَ الطَّرِيْقُ اِلَيْكَ۔

سار[14]ی کی ساری عبادت اپنے نفس و خواہش کی مخالفت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا[15]۔ ہوائے نفس کی پیروی نہ کرو کہ یہ راہِ خدا سے ہٹا دے گی۔ نیز

---

[12] زبانِ حال کے ساتھ کہا یا انہیں قوت گویائی حاصل ہوگئی تو بول کر کہا۔

[13] جب تمام اشیاء اس کی مطیع اور حکم کے تابع ہیں تو یقیناً امرِ حق کی موافقت اور ہوائے نفس کی مخالفت اس کا دوست اور بندۂ خاص ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز و مکرم ہوگا تو ہر چیز خدمت بجالائے گی کیونکہ آقا جس جانب ہو غلام بھی اسی طرف ہوتے ہیں۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

تو اگر اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی نہیں کرے گا تو کوئی چیز تیرے حکم سے گردن نہیں پھیرے گا۔

فرمایا[16]، نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو کیونکہ میرے ملک میں اس کے سوا کوئی چیز مجھ سے جھگڑا کرنے والی نہیں ہے[17]۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تو عرض کیا کہ کونسا راستہ تجھ تک پہنچا دے گا؟[18]

---

[14] پھر مخالفتِ نفس کی مبالغہ و تاکید کے ساتھ نصیحت فرماتے ہیں کہ

[15] حضرت داؤد علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے۔

[16] حدیثِ قدسی میں حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم دیتے ہوئے

[17] ملکِ خدا میں ہوائے نفس کا جھگڑا یہی مخالفتِ امر اور فرمانبرداری سے سرکشی ہے جو کہ درحقیقت خدائی دعویٰ کو متضمن ہے۔ بعض احمق سرکشوں سے یہ دعویٰ بالتصریح پایا گیا جیسا کہ فرعون ملعون نے کہا۔ میں تمہارا بڑا رب ہوں۔ میرے سوا کون معبود ہے۔

نفس را ہفصد سر است و ہر سرے
از فراز عرش تا تحت الثریٰ

ہوائے نفس کی اتباع و موافقت انبیاء کرام علیہم السلام سے اگرچہ ناممکن ہے لیکن اس سے مقصود زجر و توبیخ اور مبالغہ و تاکید ہے تاکہ خبردار رہیں اور اس بھنور میں نہ گریں۔

[18] بعض نسخوں میں اس طرح ہے، اے بارِ خدایا اے خدائے بزرگ و برتر

یَعْلَمُ اللّٰہ دو قدم راہ است و دیگر راہ نیست
یکے بر نفسِ خود نہد و آن دگر در کوئے دوست

اللہ تعالیٰ جانتا ہے راستہ فقط دو قدم ہے ایک قدم نفس کے سر پر رکھو اور دوسرا کوچۂ محبوب میں۔

قَالَ اُتْرُكْ نَفْسَكَ وَ تَعَالَ فَقَالَ فَانْسَلَخْتُ مِنْ نَفْسِیْ كَمَا
تَنْسَلِخُ الْحَیَّةُ مِنْ جِلْدِهَا فَاِذَنِ الْخَیْرُ كُلُّهٗ فِیْ
مُعَادَاتِهَا فِی الْجُمْلَةِ فِی الْاَحْوَالِ كُلِّهَا فَاِنْ كُنْتَ فِیْ
حَالَةِ التَّقْوٰی فَخَالِفِ النَّفْسَ بِاَنْ تَخْرُجَ مِنْ حَرَامِ
الْخَلْقِ وَ شُبُهَتِهِمْ وَمِنَّتِهِمْ وَالْاِتِّكَالِ عَلَیْهِمْ وَ الثِّقَةِ
بِهِمْ وَالْخَوْفِ مِنْهُمْ وَالرَّجَآءِ بِهِمْ وَالطَّمْعِ فِیْمَا عِنْدَهُمْ
مِنْ حُطَامِ الدُّنْیَا فَلَا تَرْجُ عَطَآئَهُمْ عَلٰی طَرِیْقِ
الْهَدِیَّةِ وَالزَّكٰوةِ اَوِالصَّدَقَةِ۔

توجواب ملا۔ نفس کو چھوڑ دو۔ آجاؤ، چنانچہ حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ میں اپنے نفس سے اس طرح باہر نکل آیا ہوں جس طرح سانپ کینچلی اتار پھینکتا ہے[٢٠]۔

پس ساری کی ساری بھلائی ہر وقت جملہ امور میں نفس کی مخالفت میں ہے جیسا آپ حالت تقویٰ[٢١] میں ہیں تو لوگوں کے حرام اور مشتبہ مال سے پرہیز کرو ان کے احسان مند ہو[٢٢] نہ ان پر اعتماد و وثوق کرو۔ نہ ان سے ڈرو نہ امیدوار بنو۔ نہ ان کے پاس جو کچھ دنیا کا سامان[٢٣] ہے اس کا لالچ کرو، زکوٰۃ، صدقات، کفارہ

---

[٢٠] اِنْسِلَاخ کا لغوی معنی کھال اتارنا۔ یہاں نفس سے انتہائی لاتعلقی اور اس سے کمالِ خروج سے کنایہ ہے۔

[٢١] ظاہر شریعت پر عمل ہے، الہامِ باطن، نور فراست اور حقیقت تک رسائی ابھی حاصل نہیں ہوئی۔

اَوِالْكَفَّارَةِ اَوِ النَّذْرِ فَاقْطَعْ هَمَّكَ مِنْهُمْ مِنْ سَائِرِ الْوُجُوْهِ
وَالْاَسْبَابِ حَتّٰی اِنْ كَانَ لَكَ نَسِیْبٌ ذُوْمَالٍ لَا تَتَمَنّٰی
مَوْتَهٗ لِتَرِثَ مَالَهٗ فَاخْرُجْ مِنَ الْخَلْقِ
جِدًّا وَاجْعَلْهُمْ كَالْبَابِ یُرَدُّ وَیُفْتَحُ وَشَجَرَةٍ
تُوْجَدُ فِیْهَا ثَمْرَةٌ تَارَةً وَ تُخْتَلُّ اُخْرٰی وَكُلُّ
ذٰلِكَ بِفِعْلِ فَاعِلٍ وَتَدْبِیْرِ مُدَبِّرٍ وَهُوَ اللّٰهُ
لِتَكُوْنَ مُوَحِّدًا لِلرَّبِّ وَلَا تَنْسَ مَعَ ذٰلِكَ كَسْبَهُمْ
لِتَخْلُصَ مِنْ مَذْهَبِ الْجَبْرِیَّةِ وَاعْتَقِدْ اَنَّ الْاَفْعَالَ
لَا تَتِمُّ بِهِمْ دُوْنَ اللّٰهِ تَعَالٰی۔

ہدیہ اور نذر و نیاز کا لالچ نہ کرو[٢٤] اور مخلوق سے ہر قسم کے اسباب و تعلقات کا مقدر قصد ختم کر دو۔ حتیٰ کہ اگر کوئی قریبی مالدار ہو تو اس کی وراثت حاصل کرنے کے لیے اس کی موت کی تمنا نہ کرو[٢٥]۔ پوری طرح مخلوق سے کنارہ کر لو انہیں اس دروازے کی طرح سمجھو جو کبھی کھلتا کبھی بند ہوتا ہے[٢٦] یا اس درخت کی طرح جانو جو کبھی پھل دیتا ہے کبھی نہیں[٢٧]۔ یہ سب کچھ ایک فاعل کے فعل اور مدبر کی تدبیر[٢٨] سے ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کو خالقیت میں اکیلا تسلیم کر لو۔ اس کے باوجود مخلوق کی محنت و کسب کو فراموش نہ کرو تاکہ فرقہ جبریہ سے جدا رہو[٢٩] اور یہ اعتقاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بغیر بندوں کے افعال مکمل نہیں ہو سکتے تاکہ تم

---

[٢٢] کہ تم پر احسان کر کے زیرِ بارِ منّت کر لیں۔

[٢٣] حُطَام کا معنی کسی چیز کا حصہ اور ٹکڑا۔ حَطْم کا معنی ہے، توڑنا۔

۲۴؎ **ہدیہ اور صدقہ میں فرق :** ہدیہ اغنیا کے اعزاز و اکرام کی خاطر تواضع کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے اور صدقہ فقراء پر لطف و مہربانی کرتے ہوئے دیتے ہیں۔

کفارہ، قسم یا روزہ وغیرہ کا بدلہ : آدمی اطاعت و مباح کی جنس کی کوئی چیز خدا کے لیے اپنے اوپر لازم کر لے۔

۲۵؎ اگرچہ وراثت میں بے اختیار مال حاصل ہوتا ہے لیکن آرزو اور طلب اختیاری امر ہے۔

۲۶؎ خود بخود کھلتا ہے نہ بند ہوتا ہے بلکہ دوسرا کھولتا اور بند کرتا ہے۔

۲۷؎ یعنی کاروبارِ خلق ایک حال اور طریق پر نہیں ہے اور از خود نہیں ہے تو اس پر اعتماد و وثوق کیوں کیا جائے۔

۲۸؎ تدبیر کا معنی انجامِ کار پر نظر رکھنا۔

۲۹؎ جو حرکت اور فعل میں بندے کے اختیار کے بالکل قائل نہیں ہیں اس کی حرکت جمادات کی سی حرکت مانتے ہیں۔

کَبُلَا تَعْبُدَهُمْ وَتَنْسَ اللّٰهَ وَلَا تَقُلْ فِعْلُهُمْ دُوْنَ
اللّٰهِ فَتَكْفُرَ فَتَكُوْنَ قَدَرِيًّا۔

بندہ کو افعال کا خالق مان کر ان کے پرستار نہ بن جاؤ اور خدا کو بھول نہ جاؤ[30] یہ بھی نہ کہو کہ یہ محض ان کا فعل ہے قدرتِ خداوندی کا دخل نہیں ورنہ کافر اور فرقہ قدریہ میں شامل ہو جاؤ گے[31]

۳۰؎ یعنی اگر بندوں کو اپنے افعال میں مستقل اور قادر مطلق مانو گے تو گویا ان کو معبود سمجھ لیا کیونکہ معبود کے سوا کوئی خالق مطلق نہیں ہے۔

۳۱؎ طائفہ قدریہ بندے کو اپنے افعال کا خالق مانتا ہے کہ حرکات و سکنات اس کی اپنی قدرت سے صادر ہوتی ہیں۔ قدرتِ خداوندی کا ان میں دخل نہیں ہے۔ افعالِ عباد کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بایں طور کی جاتی ہے کہ وہ قدرت دینے والا اور اسباب کا خالق ہے ایسا کہنا بدعت انتہائی بُرا اور خالقیت میں شرک ہے جو کہ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ بعض بعض علماء نے فرمایا ہے کہ قدریہ اس قول میں ثَنَوِیّہ سے بھی بدتر ہے وہ تو جہاں میں دو خدا مانتے ہیں اور یہ لاتعداد شرکاء ثابت کرتے ہیں۔

واقع میں بندوں کے افعال عالم میں داخل ہیں جب تمام عالم اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے تو بندوں کے افعال بھی اسی کی مخلوق قرار پائیں گے۔ نیز بندے کی ذات و صفات اور آلات و اسباب کی طرف سے ہیں تو ان کا اثر و نتیجہ بھی اسی کی طرف سے ہوگا۔ نیز بندوں کی ذات و صفات تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور افعال بندوں کی طرف سے ہوں تو یہ غیر معقول بات ہے۔

ثَبِّتْ الْجِدَارَ ثُمَّ اَنْقُشْ کہ پہلے دیوار بناؤ پھر اس پر نقش ونگار کرو۔

؎ چیزیکہ وجود او بخود نیست
ہستیش نہادن از خرد نیست

جس کا وجود ہی اپنا نہ ہو اسے وجود کا دعوی کرنا عقلمندی نہیں ہے۔

لٰكِنْ قُلْ هِيَ لِلّٰهِ خَلْقًا وَّلِلْعِبَادِ كَسْبًا كَمَا جَاءَتْ بِهِ الْاٰثَارُ
لِبَيَانِ مَوْضِعِ الْجَزَاءِ مِنَ الثَّوَابِ وَالْعِقَابِ۔

بلکہ اس طرح کہو کہ افعالِ بندگان مخلوقِ خدا ہیں اور بندوں کا کسب میں دخل[۳۲] ہے جیسا کہ ثواب وعقاب کے سلسلے میں بیان ہونے والی احادیث سے واضح ہے[۳۳]

۳۲؎ بندوں کے افعال کے بارے میں اہلسنّت کا مسلک

یہ اہلسنت وجماعت کا مذہب ہے جو جبر وقدر کے درمیان ہے مُعلّم العارفین امام ناطق بالحق ابو عبد اللہ جعفر صادق علیہ وعلی آباءہ الکرام التحیۃ والسلام نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

لَا جَبْرَ وَلَا قَدْرَ وَلٰكِنْ اَمْرٌ بَيْنَ اَمْرَيْنِ کہ نہ جبر ہے نہ قدر بلکہ معاملہ ان کے درمیان ہے۔

تحقیقِ کلام: اللہ تعالیٰ اشیاء کو دو طرح پیدا فرماتا ہے (۱) با اسباب (۲) بلا اسباب۔ ان کو اسباب عادی کہتے ہیں مثلاً آگ حرارت دینے کے لیے،

کھانا سیر کرنے کے لیے، پانی سیراب کرنے کے لیے۔ عادتِ الٰہیہ اس طرح جاری ہے کہ مسببات کو اسباب کے بغیر پیدا نہیں کرتا باوجودیکہ وہ قادر ہے بلا اسباب پیدا کر سکتا ہے اگر چاہے تو اسباب کے باوجود پیدا نہ کرے اسے خرقِ عادت کہتے ہیں۔ بندوں کی حرکات وسکنات کے پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے ارادوں کو سبب قرار دیا ہے۔ آیات واحادیث بھی اس پر دال ہیں کہ بندوں کا اپنے افعال میں کسب کا دخل ہونے پر ہی امر ونہی کا دارومدار ہے جیسا کہ حضرت سرکارِ بغداد رضی اللہ عنہ آگے ذکر فرماتے ہیں:

۳۳؎ لفظ مَوْضِعِ کا مفہوم بہت وسیع ہے اس سے مراد یا تو جنّت و دوزخ ہیں کہ جزائے اعمال ہیں واردشدہ آثار بندوں کے فعل وعمل کو ثابت کرتے ہیں اور افعال کی بندوں کی طرف اضافت واسناد صریحاً اور دلالۃً اس پر ناطق ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے علی الاطلاق افعال وغیر افعال کا خالق ثابت کرنے میں آیات واحادیث وارد ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔ اللہ تعالےٰ نے تمہیں پیدا کیا اور اس کو جو تم عمل کرتے ہو۔

یہ چیزیں دونوں جانبوں کو ثابت کرتی ہیں لہذا دونوں کو تسلیم کرنا اور ان پر ایمان لانا ہوگا اور دونوں جانبوں کی رعایت کرنا ہوگی" اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقتِ حال کو خوب جانتا ہے"۔ محققین فرماتے ہیں کہ یہ ایک ایسا راز ہے جو اس دارِ تکلیف میں کسی پر نہیں کھلا اور دارِ آخرت میں دخولِ جنّت کے بعد اس کے انکشاف کی صورت نکل سکتی ہے۔

ے فردا کہ پیشگاہ حقیقت شود پدید
شرمندہ رو شوی کہ عمل بر مجاز کرد

کل جب حقیقت آشکارا ہو جائے گی تو تمہیں مجاز پر عمل کرنے کی وجہ سے شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔

ے آئمۃ چوں نقاب از رخ خود بکشاید
وز پردہ ببام خانہ بیروں آید

ے ہر سر کہ بتاریکی شب پنہاں بود
در پرتوی روی وے عیاں بنماید

وہ ماہتاب بالاخانہ سے باہر آکر جب رُخِ زیبا سے پردہ اُٹھائے گا تو تاریکی شب کی وجہ سے پنہاں تمام اسرار اس کے عکس سے عیاں ہو جائیں گے۔

وَامْتَثِلْ اَمْرَاللّٰہِ فِیْہِمْ وَخَلِّصْ قِسْمَكَ مِنْہُمْ
بِاَمْرِہٖ وَلَا تُجَاوِزْہُ فَحُکْمُ اللّٰہِ قَائِمٌ یَحْکُمُ عَلَیْكَ
وَعَلَیْہِمْ فَلَا تَکُنْ اَنْتَ الْحَاکِمُ وَکَوْنُكَ مَعَہُمْ
قَدَرٌ وَالْقَدَرُ ظُلْمَۃٌ فَادْخُلْ فِی الظُّلْمَۃِ
بِالْمِصْبَاحِ وَھُوَالْحَاکِمُ کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّۃُ رَسُوْلِہٖ
لَا تَخْرُجْ عَنْہُمَا فَاِنْ خَطَرَ خَطْرٌ اَوْ وُجِدَ اِلْھَامٌ
فَاعْرِضْھُمَا عَلَی الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ۔

بندوں کے بارے میں احکامِ الٰہی کی تعمیل کرو اور اپنے حصے حکمِ خدا کے مطابق جدا کر لو[۳۴] اس سے تجاوز نہ کرو کیونکہ اس کا حکم قائم ہے وہ تم پر اور ان لوگوں پر حکم جاری فرماتا ہے[۳۵]۔ پس تم حاکم نہ بن بیٹھو اور تمہارا ان کے ساتھ ہونا قدر ہے[۳۶] اور اعتقادِ قدر تاریکی ہے[۳۷] اور تاریکی میں چراغ لے کر داخل ہو جو کہ حدِ فاصل ہے[۳۸] یعنی وہ کتاب و سنّت ہے ان سے باہر نہ نکلو اگر تمہارے دل میں خیال یا الہام پیدا ہو تو اسے کتاب و سنّت کے سامنے پیش کرو[۳۹]۔

---

[۳۴] یعنی ہر مقام پر اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کے تابع رہو مخلوق کے بارے میں بھی اور اپنے حق میں بھی۔

[۳۵] حکم تشریعی یا ارادی اور تم تمام اس کے محکوم مغلوب اور مقہور رہو۔

[۳۶] افعال کی بروجہ استقلال بندوں کی طرف نسبت اور ان سے نفع و نقصان اور خیر و شر سمجھنا ان کے لیے قدرت اور خلق کے اثبات کو مستلزم ہے۔

[۳۷] بندوں کے لیے دعویٰ خالقیت و قادریت نورِ توحید سے خارج اور ظلمتِ شرک میں داخل ہونے کا سبب ہے۔

فَاِنْ وَجَدْتَ فِيْهِمَا تَحْرِيْمَ ذٰلِكَ مِثْلَ اَنْ تُلْهَمَ
بِالزِّنَاءِ وَالرِّبَاءِ اَوْ مُخَالَطَةِ اَهْلِ الْفِسْقِ وَالْفُجُوْرِ
وَغَيْرَ ذٰلِكَ مِنَ الْمَعَاصِيْ فَادْفَعْهُ عَنْكَ وَاهْجُرْهُ
وَلَا تَقْبَلْهُ وَلَا تَعْمَلْ بِهٖ وَاقْطَعْ بِاَنَّهٗ مِنَ الشَّيْطَانِ
الرَّجِيْمِ فَاِنْ وَجَدْتَّ فِيْهِمَا اِبَاحَتَهٗ كَالشَّهَوَاتِ
الْمُبَاحَةِ مِنَ الْاَكْلِ وَالشُّرْبِ وَاللُّبْسِ
وَالنِّكَاحِ فَاهْجُرْهُ اَيْضًا وَلَا تَقْبَلْهُ.

اوران میں وہ کام حرام بتایا گیا ہو مثلاً زنا کرنے، سود لینے، فاسق وفاجر اور جھوٹے لوگوں سے تعلقات استوار کرنے اور اس قسم کے گناہوں کے متعلق الہام ہو تو اسے دفع دُور کر دو، قبول نہ کرو اور اس پر عمل پیرا نہ ہو اور یقین کر لو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس شیطان کی طرف سے ہے اور یہ امور کتاب و سنت میں مباح قرار دے گئے ہیں مثلاً کھانے پینے اور نکاح کی خواہش تو اسے بھی چھوڑ دو اور قبول نہ کرو

---

۳۸ حق وباطل کے درمیان جیسا کہ آفتاب ظلمت ونور کے درمیان.
۳۹ اور کتاب وسنّت پر پیش کرو اگر انکے مطابق ہو تو عمل کر لو. ورنہ اس پر اعتماد واعتبار نہ کرتے ہوئے اسے ردّ کر دو اگرچہ حق تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوتا ہو گر وہ فی الواقع حق تعالیٰ کی طرف سے نہیں تو فبہا، اور اگر ہے تو ممکن ہے ابتلا وامتحان ہو. ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس راہ کے سالکین سے جب کوئی نکتہ میرے دل میں پیدا ہوتا ہے اور حسن وجمال کے ساتھ جلوہ دکھاتا ہے تو میں اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور کہتا ہوں کہ اپنے صدق پر دو صادق عادل گواہ پیش کرو گے تو قبول کر لوں گا ورنہ نہیں وہ دو گواہ کتاب وسنّت ہیں.

وَاعْلَمْ اَنَّهٗ مِنْ اِلْهَامِ النَّفْسِ وَشَهَوَاتِهَا وَقَدْ اُمِرْتَ
بِمُخَالَفَتِهَا وَعَدَاوَتِهَا وَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِى الْكِتَابِ
وَالسُّنَّةِ تَحْرِيْمَهٗ وَلَا اِبَاحَتَهٗ بَلْ هُوَ اَمْرٌ لَا تَعْقِلُهٗ
مِثْلُ اَنْ يُّقَالَ لَكَ اِيْتِ مَوْضِعَ كَذَا وَكَذَا الْقِ
فُلَانًا صَالِحًا وَلَا حَاجَةَ لَكَ هُنَاكَ وَلَا فِى الصَّالِحِ
لِاسْتِغْنَائِكَ عَنْهُ بِمَا اَوْلَاكَ اللّٰهُ مِنْ نِّعْمَةٍ مِّنَ
الْعِلْمِ وَالْمَعْرِفَةِ فَتَوَقَّفْ فِىْ ذٰلِكَ وَلَا تُبَادِرْ اِلَيْهِ
فَتَقُوْلُ هَلْ هٰذَا الْاِلْهَامُ مِنَ الْحَقِّ فَاَعْمَلُ بِهٖ
بَلِ انْتَظِرِ الْخِيَرَةَ فِىْ ذٰلِكَ وَفِعْلُ الْحَقِّ عَزَّ وَجَلَّ
بِاَنْ يَّتَكَرَّرَ ذٰلِكَ الْاِلْهَامُ وَتُؤْمَرُ بِالسَّعْيِ.

اور جان لو کہ یہ نفس اور اس کی تمناؤں کی طرف سے الہام ہے اور تمہیں ان کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے اور اگر ان کی حرمت واباحت کا حکم موجود نہ پاؤ بلکہ تم اس کو سمجھتے ہی نہیں[40] مثلاً یہ کہ تمہیں کہا جائے فلاں خاص مقام پر جا کر فلاں آدمی سے ملاقات کرو جب کہ تمہیں وہاں جانے اور کسی نیک آدمی سے ملنے کی حاجت نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ علم ومعرفت کی وجہ سے اس سے مستغنی ہو تو جلدی نہ کرو توقف سے کام لو اور سوچو کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہے تو اس پر عمل کرو[41] بلکہ اسے اختیار کرنے اور فعلِ حق تعالیٰ کا انتظار کرو[42] اختیار اور فعلِ حق معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ الہام بار بار ہو تمہیں اس پر عمل کرنے کا حکم دیا جائے یا کوئی ایسی نشانی ظاہر ہو

---

۴۰ اس کی حرمت یا اباحت کو سمجھ نہیں رہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے یا نفس کی طرف سے.

أو علامة تظهر لأهل العلم بالله عز وجل
يعقلها العقل من الأولياء والمؤيدون من
الأبدال وإنما لم تبادر إلى ذلك لأنك لا تعلم
عاقبته وما يئول الأمر إليه وما كان فيه فتنة
وهلاكا ومكرا من الله وامتحانا فاصبر حتى
يكون هو الفاعل فيك فإذا تجرد الفعل وحملت
إلى هناك واستقبلتك فتنة كنت محمولا محفوظا فيها.

جو عالم باللہ انسانوں پر ظاہر ہوتی ہے اور صاحب عقل اولیاء[43] اور خدائی تائید یافتہ ابدال اسے سمجھ لیتے ہیں۔

ایسے امور میں جلدی نہ کرو کیونکہ اس کا مقصد اور انجام تمہیں معلوم نہیں ہے[44] اور جس کام میں فتنہ، ہلاکت، خفیہ تدبیر اور امتحان ہو اس میں صبر کرنا چاہیے حتیٰ کہ تمہارے اختیار کے بغیر تم میں خود اللہ تعالیٰ فعل کرے۔ جب فضل الٰہی تمہارا ارادہ و اختیار کی آمیزش سے خالی ہو گا تو تمہیں دل میں پیدا ہونے والے مقام تک پہنچا دیا جائے گا اور جو آزمائش آئے گی اس سے بلند اور محفوظ کر دیئے جاؤ گے[45] کیونکہ اپنے فعل پر[46]

---

[41] صرف ایک بار سوچنے اور حقیقت معلوم کرنے میں جلدی نہ کرو۔

[42] تاکہ تم پر ظاہر ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مختار و اولیٰ کیا ہے اور وہ اپنے فعل و اختیار سے کس جانب لے جاتا ہے کہ کرنا چاہیے یا نہ۔ تاکہ تم اپنے فعل و اختیار سے اس میں نہ پڑو۔

معذرت کرو اور ادائے امر میں تقصیر اور اطاعت کے شرف سے مشرف ہونے کا سبب پوری کاوش سے معلوم کرو[18] شاید اس کی وجہ سے تمہارے[19] دعووں کی شامت معہ عبادت میں کوئی بے ادبی[20]، حماقت و سستی اور اپنی قوت و صلاحیت پر بھروسہ خود پسندی[21]

شركك إياه بنفسك وبخلقه فصدك عن بابه
وعزلك عن طاعته وخدمته وقطع عنك مدد
توفيقه وولى عنك وجهه الكريم ومقتك وقلاك
وشغلك ببلائك دنياك وهواك وإرادتك ومناك
أما تعلم أن كل ذلك مشغل عن مولاك ومسقطك
عن عين الذي خلقك ورباك وخولك وأعطاك
وحباك إحذر لئلا يلهيك عن مولاك غير مولاك
كل من سوى مولاك غيره فلا تؤثر عليه غيره

اور خدا کے ساتھ اپنے نفس اور اس کی خواہشات یا مخلوق میں سے کسی کو[22] شریک کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے در سے دور اور اطاعت و خدمت

---

[18] یعنی اس ناتوانی اور بے توفیقی کا سبب معلوم کرنے کے لیے اپنے حال اور باطن میں غور و خوض کرو۔

[19] جو تم نے قرب حق اور وصول مقالاتِ بلند کے متعلق جھوٹے اور بے سند دعوے کر رکھے ہیں۔

[20] کہ جیسے چاہیے تھی اس طرح بجا نہیں لائے۔

[21] کہ تم اپنے آپ کو اور اپنے عمل کو بہت عمدہ خیال کرو۔

والقسم الثانی ما کان بامر باطن وهو امر الحق
یأمر عبده وینهاه وانما یتحقق هذا الامر
فی المباح الذی لیس له حکم فی الشرع علی معنیٰ
انه لیس من قبیل النهی ولا من قبیل الامر
الواجب بل هو مهمل ترک العبد یتصرف فیه
باختیاره فسمی مباحاً فلا یحدث العبد فیه شیئاً
من عنده بل ینتظر الامر فیه فاذا امر امتثل
فیصیر حرکاته وسکناته بالله مافی الشرع
حکمه فبالشرع وما لیس له حکم فی الشرع
فبالامر الباطن فح یصیر محقاً من اهل الحقیقة

اتباعِ امر کی دوسری قسم کہ مامور بامر باطنی ہو یہی وہ امر ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو حکم دیتا ہے یا منع فرماتا ہے اور یہ اس مباح کام میں متحقق ہوگا جہاں شریعت کا حکم وارد نہیں ہے۔ بایں معنی کو وہ قطعی ممانعت اور امرِ واجب کے قبیل سے نہ ہو[۵۲] بلکہ وہ ایک مہمل امر ہے جس میں بندے کو کرنے اور نہ کرنے کا اختیار حاصل ہے[۵۳] اسے مباح کہتے ہیں[۵۴] اسمیں بندہ اپنی طرف سے ترمیم و تنسیخ نہ کرے بلکہ اسے کرنے یا نہ کرنے کے حکم کا انتظار کرے۔جب حکم ہونے پر بجالائے گا تو اس کی سب حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوں گی۔جس کام کا حکم شرع میں ہے وہ اس کے مطابق اور جس کا حکم شریعت میں نہیں وہ باطنی امر سے انجام دے گا تو وہ آدمی یقیناً

---

[۵۲] کیونکہ واجب اور ممنوع کام کے خلاف امر باطن کا دعویٰ باطل قرار

طرح کوشاں رہتا ہو تو وہ منزلِ مقصود یعنی قرب و حصولِ حق تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر نوافل کی مکمل پابندی کرے وہ بھی ممکن نہیں مگر ترک منہیات و مکروہات میں کوتاہی دکھلائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ جیساکہ مریض پرہیز مکمل طور پر کرے، لیکن ادویات اور معجونیں استعمال نہ کرے تو شفاء کی امید ہے اگرچہ بدیر ہی بخلاف اس مریض کے جو ادویات تو استعمال کر رہا ہے مگر پرہیز نہیں کرتا تو دن بدن اس کا حال تباہ ہو جائے گا اگر دونوں کو بجالائے تو یقیناً انفع و اولیٰ ہے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ منتہی نفلی عبادات میں مختار ہے اگر فرائض و سنن پر ہی اقتصار کرلے تو مقام سے نیچے گرے گا اگرچہ ترقی نہیں ہوگی جیساکہ عوارف المعارف میں ہے

والقسم الثاني ما كان بامر باطن وهو امر الحق
يأمر عبده وينهاه وانما يتحقق هذا الامر
في المباح الذي ليس له حكم في الشرع على معنى
انه ليس من قبيل النهي ولا من قبيل الامر
الواجب بل هو مهمل ترك العبد يتصرف فيه
باختياره فسمي مباحا فلا يحدث العبد فيه شيئا
من عنده بل ينتظر الامر فيه فاذا امر امتثل
فيصير حركاته وسكناته بالله ما في الشرع
حكمه فبالشرع وما ليس له حكم في الشرع
فبالامر الباطن فح يصير محقا من اهل الحقيقة

اتباعِ امر کی دوسری قسم کہ مامور بامر باطنی ہو یہی وہ امر ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو حکم دیتا ہے یا منع فرماتا ہے اور یہ اس مباح کام میں متحقق ہوگا جہاں شریعت کا حکم وارد نہیں ہے۔ بایں معنی کو وہ قطعی ممانعت اور امرِ واجب کے قبیل سے نہ ہو[52] بلکہ وہ ایک مہمل امر ہے جس میں بندے کو کرنے اور نہ کرنے کا اختیار حاصل ہے[53] اسے مباح کہتے ہیں[54] اسمیں بندہ اپنی طرف سے ترمیم و تنسیخ نہ کرے بلکہ اسے کرنے یا نہ کرنے کے حکم کا انتظار کرے۔ جب حکم ہونے پر بجالائے گا تو اس کی سب حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوں گی۔ جس کام کا حکم شرع میں ہے وہ اس کے مطابق اور جس کا حکم شریعت میں نہیں وہ باطنی امر سے انجام دے گا تو وہ آدمی یقیناً

۵۲ کیونکہ واجب اور ممنوع کام کے خلاف امر باطن کا دعویٰ باطل قرار

وما ليس فيه امر باطن فهو مجرد الفعل حالة
التسليم وان كنت في حالة حق الحق وهي حالة
المحو والفناء وهي حالة الابدال المنكسري
القلوب لاجله الموحدين العارفين ارباب
العلوم والعقل السادة الامراء الشحن خفراء
الخلق خلفاء الرحمن واخلائه واعيانه و
احبائه عليهم السلام فاتباع الامر فيها.

اہلِ حقیقت سے ہو جائے گا اور جس کام میں امرِ باطن نہیں[55] وہ خالص فعل حق، تقدیرِ الٰہی اور حالتِ تسلیم ہے۔ اگر تم حق الحق کی منزل میں ہو تو وہ حالتِ محو و فنا ہے جو کہ حالتِ ابدال ہے جن کے قلوب اللہ تعالیٰ کی خاطر شکستہ ہو چکے ہیں۔ یہی لوگ موحد ہیں، عارف ہیں علم و عقل کے مالک

پائے گا، جیسا کہ سرکارِ بغداد کے دیگر مقامات پر آئے گا کہ "جس حقیقت کو شریعت رد کردے وہ زندقہ ہے" یعنی اگر کسی کو خلافِ شرع کام کا شرف ہو اور اس پر مامور ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ باطل ہے اگر اس کا اعتقاد بھی رکھے تو کافر و زندیق ہے نعوذ باللہ من ذالک۔ ہاں امرِ مباح کہ شریعتِ غراء کا حکم موجود نہ ہو امرِ باطن سے مامور ہو تو جائز ہے جیسا کہ خود حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

۵۳ کیونکہ نہ وہ واجب ہے نہ حرام بلکہ اس میں امر و نہی کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

۵۴ مباح بَوح سے مشتق ہے بمعنی فراخ ہونے اور ظاہر ہونا کہتے ہیں باحت الدار گھر وسیع ہے اور باح بسرہ اپنے راز کو ظاہر کر دیا۔

۵۵ نہ ہی حکمِ شرع وارد ہے۔

ہیں، سادات و امراء ہیں، بلاد اللہ کے کارگذار خلق کے نگہبان ہیں خدا تعالیٰ کے خلفاء و برگزیدہ[57] ہیں اور اس کے دوست ہیں علیہم السلام.

اس حالت[58] میں امرِ قہری و ارادی کی اتباع یہی ہے کہ تم اپنی ذات کی مخالفت کرو اپنے حول و قوت سے بیزار ہو[59] جاؤ کہ دنیا و آخرت کی کسی

> بِمُخَالَفَتِكَ اِيَّاكَ بِالتَّبَرِّىْ مِنَ الْحَوْلِ وَالْقُوَّةِ وَاَنْ لَّا يَكُوْنَ لَكَ اِرَادَةٌ وَّهِمَّةٌ فِىْ شَيْءٍ اَلْبَتَّةَ دُنْيَا وَّعُقْبٰى فَتَكُوْنُ عَبْدَ الْمَلِكِ لَا عَبْدَ الْمُلْكِ وَعَبْدَ الْاَمْرِ لَا عَبْدَ الْهَوٰى كَالطِّفْلِ مَعَ الظِّئْرِ وَالْمَيِّتِ الْغَسِيْلِ مَعَ الْغَاسِلِ وَالْمَرِيْضِ الْمَغْلُوْبِ عَلٰى حِسِّهٖ بَيْنَ يَدَىِ الطَّبِيْبِ فِيْمَا سِوَى الْاَمْرِ وَالنَّهْىِ.

چیز کے خواہشمند نہ رہو پھر مُلک کے نہیں مالک الموت کے غلام بن جاؤ گے امرِ حق کے غلام ہو گے خواہشات کے نہیں[61] خدا کے سامنے تمہارا معاملہ ایسا ہی ہوگا جیسے شیر خوار بچہ دایہ کے ہاتھوں میں، نہلایا ہوا مردہ غسّال کے ہاتھوں میں یا بے ہوش مریض طبیب کے روبرو ہوتا ہے یہ بے قصد و بے ارادہ ہونا اور تسلیم و رضا امر و نہی کے غیر میں ہے[62]

---

[56] یہ تمام حرکات اور ارادوں سے مٹ جانے والی ہے اور حالتِ حقیقت سے بالاتر ہے کہ حالتِ حقیقت میں امرِ باطن امتثالِ فعل اور بندے کی طرف فعل و ارادہ کی نسبت ہوتی ہے جو کہ حالتِ اولیاء ہے اور اس میں مذکورہ چیزوں سے کوئی نہیں ہے.

[57] اَعْيَان جمع عَيْن کا دوسرا معنی دیدہ بیں اور جاسوس ہے.

[58] جب کہ گذشتہ حالات میں نفس و ھوٰی کی مخالفت تھی.

[59] توانا و طاقتور ہو اور حیات و حرکات یعنی قصد و ارادہ سے نکل آؤ.

[60] یعنی تمہارا معاملہ افعالِ خدا، جہاں اور اس کے وجود کے ساتھ نہیں ہوگا بلکہ خود ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کے شہود سے ہوگا.

[61] جو کہ امرِ تشریعی میں ہوتا ہے ممکن ہے لفظ الامر اسم فاعل ہو.

[62] کیونکہ جس میں امر یا نہی واقع ہے وہ تو وظیفہ بندی ہے اسے بہر حال ادا کرنا ہے اس کے بجالانے میں اگر قصد و ارادہ کا دخل ہوگا تو اس لحاظ سے کہ شارع کا ارادہ ہے کہ بندہ ارادہ کرے اور اسے چاہے، یہ بھی محویت و فنا کی ایک قسم ہے.

اَلْمَقَالَةُ الْحَادِيَةُ عَشَرَ ۱۱

قَالَ رض اِذَا اُلْقِيَتْ عَلَيْكَ شَهْوَةُ النِّكَاحِ فِیْ حَالَةِ
الْفَقْرِ وَعَجَزْتَ عَنْ مُؤْنَتِهٖ فَصَبَرْتَ عَنْهُ مُنْتَظِرًا
لِلْفَرَجِ مِنَ الْبَارِیْ اِمَّا بِزَوَالِهَا وَاِقْلَاعِهَا عَنْكَ
بِقُدْرَتِهِ الَّتِیْ اَلْقَاهَا عَلَيْكَ وَاَوْجَدَهَا فِيْكَ فَيُعِيْنُكَ
وَيَصُوْنُكَ مِنْ حَمْلِ مُؤْنَتِهَا اَيْضًا بِاِيْصَالِهَا اِلَيْكَ
مَوْهِبَةً مَهْنِيًّا مُكْفِيًّا مِّنْ غَيْرِ ثِقْلٍ فِی الدُّنْيَا وَلَا تَعْبَةٍ فِی
الْعُقْبٰی سَمَّاكَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ صَابِرًا شَاكِرًا

مقالہ ۱۱: خواہشات کیا ہیں؟

حضرت غوث صمدانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب فقر و فاقہ کی حالت میں رغبتِ جماع یا میلانِ نکاح پیدا کیا جائے اور تم اس بوجھ کو برداشت کرنے سے عاجز ہو تو اللہ تعالیٰ سے خوشحالی کے منتظر رہو کہ وہ اللہ تعالیٰ نے جس قدرت سے خواہش تم میں ڈالی اور پیدا کی ہے اسی قدرت سے زائل اور دور کر دے گا[1] کہ تمہاری امداد فرما کر اس بارِ گران کو اٹھانے سے محفوظ فرما دے گا[2] دنیا و عقبیٰ کی کسی قسم کی گرانی کے بغیر تہنیت و مبارکباد دیتے ہوئے تمام مشقوں سے کفایت کرتے ہوئے بطریقِ بخشش و احسان وہ خواہش والی چیز تمہارے پاس پہنچا کر مدد فرمائے گا[3] اور تمہارا نام صابر و شاکر رکھ دے گا کیونکہ تم نے صبر کیا ہے[4]

---

[1] یعنی جس طرح قدرت پیدا کی ہے اسی طرح اس کے نکالنے پر بھی قادر ہے

لِصَبْرِكَ عَنْهَا رَاضِيًا بِقِسْمَتِهٖ فَزَادَكَ عِصْمَةً وَقُوَّةً
فَاِنْ كَانَتْ قِسْمًا سَاقَهَا اِلَيْكَ مُكْفِيًا مَهْنِيًا فَيَنْقَلِبُ
الصَّبْرُ شُكْرًا وَهُوَ عَزَّ وَجَلَّ وَعَدَ الشَّاكِرِيْنَ
بِالزِّيَادَةِ فِی الْعَطَآءِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَئِنْ شَكَرْتُمْ
لَاَزِيْدَنَّكُمْ زِيْدَنَكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِيْدٌ
وَاِنْ لَمْ تَكُنْ قِسْمًا لَكَ فَالْغِنَآءُ عَنْهَا بِقَلْعِهَا
مِنَ الْقَلْبِ اِنْ شَاءَتِ النَّفْسُ اَوْ اَبَتْ۔

اور تمہارا نام "اپنی قسمت پر راضی" رکھے گا[5] پھر تم میں گناہ سے بچنے کی صلاحیت اور نیکی کی قوت زیادہ کر دی جائے گی۔ اور اگر خواہش والی چیز تمہاری قسمت میں ہوئی تو اللہ تعالیٰ با برکت و با کفایت تم تک پہنچا دے گا اور صبر شکر میں تبدیل ہو جائے[6] گا اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو زیادہ عطا کرنے کا وعدہ فرما چکا ہے[7] اور اگر وہ (خواہش والی) چیز تمہاری قسمت میں نہیں تو اسے دل سے نکالتے ہوئے بے نیاز کر دے گا نفس اسے چاہے یا نہ چاہے[8]

---

[2] خواہش کو سرے سے دُور کر دینا اور اس کی مشقت سے بچا لینا نگہداشت میں ہی داخل ہے۔

[3] یعنی جب نکاح کی خواہش ظاہر ہو اور تم کشادگی تک صبر کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان دو طریقوں سے ایک طریقہ کے ساتھ تمہاری مدد کی جائے گی۔

[4] اور کشادگی پر شکر کیا ہے۔ صبر درحقیقت شکر اور غیر شکر ہر قسم کی طاعات کو شامل ہے اور وہ صبر کے افراد ہیں اس لیے صبر کا ذکر فرمایا شکر کا نہیں۔

فَلَازِمِ الصَّبْرَ وَخَالِفِ الْهَوٰی وَعَانِقِ الْاَمْرَ وَارْضَ
بِالْقَضَآءِ وَارْجُ بِذٰلِكَ الْفَضْلَ وَالْعَطَآءَ وَقَدْ
قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۵

تو خلاصۃ المرام یہی ہے کہ اس باب بلکہ جمیع ابواب میں صبر اور مخالفت ہوائے نفس کو لازم کر لو۔ امور شریعت پر پوری طرح کاربند اور قضاء قدر کے حکم پر راضی رہتے ہوئے اس کے فضل و عنایت کے امیدوار رہو۔ ۹ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور دیا جائے گا بے گنتی (س ۱ زمر آیت ۳۹)

---

۵ کیونکہ تم نے اضطراب کا اظہار نہیں کیا اور خواہش کو پورا کرنے کے لیے دوڑ دھوپ نہیں کی۔

۶ درحقیقت دوام صبر بالآخر شکر تک لے جاتا ہے اور صبر کی تلخی معدوم ہو جاتی ہے تو مقام رضا حاصل ہو جاتا ہے۔

ے صبر تلخ است ولیکن بر شیرین دارد

صبر تلخ ہے لیکن پھل میٹھا رکھتا ہے۔

اگرچہ علی الفور حصول مطلوب و مقصود بھی خوشگوار اور شیرین ہے

۷ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اگر تم شکر کرو گے تو زیادہ دوں گا" شکر پر وعدۂ زیادتی کو ناکافی سمجھتے ہوئے کفران نعمت پر وعید کی تاکید و تقریر فرماتے ہوئے کہا "اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے"۔

۸ کہ جو نصیب میں نہ ہو اس کے حصول میں غور و فکر کرنا فضول تشویش وقت تفرقۂ خاطر اور نزاع در قضا کا سبب ہے۔

۹ کار مسلم کا خلاصہ یہی دو چیزیں ہیں (۱) امر شریعی کی پابندی (۲) اور حکم ارادی کو تسلیم کرنا کہ جو کہیں وہ کرو جس طرح رکھیں اس طرح رہو۔ پہلی قسمت کا نام عبادت ہے اور دوسری قسم کا نام عبودیت اور دونوں کا مرجع و مآل صبر ہی ہے۔

۱۰ ے (۱) صبر کن صبر کہ جز صبر دوائے نبود
ہر کرا دست غم عشق رگ جاں گیرد

(۲) چکند گر سر تسلیم ندارد در پیش
ہر کرا پنجۂ عشق تو گریبان گیرد

(۱) غم عشق کا ہاتھ جس شخص کی شہ رگ کو پکڑے اسے صبر ہی کرنا ہوگا کیونکہ صبر کے سوا اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

(۲) جس شخص کے گریبان تک تیرے عشق کا پنجہ پہنچ جائے وہ سر تسلیم خم نہ کرے تو کیا کرے؟

اَلْمَقَالَةُ الثَّانِيَةَ عَشَرَ [۱۲]

قَالَ رضـ اِذَا اَعْطَاكَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مَالًا فَاشْتَغَلْتَ بِهٖ عَنْ
طَاعَتِهٖ حَجَبَكَ بِهٖ عَنْهُ دُنْيَا وَّ اُخْرٰى وَرُبَّمَا
سَلَبَكَ اِيَّاهُ وَغَيَّرَكَ وَاَفْقَرَكَ عُقُوْبَةً لَّكَ لِاشْتِغَالِكَ
بِالنِّعْمَةِ عَنِ الْمُنْعِمِ وَاِنِ اشْتَغَلْتَ بِطَاعَتِهٖ عَنِ الْمَالِ جَعَلَهٗ
لَكَ مَوْهِبَةً وَّلَمْ يَنْقُصْ مِنْهُ حَبَّةٌ وَّاحِدَةٌ كَانَ
الْمَالُ خَادِمُكَ وَاَنْتَ خَادِمُ الْمَوْلٰى فَتَعِيْشُ فِى الدُّنْيَا
مُدَلَّلًا وَفِى الْعُقْبٰى مُكَرَّمًا مُطَيَّبًا فِىْ جَنَّةِ الْمَاوٰى
مَعَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ ۝

مقالہ ۱۲ حبِّ مال سے ممانعت

حضرت محبوب سُبحانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ تمہیں مال عطا کرے تو تم اس مال کے گرویدہ ہو کر حقوق اللہ کی ادائیگی سے اعراض کرلو تو وہ[۱] اپنے قرب اور رحمت سے دنیا و آخرت میں دُور کر دے گا ممکن ہے کہ مال چھین لے اور حال تبدیل[۲] کرتے ہوئے بطور سزا و عذاب تمہیں فقیر و محتاج بنا دے کیونکہ تم نے مال دینے والے کی بجائے مال سے مشغولیت اختیار کر لی ہے۔ اور اگر تم صاحبِ ثروت ہوتے ہوئے مال کی بجائے اطاعتِ الٰہی میں مگن رہے تو وہ مال عطیہ الٰہی ہوگا اس سے ایک دانہ بھی کم نہیں[۳] ہوگا تم مولیٰ کریم کے خادم ہوگے اور مال تمہارا خادم ہوگا۔ دنیا میں ناز و نعمت کے ساتھ زندگی گذارو گے اور آخرت

خوشحالی اور عزّت و کرامت کے ساتھ صدیقین، شہداء اور صالحین کی معیت میں جنّت الماویٰ میں سرفراز کیا جائے گا[۴]

۱۔ اس مال سے لگاؤ کی وجہ سے۔
۲۔ بعض نسخوں میں عثّر ہے عثار سے مشتق یعنی وہ تجھے اس مقام سے گرا دے گا۔
۳۔ خواہ کسی قدر ہی خرچ کیوں نہ کرو۔
۴۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ وہ متبوع ہیں اور یہاں تابعین کا ذکر مقصود ہے۔

المقالة الثالثة عشر[13]

اَوتختر جلب النعماء ولا دفع البلوٰی فالنعماء واصلة
الیک ان کانت قسمک استجلبتها او کرهتها و
البلوٰی حالة بک ان کانت قسمک مقضیة علیک
سواء کرهتها او دفعتها بالدعاء او صبرت او
تجلدت لرضی المولٰی بل سلم فی الکل فیفعل
الفعل فیک فان کانت النعماء فاشتغل بالشکر
وان کانت البلوٰی فاشتغل بالتصبر او الصبر او الموافقة والرضاء
او التنعم بها او العدم والفناء فیها علی

مقالہ ۱۳ احکام خداوندی کی تعمیل

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

تحصیلِ منفعت اور دفعِ ضرر تمہیں اختیار نہیں کرنا چاہیے[1] کیونکہ جو نعمتیں تمہارے مقدر میں ہیں تم انہیں طلب کرو[2] یا مکروہ[3] جانو وہ پہنچ کر رہیں گی مبینہ جو بھی مصیبت و مضرت تمہاری قسمت میں ہے وہ آ کر رہے گی تم اسے ناپسند کرو یا گریہ زاری سے دور کرنا چاہو یا صبر کرو اور طلب رضاءِ مولیٰ میں جلدی دکھاؤ کوئی فرق نہیں پڑے گا بلکہ حکمِ قضاء و قدر کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دو[4] تاکہ فاعلِ حقیقی تم میں اپنا فعل کرے۔ اگر اس کی طرف سے نعمت ملے تو شکر کرو اور اگر مصیبت آئے تو تکلّف کے ساتھ صبر کرو یا بے تکلّف صبر کرو[5] یا پھر

موافقت اور رضا سے کام لو[6] یا اس مصیبت و بلا کو نعمت شمار کرو[7] یا اس بلا میں فانی اور نیست ہو جانے میں[8] مشغول ہو جاؤ۔

۱؎ یعنی اپنے لیے ناز و نعمت اور منفعت حاصل کرنے اور محنت و مشقت دور کرنے کے لیے اپنی تدبیر و اختیار سے کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

۲؎ اور اپنی طرف کھینچو۔

۳؎ اور رونے سے انہیں ہٹاؤ۔

۴؎ خود کو رنج و راحت کے تمام کاموں میں اسی کے سپرد کر دو۔

۵؎ اگر نفس اور طبیعت مخالفت کرے۔

۶؎ اگر نفس رام ہو کر سرکشی سے باز آ چکا ہو۔

۷؎ اگر محبت غالب اور ذوق حاصل ہو تو۔

۸؎ اگر شہود اور رویت کا میلان اور ہستی سے چھٹکارا حاصل ہو چکا ہو۔

قَدْرِ مَا تُعْطٰی مِنَ الْحَالَاتِ وَتُنْقَلُ فِیْهَا وَتَسِیْرُ
فِی الْمَنَازِلِ فِیْ طَرِیْقِ الْمَوْلٰی الَّذِیْ اُمِرْتَ بِطَاعَتِهٖ وَالْمُوَالَاتِ
لِتَصِلَ اِلَی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی فَتُقَامُ ثُمَّ فِیْ مَقَامِ
مَنْ تَقَدَّمَ وَمَضٰی مِنَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ
وَالصَّالِحِیْنَ اَعْنِیْ بِهٖ اَقْرَبَ الْعَلِیِّ الْاَعْلٰی لِتُعَایِنَ
مَقَامَ مَنْ سَبَقَكَ اِلَی الْمَلِیْكِ جَلَّ جَلَالُهٗ
وَعَزَّ سُلْطَانُهٗ وَمِنْهُ دَنٰی وَوَجَدُوْا عِنْدَهٗ
كُلَّ طَرِیْقَةٍ وَّحِزْیًا وَّسُرُوْرًا وَّاَمْنًا

تو تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس کی فرمانبرداری اور درستی و پیوستگی کا حکم دیا گیا ہے مقامات و منازلِ قرب میں منتقل کیا جائے گا اور سیر و سلوک واقع ہوگا کہ رفیق اعلیٰ سے جا ملوگے[9] پھر تمہیں پیش رو یعنی صدیقین شہداء اور صالحین کی صف میں کھڑا کر دیا جائے گا میری اس مقام سے مراد قربِ پروردگار کا بلند قدر و منزلت مرتبہ ہے[10] تاکہ تم بادشاہِ مطلق جلّ جلالہ و عزّ سلطانہ کی بارگاہ تک قرب و رسائی حاصل کرنے والوں کے مقام کا معائنہ کر لو جنہوں نے ہر قسم کی تازہ اور شگفتہ نعمت[11]

---

[9] رفیقِ اعلیٰ سے مراد انبیاء و رُسل اور ملاءِ اعلیٰ سے فرشتے علیہم السلام ہیں لیکن شارح نے حدیث شریف اِخْتَرْتُ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی میں رفیقِ اعلیٰ سے ذاتِ باری تعالیٰ مراد لی ہے اور کہا ہے کہ رفیق رفق سے مشتق ہے بمعنی رحمت و رافت کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ہوا ہے۔ اس کا اطلاق

وَكَرَامَةً وَّنَعْمَآءَ دَعِ الْبَلِیَّةَ تَزُوْرُكَ خَلِّ عَنْ
سَبِیْلِهَا وَلَا تَقِفْ بِدُعَآئِكَ فِیْ وَجْهِهَا وَلَا تَجْزَعْ مِنْ
مَجِیْئِهَا وَقُرْبِهَا فَلَیْسَ نَارُهَا اَعْظَمُ مِنْ نَّارِ جَهَنَّمَ
وَلَظٰی وَقَدْ ثَبَتَ فِی الْخَبَرِ الْمَرْوِیِّ عَنْ خَیْرِ الْبَرِیَّةِ
وَخَیْرِ مَنْ اَحْمَلَتْهُ الْاَرْضُ وَاَظَلَّتْهُ السَّمَآءُ مُحَمَّدِنِ
الْمُصْطَفٰی اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ نَارَ جَهَنَّمَ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِ جُزْ
یَا مُؤْمِنُ فَقَدْ اَطْفَا نُوْرُكَ لَهَبِیْ فَهَلْ كَانَ نُوْرُ الْمُؤْمِنِ
الَّذِیْ اَطْفَا لَهَبَ النَّارِ فِی لَّظٰی اِلَّا الَّذِیْ صَحِبَهٗ فِی الدُّنْیَا
الَّذِیْ تَمَیَّزَ بِهٖ مَنْ اَطَاعَ وَمَنْ عَصٰی

سے حظِ کامل، سرور، امن، بزرگی اور انعامات حاصل کئے ہیں۔ اُترنے والی آفت کے سامنے دُعاؤں کے ساتھ کھڑے نہ ہو اس کا راستہ چھوڑ دو تاکہ زیارت کر سکے[12]۔ اس کی آمد سے جزع و فزع نہ کرو[13] کیونکہ اس کی آگ آتشِ جہنم سے سخت اور مہلک نہیں ہے۔ زمین پر چلنے والوں اور آسمان کے سایہ میں بسنے والوں اور تمام مخلوق میں افضل ذات جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث پاک میں فرمایا "نارِ جہنم مومن سے مخاطب ہو کر کہے گی[14] اے ایماندار! جلدی سے گذر جا تیرے ایمان کا نور میرے شعلوں کو بجھا رہا ہے۔" مومن کا نور جس سے جہنم کے شعلے بجھ رہے ہوں گے یہ وہی نور ہے جو دنیا میں اس کے ساتھ رہا ہے جو نورِ مطیع اور عاصی کے درمیان امتیاز ہے۔

شقِّ آخر یعنی بلا کے ساتھ مشتق ہے یا دونوں شقوں یعنی بلاء و نعمت سے ہے یعنی صبر و شکر موافقت و رضا اور فنا کے ذریعہ اس مقام پر

پہنچ جاؤ گے کہ مولیٰ کریم سے واصل ہو جاؤ گے۔

[10] جو کہ تمام اشیاء سے بایں طور بلند ہے کہ سلسلہ علیت و مسببیت کی انتہا اس پر ہوتی ہے کہ اس سے اوپر کوئی علت نہیں ہے۔

[11] بعض نسخوں میں کل طریقہ قاف کے ساتھ ہے یعنی ہر طریقہ اور روش

[12] اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ گویا بلاء ایک شخص ہے جو تمہاری زیارت اور ملاقات کے لیے اُترا ہے یقیناً اس کی آمد میں کوئی مصلحت ہوگی اس پر دروازہ بند نہ کرو اور اسے آنے دو تاکہ آنے کی حکمت ظاہر ہو جائے۔

[13] اس آفت سے مت ڈرو کیونکہ آخر تمہارے ایمان اور صبر و رضا کا نور اسے قتل کر کے سرد کر دے گا اور قوتِ ایمان اور صبر کے غلبے سے اس سے محفوظ رہو گے۔

[14] جب یہ پُل صراط سے گذر رہا ہوگا۔

فَلْيُطْفِ هٰذَا النُّوْرُ لَهَبَ الْبَلْوٰى وَلْيُجْمِدْ بَرْدُ صَبْرِكَ
وَمُوَافَقَتِكَ لِلْمَوْلٰى وَهَجَ مَا حَلَّ بِكَ مِنْ ذٰلِكَ وَمِنْكَ
دَنٰى فَالْبَلِيَّةُ لَمْ تَأْتِكَ لِتُهْلِكَكَ وَلٰكِنَّهَا تَاْتِيْكَ لِتَخْتَبِرَكَ
وَتُحَقِّقَ صِحَّةَ اِيْمَانِكَ وَتُؤَيِّدَ قَاعِدَةَ يَقِيْنِكَ وَيُبَشِّرُكَ بَاطِنُهَا
مِنْ مَوْلَاكَ بِمُبَاهَاتِهٖ بِكَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ
حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا
اَخْبَارَكُمْ فَاِذَا ثَبَتَ مَعَ الْحَقِّ اِيْمَانُكَ وَوَافَقَتْهُ فِيْ
فِعْلِهٖ بِيَقِيْنِكَ كُلُّ ذٰلِكَ بِتَوْفِيْقٍ مِّنْهُ وَمِنَّتِهٖ فَكُنْ
حِيْنَئِذٍ اَبَدًا صَابِرًا مُوَافِقًا مُّسْلِمًا لَا تُحْدِثْ

یہ نور اس آفت کی تیزی کو ختم کر سکتا ہے اور تمہارے صبر اور حکم مولیٰ کریم سے موافقت کی ٹھنڈک نازل اور قریب ہونے والی مصائب اور اس کی سوزش اور افروختگی کو ساکن کر دے گی۔[15]

آفت تجھے ہلاک کرنے نہیں آتی وہ تمہاری آزمائش تمہاری درستی ایمان کو پختہ اور یقین کو محکم اور تمہارے صبر پر مولا کریم کی طرف سے فخر و مباہات اور اظہارِ خوشنودی و مسرّت کی خوشخبری دینے کے لیے آتی ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اور ضرور ہم تمہیں جانچیں گے یہاں تک کہ دیکھ لیں تمہارے جہاد کرنے والوں اور صابروں کو اور تمہاری خبریں آزمائیں۔ (۳۱/۴۷) (اور تمہارے اعمال و کردار کا امتحان کریں[16]) جب تمہارا حق تعالیٰ کے

---

[15] فَلْيُطْفِ وَلْيُجْمِدْ۔ امر غائب معلوم کے صیغے ہیں اور یہی زیادہ ظاہر ہے [16] اور ان کا حُسن و قبح ظاہر کر دیں۔

ساتھ ایمان ثابت ہو جائے گا اور یقینِ محکم کے ساتھ اس کے فعل کی موافقت کرو گے اور یہ سب اس کے احسان و توفیق سے ہی میسر ہے تو ہمیشہ کے لیے صابر، قضا و قدر سے موافقت کرنے والے اور

فِيْكَ وَلَا فِيْ غَيْرِكَ حَادِثَةٌ مَّا خَرَجَ عَنِ الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ
فَاِذَا كَانَ اَمْرُهٗ فَتَسَامَعْ وَتَسَارَعْ وَتَجَلَّدْ وَتَقَاوَ
تَحَرَّكْ وَلَا تَسْكُنْ وَلَا تُسَلِّمْ لِلْقَدْرِ وَالْفِعْلِ بَلْ اِبْذِلْ
طُوْقَكَ وَمَجْهُوْدَكَ لِتُؤَدِّيَ فَاِنْ عَجَزْتَ الْاَمْرَ
فَدُوْنَكَ وَالْاِلْتِجَاءَ اِلٰى مَوْلَاكَ فَالْتَجِيْ اِلَيْهِ وَتَضَرَّعْ
وَاعْتَذِرْ وَفَتِّشْ عَنْ سَبَبِ عَجْزِكَ عَنْ اَدَاءِ اَمْرِهٖ
وَصَدِّكَ عَنِ التَّشَرُّفِ بِطَاعَتِهٖ لَعَلَّ ذٰلِكَ بِشُوْمِ
دَعَاوِيْكَ وَسُوْءِ اَدَبِكَ بِطَاعَتِهٖ وَبِرُعُوْنَتِكَ وَ
اِتِّكَالِكَ عَلٰى حَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ وَاِعْجَابِكَ بِعَمَلِكَ وَ

اور احکام کو تسلیم کرنے والے ہو جاؤ گے یہ دائرہ امر و نہی سے خارج اپنے اور غیر کے لیے کوئی حادثہ پیدا نہ ہونے دو۔ جب کوئی امر خداوندی ہو تو توجہ سے سنو، قوت و کوشش کے ساتھ جلد بجا لاؤ، حرکت کرو اور سستی نہ دکھاؤ۔ عملی کوشش کے بغیر محض تقدیر اور فضلِ الٰہی کو تسلیم نہ کرو[17] بلکہ امر حق کی ادائیگی کے لیے پوری طاقت صرف کرو، اگر اس کی کماحقہ ادائیگی سے عاجز آ جاؤ تو مولا کریم کی بارگاہ میں تضرع، عاجزی اور انکساری کے ساتھ اپنی تقصیر کی

[17] تاکہ جبر اور جہالت کے گڑھے میں نہ گر جاؤ۔

معذرت کرو اور ادائے امر میں تقصیر اور اطاعت کے شرف سے مشرف ہونے کا سبب پوری کاوش سے معلوم کرو[18] شاید اس کی وجہ سے تمہارے[19] دعووں کی شامت معہ عبادت میں کوئی بے ادبی[20]، حماقت و سستی اور اپنی قوت و صلاحیت پر بھروسہ خود پسندی[21]

شِرْكُكَ اِيَّاهُ بِنَفْسِكَ وَبِخَلْقِهٖ فَصَدَّكَ عَنْ بَابِهٖ
وَعَزَلَكَ عَنْ طَاعَتِهٖ وَخِدْمَتِهٖ وَقَطَعَ عَنْكَ مَدَدَ
تَوْفِيْقِهٖ وَوَلّٰى عَنْكَ وَجْهَهُ الْكَرِيْمَ وَمَقَتَكَ وَقَلَاكَ
وَشَغَلَكَ بِبَلَائِكَ دُنْيَاكَ وَهَوَاكَ وَاِرَادَتَكَ وَمُنَاكَ
اَمَا تَعْلَمُ اَنَّ كُلَّ ذٰلِكَ مُشْغِلٌ عَنْ مَوْلَاكَ وَمُسْقِطُكَ
عَنْ عَيْنِ الَّذِيْ خَلَقَكَ وَرَبَّاكَ وَخَوَّلَكَ وَاَعْطَاكَ
وَحَبَاكَ اِحْذَرْ لِئَلَّا يُلْهِيَكَ عَنْ مَوْلَاكَ غَيْرُ مَوْلَاكَ
كُلُّ مَنْ سِوٰى مَوْلَاكَ غَيْرُهٗ فَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْهِ غَيْرَهٗ

اور خدا کے ساتھ اپنے نفس اور اس کی خواہشات یا مخلوق میں سے کسی کو[22] شریک کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے در سے دور اور اطاعت و خدمت

[18] یعنی اس ناتوانی اور بے توفیقی کا سبب معلوم کرنے کے لیے اپنے حال اور باطن میں غور و خوض کرو۔

[19] جو تم نے قربِ حق اور وصول مقالاتِ بلند کے متعلق جھوٹے اور بے سند دعوے کر رکھے ہیں۔

[20] کہ جیسے چاہیے تھی اس طرح بجا نہیں لائے۔

[21] کہ تم اپنے آپ کو اور اپنے عمل کو بہت عمدہ خیال کرو۔

سے معزول کر دیا ہو۔ اپنی امداد و توفیق منقطع فرما دی ہو ناراضگی اور غصے میں آکر اپنی بخشش و کرم کی توجہ ہٹالی ہو اور تمہیں مصیبت بھیج کر دنیا و خواہش اور حرص اور آرزوؤں میں مبتلا کر دیا ہو[23] کیا آپ نہیں جانتے کہ یہ تمام اشیائ مولا کریم سے ہٹلانے والی اور خالق و مالک کی نظرِ عنایت سے گرلنے والی ہیں جس نے ابتدائے آفرینش سے انجام تک تربیت فرمائی مال و دولت سے نوازا اعمال کے بدلے میں بھی اور بے اعمال بھی محض اپنے فضل و موہبت سے۔ ان سے بچ کر رہنا تاکہ تمہیں مولا تعالیٰ سے ہٹا کر غیر کے ساتھ مشغول نہ کر دیں[24] جو بھی اس کے علاوہ ہے وہ غیر ہے[25] تو غیر کو اللہ تعالیٰ پر اختیار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس نے تمہیں

---

[22] ریاکاری کرتے ہوئے

[23] یہ تمام آفتیں اور مصیبتیں ہیں کہ ان میں گرفتار کر کے اپنی بارگاہ کے قرب اور رضا سے دُور پھینک دیا ہو.

[24] بعض نسخوں میں ہے لایُکفیكَ کہ تمہارا منہ نہ پھیر دیں.

[25] جب غیر کی طرف توجہ اور التفات اور اسکو اختیار کرنا مولا تعالیٰ نے منع فرمایا ہے تو

فَاِنَّهٗ خَلَقَكَ لَهٗ فَلَا تَظْلِمْ نَفْسَكَ فَتَشْتَغِلَ بِغَيْرِهٖ
عَنْ اَمْرِهٖ فَيُدْخِلَكَ نَارَهُ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ
فَتَنْدَمَ وَلَا يَنْفَعُكَ النَّدَمُ وَتَعْتَذِرَ فَلَا تُعْذَرُ وَ
تَسْتَغِيْثُ فَلَا تُغَاثُ وَتَسْتَعْتِبَ وَلَا تُعْتَبُ وَتَسْتَرْجِعَ اِلَى
الدُّنْيَا لِتَسْتَدْرِكَ وَتُصْلِحَ فَلَا تُرْجَعُ اِرْحَمْ نَفْسَكَ
وَاَشْفِقْ عَلَيْهَا وَاسْتَعْمِلَ الْاٰلَاتِ وَالْاَدْوَاتِ الَّتِيْ اُعْطِيْتَهَا
فِيْ طَاعَةِ مَوْلَاكَ مِنَ الْعَقْلِ وَالْاِيْمَانِ وَالْمَعْرِفَةِ
وَالْعِلْمِ اِسْتَضِئْ بِاَنْوَارِهَا فِيْ ظُلُمَاتِ الْاَقْدَارِ

اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے تم اس کے امر سے اعراض کرتے ہوئے غیر کے ساتھ مشغول ہو کر اپنی جان پر ظلم نہ کرو ورنہ وہ تمہیں اس آگ میں ڈالے گا جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں اور تم نادم ہو گے لیکن یہ ندامت کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ عذر پیش کرو گے قبول نہیں ہو گا۔ فریاد کرو گے سُنی نہیں جائے گی۔ رِضا طلب کرو گے وہ حاصل نہیں ہو گی فوت شدہ چیز کی تلافی اور تباہ شدہ چیز کی اصلاح کی خاطر دنیا میں دوبارہ لوٹنے کی اجازت مانگو گے لیکن لوٹایا نہیں جائے گا لہذا اپنے نفس پر مہربانی اور شفقت کرو اور تمہیں جو آلات دیئے گئے ہیں یعنی عقل[26] و ایمان[27] اور علم[28] و معرفت[29] کو حق تعالیٰ کی اطاعت کے لیے استعمال کرو ان کے اظہار سے حوادثِ[30] عالم کی تاریکیوں میں روشنی حاصل کرو

---

[26] عقل دی ہے تاکہ تم خطاب شرع کو سمجھ سکو اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر دلیل قائم کر سکو.

وَتَمَسَّكْ بِالْاَمْرِ وَالنَّهْيِ وَسِرْ بِهِمَا فِيْ طَرِيْقِ مَوْلَاكَ وَسَلِّمْ
مَاسِوَاهُمَا اِلَى الَّذِيْ خَلَقَكَ وَاَنْشَاكَ فَلَا تَكْفُرْ بِالَّذِيْ
خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ وَّرَبَّاكَ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ رَجُلًا
سَوّٰىكَ وَلَا تُرِدْ غَيْرَ اَمْرِهٖ وَلَا تَكْرَهْ غَيْرَ نَهْيِهٖ
اِقْنَعْ مِنَ الدُّنْيَا وَالْاُخْرٰى بِهٰذَا الْمُرَادِ وَاكْرَهْ
فِيْهِمَا هٰذَا الْمَكْرُوْهَ فَكُلُّ مَا يُرَادُ تَبَعٌ لِّهٰذَا الْمُرَادِ
وَكُلُّ مَكْرُوْهٍ تَبَعٌ لِّهٰذَا الْمَكْرُوْهِ اِذَا كُنْتَ مَعَ اَمْرِهٖ
كَانَتِ الْاَكْوَانُ فِيْ اَمْرِكَ وَاِذَا كَرِهْتَ نَهْيَهٗ فَرَّتْ
مِنْكَ الْمَكَارِهُ اَيْنَ كُنْتَ وَحَلَلْتَ ـ

امر ونہی سے تمسک کرتے ہوئے ان کے ساتھ قرب و وصولِ مولا کی راہ کی سیر کرو.
امر و نہی کے سوا[٣١] ہر چیز کو خالق و پرور دگار کے سپرد کردو. جس نے تمہیں مٹی سے

---

[٢٧] دولتِ ایمان سے نوازا کہ تم اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سے متعلق احکام کو قبول کر سکو.

[٢٨] کتاب و سنّت کے علم کے ساتھ خدا کے راستہ پر چل سکو.

[٢٩] عقل و ایمان کی طرح معرفت کے ساتھ بھی ذات و صفاتِ خداوندی پہچان سکو الغرض ان تمام کو کام میں لاؤ ضائع نہ کرو.

[٣٠] کہ جو تقدیرِ الٰہی سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کے مصائب و مہالک دلوں کو تنگ اور تیرہ کر دیتے ہیں

[٣١] یعنی احکامِ قضاء و قدر اور اپنی معاشں کے احوال و اوضاع.

بنایا تمہاری پرورش کی، نطفہ بنایا اور پھر برابر اور معتدل ساخت والا قوی اور کامل مرد بنایا اس سے کفر نہ کرو جس چیز کا حکم دیتا ہے اس کے غیر کا ارادہ نہ کرو اور جس سے منع کرتا ہے اس کے غیر کو مکروہ نہ جانو۔ دنیا و آخرت میں اس سے مراد یعنی امرِ حق پر قناعت کرو اور دنیا و آخرت میں فقط اس (نہی) کو مکروہ جانو[٣٢] پس ہر مراد اس مراد کے تابع اور ہر مکروہ اس مکروہ کے تابع ہوگی.

جب تم اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوگے تو پوری کائنات تمہارے حکم پر چلے گی اور جب خدا کی منع کردہ چیزوں کو بُرا سمجھوگے تو تم جہاں بھی رہوگے ہر قسم کا غم تم سے بھاگے گا

---

[٣٢] واضح ہو کہ دنیا کا حکم عمل کی تکلیف ہے اور آخرت میں اس کا ثواب ہے تیری رضا اور عدمِ رضا اللہ تعالیٰ کے امر و نہی سے متعلق ہو اور اس کے حکم کی کامل اتباع ہو۔ یہی حقیقی عبادت ہے و بس.

قَالَ اللّٰهُ فِیْ بَعْضِ کُتُبِهٖ یَا ابْنَ اٰدَمَ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ
اِلَّا اَنَا اَقُوْلُ لِشَیْئٍ کُنْ فَیَکُوْنُ اَطِعْنِیْ اَجْعَلْكَ
تَقُوْلُ لِشَیْئٍ کُنْ فَیَکُوْنُ وَقَالَ یَا دُنْیَا مَنْ خَدَمَنِیْ
فَاخْدِمِیْهِ وَمَنْ خَدَمَكِ فَاتْعِبِیْهِ فَاِذَا جَآءَ نَهْیُهٗ
فَکُنْ کَاَنَّكَ مُسْتَرْخِی الْمَفَاصِلِ مُسَکَّنُ الْحَوَاسِّ
مُنْخَرِعُ الْجَنَانِ مُضَیَّقُ الذَّرْعِ مُتَمَاوِتُ الْجَسَدِ زَائِلُ
الْهَوٰی مُنْطَمِسُ الرُّسُوْمِ مُمْتَحِی الْوُسُوْمِ مَنْسِیُّ
الْاَثَرِ مُظْلِمُ الْفِنَا مُنْهَدِمُ الْبِنَآءِ خَاوِی الْبَیْتِ سَاقِطُ
الْعُرُوْشِ لَا حِسَّ وَلَا اَثَرَ فَلْیَکُنْ سَمْعُكَ کَاَنَّهٗ اَصَمُّ وَ

اللہ تعالیٰ نے بعض کتابوں میں فرمایا ہے کہ اے بنی نوعِ انسان میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے جب میں کسی چیز کو کہتا ہوں "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے تو میری اطاعت کر میں تمہیں اس طرح کر دوں گا کہ جب تو کسی چیز کے متعلق کہے گا "کُنْ" ہو جا۔ فَیَکُوْنُ تو وہ ہو جائے گی[33] نیز فرمایا اے دنیا! جو میری خدمت و اطاعت کرے تو اس کی خدمت و اطاعت میں مشغول ہو جا اور جو تیری خدمت کرے تو اسے مصیبتوں کی نذر کر دے۔

جب خدا کی طرف سے نہی وارد ہو تو تم یوں ہو جاؤ جیسے تمہارے جوڑ

---

[33] کیونکہ جب تم مکمل طور پر میری اطاعت کرو گے امرونہی کے تابع، اپنی ذات سے فانی اور میری ذات سے باقی ہو جاؤ گے تو میری قدرت کے انوار اور آثار تجھ میں ظاہر ہوں گے۔

ڈھیلے پڑ گئے ہوں تمہارے حواسِ خمسہ ساکن ہو گئے ہوں[34] دل دیوانہ سست اور بات شگاف ہو گیا ہو[35] سینہ تنگ جسم مردہ ہو گیا ہو خواہش نفس زائل اور بشری رسوم مٹ چکی ہوں۔ طبیعت کے نشانات محو اور میل و شہوت کا اثر فراموش، گھر پر اندھیرا چھایا ہوا، دیواریں گر پڑیں اور چھت گرنے سے گھر تباہ ہو گیا ہو۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں تباہ ہو گئی ہوں۔ تمہارے کان ایسے ہوں گویا بہرے ہیں

عَلٰی ذٰلِكَ مَخْلُوْقٌ وَبَصَرُكَ کَاَنَّهٗ مُعْصَبٌ مَرْمُوْدٌ
وَّاَکْمَهُ مَطْمُوْسٌ وَشَفَتَاكَ کَانَ بِهِمَا قُرُوْحَةً
وَبُثُوْرًا وَلِسَانُكَ کَاَنَّ بِهٖ خَرَسًا وَّکُلُوْلًا وَاَسْنَانُكَ
کَالٌ بِهَا ضَرْبًا نًا وَّاٰلَامًا وَّنُشُوْرًا وَیَدَاكَ کَاَنَّ بِهِمَا شَلًّا
وَّعَنِ الْبَطْشِ قُصُوْرًا وَرِجْلَاكَ کَاَنَّ بِهِمَا رِعْدَةً وَ
اِرْتِعَاشًا وَجُرُوْحًا وَفَرْجُكَ کَاَنَّ بِهٖ عُنَّةً وَبِغَیْرِ
ذٰلِكَ الشَّاْنِ مَشْغُوْلٌ وَبَطْنُكَ کَاَنَّ بِهٖ اِمْتِلَاءً اَوْ
اِدْتِوَاءً وَّعَنِ الطَّعَامِ غَنَاءً وَعَقْلُكَ کَاَنَّكَ مَجْنُوْنٌ
وَمَجْهُوْلٌ وَجَسَدُكَ کَاَنَّكَ مَیِّتٌ وَاِلَی الْقَبْرِ مَحْمُوْلٌ
فَالتَّسَامُعُ وَالتَّسَارُعُ فِی الْاَمْرِ وَالتَّقَاعُدُ وَالتَّقَاصُرُ
فِی النَّهْیِ وَالتَّمَاوُتُ وَالتَّعَادُمُ وَالتَّفَانِیْ فِی الْقَدَرِ فَاشْرَبْ

اور اسی طرح پیدا ہوئے ہیں، آنکھوں پر پردہ آگیا ہو آشوبِ چشم کی سی کیفیت ہو اور شدتِ درد کی وجہ سے مادر زاد اندھے کی طرح ختم ہو گئی ہوں[36] ہونٹ

---

[34] بعض نسخوں میں یوں ہے مُسْتَکِنُّ الْحَوَاسِّ کہ حواس خمسہ گم ہو گئے

ایسے ہوں گویا زخمی اور پھوٹ گئے ہوں زبان گویا کہ گنگ اور کند ہے دانت
گویا پیپ، درد اور پراگندگی کی وجہ سے زخم بن چکے ہیں اور ہاتھ گویا شل ہونے
کی وجہ سے پکڑنے کی قوت سے عاری ہیں اور پاؤں تزلزل اور رعشہ
کا شکار ہیں فرج قوتِ مردانگی کے ختم ہونے سے اپنے کام سے ہٹ گئی ہو
پیٹ گویا سیر ہونے کی وجہ سے کھانے سے بے نیاز ہو۔ عقل پر جنون و فساد
طاری ہو جسم مردہ ہو چکا ہو جیسے قبرستان کی طرف اٹھا کر لے جایا جا رہا
ہو، لہٰذا امر کی صورت میں سننا اور جلد بجا لانا ہوتا ہے اور نہی میں بیٹھنا اور
کوتاہی کرنا ہوتا ہے۔ حکم قضا و قدر میں خود تو مردہ، معدوم اور فانی ہو
جانا ہوتا ہے تم اس شربت کو نوشِ جان کر لو[37] اُس دوا کے ساتھ

هٰذِهِ الشُّرْبَةَ وَتَدَاوَ بِهٰذِهِ لِدَّوَآءِ وَتَغَذَّ بِهٰذَا
الْغِذَآءِ تُنْجِعُ وَتُشْفٰى وَتُعَافٰى مِنْ اَمْرَاضِ الذُّنُوْبِ
وَعِلَلِ الْاَهْوَآءِ

علاج کرو اس غذا سے پرورش پاؤ تاکہ تمہیں گناہوں اور خواہشاتِ نفس کی
بیماریوں سے تندرستی، شفاء اور صحت و تندرستی و عافیت بخشی جائے۔ باذن اللہ تعالیٰ

ہوں ۳۵ بعض نسخوں میں مُنْزَعِجٌ اِنْزِعَاج سے ہے یعنی اپنی
جگہ سے اکھڑنے والا اور بعض نسخوں میں مُنْجَزِع ہے جزع سے مشتق
یعنی بے صبری۔

۳۶ بعض نسخوں میں عطموس کی بجائے مطلوس ہے اس کا معنی بھی وہی ہے۔

۳۷ شربت اطباء کے نزدیک ایک مخصوص مقدار ہے جسے استعمال کیا جاتا ہے۔

اَلْمَقَالَةُ الرَّابِعَةَ عَشَرَ[14]

قَالَ رضی اللہ عنہ لَا تَدَعْ حَالَةَ الْقَوْمِ يَا صَاحِبَ الْهَوٰى اَنْتَ
تَعْبُدُ الْهَوٰى وَهُمْ عَبِيْدُ الْمَوْلٰى اَنْتَ رَغْبَتُكَ فِى
الدُّنْيَا وَرَغْبَةُ الْقَوْمِ فِى الْعُقْبٰى اَنْتَ تَرَى الدُّنْيَا
وَهُمْ يَرَوْنَ رَبَّ الْاَرْضِ وَالسَّمَآءِ وَاَنْتَ اُنْسُكَ بِالْخَلْقِ
وَاُنْسُ الْقَوْمِ بِالْحَقِّ قَلْبُكَ مُتَعَلِّقٌ بِمَنْ فِى الْاَرْضِ
وَقُلُوْبُ الْقَوْمِ بِرَبِّ الْعَرْشِ

مقالہ[14] واصلین کے احوال کی اتباع

حضرت سیدنا غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نے فرمایا

اے خواہشِ نفس رکھنے والو حق کے طالبوں اور واصلوں کی حالت کے دعویدار
نہ بنو تم تو نفس کی پسندیدہ چیزوں کی بندگی و پرستش کرنے والے ہو جبکہ وہ
مولا کریم کے پرستار ہیں۔ آپ دُنیاوی مال و جاہ کے راغب ہیں جب
کہ وہ اخروی اجر و ثواب کے طالب ہیں۔ تم دنیاوی[1] صورت کو دیکھتے ہو
اور وہ زمین و آسمان کے خالق کی طرف نظر جمائے ہوئے ہیں[2] تم مخلوق
سے آرام طلب کرتے ہو وہ حق تعالیٰ سے، تمہارا دل دنیاوی اسباب سے
معلق اور سفلیات کی طرف مائل ہے ان کے قلوب ربّ العرش کے ساتھ
آویختہ ہیں[3]

۱ **دُنیا کی تعریف:** زمین و آسمان کے درمیان جو کچھ ہے اسے دنیا کہتے ہیں یہ دُنُو بمعنی قریب ہونا سے مشتق ہے یا دنائت (بمعنی کمینگی) سے

۲ اور اس صنعت کے آثار سے ذات و صفاتِ حق پر دلیل پکڑتے ہیں اور انوارِ حق کے آثار کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

۳ ربّ العرش میں رب کی عرش کی طرف اضافت تعظیم کے لیے ہے جس وقت اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے شہود کی طرف دل متوجہ ہو تو باطن کا اللہ تعالیٰ کے علو و کبریائی اور عظمت کے علاقہ سے جہتِ علیا کی طرف انجذاب ہوتا ہے۔

۴ (۱) روئے تو دیدہ ام بگلستان در آمدم
زلفِ تو یافتم بشبستان در آمدم
(۲) یاد درِ تو کردم بر آسمان شدم
در کوئے تو بملک سلیمان در آمدم

(۱) آپ کے چہرے کی زیارت ہوتی گویا میں باغ میں آگیا آپ کی زلف کو پایا تو شبستان میں آگیا۔

(۲) آپ کے دروازے کی یاد سے گویا آسمان تک پہنچ گیا اور آپ کے کوچہ میں آمد ملکِ سلیمان میں قدم رکھتا ہے۔

اَنْتَ يَصْطَادُكَ مَنْ تَرٰى وَهُمْ لَا يَرَوْنَ مَنْ تَرٰى بَلْ يَرَوْنَ خَالِقَ
الْاَشْيَاءِ[3] وَمَا يُرٰى فَازَ الْقَوْمُ وَحَصَلَتْ لَهُمُ النَّجَاةُ
وَبَقِيْتَ اَنْتَ مُرْتَهِنًا بِمَا تَشْتَهِيْ مِنَ الدُّنْيَا وَتَهْوٰى فَالْقَوْمُ
فَنُوْا عَنِ الْخَلْقِ وَالْهَوٰى وَالْاِرَادَةِ وَالْمُنٰى فَوَصَلُوْا
اِلَى الْمَلِيْكِ الْاَعْلٰى فَاَوْقَفَهُمْ عَلٰى غَايَةِ مَا دَامَ
مِنْهُمْ مِّنَ الطَّاعَةِ وَالْحَمْدِ وَالثَّنَاءِ[3] ذٰلِكَ
فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ[3] فَلَا زَمُوْا ذٰلِكَ وَ

عالمِ صورت میں تم جس کی طرف دیکھتے ہو وہ دلربا بن کر تمہیں شکار کر لیتا ہے اور وہ ان کی طرف دیکھتے ہی نہیں[4] بلکہ وہ ان اشیاء کے خالق کی طرف دیکھتے ہیں[5] جو چشم کے ساتھ دکھائی نہیں دیتا انہوں نے تو رہائی پائی اور[6] نجات حاصل کر لی ہے اور تم دنیاوی خواہشات کے مرہون و محبوس رہ کر ان کے طالب ہو، پس وہ مخلوق ارادہ و آرزو کے فانی ہو کر قربِ الٰہی سے واصل ہو چکے ہیں جو تمام سے بلند تر اور سلسلۂ ایجاد و علیّت کا منتہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی محبوب و مطلوب چیز یعنی اطاعت اور دل و جان سے ذات و صفاتِ باری کی ستائش کو واضح کر دیا ہے یا توفیقِ عنایت فرما دی یہ اللہ کا فضل و کرم ہے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے انہوں نے اس کی توفیق اور رحمت سے

۴ ان کی نگاہِ بصیرت ان پر نہیں پڑتی۔
۵ یعنی چشمِ بصیرت کے ساتھ۔
۶ ماسوائے حق یعنی دنیا و آخرت سے۔

وَاظَبُوْا بِتَوْفِيْقٍ مِّنْهُ وَتَيْسِيْرٍ بِلَا عَنَا فَصَارَتِ
الطَّاعَةُ لَهُمْ رُوْحًا وَّغِذَاءً وَّصَارَتِ الدُّنْيَا
اِذْ ذَاكَ فِيْ حَقِّهِمْ نِعْمَةً وَّحِزْيًا فَكَاَنَّهَا لَهُمْ
جَنَّةُ الْمَاْوٰى اِذْ مَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِّنَ الْاَشْيَاءِ
حَتّٰى يَرَوْا قَبْلَهٗ فِعْلَ الَّذِيْ خَلَقَ وَاَنْشَاَ

مشقت و زحمت سمجھے بغیر حمد و ثنا اور اطاعت کو لازم کر لیا ہے اطاعت ان کے لیے روح اور غذا بن گئی ہے اور دنیا ان کے حق میں نعمت و سرور ہو گئی گویا کہ یہ ان کے حق میں جنت الماوٰی ہے[۷] کیونکہ وہ جب بھی کوئی چیز دیکھتے ہیں تو اس سے پہلے اس کے پیدا کرنے اور عدم سے وجود میں لانے والے کے فعل کی طرف دیکھتے ہیں[۸]

---

۷ پس یہ دنیا و آخرت میں ہمیشہ کے لیے جنت میں ہیں گویا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قول خَالِدِيْنَ فِيْهَا کی طرف اشارہ ہے۔

۸ جب اشیاء دیکھنے سے قبل مشہود حق تعالیٰ ہے تو فعل و شہود حق نور و سرور اور حضور کا موجب ہے۔ نفسانی غم و اندوہ کی ظلمت کو ان کے حال کے خیمے کے گرد کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ سرور و حضور بہشت کا نشان ہے لہذا درحقیقت وہ بہشت میں ہی رہتے ہیں اشیاء کی دید سے قبل حق تعالیٰ کی دید شہود کی ایک قسم ہے یعنی مَا رَاَيْتُ شَيْئًا اِلَّا رَاَيْتُ اللّٰهَ قَبْلَهٗ، شہود کی دوسری قسم ہے مَا رَاَيْتُ شَيْئًا اِلَّا رَاَيْتُ اللّٰهَ فِيْهِ میں نے کسی چیز کو بھی نہیں دیکھا مگر اس میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ ایک شہود میں دید ساتھ ہے اور دوسرے شہود میں دید بعد

فَبِهِمْ ثَبَاتُ الْاَرْضِ وَالسَّمَآءِ وَقَرَارُ الْمَوْتٰى وَالْاَحْيَاءِ
اِذْ جَعَلَهُمْ مَلِيْكُهُمْ اَوْتَادًا لِلْاَرْضِ الَّتِيْ دَحٰى فَكُلٌّ كَالْجَبَلِ
الَّذِيْ رَسَا فَتَنَحَّ عَنْ طَرِيْقِهِمْ وَلَا تُزَاحِمْ مَنْ لَّمْ
يُقَيِّدْهُ عَنْ قَصْدِهِ الْاٰبَآءُ وَالْاَبْنَآءُ فَهُمْ خَيْرُ مَنْ
خَلَقَ رَبِّيْ وَبَثَّ فِي الْاَرْضِ وَذَرَا

انہیں کے دم قدم سے زمین و آسمان قائم ہیں اور مردوں اور زندوں کو قرار حاصل ہے[۹] کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو لوگوں کا مالک و بادشاہ اور بچھی ہوئی زمین کے لیے میخوں کی طرح بنا دیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ قائم پہاڑ کی طرح ہے۔ لہذا آپ ان کی راہ سے ایک طرف ہٹ جائیں۔ ان کے طرق و احوال کا دعویٰ نہ کریں جن کو ان کے والدین اور اولاد حق کے قصد و طلب سلوکِ طریق اور وصولِ شہود میں رکاوٹ نہ بن سکے[۱۰] یہ میرے رب کی زمین پر بکھری اور پھیلی ہوئی مخلوق میں سب سے

میں ہے اوّل اتم اور اکمل ہے کیونکہ قِدم اور وجوب کا نور ہیئت امکانی سے پہلے اور ظاہر و باہر ہے یہ محبوبوں مجذوبوں اور سابقین کا حال ہے۔ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو قول مبارک اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا "بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے" اس کی طرف اشارہ ہے بخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول مبارک کے اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ "بیشک میرے ساتھ میرا رب ہے۔ اسے سمجھ لو اور اللہ ہی کے ساتھ توفیق ہے۔

۹ کیونکہ مردوں اور زندوں کا قرار زمین کے ساتھ ہے اور زمین کا قرار ان کے ساتھ ممکن ہے کہ مردوں سے مراد کفار و عصاة اور احیاء سے مراد مومنین و

فَعَلَيْهِمْ سَلَامُ اللّٰهِ وَتَحِيَّاتُهٗ وَبَرَكَاتُهٗ مَادَامَتِ الْاَرْضُ وَالسَّمَاءُ[۲۰]

بہتر ہیں[۱۹] ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برکتیں اور سلامتی نازل ہو جب تک زمین و آسمان قائم ہیں

متبعین ہوں واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] یعنی درمیان میں نہ آؤ اور برابری نہ کرو کیونکہ کوئی چیز اور کوئی شخص خصوصاً والدین اور اولاد جو کہ سب سے عزیز اور قریب ہوتے ہیں طلب رضا اور امر کی بجاآوری میں فرمودۂ خدا اور مرضیٔ مولیٰ سے مانع نہیں بن سکتے یہ معنی اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال میں ظاہر ہے۔

[۱۱] اگر قوم سے مراد اتقیاء و اولیاء ہو تو افضل سے مراد انبیاء و رسل علیہم السلام کے بعد ہے ورنہ اس عنوان میں تمام اپنے اپنے درجات و مراتب کے لحاظ سے داخل ہیں۔

رَبِّیْ میں ضمیرِ متکلم کی طرف اضافت میں اس مخصوص مقام شریف کی طرف اشارہ ہے جو حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو بارگاہِ ربوبیت میں حاصل ہے کیونکہ سلطان کا وزیر جو کہ امور مملکت کے انتظام میں وکیل و کفیل اور مقام قرب میں متفرد مخصوص اور ممتاز ہوتا ہے وہ کہتا ہے سلطانِ من بادشاہ من کہ میرے سلطان نے یوں فرمایا ہے اور اس طرح کیا ہے۔ ضمیر متکلم کے ساتھ یہ کلمہ بطریقِ کنایہ در حقیقت حضرت سید الرسول خلاصۂ موجودات علیہ السلام والصلوٰت کی سفارت و نیابت میں ہے اور یہ بات زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی ہے آپ کے القاب شریفہ سے یہ القاب یعنی نائبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور

وارثِ کتاب' ان کے ساتھ مشائخ وقت آپ کو ندا کرتے تھے۔

شعر (۱) اے رفتہ قدم بر قدم شاہِ رسل
در پیروی او شدہ ہادی سبل

(۲) قَدْ فُزْتَ مِنَ الْفَضْلِ بِمَافَاتَ النَّاسَ
مِنْ ذٰلِكَ فَقْتَهُمْ وَجَاوَزْتَ الْكُلَّ

(۱) اے شاہِ رسل کے قدم بہ قدم چلنے والے آپ کی پیروی میں تم ہادی سبل ہو چکے ہو۔

(۲) لوگ جسے حاصل نہ کر سکے آپ اس کے فضل سے کامیاب ہوئے ہیں اسی لیے ان سے فائق ہو اور تمام سے آگے ہو۔

جب تک زمین و آسمان و مافیہا باقی اور تقدیر الٰہی سے مربوط و وابستہ ہے ان پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے سلامتی برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی رہیں (آمین)

المقالة الخامسة عشر[15]

قَالَ رضؓ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنِّي فِي مَوْضِعٍ شِبْهِ مَسْجِدٍ
وَفِيهِ قَوْمٌ مُنْقَطِعُونَ فَقُلْتُ لَوْ كَانَ لِهٰؤُلَاءِ فُلَانٌ
يُؤَدِّبُهُمْ وَيُرْشِدُهُمْ اَشَرْتُ إِلَى رَجُلٍ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ
فَاجْتَمَعَ حَوْلِي فَقَالَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ فَأَنْتَ أَيْشٍ لِمَ لَا
تَتَكَلَّمُ فَقُلْتُ إِنْ رَضِيتُمُونِي لِذٰلِكَ ثُمَّ قُلْتُ إِذَا انْقَطَعْتُمْ
عَنِ الْخَلْقِ إِلَى الْحَقِّ فَلَا تَسْأَلُوا النَّاسَ شَيْئًا بِأَلْسِنَتِكُمْ
وَإِذَا تَرَكْتُمْ ذٰلِكَ فَلَا تَسْأَلُوهُمْ بِقُلُوبِكُمْ فَإِنَّ السُّؤَالَ
بِالْقَلْبِ كَالسُّؤَالِ بِاللِّسَانِ ثُمَّ اعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ كُلَّ يَوْمٍ
هُوَ فِي شَأْنٍ فِي تَغْيِيرٍ وَتَبْدِيلٍ وَرَفْعٍ وَخَفْضٍ

مقالہ ۱۵ خوف ورجا

حضرت شیخ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں خود کو مسجد کی طرح ایک جگہ میں دیکھا اس میں کچھ لوگ مخلوق سے قطع تعلق کیے حق سے پیوستہ بیٹھے ہیں. میں نے ایک سے کہا کہ اگر فلاں شخص ہو تو وہ انہیں آداب سکھلائے اور حق کی طرف راہنمائی کرے. فلاں سے میں نے ایک صالح بزرگ کی طرف اشارہ کیا تو وہ میرے اردگرد جمع ہو گئے. ایک نے کہا آپ خود ہی گفتگو کیوں نہیں فرماتے؟ میں نے کہا اگر تم پسند کرو تو میں گفتگو کے لیے تیار ہوں. پھر کہا جب تم خلق سے قطع تعلق کر کے حق کی طرف متوجہ ہو تو زبان کے ساتھ کسی

سوال نہ کرو. جب زبان سے سوال چھوٹ جائے تو دلوں کے ساتھ سوال نہ کرو کیونکہ دل کے ساتھ سوال زبان کے سوال کی طرح ہی ہے[1] پھر یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ ہر زمان وہر آن نئی شان میں ہے[2] یاد رکھو[3] وہ احوال خلق میں تغیر وتبدل کرتا ہے کہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر لے جاتا ہے ایک کا مرتبہ بلند کرتا ہے دوسرے کا پست ایک

فَقَوْمٌ يَرْفَعُهُمْ إِلَى الْعِلِّيِّينَ وَقَوْمٌ يَحُطُّهُمْ إِلَى أَسْفَلِ
السَّافِلِينَ تَخَوَّفَ الَّذِينَ رَفَعَهُمْ إِلَى الْعِلِّيِّينَ أَنْ يَحُطَّهُمْ
إِلَى أَسْفَلِ السَّافِلِينَ وَرَجَّاهُمْ أَنْ يُبْقِيَهُمْ وَيَحْفَظَهُمْ
عَلَى مَا هُمْ عَلَيْهِ مِنَ الرَّفْعِ وَخَوَّفَ الَّذِينَ حَطَّهُمْ
إِلَى أَسْفَلِ السَّافِلِينَ أَنْ يُبْقِيَهُمْ وَيُخَلِّدَهُمْ عَلَى مَا هُمْ فِيهِ
مِنَ الْحَطِّ وَرَجَّاهُمْ أَنْ يَرْفَعَهُمْ إِلَى

گروہ کو مقاماتِ بلند اور مراتبِ ارجمند پر فائز کرتا ہے[4] اور ایک قوم کو

---

[1] اگرچہ دل کا سوال پوشیدہ اور زبان کا آشکارا ہے.

[2] اس کے کارخانۂ قدرت وخلق میں تعطل نہیں واقع ہوتا. اس کے بعد

[3] یہ شیونات الٰہیہ کا بیان ہو رہا ہے.

[4] بعض علماء ساتویں آسمان کا نام عِلّیین رکھتے ہیں کہ حفاظت کرنے والے فرشتوں کے دیوان کا نام ہے جس میں اعمال صالحین درج ہیں نامِوس میں ہے عِلّیین عِلّیؔ کی جمع ہے یعنی ساتواں آسمان جہاں ارواح مومنین عروج کرتی ہیں.

اسفل السافلین میں گراتا ہے۔ پہلے طبقے کو اسفل السافلین میں گرا دینے کا خوف دلایا اور اس رفعت پر فائز اور محفوظ رکھنے کی امید دلائی اور دوسرے گروہ کو اس تکلیف میں باقی اور ہمیشہ رہنے سے ڈرایا اور علیین میں رفعت بخشنے کا امیدوار بنایا۔[5]

---

۵ خلاصہ یہ کہ صفاتِ قہریہ و لطفیہ، جلالیہ رحمانیہ میں سے ایک آثار کے ظہور کا تقاضہ کرتی ہے۔ تمام لوگوں کو اُمید و بیم میں رکھتا ہے ایک حال میں نہیں چھوڑتا۔ یہی ہے:

اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَا کہ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔

؎ ایمن مشو کہ مرکب مرداں راہ را
در سنگلاخ بادیہ پی ہا بریدہ اند

بے خوف نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس پتھریلی زمین میں بہت سے شہسواروں کی سواریاں چلنے سے عاجز آچکی ہیں۔ یعنی پہلے کی طرح مصیبت میں پڑے ہوئے ہیں اور شقاوت کے گڑھے میں گرے ہوئے ہیں۔

؎ نومید ہم مباش کہ رنداں بادہ نوش
ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

ناامید بھی نہ ہونا کیونکہ کئی بادہ نوش رند لوگ اچانک ایک دفعہ نالہ و فریاد سے منزلِ مقصود تک رسائی حاصل کر چکے ہیں۔

یعنی توبہ کی توفیق پاتے ہی مقامِ سعادت سے جلوہ گر ہوگئے۔

علیین ثم انتبہت

پھر میں بیدار ہوگیا۔[6]

---

۶ نیند اور بیداری کتنی مبارک و مسعود ہے کہ دونوں عالم میں تربیت، احکامِ دین کی تلقین اور راہِ یقین کی ہدایت و ارشاد میں مشغول ہیں۔

؎ زہے مراتب خوابی کہ بہ زبیداریست
کیا خوب ہیں نیند کے مراتب جو بیداری سے بہتر ہیں

؎ (۱) در خواب ہمیشہ با خیال تو خوشم
در بیدارم بخط و خال تو خوشم
(۲) القصہ چہ در خواب و چہ در بیداری
اے مردم دیدہ با جمال تو خوشم

(۱) اگر سوؤوں تو آپ کے خیال میں خوش رہتا ہوں اور اگر بیدار رہوں تو تمہارے حسن و جمال میں مسرور رہوں۔

(۲) المختصر اے محبوب خواہ خواب ہو یا بیداری میری آنکھ جناب کے جمال میں شاداں ہے۔

اللھم صل علی سید الخلق محمد وآلہ واصحابہ اجمعین وعلی سائر اتباعہ واحزابہ ھداۃ طریق الحق ومحی معالم الدین۔

اَلْمَقَالَةُ السَّادِسَةُ عَشَرَ [16]

قَالَ رض مَا حُجِبْتُ عَنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَالْبُدُّ بِنِعْمِهٖ اِلَّا لِاتِّكَالِكَ
عَلَى الْخَلْقِ وَالْاَسْبَابِ وَالصَّنَائِعِ وَالْاَكْسَابِ فَالْخَلْقُ حِجَابُكَ
عَنِ الْاَكْلِ بِالسُّنَّةِ وَهُوَ الْكَسْبُ فَمَا دُمْتَ قَائِمًا
مَعَ الْخَلْقِ يَعْنِيْ رَاجِيًا لِعَطَائِهِمْ وَفَضْلِهِمْ سَائِلًا لَهُمْ
مُتَرَدِّدًا اِلٰى اَبْوَابِهِمْ فَاَنْتَ مُشْرِكٌ بِاللّٰهِ
خَلْقَهٗ فَيُعَاقِبُكَ بِحِرْمَانِ الْاَكْلِ بِالسُّنَّةِ الَّذِيْ
هُوَ الْكَسْبُ مِنْ حَلَالِ الدُّنْيَا ثُمَّ

مقالہ [16] توکّل کی حقیقت اور اس کے مقامات

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی نعمتیں حاصل ہونے سے تمہیں محجوب اور محروم اس لیے کر دیا گیا کہ تم نے مخلوق [1]، اسباب [2]، پیشوں اور اپنے تصرفات [3] پر بھروسہ کر لیا ہے۔ مخلوق اور ان سے طمع انبیائے کرام علیہم السلام کی سنّت کے مطابق کھانے سے مانع اور حجاب ہے۔ سب کے مطابق کھانے سے مراد سے محروم کر دے گا جو کہ دنیا میں کسبِ حلال ہے۔

---

[1] حصولِ منافع اور دفعِ ضرر کی خاطر

[2] کہ عادت کے مطابق ان کے وسیلہ سے مقاصد تک پہنچا جاتا ہے۔

[3] رزق کے حصول اور جمع کے لیے۔

اپنے کسب اور قوتِ بازو سے کما کر کھانا [4]۔ جب تک تم خلق کے ساتھ قائم رہو گے یعنی انسان کی بخشش وکرم کے امیدوار ان کے دروازوں پر سوال کی خاطر پھرنے والے نہ ہو گے تو ان کو رزق و عطا میں خدا کا شریک ٹھہراؤ گے [5] اور تمہیں اس کی سزا دے گا کہ سنت کے مطابق روزی کھانے

اِذَا تُبْتَ عَنِ الْقِيَامِ مَعَ الْخَلْقِ وَشِرْكِكَ رَبَّكَ بِهِمْ
وَرَجَعْتَ اِلَى الْكَسْبِ فَتَاْكُلُ بِالْكَسْبِ وَتَتَوَكَّلُ عَلَى الْكَسْبِ
وَتَطْمَئِنُّ اِلَيْهِ وَتَنْسٰى فَضْلَ الرَّبِّ فَاَنْتَ مُشْرِكٌ
اَيْضًا اِلَّا اَنَّهٗ شِرْكٌ اَخْفٰى مِنَ الْاَوَّلِ فَيُعَاقِبُكَ
اللّٰهُ وَحَجَبَكَ عَنْ فَضْلِهٖ وَالْبِدَايَةِ بِهٖ فَاِذَا تُبْتَ عَنْ
ذٰلِكَ وَاَزَلْتَ الشِّرْكَ عَنِ الْوَسَطِ وَرَفَعْتَ اِتِّكَائَكَ
عَلَى الْكَسْبِ وَالْحَوْلِ وَالْقُوَّةِ وَرَأَيْتَ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ وَهُوَ الْمُسَبِّبُ
وَالْمُسَهِّلُ وَالْمُقَوِّيْ عَلَى الْكَسْبِ وَالْمُوَفِّقُ

پھر جب تم مخلوق کے ساتھ قیام اس سے سوال و لالچ اور ربِّ کریم کے ساتھ ان کو شریک ٹھہرانے سے توبہ کر کے کسب کی طرف رجوع کر دو گے تو اپنے کسب سے کھاؤ گے اور اس پر بھروسہ کر کے اطمینان پاؤ گے اور اپنے رب کی صفتِ رزّاقیّت اور اس کا فضل وکرم بھول جاؤ گے تو یہ بھی

---

[4] کہ اس میں مخلوق کا طمع نہ ہو جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر نبی کا ایک پیشہ رہا ہے اور میرا پیشہ جہاد ہے۔

[5] یہ شرک خفی ہے۔

شرک کی ایک قسم ہے جو پہلے سے اخفیٰ ہے[6] تو اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دیتے ہوئے اپنے فضل سے اور بے واسطہ سبب فضل و کرم کی ابتداء کرنے سے محروم کر دے گا جب تم اس سے بھی توبہ کر لوگے اور درمیان سے شرک کو زائل کسب اور اپنی قوت اور حیلے پر اعتماد ختم کر دوگے تو یقین کے ساتھ جانوگے کہ اللہ تعالیٰ ہی رزّاق ہے وہی اسباب پیدا کرنے اور آسمان بنانے والا ہے، کسب پر توانائی بخشنے اور ہر نیکی کی توفیق دینے والا ہے[8]

---

[6] کہ پہلی صورت میں مخلوق پر نظر و اعتماد تھا اور اس صورت میں مخلوق سے توجہ اٹھ چکی تھی ان پر اعتماد نہیں رہا۔ کسب پر اعتماد کیا ہے لیکن کسب میں بھی اپنی قوّت و طاقت پر اعتماد ہے اور یہ بھی خلق پر اعتماد ہے کیونکہ مخلوق نفس اور غیر نفس دونوں کو شامل ہے۔ ہاں اتنی بات ہے کہ یہاں بعض افراد سے اعتماد اُٹھ گیا ہے اسلئے یہ خفی تر شرک قرار پائے گا لیکن اصل شرک باقی ہے۔

[7] اور کسب پر اعتماد چھوڑ دوگے۔

[8] اور اسباب کو بندے کی خواہش کے مطابق بنانے والا ہے اس یقین کے حصول کے بعد اسباب سے تعلق و ترکِ تعلق یکساں ہو گا جیسا کہ خود آگے فرماتے ہیں:

لِكُلِّ خَيْرٍ وَالرِّزْقُ بِيَدِهٖ تَارَةً يُوَاصِلُكَ بِطَرِيْقِ
الْخَلْقِ عَلٰى وَجْهِ الْمَسْئَلَةِ لَهُمْ فِيْ حَالَةِ الْاِبْتِلَاءِ[9] اَوِ الرِّيَاضَةِ[10]
اَوْعِنْدَ سُؤَالِكَ لَهٗ عَزَّوَجَلَّ وَاُخْرٰى بِطَرِيْقِ الْكَسْبِ
مُعَاوَضَةً وَاُخْرٰى مِنْ فَضْلِهٖ مُبَادَاةً مِنْ غَيْرِ اَنْ
تَرَى الْوَاسِطَةَ وَالسَّبَبَ فَرَجَعْتَ اِلَيْهِ وَاسْتَطْرَحْتَ
بَيْنَ يَدَيْهِ عَزَّوَجَلَّ رَفَعَ الْحِجَابَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ فَضْلِهٖ
وَبَادَاكَ وَغَذَّاكَ بِفَضْلِهٖ عِنْدَ كُلِّ حَاجَةٍ عَلٰى قَدْرِ

بندوں کی روزی اسی کے دستِ قدرت و کرم میں ہے کبھی وہ مخلوق کے عطیات کے ذریعے پہنچائے گا کہ تم ابتلاء[9] یا ریاضت[10] کی حالت میں ان سے سوال کروگے یا تم اللہ عزّوجل کی بارگاہ میں سوال و دُعا کروگے[11] اور کبھی سوال کے بغیر بطریق کسب و سبب کے معاوضہ کے طور پر روزی دے[12] گا کبھی بلا سوال و کسب محض اپنے فضل سے رزق عطا کرتا ہے، جب تم کسی واسطہ اور سبب کو تلاش نہ کرو بلکہ تمام اسباب سے کٹ کر خود کو بارگاہِ خداوندی میں گرا دوگے[13] تو اللہ تعالےٰ تمہارے اور اپنے فضل کے درمیان حجاب اٹھا دے گا[14] اور تمہارے حال کے مطابق[15] ہر ضرورت کے وقت بے واسطہ و سبب ابتداء فرمائے گا اور اپنے فضل سے رزق عطا کرے گا۔ یہ اس طرح ہے جیسے ایک طبیب کا عمل

---

[9] کہ اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش کے لیے فقر و پستی میں مبتلا کر دے آیا تم صبر کرتے ہو یا نہیں اور حدِ ضرورت پر اکتفا کرتے ہو یا نہیں۔

[10] ریاضت کا معنی نفس کو رام اور مطیع کرنا یعنی نفس کو ریاضت اور بھوک کی کٹھالی میں پگھلاؤ یہاں تک کہ اس کی طاقت جاتی رہے اور مخمصہ (انتہائی بھوک) کی

تَبَّتَتُ الْجِدَارَ ثُمَّ النَّقْشُ کہ پہلے دیوار بناؤ پھر
اس پر نقش ونگار کرو۔

چیزے کہ وجود او بخود نیست
ہستیش نہادن از خرد نیست

جس کا وجود ہی اپنا نہ ہو اسے وجود کا دعویٰ کرنا عقلمندی نہیں ہے۔

لٰکِنْ قُلْ هِیَ لِلّٰهِ خَلْقًا وَلِلْعِبَادِ کَسْبًا کَمَا جَاءَتْ بِهِ الْاٰثَارُ
لِبَیَانِ مَوْضِعِ الْجَزَاءِ مِنَ الثَّوَابِ وَالْعِقَابِ۔

بلکہ اس طرح کہو کہ افعال بندگان مخلوق خدا ہیں اور بندوں کا کسب میں دخل ہے[۳۲] جیسا کہ ثواب وعقاب کے سلسلے میں بیان ہونے والی احادیث سے واضح ہے[۳۳]

---

۳۲ بندوں کے افعال کے بارے میں اہلسنت کا مسلک یہ اہلسنت وجماعت کا مذہب ہے جو جبر وقدر کے درمیان ہے مُعلم العارفین امام ناطق بالحق ابو عبداللہ جعفر صادق علیہ وعلی آباءہ الکرام التحیۃ والسلام نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

لَا جَبْرَ وَلَا قَدْرَ وَلٰکِنْ اَمْرٌ بَیْنَ اَمْرَیْنِ کہ نہ جبر ہے نہ قدر بلکہ معاملہ ان کے درمیان ہے۔

تحقیق کلام: اللہ تعالیٰ اشیاء کو دو طرح پیدا فرماتا ہے (۱) بااسباب۔ (۲) بلا سباب۔ ان کو اسباب عادی کہتے ہیں مثلاً آگ حرارت دینے کے لیے،

مَا یُوَافِقُ حَالَكَ كَفِعْلِ الطَّبِیْبِ الشَّفِیْقِ الرَّفِیْقِ الْحَبِیْبِ
لِلْمَرِیْضِ حِمَایَةً مِّنْهُ عَزَّوَجَلَّ وَتَنْزِیْهًا لَّكَ عَنِ الْمَیْلِ
اِلٰی مَنْ سِوَاهُ وَیُرْضِیْكَ بِفَضْلِهٖ فَاِذَا یَنْقَطِعُ عَنْ قَلْبِكَ
كُلُّ شَهْوَةٍ وَلَذَّةٍ وَمَطْلَبٍ فَلَا یَبْقٰی فِیْ قَلْبِكَ
سِوٰی اِرَادَتِهٖ عَزَّوَجَلَّ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ یَّسُوْقَ اِلَیْكَ
قِسْمَكَ الَّذِیْ لَا بُدَّ لَكَ مِنْ تَنَاوُلِهٖ وَلَیْسَ هُوَ
رِزْقًا لِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِهٖ سِوَاكَ اَوْجَدَ عِنْدَكَ
شَهْوَةَ ذٰلِكَ الْقِسْمِ وَسَاقَهٗ اِلَیْكَ فَیُوَاصِلُكَ بِهٖ
عِنْدَ الْحَاجَةِ ثُمَّ یُوَفِّقُكَ بِشُكْرِهٖ وَیُعَرِّفُكَ اَنَّهٗ

جو مریض پر مہربان بھی ہو اور مریض[۱۶] کا رفیق اور دوست بھی ہو یہ انعام واکرام تمہاری حمایت اور ماسوا کی طرف میلان سے بچانے کے لیے ہے اور وہ تمہیں مسلسل اور بالدوام فضل وکرم سے راضی کر دے گا تو اس[۱۷] وقت تمہارا دل ہر ارادہ وخواہش، لذت نفس اور خدا کے سوا محبوب ومطلوب سے منقطع ہو جائے گا اور دل میں اس کے ارادے کے سوا کچھ نہیں رہے[۱۸] گا۔ جب وہ تمہارے لیے ضروری روزی پہنچانا چاہے گا جو مخلوق سے کسی اور کا رزق نہیں ہے تو وہ اس کی خواہش تمہارے دل میں پیدا فرما دے گا اسے تمہیں طرف چلائے گا اور ضرورت کے وقت پہنچا دے گا پھر وہ تمہیں شکر کی توفیق دے گا اور بتلائے گا کہ وہی روزی رساں اور

---

۱۶ جس نے خود کو طبیب کے سپرد کرتے ہوئے چہرۂ نیازمندی زمین پر رکھ دیا ہے

مِنْهُ وَهُوَ سَائِقُهٗ اِلَيْكَ وَرَازِقُهٗ لَكَ فَتَشْكُرُهٗ ح وَ
تَعْرِفُ وَتَعْلَمُ فَيَزِيْدُكَ خُرُوْجًا مِنَ الْخَلْقِ وَبُعْدًا
مِّنَ الْاَنَامِ وَخُلُوَّ الْبَاطِنِ مِمَّا سِوَاهُ ثُمَّ اِذَا قَوِيَ عِلْمُكَ
وَيَقِيْنُكَ وَشَرَحُ صَدْرِكَ.

روزی دہندہ ہے[19] پس تم اس وقت شکر بجالاؤ گے اس نعمت کا، علم و عرفان حاصل کرلو گے تو مخلوق سے زیادہ خارج اور لوگوں پر اعتقاد اور ان سے اختلاط سے زیادہ دور اور باطن کو غیر حق سے بالکل خالی کر دے گا۔ پھر جب تمہارا علم ویقین قوی، شرح صدر[20] حاصل

تو طبیب جو چیز حال کے مناسب اور وقت کے مطابق سمجھتا ہے تجویز کرے اگرچہ مریض اپنی حرصِ طبیعت اور جہل و نادانی کی وجہ سے کوئی اور یا زائد چیز کا طالب ہو۔

[17] جب کہ پردہ اُٹھ چکا ہے اسباب و وسائط پر نظر نہیں رہی ماسوائے حق کی طرف میلان بھی نہیں رہا اور فضلِ الٰہی پر راضی بھی ہو گئے۔

[18] تاکہ اس کے سوا اور اس کی مطلوب چیز کے علاوہ کسی کا ارادہ نہ کرو۔

[19] یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حقیقتِ شکر نعمتِ باری تعالیٰ کی پہچان ہے حدیث شریف میں ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے ربِّ ذو الجلال کی بارگاہ میں ندا کی اے بارِ الٰہ! تیری نعمتیں بے شمار ہیں ان سب کا شکر کیسے ادا کروں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا دَاوٗدُ اِذَا عَرَفْتَ اَنَّهٗ مِنِّيْ	اے داؤد! آپ کا نعمت کو میری طرف
فَقَدْ شَكَرْتَنِيْ۔	سے سمجھنا ہی حقیقتِ شکر ہے۔

خلاصہ کلام جب باطن سے ارادہ اور خواہش نکل جائیں اور ارادۂ حق کے سوا کچھ نہ رہے تو تمہارے حصہ کی نعمت پہنچ جائے گی۔

وَنَوَّرَ قَلْبَكَ وَزَادَ قُرْبُكَ مِنْ مَّوْلَاكَ وَمَكَانُكَ
لَدَيْهِ وَاَمَانَتُكَ عِنْدَهٗ وَاَهْلِيَّتُكَ لِحِفْظِ الْاَسْرَارِ عَلِمْتَ
مَتٰى يَاْتِيْكَ قِسْمُكَ قَبْلَ حِيْنٍ كَرَامَةً لَكَ وَاِجْلَالًا
لِحُرْمَتِكَ فَضْلًا مِّنْهُ وَمِنَّةً وَهِدَايَةً قَالَ اللّٰهُ
تَعَالٰى وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا
وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ۔

اور دل روشن[21] ہوگا اور بارگاہِ رب العزت میں قرب[22] و مرتبہ[23] زیادہ حاصل ہوگا، اس کی بارگاہ کے اسرار کی حفاظت میں امانت کو تقویت مل جائے گی تو تمہیں قبل اس وقت جتا دیا جائے گا کہ تمہارا حصہ کب[24] ملے گا یہ تمہاری عزت[25] و عظمت اور اس کے فضل واحسان اور ہدایت کے پیشِ نظر ہوگا[26] ــــ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے بنی اسرائیل میں سے کچھ امام بنائے کہ ہمارے حکم سے بتلاتے جب انہوں نے صبر کیا (استقامت کے راستہ پر چلتے ہوئے) اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے (۲۱، ۲۷ / ۳۲، ۲۴)

---

[20] کہ اسباب کی مزاحمت اور وساوس و اوہام سے تنگ نہ ہوگا یقین کی رسی ہاتھ سے نہیں نکلے گی اور نسبت میں کمی واقع نہیں ہوگی۔

[21] چنانچہ شک و شبہ کی تاریکی طاری نہیں ہوگی شدت وجہل اور ناشناسائی کا پردہ جمالِ شہود پر نہیں آئے گا۔

[22] جو کہ انقطاع ماسوا کو لازم اور علم یقین اور معرفت کے نور کا نتیجہ ہے۔

وَقَالَ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَقَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ۔

اور فرمایا اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے[۲۸] (۲۹/۶۹) مزید فرمایا: اور اللہ سے ڈرو[۲۹] اور اللہ تمہیں احکام سکھاتا ہے[۳۰]

---

۲۳ یعنی اس کے نزدیک تمہاری قدر و منزلت بڑھ جائے گی کیونکہ رضا اور محبتِ حق حاصل ہو چکی ہے جو کہ متوکلین کے متعلق ہے۔

۲۴ اور از روئے کشف معلوم ہو جائے گا کہ فلاں چیز تمہارے نصیب میں ہے اور پہنچنے والی ہے خواہ وقت کا تعین ہو یا نہ ہو۔ اس کلام میں اشارہ ہے کہ جب تک آدمی اسرار کا محافظ و امین نہ بن جائے کشف و اسرار کے لائق نہیں ہوتا اور اگر کشفوں میں امین نہ بنے اسرار کی حفاظت نہ کرے تو وہ کشف آخر وبالِ جان بن جاتا ہے۔

۲۵ یعنی اپنی معلومات کا تم پر کشف و القاء اور حصولِ نعمت کی خوشخبری۔

۲۶ یعنی اپنے فضل و کرم اور صفاتِ لطیفہ سے دوسروں کو تعلیم و تکمیل ہدایت دے گا جو کہ علم و یقین اور کمال کو لازم ہے۔

۲۷ آیات سے مراد کتاب ہے یا دین کے دلائل و امارات۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مولا کریم کی اطاعت پر صبر کرنے والے احکام ربوبیت پر یقین رکھنے والے یقیناً ائمہ دین مہدی اور ہادی ہیں۔

۲۸ یعنی جو لوگ اپنی قوت و توانائی کو بروئے کار لا کر نفس اور غیر نفس کے ساتھ

لَمْ یُرَدَّ عَلَیْکَ التَّکْوِیْنُ بِالْاِذْنِ الصَّرِیْحِ الَّذِیْ لَا غُبَارَ عَلَیْہِ وَالدَّلَالَاتِ اللَّائِحَۃِ کَالشَّمْسِ الْمُنِیْرَۃِ وَبِکَلَامٍ لَذِیْذٍ اَلَذُّ مِنْ کُلِّ لَذِیْذٍ وَاِلْھَامٍ صِدْقٍ مِنْ غَیْرِ تَلَبُّسٍ مُصَفًّی مِنْ ھَوَاجِسِ النَّفْسِ وَوَسَاوِسِ الشَّیْطَانِ اللَّعِیْنِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ بَعْضِ کُتُبِہٖ یَا ابْنَ اٰدَمَ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا اَقُوْلُ لِلشَّیْءِ کُنْ فَیَکُوْنُ وَاَطِعْنِیْ

اس کے بعد نظامِ تکوین تمہارے سپرد کر دیا جائے گا[۳۱] اور تم شک و شبہ کی آمیزش کے بغیر اذنِ صریح اور چمکتے ہوئے آفتاب کی طرح واضح دلائل دلآویز کلام جو سب لذائذ سے زیادہ لذیذ ہو بلا التباس و اشتباہ سچے الہام سے کائنات میں تصرّف کر سکو گے اور وہ الہام تمام نفسانی خطروں[۳۲] اور شیطان لعین کے وسوسوں[۳۳] سے پاک و صاف ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض کتابوں میں ارشاد فرمایا: اے ابنِ آدم! میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں جس شے کو حکم دوں کہ "ہو جا" وہ ہو جاتی ہے تو میری اطاعت کرے گا تو تجھے ایسا ہی بنادوں گا کہ جس چیز کو کہو گے "ہو جا"

دینِ اسلام کی تقویت ہماری معرفت کی تحصیل اور ہمارے وصول کے راستے پر چلنے کے لیے جہاد کیا ہم انہیں راہیں دکھا دیتے ہیں اپنے قرب، وصول کے رستے کی ہدایت دیتے ہیں اور خیر اور سلوک طریقت کی توفیق کے طور پہ ہدایت میں اضافہ فرما دیتے ہیں۔

۲۹ اس کے امر و نہی کو نگاہ میں رکھو۔

۳۰؎ جوکہ تمہاری دنیوی و اخروی مصالح کوشامل ہیں۔ اس آیت مبارکہ سے
معلوم ہواکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیمِ علوم عمل و تقویٰ پر مرتب ہوتی ہے
لیکن جن علوم کی موجودگی میں تقویٰ اختیار کیا جاتا ہے انہیں علومِ وراثت
کہتے ہیں جوکہ عمل سے مقصود ہے اوراس پر مرتب ہوتا ہے چنانچہ حدیث شریف
میں ہے۔ جس نے علم کے مطابق عمل کیا اللہ اسے وہ علم سکھادے گا جسے وہ نہیں جانتا۔

۳۱؎ کہ تمہیں بطورِ کرامت و خرقِ عادت کائنات کے پیدا کرنے اور جہاں میں تصرف
کا اختیار حاصل ہوگا۔

۳۲؎ ہَوَاجِس ہَاجِسؒ کی جمع ہے یعنی جو چیز یکایک دل میں آئے جب دوبارہ لوٹے
اور تیزی دکھائے تو اسے خاطر کہتے ہیں ممکن ہے کہ اس جگہ ہاجس سے مراد
عام ہو جوکہ خاطر کو بھی شامل ہے۔

۳۳؎ وسوسہ کے لغوی معنی آوازِ نہانی جو آہستگی سے کانوں تک پہنچے۔ اہلِ عرب
عورتوں کے پازیب کی آواز کو وسواس کہتے ہیں اور شریعت میں دل پر
گذرنے والا اندیشۂ بد وسوسہ کہلاتا ہے۔

اَجْعَلُكَ تَقُوْلُ لِلشَّیْئُ كُنْ فَیَكُوْنُ وَقَدْ فَعَلَ ذٰلِكَ بِكَثِیْرٍ
مِّنْ اَنْبِیَآئِهٖ وَاَوْلِیَائِهٖ وَخَوَاصِّهٖ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ۔

وہ ہو جائے گی۔ بے شک اللہ تعالےٰ نے اپنے اکثر انبیاء و اولیاء اور خاص بندوں
کو اس نعمت سے نوازا ہے۳۴؎۔ علیہم الصلوات والتسلیمات۔

۳۴؎ ان کاملین میں حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی بھی ہے جو اپنے
ارادہ اور خواہش سے مکمل طور پر فانی اور اللہ کے امر و فعل کے ساتھ باقی
ہو چکے ہیں اور اس کے قدرت و اختیار عطا کرنے سے کائنات میں متصرّف
ہیں جو حالات و مقامات ان مقالات میں مذکور ہیں وہ حضرت کے اسی
احوال و مقامات سے کنایہ ہیں۔

؎ خوشتر آید آنکہ حالِ دلبراں
گفتہ آید در لباسِ دیگراں

محبوبوں کا حال کتنا مبارک ہے جو دوسروں کی حکایت میں بیان کیا جائے۔

اَلْمَقَالَةُ السَّابِعَةُ عَشَرَ

قَالَ رضی اللہ عنہ اِذَا وَصَلْتَ اِلَى اللّٰهِ فَقَرُبْتَ مِنْهُ بِتَقْرِيْبِهٖ وَتَوْفِيْقِهٖ وَمَعْنَى
الْوُصُوْلِ اِلَى اللّٰهِ خُرُوْجُكَ عَنِ الْخَلْقِ وَالْهَوٰى وَالْاِرَادَةِ وَالْمُنَاوِ
الثُّبُوْتُ مَعَ فِعْلِهٖ وَاِرَادَتِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّكُوْنَ مِنْكَ حَرَكَةٌ فِيْكَ وَلَا
فِىْ خَلْقِهٖ بِكَ بَلْ بِحُكْمِهٖ وَفِعْلِهٖ وَاَمْرِهٖ فَهِىَ حَالَةُ الْفَنَاءِ يُعَبَّرُ مِنْهَا
بِالْوُصُوْلِ اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ لَيْسَ كَالْوُصُوْلِ اِلٰى اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِهٖ
الْمَعْقُوْلِ الْمَعْهُوْدِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَىْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ جَلَّ
الْخَالِقُ اَنْ يُّشَبَّهَ بِمَخْلُوْقَاتِهٖ اَوْ يُقَاسَ عَلٰى مَصْنُوْعِهٖ فَالْوُصُوْلُ
اِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ عِنْدَ اَهْلِ الْوُصُوْلِ بِتَعْرِيْفِهٖ لَهُمْ كُلٌّ وَاحِدٍ
عَلٰى حِدَةٍ وَلَا يُشَارِكُهٗ فِيْهِ غَيْرُهٗ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ
وَاَنْبِيَائِهٖ وَاَوْلِيَائِهٖ سِرٌّ مِنْ حَيْثُ لَا يَطَّلِعُ عَلٰى ذٰلِكَ اَحَدٌ غَيْرُهٗ
حَتّٰى اَنَّهٗ قَدْ يَكُوْنُ لِلْمُرِيْدِ سِرٌّ لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ شَيْخُهٗ وَلِلشَّيْخِ
سِرٌّ لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ مُرِيْدُهُ الَّذِىْ قَدْ دَنَا سَيْرُهٗ اِلٰى عَتَبَةِ بَابِ
حَالَةِ شَيْخِهٖ فَاِذَا بَلَغَ الْمُرِيْدُ حَالَةَ شَيْخِهٖ اُفْرِدَ عَنِ الشَّيْخِ وَ
وَقُطِعَ عَنْهُ فَيَتَوَلَّاهُ الْحَقُّ فَيَقْطَعُهٗ عَنِ الْخَلْقِ جُمْلَةً فَيَكُوْنُ
الشَّيْخُ كَالظِّئْرِ وَالدَّايَةِ لَا رَضَاعَ بَعْدَ الْحَوْلَيْنِ لَا خَلْقَ بَعْدَ

زَوَالِ الْهَوٰى وَالْاِرَادَةِ الشَّيْخُ يُحْتَاجُ اِلَيْهِ مَا دَامَ ثَمَّهٗ هَوًى
وَاِرَادَةٌ لِيَكْسِرَهُمَا وَاَمَّا بَعْدَ زَوَالِهِمَا فَلَا لِاَنَّهٗ لَا كُدُوْرَةَ وَلَا
نُقْصَانَ فَاِذَا وَصَلْتَ اِلَى الْحَقِّ عَلٰى مَا بَيَّنَّا فَكُنْ اٰمِنًا اَبَدًا مِّمَّنْ
سِوَاهُ فَلَا تَرٰى لِغَيْرِهٖ وُجُوْدًا اَلْبَتَّةَ قَطْعًا لَا فِى الضَّرِّ وَلَا فِى
النَّفْعِ وَلَا فِى الْعَطَاءِ وَلَا فِى الْمَنْعِ وَلَا فِىْ خَوْفٍ وَلَا فِىْ رَجَاءٍ بَلْ هُوَ
عَزَّ وَجَلَّ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ فَكُنْ اَبَدًا نَاظِرًا اِلٰى
فِعْلِهٖ وَمُتَرَقِّبًا لِاَمْرِهٖ مُشْتَغِلًا بِطَاعَتِهٖ مُبَائِنًا عَنْ جَمِيْعِ خَلْقِهٖ
دُنْيًا وَّاُخْرٰى لَا تُعَلِّقْ قَلْبَكَ بِشَىْءٍ مِّنْ خَلْقِهٖ اِجْعَلِ الْخَلِيْقَةَ اَجْمَعَ
كَرَجُلٍ كَتَّفَهٗ سُلْطَانٌ عَظِيْمٌ مُلْكُهٗ شَدِيْدٌ اَمْرُهٗ مَهُوْلَةٌ صَوْلَتُهٗ
وَسَطْوَتُهٗ ثُمَّ جَعَلَ الْغُلَّ فِىْ رَقَبَتِهٖ مَعَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ صَلَبَهٗ عَلٰى
شَجَرَةِ الْاُرْزِ عَلٰى شَاطِئِ نَهْرٍ عَظِيْمٍ مَّوْجُهٗ فَسِيْحٍ عَرْضُهٗ
عَمِيْقٍ غَوْرُهٗ شَدِيْدٍ جَرْيُهٗ ثُمَّ جَلَسَ السُّلْطَانُ عَلٰى كُرْسِىٍّ
عَظِيْمٍ قَدْرُهٗ عَالٍ سَمَاؤُهٗ بَعِيْدٍ مَرَامُهٗ وَوُصُوْلُهٗ وَتَرَكَ اِلٰى
جَنْبِهٖ اَحْمَالًا مِّنَ السِّهَامِ وَالرِّمَاحِ وَالنَّبْلِ وَاَنْوَاعِ السِّلَاحِ
وَالْقِسِىِّ مِمَّا لَا يَبْلُغُ قَدْرَهَا غَيْرُهٗ فَجَعَلَ يَرْمِىْ اِلَى الْمَصْلُوْبِ بِمَا
شَاءَ مِنْ ذٰلِكَ السِّلَاحِ فَهَلْ يَحْسُنُ لِمَنْ رَاٰى ذٰلِكَ اَنْ
يَّتْرُكَ النَّظَرَ اِلَى السُّلْطَانِ وَيَتْرُكَ الْخَوْفَ مِنْهُ وَالرَّجَاءَ لَهٗ وَ
يَخَافَ مِنَ الْمَصْلُوْبِ وَيَرْجُوْ مِنْهُ اَلَيْسَ مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ يُسَمّٰى
فِىْ قَضِيَّةِ الْعَقْلِ عَدِيْمَ الْعَقْلِ وَالْاِدْرَاكِ مَجْنُوْنًا بَهِيْمَةً
غَيْرَ اِنْسَانٍ فَنَتَعَوَّذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْعَمٰى بَعْدَ الْبَصِيْرَةِ وَالْقَطِيْعَةِ

بَعْدَ الْوُصُوْلِ وَالصُّدُوْدِ بَعْدَ الدُّنُوِّ وَالْقُرْبِ وَالضَّلَالَةِ بَعْدَ
الْهِدَايَةِ وَالْكُفْرِ بَعْدَ الْاِيْمَانِ فَالدُّنْيَا كَالنَّهْرِ الْعَظِيْمِ الْجَارِيْ
الَّذِيْ ذَكَرْنَاهُ كُلَّ يَوْمٍ فِيْ زِيَادَةِ مَاءِهَا وَهِيَ شَهَوَاتُ بَنِيْ اٰدَمَ
وَلَذَّاتُهُمْ فِيْهَا الَّتِيْ تُصِيْبُهُمْ مِنْهَا اَمَّا السِّهَامُ وَاَنْوَاعُ السِّلَاحِ
فَالْبَلَايَا الَّتِيْ تَجْرِيْ بِهَا الْقَدَرُ اِلَيْهِمْ فَالْغَالِبُ عَلٰى بَنِيْ اٰدَمَ فِي
الدُّنْيَا الْبَلَايَا وَالتَّنَغُّصُ وَالْاٰلَامُ الْمِحَنُ وَمَا يَجِدُوْنَ مِنَ النَّعِيْمِ
وَاللَّذَّاتِ فَمَشُوْبَةٌ بِالْاٰفَاتِ اِذَا اعْتَبَرَهَا كُلُّ عَاقِلٍ اَدْرَكَ اَنْ
لَا حَيَاةَ لَهٗ اِلَّا فِي الْاٰخِرَةِ اِنْ كَانَ مُوْقِنًا كَمَا قَالَ النَّبِيُّ لَا عَيْشَ
اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ خُصُوْصًا ذٰلِكَ فِيْ حَقِّ الْمُؤْمِنِ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ
وَالسَّلَامُ الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ
وَالسَّلَامُ اَلتَّقِيُّ مُلْجَمٌ كَيْفَ يَدَّعِيْ طِيْبَ عَيْشٍ فِي الدُّنْيَا فَالرَّاحَةُ
كُلُّ الرَّاحَةِ فِي الْاِنْقِطَاعِ اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مُوَافَقَتِهٖ وَالْاِسْتِطْرَاحِ
بَيْنَ يَدَيْهِ فَتَكُوْنُ بِذٰلِكَ خَارِجًا مِّنَ الدُّنْيَا فَحِ يَكُوْنُ الـدَّ لَالُ
رَافَةً وَّرَاحَةً وَّلُطْفًا وَصِدْقَةً وَّفَضْلًا ۵

مقالہ ۱۷

مرشد کے ذریعے خدا تعالیٰ تک رسائی

حضرت شاہِ بغداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ واصل باللہ ہوجائیں گے تو اس کی طرف سے قریب کرنے اور توفیق دینے سے تمھیں قریب

کر دیا جائے گا۔ وصول الی اللہ[1] کے معنی خلق[2]، خواہش، ارادہ، نفس[3] اور آرزوؤں سے باہر آنا اور اللہ تعالیٰ کے فعل اور ارادہ کے ساتھ ثابت رہنا ہے[4]، جبکہ تمھاری طرف سے تدبیر و خواہش میں کسی قسم کی حرکت نہ پائی جائے، تدبیر نہ تمھاری ذات کے متعلق ہو نہ ہی خلقِ خدا کے متعلق بلکہ حرکت و تدبیر اس کے حکم، فعل اور تدبیر سے ہونی چاہیئے[5]۔ پس یہی حالتِ فنا ہے۔ اصطلاحِ صوفیہ میں جسے وصول سے تعبیر کرتے ہیں[6]۔ لیکن اللہ تعالیٰ تک رسائی بندوں تک رسائی کی طرح ہرگز نہیں ہے[7] جسے عقلِ عامہ پالیتی ہے اور معلوم معہود ہے کیونکہ اس کی مثل کوئی نہیں[8] اور

---

(۱) حق تعالیٰ تک سالک کے وصول سے مراد غیر اللہ سے انقطاع ہے اور قرب سے مراد غیر اللہ سے بُعد و دُوری ہے جیسا کہ مقالہ ۷ میں گزر چکا ہے۔ اس کا خلاصہ آئندہ سطور میں بیان ہو رہا ہے۔

(۲) کہ مخلوق کی طرف سے نفع و نقصان، تعریف و مذمت اور ان کے وجود و عدم سے نظر روک لے۔

(۳) نفس سے باہر آنے سے مقصود یہ ہے شرعی اوامر و نواہی کی اتباع و اطاعت کا التزام کرے۔

(۴) کہ جس طرح وہ کرے اور جس حال میں رکھے اس پر راضی رہے۔

(۵) کہ تمھارے تصرف و اختیار اور تدبیر کا دخل نہ رہے۔

(۶) وصول کے معنی فنا اور واصل کے معنی فانی کے ہیں، اور قرب کے معنی بھی اس سے ملتے جلتے ہیں۔

(۷) کہ بندوں کی رسائی میں قطعِ مسافت ہوتی ہے اور اجسام باہم ملتے ہیں۔

(۸) نہ اس کی ذات میں نہ صفات میں۔ وہ جسم اور جسمانی صفات سے پاک و مبرا ہے۔

وہ سننے والا دیکھنے والا ہے(9) وہ خالق اس بات سے برتر ہے کہ مخلوق کے ساتھ اس کی تشبیہ دی جائے یا اس کی صنعت پر قیاس کیا جائے تو وصول الی اللہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے اہلِ وصول کے نزدیک معروف ہے(10) ہر ایک کا قربِ الٰہی میں جداگانہ مرتبہ ہے اور دریافت وصول میں اس کا اور کوئی شریک نہیں ہے(11) اس کا رسولوں، انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیٰ جمیع الانبیاء وعلیٰ اتباعہم الصلاۃ و السلام میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک راز ہے جس پر دوسرا مطلع نہیں(12) کبھی

---

(9) وہ کانوں کے بغیر سنتا اور آنکھوں کے بغیر دیکھتا ہے۔ اسی طرح اس کا قرب و حصول جسم اور مکان کے ساتھ موصوف نہیں ہے۔

(10) یعنی حق تعالیٰ کے ساتھ وصول کے بعد باطن میں ایسی نسبت اور حالت پیدا ہو جاتی ہے جسے ذوق اور تعلیمِ حق سے بندہ پہچان لیتا ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ مخلوق، حرص اور ارادہ سے باہر نکلنا اور اللہ تعالیٰ کے فعل و ارادہ میں فنا یہ وصول کے آثار و علامات سے ہے، حقیقتِ وصول نہیں۔ جیسا کہ محبت درحقیقت دلی انجذاب کا نام ہے اور امتثالِ امر خدمتِ ظاہری اس کے آثار ہیں اہلِ ظاہر اس امتثالِ امر کو ہی بندے کی خدا تعالیٰ سے محبت قرار دیتے ہیں، ظاہر و باطن میں اس کی بے شمار مثالیں دی جا سکتی ہیں مثلاً حالتِ بلوغ وغیرہ۔ خلاصۂ کلام وحصولِ حق ایک باطنی نور اور حالت ہے جسے اہلِ وصول تعلیم الٰہی سے پہچان لیتے ہیں۔

(11) اگرچہ وصول کے معنی ایک ہی ہیں مگر ہر تجلی جدا ہے کیونکہ اس میں تکرار نہیں ہے۔

(12) ؎ اے ترا با ہر دلے رازے دگر   ہر گدا را بر درت نازے دگر
در ربابِ عشق تارے بیش نیست   ہست ہرجا نغمہ سازے دگر

(ترجمہ: اے وہ ذات جس کا ہر دل کے ساتھ الگ راز ہے اور جس کے دروازے پر ہر فقیر کا جداگانہ ناز ہے۔ ربابِ عشق میں گو کہ تار ایک ہی ہے مگر ہر جگہ ساز کا نغمہ منفرد ہے)

یہ احوال کی جدائی اور اسرار کا تفاوت اس قدر ہوتا ہے کہ مرید کا راز شیخ پر نہیں کھلتا اور شیخ کے راز پر مرید مطلع نہیں ہوتا(13) جو کہ سیر و سلوک میں مقام شیخ کی دہلیز تک پہنچ چکا ہے(14) اور مرید جب شیخ کی حالت پر پہنچ جاتے تو اسے

---

(13) مرید شیخ سے کس طرح استفادہ کرتا ہے

یعنی مرید نے باوجودیکہ شیخ کے ذریعہ سلوک طے کیا ہے اور شیخ کی تعلیم و تربیت سے مرتبۂ سلوک تک رسائی حاصل کی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ مرید نے جس چیز کی تعلیم حاصل کی اور استفادہ کیا ہے وہ علوم و قواعد اور آدابِ سلوک ہیں اور شیخ کا مرید میں تصرف یہ ہے کہ اس نے مرید کے باطن میں نورِ ذکر پیدا کیا اور اس کی با استعداد زمین میں تخمِ محبت کاشت کیا اور بیضۂ بشریت سے باہر نکالا ہے۔ لیکن خصوصیتِ مکان اور خاصیتِ زمین کا اور اس کے وجود کی آب و ہوا کا اس کے تشخص میں دخل نہیں ہے۔

(14) مرید مقامِ شیخ تک نہیں پہنچ سکتا

یعنی مرید مقامِ شیخ تک رسائی اور حالاتِ شیخ کی دریافت کے باوجود وہ باطنِ شیخ کے مخصوص حالات پر آگاہ نہیں ہوتا۔ اس عبارت میں تنبیہ ہے کہ مرید اگرچہ مقامِ شیخ حاصل کر چکا ہو تاہم اسے آداب کی رعایت کرتے ہوئے پیر کی چوکھٹ پر پڑے رہنا چاہیے۔

شیخ رکن الدین علاء الدین سمنانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جس بلند مقام پر پہنچا دے تو جہاں میرے سر کی چوٹی ہو گی وہاں شیخ عبدالرحمٰن، شیخ علی لالا اور شیخ نجم الدین قدست اسرارہم کے قدم ہوں گے۔

بلند مرتبہ زین خاک آستان شدہ ام   غبارِ کوئے توام اگر بر آسمان شدہ ام

شیخ سے علیحدہ اور جُدا کر لیا جاتا ہے تو اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے اس کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لیتے ہُوئے تمام مخلوق سے منقطع کر دیتا ہے[15] پس پس شیخ بمنزلہ دایہ کے ہے اور دو سال کے بعد شیر خوارگی نہیں ہے[16] اور نہ ہی ارادہ و خواہش کے بعد مخلوق سے تعلق رہتا ہے کیونکہ جب تک سالک کے باطن میں ارادہ اور خواہش کا وجود تھا انھیں توڑنے کے لیے شیخ کی ضرورت تھی لیکن ان کے زوال کے بعد نہیں کیونکہ اب کدورت اور نقصان نہیں ہے[17] اور

(ترجمہ: اس آستان کی خاک نشینی کی وجہ سے میں بلند مرتبہ ہُوا ہوں، عظمت کے آسمان تک رسائی کے باوجود اس کُوچہ کا غبار ہی ہُوں)

اگرچہ یہ ممکن ہے کہ مقامِ شیخ تک وصول کے بعد مرید میں موجود استعداد کی قوّت کی وجہ سے وہ اس سے گزرتے ہوئے بلند مقام پہ فائز ہو جائے، جیسا کہ خود سرکارِ بغداد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ارشاد ہو رہا ہے۔

(۱۵) خواہ شیخ ہو یا غیر شیخ، جیسا کہ بچّے کا دردروک کہ رنگ رنگ کے کھانوں اور قسم قسم کی غذاؤں سے تربیت کی جاتی ہے اور غذا مہیّا کی جاتی ہے تاکہ وُہ مردوں کے مرتبہ تک پہنچ جائے۔

(۱۶) مرید طفلِ شیر خوار کی طرح ہے جو مدتِ رضاعت تک دایہ کی گود میں پرورش پاتا ہے یہاں تک کہ وہ انواع و اقسام کے کھانوں اور غذاؤں کے قابل ہو جاتا ہے اور مدتِ رضاعت کے بعد کا حال جُداگانہ ہے۔

(۱۷) **شیخ کی ضرورت کب تک رہتی ہے** حصول فنا کے بعد کام کی تکمیل ہو جاتی ہے اور سلوک جو کہ سیر الی اللہ سے عبارت ہے اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے اور سالک

جب تم ہمارے بیان کے مطابق واصل باللہ ہو جاؤ گے تو ہمیشہ کے لیے ماسوائے حق

مرتبۂ کمال حاصل کرنے کے بعد ولایت سے دروازہ میں داخل ہو کر بقا پا چکا ہے اور معاملہ سیر فی اللہ سے وابستہ ہو چکا ہے۔

اکنوں بتربیتِ تجلیاتِ متنوعہ الٰہی بوساطت امداد نورِ محمدی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم بمرتبۂ تکمیل رسیدہ بمقامِ لقا خواہد رسید۔

اب وہ نورِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امداد سے مرتبۂ تکمیل تک پہنچ کر مقامِ لقا تک رسائی حاصل کرے گا۔

نیز فرماتے ہیں کہ مرتبۂ سلوک میں شیخ و مرشد کی طرف محتاجی خواہش اور ارادے کے ازالے کے لیے ہے۔ کیونکہ سالک ضعف باطنی کی وجہ سے اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور اس کی مزاحمت کی وجہ سے مقامِ فنا تک وصول نہیں پا سکتا، جیسا کہ طفلِ شیر خوار ضعفِ بدنی کے باعث اطعمہ و اغذیہ تناول نہیں کر سکتا۔ حرص و ہوا کا زوال جو کہ بیضۂ بشریت سے باہر آنے سے کنایہ ہے عادت کے مطابق تربیت اور شیخِ کامل و مکمّل کے تصرف پر موقوف ہے، کے بعد احتیاجِ شیخ نہیں رہتی ؎

آں باشد کہ بارِ منّت ملاح بردمے
گوہر چو دست داد بدریا چہ حاجتست

(کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ملاح کا بارِ احسان اٹھانا پڑتا ہے اور جب گوہرِ مقصود دستیاب ہو جائے تو دریا کی کیا ضرورت ہے)

بعض مجذوب و محبوب ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ابتدا ہر حال میں اگرچہ مربّی و مشائخ کی صحبت میں بیٹھتے ہیں لیکن درحقیقت ان کی تربیت دوسرے

اور اس سے استقامت پانے سے مامون ہونا، پس حق تعالیٰ کے غیر کا وجود

مقام سے ہوتی ہے، جیساکہ حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

اَنَا مَارَبَّانِیْ اِلَّا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَیْسَ لِاَحَدٍ عَلَیَّ مِنَّۃٌ بَعْدَ اللهِ وَ رَسُوْلِہٖ جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

میری تربیت صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کے بعد کسی کا مجھ پر احسان نہیں ہے جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری علیہ الرحمۃ شیخ مکین الدین اسمر علیہ الرحمۃ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

اَنَا مَارَبَّانِیْ اِلَّا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ۔

میری تربیت تو خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی ہے۔

شیخ عبدالرحیم قناوی علیہ الرحمۃ سے بھی یہ قول منقول ہے:

اَنَا لَا مِنَّۃَ لِاَحَدٍ عَلَیَّ اِلَّا لِرَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی کا احسان نہیں ہے۔

اس کے باوجود رعایتِ ادب، نعمت شناسی، ولیِ نعمتی اور شکر گزاری کا حق واجب ہے۔ ذیل کے اشعار میں شاعر علیہ الرحمۃ نے دونوں جانبوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا: ؎

حافظ مرید جامِ جم ست اے صبا برو
وز بندہ بندگی برساں شیخ جام را

اور غیر کی قدرت کی طرف نہ کرنا نہ سُود و زیاں میں نہ منع و عطا میں اور نہ امید و بیم میں، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی اس بات کے لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور اس کی بخشش کی امید کی جائے اس کے فعل کی طرف دیکھا جائے(۱۷) اس کے حکم کا منتظر رہنا چاہئے(۱۸) اس کی اطاعت میں مشغول رہو(۱۹) باطن سے ہر مخلوق سے دور رہو خواہ نفس ہو یا غیر نفس دُنیا ہو یا آخرت، دل کو مخلوق کی کسی چیز کے ساتھ معلق نہ کرو، ساری کی ساری خلقت کو قدرتِ الٰہی میں مقہور و اسیر اور تختۂ دار پر لٹکی ہوئی جانو (نیز قدرتِ خداوندی کو اس طرح جانو) جیسے سلطانِ وقت، صاحبِ تسلط و قہرماں جس کی مملکت بہت وسیع ہو، امر سخت ہو اور اس کے سخت حملے سے ڈرایا گیا ہو، نے کسی آدمی کو گرفتار کر رکھا ہو، پھر اس کی گردن میں

(حافظ تو جامِ جمشید کا مرید ہے، اے صبا! جا اور خادم کی جانب سے جام لے، شیخ کو بندگی پہنچا دے)

و لالہ اگرچہ زشتِ کردار بود
در خلوتِ معشوق گراں بار بود

(اور گُلِ لالہ اگرچہ زشت کردار ہی ہو تاہم وہ خلوتِ معشوق میں گرانبار ہوتا ہے)

خلاصۂ کلام: وصول کے بعد کا وظیفہ غیر کی نفی اور ماسوا سے قطع تعلق ہے، جیساکہ آگے آرہا ہے۔

(۱۷) کہ کیا کرتا ہے اور کیسے کرتا ہے۔

(۱۸) کہ کیا حکم دیتا ہے اور کیا فرماتا ہے۔

(۱۹) امرِ ارادی میں بھی اور امرِ تشریعی میں بھی، وہ جس حال میں رکھے اُسی میں رہو اور جو فرمائے وُہ بجالاؤ۔

طوق اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا رکھی ہوں پھر اسے بہت طویل و سیدھے صنوبر کے درخت کے ساتھ پھانسی پر لٹکا دے اور وُہ درخت ایک موّاج، اتھاہ گہرے، چوڑے اور تیز رَو دریا کے کنارے پر واقع ہو، پھر بادشاہ ایسے درخت پر بیٹھ جائے جو بہت عظمت و رفعت والا ہے اس تک رسائی بہت مشکل ہے ، بادشاہ نے ایک طرف تیروں نیزوں کمانوں اور مختلف قسم کے ہتھیاروں کے انبار لگا رکھے ہوں جن کی تعداد صرف بادشاہ ہی جانتا ہو وہ سلطان پھانسی پر لٹکے ہوئے شخص کی طرف جس ہتھیار کو چاہے پھینک دے ، کیا ایسے میں کوئی ایسا آدمی بھی ہو سکتا ہے جو اس کو دیکھے اور اس قدر غالب و قہار سے منہ موڑ لے اور نہ اس کا خوف ہو اور نہ ہی اس سے امید، اس کے بجائے سُولی پر لٹکے ہوئے مقہور و مغلوب آدمی سے ڈرے اور نفع کی اُمید رکھے ؟ کیا یہ خیال رکھنے والا بے عقل، دیوانہ، حیوان اور خارج از انسانیت نہ ہوگا، پس اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو بصیرت کے بعد کور بینی سے[20]، وصولِ بارگاہِ قدس کے بعد افتراق سے، قرب کے بعد دوری سے ، ہدایت کے بعد گمراہی سے اور ایمان کے بعد کفر سے[21]، چنانچہ گزشتہ بیان[22] کے مطابق دنیا ایک بہتے ہوئے دریا کی طرح ہے اور روز بروز اس کا پانی بڑھ رہا ہے یہ بنی آدم کی لذات و شہواتِ دنیاوی ہیں جو انھیں حاصل ہو رہی ہیں، لیکن یہ نیزے، تیر اور طرح طرح کا اسلحہ وہ مصائب ہیں جنھیں تقدیر لے کر بندوں تک پہنچتی ہے۔ دنیا میں بندوں

---

(۲۰) خصوصاً حصولِ ایمان و انابت کے علم و معرفت کے بعد۔

(۲۱) جو کہ پست ترین اور بدترین جہالت ہے۔

(۲۲) اب مثال کے بعد ممثل لہ سے اس کی مطابقت کا ذکر فرما رہے ہیں۔

پر اس کی مشقتیں، آفتیں، نامرادی اور درد و آلام غالب ہیں اور قدرے جو کچھ لذت و راحت پاتے ہیں وہ بھی مصیبتوں سے لبریز ہے۔ جب بھی عاقل آدمی دُنیا کی لذات و نِعَم کا آخرت کی لذات و نِعَم سے مقابلہ کرتا ہے تو اگر وہ صاحبِ یقین ہو تو معلوم کر لیتا ہے کہ زندگی تو بس آخرت کی ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا[23] زندگی صرف آخرت کی ہے خصوصاً مومن کے حق میں[24]۔ چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے[25]۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: پرہیزگار کے منہ میں لگام دی گئی ہے[26]۔ ان اخبار و

---

(۲۳) خندق کھودتے وقت صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تسلّی کے لیے۔

(۲۴) یعنی دنیا میں آفات و بلیات کا اترنا تمام بنی آدم کو شامل ہے خواہ وہ مومن ہوں یا کافر، لیکن مومن کے حق میں غالب تر ہے۔

(۲۵) **دُنیا دارِ ابتلاء ہے**: یعنی مومن دُنیا میں جس قدر بھی ناز و نعمت سے رہے آخرت کے مقابلہ میں یہ قیدیوں کا حکم رکھتا ہے اور کافر دنیا میں جس قدر بھی رنج و بلا میں مبتلا رہے آخرت کے عذاب و عقاب کے مقابلہ میں گویا یہ جنت ہے۔

(۲۶) یعنی پرہیزگار نے خود کو لذات و شہوات سے روک رکھا ہے، جس طرح گھوڑے کے منہ میں لگام ہو تو وہ چارہ نہیں کھا سکتا۔ کتاب الحکم میں ہے:

لَا تَسْتَغْرِبْ وُقُوْعَ الْاَکْدَارِ — اس دارِ دنیا میں موجود رہتے ہوئے
مَادُمْتَ مُقِیْمًا فِیْ هٰذِهِ الدَّارِ — تنگیوں ترشیوں کو عجیب نہ جانو۔

حضرت امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ وعلیٰ آبائہ الکرام نے فرمایا: جو شخص ایسی طلب کرے جو ابھی پیدا ہو کر وجود میں نہ آئی ہو تو اپنے نفس کو

مشاہدات کے باوجود کس طرح دنیاوی عیش و آرام کی خواہش کی جا سکتی ہے؛ ساری کی ساری عیش تو مخلوق سے منقطع ہو کر بارگاہِ الٰہی عزوجل کی طرف توجہ، احکامِ قضا و قدر سے موافقت اور خود کو حکمِ الٰہی کے سامنے ڈال دینے میں ہے اس طرح آپ دنیا سے خارج ہو جائیں گے تو اس وقت نازو وقار اور حُسنِ منظر تمھارے لیے راحت و چین، نرمی و آسائش اور فضل بن جائے گا۔

مشقت میں ڈالتا ہے۔ پُوچھا گیا: وُہ کیسے؟ فرمایا: یہ دنیا میں راحت کی طلب ہے۔

بعض حکماء نے کہا ہے کہ کارِ دُنیا کا مدار تکلیفوں پر نہ ہوتا تو بھیڑے میں فوائد با دام رکھ دیے جاتے۔

سید الطائفہ حضرت سیدنا جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے لئے ایک اصول مقرر کیا ہے جس پر میں بہت خوش ہُوں، وہ اصول یہ ہے کہ دنیا فتنہ و ابتلا کی جگہ ہے اور جس قدر بھی غم و اندوہ لاحق ہوں وہ ان کا مقام ہے اور اگر اچانک کوئی نعمت اور خوشی حاصل ہو تو اسے اپنی دشمنی تصوّر کرتا ہوں۔

شیخ ابوتراب بخشی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: لوگ دنیا میں دو[۲] چیزوں کے طالب ہیں جنھیں وہ ہرگز نہیں پا سکتے: (۱) راحت (۲) خوشی۔ کیونکہ ان دونوں کا وجود بہشت میں ہے ؎

؎

طلب الراحة في دار الفنا
خاب من طلب شيئا لا يكون

(دارِ فنا میں راحت کی طلب (معدوم کی طلب ہے) نہ ہونے والی چیز کا طلب گار بے بہرہ ہی رہتا ہے)

المقالة الثامنة عشر

قال رضي الله عنه الوصية لا تشكون الى احد مما نزل بك من ضر
كائنا من كان صديقا كان او عدوا ولا تتهم الرب فيما
فعل فيك وانزل بك من البلاء بل اظهر الخير والشكر فكذبك باظهارك الشكر
من غير نعمة عندك خير من صدقك وفي اخبارك
جلية الحال بالشكوى من الذي خلا من نعمة الله قال
الله عز وجل وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها فكم من
نعمة عندك وانت لا تعرفها لا تسكن الى احد من الخلق
ولا تستانس ولا تطلع احدا على ما انت فيه بل يكون
انسك بالله عز وجل وسكونك اليه وشكواك منه اليه
لا ترى ثانيا فانه ليس الى احد ضر ولا نفع ولا جلب ولا دفع
ولا عز ولا ذل ولا رفع ولا خفض ولا فقر ولا غناء ولا
تحريك ولا تسكين الاشياء كلها خلق الله وبيد الله
بامره واذنه جريانها كل يجري لاجل مسمى عنده
وكل شيء عنده بمقدار لا مقدم لما اخر ولا موخر
لما قدم ان يمسسك الله بضر فلا كاشف له الا هو وان

يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ فَإِنْ شَكَوْتَ مِنْهُ وَأَنْتَ مُعَافًى
عِنْدَكَ نِعْمَةٌ طَلَبًا لِلزِّيَادَةِ وَتَعَامِيًا عَمَّا لَهُ عِنْدَكَ مِنَ النِّعْمَةِ
وَالْعَافِيَةِ اسْتِزْرَاءً بِهَا غَضِبَ عَلَيْكَ وَأَزَالَهُمَا عَنْكَ وَحَقَّقَ
شَكْوَاكَ وَضَاعَفَ بَلَاءَكَ وَشَدَّدَ عُقُوبَتَكَ وَمَقْتَكَ وَقَلَاكَ
وَأَسْقَطَكَ مِنْ عَيْنِهِ وَاحْذَرِ الشَّكْوَى جِدًّا وَلَوْ قُطِّعْتَ وَ
قُرِضَ لَحْمُكَ بِمَقَارِيضَ إِيَّاكَ وَإِيَّاكَ ثُمَّ إِيَّاكَ اللهَ اللهَ
ثُمَّ اللهَ النَّجَا النَّجَا الْحَذَرَ الْحَذَرَ فَإِنَّ أَكْثَرَ مَا يَنْزِلُ
بِابْنِ آدَمَ مِنْ أَنْوَاعِ الْبَلَاءِ لِشَكْوَاهُ مِنْ رَبِّهِ كَيْفَ يُشْكَى
مِنْهُ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ وَخَيْرُ الْحَاكِمِينَ حَلِيمٌ خَبِيرٌ
رَءُوفٌ رَحِيمٌ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ كَطَبِيبٍ
حَلِيمٍ حَبِيبٍ شَفِيقٍ لَطِيفٍ قَرِيبٍ هَلْ يُتَّهَمُ الْوَالِدُ الشَّفِيقُ
أَوِ الْوَالِدَةُ الشَّفِيقَةُ الرَّحِيمَةُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اللهُ أَرْحَمُ بِعَبْدِهِ مِنَ الْوَالِدَةِ عَلَى وَلَدِهَا أَحْسِنِ
الْأَدَبَ يَا مِسْكِينُ تَصَبَّرْ عِنْدَ الْبَلَاءِ إِنْ ضَعُفْتَ عَنِ الصَّبْرِ
ثُمَّ اصْبِرْ إِنْ ضَعُفْتَ عَنِ الرِّضَاءِ وَالْمُوَافَقَةِ ثُمَّ ارْضَ وَ
وَافِقْ إِنْ وُجِدْتَ ثُمَّ افْنَ إِذَا فُقِدْتَ أَيُّهَا الْكِبْرِيتُ الْأَحْمَرُ
أَيْنَ أَنْتَ أَيْنَ تُوجَدُ وَتُرَى أَمَا تَسْمَعُ إِلَى قَوْلِهِ كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ
لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللهُ يَعْلَمُ وَ
أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ طَوَى عَنْكَ عِلْمَ حَقِيقَةِ الْأَشْيَاءِ وَحَجَبَكَ

عَنْهُ فَلَا تُسِئِ الْأَدَبَ فَتَكْرَهُ بِكَ أَوْ تُحِبُّ بِكَ اتَّبِعِ الشَّرْعَ فِي
جَمِيعِ مَا يَنْزِلُ بِكَ إِنْ كُنْتَ فِي حَالَةِ التَّقْوَى الَّتِي هِيَ قَدَمُ الْأُولَى
وَاتَّبِعِ الْأَمْرَ فِي حَالَةِ الْوِلَايَةِ وَخُمُودِ وُجُودِ الْهَوَى وَلَا تَتَجَاوَزْهُ
وَهِيَ الْقَدَمُ الثَّانِيَةُ وَارْضَ بِالْفِعْلِ وَوَافِقْ وَافْنَ فِي حَالَةِ
الْبَدَلِيَّةِ وَالْغَوْثِيَّةِ وَالصِّدِّيقِيَّةِ وَهِيَ الْمُنْتَهَى تَنَحَّ عَنْ طَرِيقِ
الْقَدَرِ خَلِّ عَنْ سَبِيلِهِ رُدَّ نَفْسَكَ وَهَوَاكَ وَكُفَّ لِسَانَكَ عَنِ
الشَّكْوَى فَإِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ إِنْ كَانَ خَيْرًا زَادَكَ الْمَوْلَى حَيَاةً طَيِّبَةً
وَلَذَّةً وَسُرُورًا وَإِنْ كَانَ شَرًّا حَفِظَكَ اللهُ فِي طَاعَتِهِ فِيهِ
وَأَزَالَ عَنْكَ اللَّائِمَةَ أَفْقَدَكَ فِيهِ حَتَّى يَتَجَاوَزَ عَنْكَ وَيَرْحَلَ
عِنْدَ انْقِضَاءِ أَجَلِهِ كَمَا يَنْقَضِي اللَّيْلُ فَيُسْفِرُ عَنِ النَّهَارِ وَالْبَرْدُ
فِي الشِّتَاءِ فَيُسْفِرُ عَنِ الصَّيْفِ ذٰلِكَ أُنْمُوذَجٌ عِنْدَكَ فَاعْتَبِرْ
بِهِ ثُمَّ فِي نَفْسِهِ ذُنُوبٌ وَآثَامٌ وَأَجْرَامٌ وَتَلْوِيثٌ بِأَنْوَاعِ
الْمَعَاصِي وَالْخَطِيَّاتِ وَلَا يَصْلُحُ لِمُجَالَسَةِ الْكَرِيمِ إِلَّا الطَّاهِرُ
عَنْ أَنْجَاسِ الذُّنُوبِ وَالزَّلَّاتِ وَلَا يُقَبِّلُ سُدَّتَهُ إِلَّا الطَّيِّبُ
مِنْ دَرَنِ الدَّعَاوِي كَمَا لَا يَصْلُحُ لِمُجَالَسَةِ الْمُلُوكِ إِلَّا
الطَّاهِرُ مِنَ الْأَنْجَاسِ وَأَنْوَاعِ النَّتْنِ وَالْأَوْسَاخِ فَالْبَلَايَا
مُكَفِّرَاتٌ مُطَهِّرَاتٌ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حُمَّى يَوْمٍ كَفَّارَةُ سَنَةٍ.

مقالہ ۱۸

شکوہ کرنے کی ممانعت

حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہیں جو بھی گزند اور تکلیف پہنچے تو کسی دوست یا دشمن کے سامنے شکایت نہ کرو۔ اور تمہارے پروردگار نے جو کیا ہے اور جو بلا اتاری ہے اس میں اسے متہم نہ کرو[1] بلکہ خیر و شر کا اظہار کرو، کیونکہ تمہارے گمان کے مطابق بغیر نعمت کے شکر کرنے کا جھوٹ[2] تمہارے سچ اور حال کی شکایت کرنے سے بہتر ہے۔ کوئی شخص بھی کسی لمحہ بھی

---

(۱) یہ خیال نہ کرنا کہ ایسا تمہاری دشمنی اور بدخواہی کے پیشِ نظر کیا ہے، ممکن ہے کہ اس کے ضمن میں ایسی مصلحت پنہاں ہو جس کا فائدہ تمہیں حاصل ہونا ہو واللہ تعالیٰ اعلم

؎ بہر جورے کہ آں مہ میکند از جا مرو حقے
کہ دلدارے مرا شاید کہ مقصود امتحان باشد

(وہ چاند جیسا محبوب جو ظلم بھی کرے تمہیں اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرنی چاہئے ہو سکتا ہے کہ اس سے تمہارا امتحان مقصود ہو)

(۲) جھوٹ ہو گا کیسے؟ کیونکہ نعمت کا وجود یقینی ہے

نعمتِ خداوندی سے خالی نہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے: "اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو تو شمار نہیں کر سکو گے"۔ بے شمار نعمتیں ایسی ہیں جن کا تمہیں علم نہیں ہے[3]۔ تمہیں چاہئے کہ مخلوق میں سے کسی کے ساتھ سکون حاصل نہ کرو، کسی سے الفت نہ پکڑو اور کسی کو اپنے حال پر اطلاع نہ دو، بلکہ تمہارا انس و سکون اُس سے ہونا چاہئے اور شکوہ بھی اسی کی بارگاہ میں[4]۔ کسی دوسرے کی طرف نہ دیکھو[5]، کیونکہ سُود و زیاں، نفع و نقصان، عزت و ذلت، بلندی دینا اور پستی میں گرانا اور فقر و غنا اسی کی طرف سے ہے اور حرکت و سکون وہی دے سکتا ہے۔ تمام اشیاء اس کی مخلوق اور اس کے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ یہ اس کے حکم و اجازت سے چلتی ہیں۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم سے مقررہ مدت تک

---

(۳) اگر علم ہو بھی تو ناشکری کے غلبہ اور ظلمت طاری ہونے کی وجہ سے ان پر نظرِ انصاف نہیں پڑتی۔

(۴) ؎ پیش کہ آوردم ز دستت فریاد
ہم پیش تو از دستِ تو میخواہم داد

(میں آپ کے ہاتھ کے متعلق کس کے سامنے فریاد کروں، میں تو صرف تمہارے ہاتھ سے انصاف کا خواہاں ہوں)

(۵) **غیر اللہ سے مراد** کسی غیر اللہ کی طرف نہ دیکھو، جس کا بارگاہِ خداوندی سے تعلق نہیں ہے۔

واما دوستانِ وے و مقربان وے داخلِ غیر نیستند و توجہ بایشاں بایں حیثیت عین توجہ بحضرت اوست ۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے دوست اور مقربین غیر میں داخل نہیں ہیں اس حیثیت سے اللہ کی طرف توجہ عین خدا کی طرف توجہ ہے۔

جاری رہتی ہے اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک اندازے کے مطابق ہے۔[۶]
جس کو اس نے مؤخر کر دیا اسے کوئی مقدم کرنے والا نہیں اور جسے اس نے مقدم کر دیا اسے پیچھے ہٹانے والا کوئی نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر اللہ تعالیٰ تجھے کسی نقصان میں مبتلا کرے تو اسے کھولنے والا اس کے سوا کوئی نہیں اور وہ اگر تیری بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل و کرم کو رَد کرنے والا کوئی نہیں (الآیۃ)
اگر تم عافیت[۷] اور نعمت کے باوجود[۸] اپنی دانستہ کورچشمی کی بنا پر اور انھیں حقیر جانتے ہُوئے اور زیادہ طلب کی خاطر اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرو گے تو وہ تم پر غضب نازل کرتے ہُوئے انھیں زائل کر دے گا[۹] اور اب تمھارا شکوہ بجا ہوگا[۱۰]۔ تمھاری تکلیف دوگونہ اور سزا سخت ہو جائے گی اور خدائی غضب و قہر اور دشمنی میں آجاؤ گے۔ وہ نظرِ عنایت سے گرا دے گا۔ تمھیں چاہیئے کہ اگرچہ تمھارے جسم

(۶) جس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ اس نے ہر حادث کا وقت معین اور جگہ مخصوص و مقرر فرما رکھی ہے۔ اس کے لیے اسباب مہیّا فرما دیئے ہیں جنھیں ان کے اقتضا کے مطابق پہنچا دیتا ہے اور تمام اسباب و مسببات اس کی قدرت اور ارادے سے واقع ہوتے ہیں وہی ان میں مؤثر ہے اور انھیں قائم رکھتا ہے کبھی چیز اس کی قدرت کے معارض و متنازع کرنے والی نہیں۔

(۷) امراض و بلیات و مکروہات وغیرہ سے عافیت۔

(۸) اگرچہ قلیل ہی ہو۔

(۹) نعمت و عافیت کو۔

(۱۰) یعنی نعمت و عافیت کے باوجود بلا محنت کا شکوہ کرتے ہو، تو وہ تمھاری شکایت، الزام اور کفرانِ نعمت پر بطورِ زجر انھیں واپس لے لے گا۔

کے قینچیوں سے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیئے جائیں تو بھی شکوہ نہ کرو[۱۱]، خود کو شکایت سے دُور رکھو، اللہ تعالیٰ سے متواتر ڈرتے رہو، حکمِ الٰہی پہ عدمِ رضا سے مکمل احتراز کرو، کیونکہ انسانوں پر اکثر مصیبتیں ان کے شکوہ و شکایت کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں، بندہ پروردگار کا گلہ کیسے کر سکتا ہے جبکہ وہ سب مہربانوں سے بڑا اور تمام حاکموں سے بہتر ہے، بڑا حوصلے والا[۱۲] ہر چیز سے باخبر ہے[۱۳]، بندوں پر مہربان، رحم کرنے والا[۱۴] اور نرمی فرمانے والا ہے[۱۵]۔ وہ بندوں پر ظلم[۱۶] نہیں

(۱۱) امام ابوالقاسم قشیری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: استاد ابوعلی دقاق علیہ الرحمۃ آخر عمر میں جب سخت علیل ہو گئے تو فرمایا کہ اوقاتِ حکم میں حفاظتِ توحید تائیدِ الٰہی کی علامات و امارات سے ہے۔ اس کے بعد اس بات کی تشریح اور اپنے حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اگر اجرائے حکم میں قدرت کی قینچیوں سے تمھیں پارہ پارہ ہی کیوں نہ کر دیا جائے پھر بھی راضی اور ساکن رہنا چاہیے کسی قسم کی حرکت اور پریشانی کا اظہار نہیں چاہیئے۔

(۱۲) کہ کمالِ قدرت کے باوجود گنہگاروں کو جلد گرفتار نہیں کرتا۔

(۱۳) ظاہر و باطن کو جانتا ہے عالمِ ملک و ملکوت میں ہر ایک ذرّے کی حرکت سے باخبر ہے۔

(۱۴) مستحق اور غیر مستحق کو بے غرض و بے عوض خیر سے نوازتا ہے۔ بعض حضرات نے رحمٰن اور رحیم کے معنیٰ میں فرق اس طرح بیان فرمایا کہ رحمٰن وہ ہے جو سوال کرنے پر عطا کرے، اور رحیم وہ ہے جو سوال نہ کرنے پر ناراض ہو۔

(۱۵) کوئی ذرّہ بھی اس کے لطف و کرم سے خالی نہیں۔ کہتے ہیں کہ دوزخیوں کو دوزخ میں بھی لُطف سے نوازا جائے گا اگرچہ انھیں مرحوم نہیں کہہ سکتے، کیونکہ وہ اس سے سخت تر عذاب میں بھی مبتلا کر سکتا تھا مگر اس کا لطف و کرم

کرتا، جیساکہ حلیم الطبع طبیب[۱۷] جو کہ دوست، شفیق، نرم خُو اور قریب ہو[۱۸]۔ کیا مشفق والد اور مشفقہ و مہربان والدہ پر تہمت لگائی جاسکتی ہے؟[۱۹] حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اس کی ماں سے زیادہ مہربان ہے[۲۰]۔ بارگاہِ خداوندی کے آداب بجالاؤ۔ اے مساکین! نزولِ بلا کے

کہ ایسا نہیں کیا۔ لطف اور غضب کا اجتماع ممکن ہے رحمت اور غضب کا نا ممکن۔ مثلاً ایک بادشاہ کسی کے متعلق سو کوڑے مارنے کا حکم دے پھر مہربانی کرتے ہوئے پچاس معاف کر دے یہ لطف ہے اس کے باوجود مادۂ غضب باقی ہے اسے سمجھ لو۔

(۱۶) **ظلم کا معنی** ظلم کا معنی غیر کی مِلک میں تصرف کرنا ہے۔ جب ہر چیز اس کی مِلک ہے وہ جو بھی کرے گا ظلم نہیں ہوگا۔ اگر کوئی کام نفس کے موافق اور طبیعتِ انسانی کے مطابق نہ ہو تو ممکن ہے اسی میں بہتری ہو۔ اگر بالفرض بہتر نہ بھی ہو تو ظلم بہرحال نہیں ہے۔

(۱۷) جو مریض کے حال کی اصلاح اور حکمت پر نظر رکھتے ہوئے جلدی نہیں کرتا۔

(۱۸) ازرُوئے محنت و شفقت دلی طور پر قریب ہو، قریب بمعنے رشتہ دار بھی ہوسکتا ہے کیونکہ یہاں شفقت و مہربانی کا گمان زیادہ ہے۔

(۱۹) کہ وہ اپنے بیٹے پر شفقت نہ کریں گے جبکہ اللہ تعالیٰ ان سے کہیں بڑھ کر مہربان ہے۔

(۲۰) باپ کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ ماں میں باپ کی نسبت شفقتِ طبعی زیادہ ہوتی ہے۔ کافر اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں، دائرۂ بندگی سے نکل جاتے ہیں تو ولدِ عاق کا حکم رکھتے ہیں جبکہ اہلِ ایمان کو رنج و بلا میں مبتلا کرنے میں مولا کریم کی حکمتیں ہیں کہ بندے کی اس میں اصلاح ہے بندہ اگرچہ بے خبر ہے۔

وقت اگر صبر سے عاجز ہو تو تکلف کے ساتھ صبر اختیار کرو[۲۱]، اگر رضا و موافقت کی طاقت نہ بھی ہو تو بھی صبر کرو[۲۲]، اگر تمہارا وجود باقی ہے[۲۳] تو رضا و موافقت کو شعار بناؤ، اور اگر وجود گُم ہوچکا ہے تو یہ مقام فنا ہے[۲۴]۔[۲۵] اسے مقام فنا تو سرخ گندھک کا حکم رکھتا ہے تو کہاں ہے تو کس مقام میں پایا جاتا ہے، کیا تم ارشادِ خداوندی نہیں سُنتے[۲۶] کہ کافروں کے ساتھ جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ

---

(۲۱) اگر مطلق صبر میں تحمل و تکلف کرنے میں بھی مرارت (کڑواپن) اور شدت موجود ہے لیکن جب صبر کی عادت بنائی جائے آسان ہوجاتا ہے۔ تصبّرؔ کے ایک معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ دل میں اگرچہ کراہت موجود ہو مگر زبان پر حرفِ شکایت نہ لاؤ، گریہ زاری نہ کرو، اور صبر سے مراد ہے کہ دل کے ساتھ بھی صبر ہو۔

(۲۲) **مقامِ رضا** یعنی اصل اور اعلیٰ مقام یہی ہے کہ قضا کے ساتھ موافق و راضی رہے یعنی تقدیر کے جاری ہونے پر ساکن رہے۔ بعض یوں فرماتے ہیں کہ محبت کے اندازہ اور غلبہ کے مطابق تقدیر اس قدر حلاوت پائے کہ اَلم لذت کا حکم لے لے، درد دوا اور نیش نوش بن جائے۔ اگر مقامِ رضا حاصل نہ ہو تو اس سے کم درجہ مقامِ صبر کا ہے، اگر یہ بھی نہ ہو تو اس سے نیچے تصبّرؔ کا ہے اور اس سے نیچے جزع و فزع ہے جو کہ بالاتفاق مذموم ہے۔

(۲۳) اور تم اپنے ساتھ پائے جاتے ہو۔

(۲۴) **مقامِ فنا** فنا و نیستی کا مقام مقامِ رضا سے بلند تر اور مقاماتِ سلوک میں سب سے آخر میں ہے جہاں سلوک کی انتہا ہوتی ہے۔

(۲۵) یہاں سے مقامِ فنا کی مدح و غرابت اور اس کے وجود لذات بیان کرتے ہیں۔

(۲۶) اس موقع پر مقامِ رضا بقضا کی ترغیب دلا رہے ہیں۔

طبعی طور پر تمھارے لئے شاق و مکروہ ہے۔ قریب ہے کہ تم کسی چیز کو مکروہ جانو اور وہ تمھارے لئے بہتر ہو[۲۷] اور قریب ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے حق میں بُری ہو،[۲۸] اور اللہ جانتا ہے[۲۹] تم نہیں جانتے۔ اس نے حقیقتِ اشیاء کا علم تم سے لپیٹ لیا اور چُھپا لیا ہے۔ اس لئے خواہ کوئی چیز تمھیں پسند ہو یا ناپسند[۳۰] بے ادبی نہ کرو۔[۳۱] اگر تم حالتِ تقویٰ میں ہو جو کہ طریقِ حق کے سلوک کا قدمِ اوّل ہے تو نعمت و بلا، خیر و شر اور محبوب و مکروہ کے اُترنے پر[۳۲] شریعت کی پیروی کرو، اور اگر حالتِ ولایت میں ہو اور آتشِ خواہش فرد ہو چکی ہو جو کہ قدمِ ثانی ہے تو امرِ باطن کی اتباع کرو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اور اگر حالتِ بدلیّت،[۳۳] غوثیت

---

(۲۷) دُنیا و آخرت میں۔ یہ تمام تکالیف شرعیہ کو شامل ہے جو طبیعت پر شاق اور اسے ناپسند ہیں۔ یہ سب کی سب نفس الامر میں مناطِ صلاح و سببِ فلاح ہیں۔

(۲۸) تمام منہیاتِ شرعیہ کا یہی حال ہے کہ نفس انھیں پسند کرتا ہے اور طبیعت ان کی طرف میلان رکھتی ہے جبکہ وہ درحقیقت فسادِ حال اور ہلاکت مبدء و مآل کا باعث ہیں۔

(۲۹) امور کے انجام اور اشیاء کی حقیقتوں کو۔

(۳۰) اس میں تصرف کرتے ہوئے۔

(۳۱) میلانِ طبع اور ہوائے نفس کے پیشِ نظر۔

(۳۲) یعنی ظاہر امر شریعت کی پیروی کرو کیونکہ تمھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فہم اور مرادِ الٰہی جل شانہٗ کی اطلاع حاصل نہیں ہے۔

(۳۳) **امرِ باطن کی تعریف** امرِ باطن سے مراد صحیح القلب آدمی کو یقین صافی حاصل ہونا ہے یا صریح قول و فعل مراد ہے۔

اور صدّیقیت میں ہو جو کہ مراتب کی انتہا اور بلند مقامات میں بلند تر ہے[۳۴] تو فعلِ خداوندی پر خوشی اور موافقت کرتے ہوئے اس میں فنا ہو جاؤ، قضا و قدر کی راہ سے یکسو ہو جاؤ، اس سے معارض و مزاحم نہ بنو، نفس و خواہش کو مسترد کردو۔[۳۵] مخلوق کے سامنے قضا و قدر کے حوادثات و نوازل کی شکایت نہ کرو۔[۳۶] پس جب تم ایسا کر لوگے تو اگر قضا و قدر تمھارے حق میں[۳۷] ہوتی تو خداوند کریم تمھیں پاکیزہ زندگی اور لذّت و سرور میں اضافہ سے نواز دے گا،[۳۸] اور اگر شر ہوتی تو اللہ تعالےٰ اس حال میں بھی اپنی طاعت میں تمہاری حفاظت فرمائے گا اور ملامت دُور کر دے گا[۳۹] اور تمھیں تم سے دُور غائب کر دے گا حتیٰ کہ وہ مصیبت

---

(۳۴) **مراتبِ ولایت** مرتبۂ ولایت سے اوپر حالتِ بدلیّت ہے، اس سے بلند تر قطبیت و غوثیت، اور مرتبۂ نبوت سے نیچے، باقی سب مراتب سے اُوپر مرتبۂ صدیقیت ہے۔

(۳۵) مقالہ نمبر ۱ میں گزر چکا ہے کہ امرِ مباح کے متعلق ہے جس میں حکمِ شرعی وارد نہیں اور واجب یا ممنوع نہیں۔

(۳۶) جو کہ قضا و قدر کے مزاحم و مقابل ہو۔

(۳۷) کہ نفس و طبع کے مطابق ہو۔ مثلاً غنا و عافیت، فراغت و راحت وغیرہ جن کا تعلق لطف و رفق کے ساتھ ہے۔

(۳۸) ان میں سے عمدہ نعمت پر شکر، قسمت پر رضا، فضل و رحمت پر خوشی، منعم کا شہود اور اس سے اوپر نعمت کو نہ روکنا ہے۔

(۳۹) کہ نفس و طبع کے خلاف ہو۔ مثلاً فقر و عنا اور تفرقہ و الم وغیرہ جن کا تعلق قہر و ناراضگی سے ہے، لیکن یہ لُطفِ خفی کو متضمن ہیں۔

ٹل جائے گی(۴۰) جیسا کہ رات ختم ہوتی ہے تو صبح نمودار ہو جاتی ہے اور جاڑے کے بعد گرمی کا موسم آتا ہے(۴۱) یہ تمہارے لیے ایک نمونہ ہے(۴۲) اس سے عبرت حاصل کرو(۴۳)، پھر آدمی کے اندر گناہ اور جرم موجود ہیں طرح طرح کی مصیبتوں اور خطاؤں(۴۴) سے آلودہ ہے، تمام نقائص وعیوب سے پاک ذات خداوند کریم کی ہم نشینی کے لائق اس وقت ہوگا جب تمام صغیرہ وکبیرہ گناہوں اور لغزشوں سے پاک ہو جائے گا، اور اس کی چوکھٹ کو وہی بوسہ دے سکتا ہے جو دعووں کی میل سے پاک ہو، جیسا کہ دنیا کے بادشاہوں کی کچہری میں نجاست اور میل کچیل سے پاک آدمی ہی بیٹھ سکتا ہے پس بلائیں گناہوں کا کفارہ ہیں

---

(۴۰) کہ غلبۂ محبت و رضا اور شہود کے میلان کی وجہ سے رنج و زحمت کو محسوس نہیں کرو گے اور یہاں بھی زندگی خوش و خرم گزرے گی۔

(۴۱) رات دن کا انقلاب اور سردی و گرمی کی آمد و رفت۔

(۴۲) یعنی تمہارے احوال کی تبدیلی غم و محنت کا جانا اور شادی و راحت کا آنا ایک نشانی ہے جو کہ اہلِ عبرت عقلمند حضرات کے لئے اختلافِ لیل و نہار میں رکھ دی گئی ہے۔

(۴۳) **ابتلاء و آزمائش کے فوائد** اور اپنے حال اس پر قیاس کرو، آدمی پر حوادث و مصائب اور مشقتوں کے نزول میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اسے محنت و ریاضت کی کٹھالی میں ڈال کر بشری کدورتوں اور طبعی آلائشوں سے پاک کر دیا جائے گا اور یہ آفات گناہوں کا کفارہ اور ترقی درجات کا سبب بن جائیں، آئندہ کلام میں اسی کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔

(۴۴) کسی کام کا دعوی و ارادہ اور اس پر استقلال و استبداد سب سے بڑھ کر گناہ ہے۔

اور گناہوں کی میل سے پاک کرنے والی ہیں(۴۵)، نبی کریم رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے سچ فرمایا کہ ایک دن کا بخار سال بھر کے گناہوں کا کفارہ ہے(۴۶)۔

---

(۴۵) اور نیکوکار حضرات کے درجات کی ترقی کا سبب ہیں۔

(۴۶) جب عمر کے اندازے کے مطابق بخار کی مدت گزر جائے گی اور تمام گناہوں کا کفارہ بن جائے گی تو یقیناً تپ کی باقی مدت رفع درجات کا موجب ہو گی، واللہ تعالٰی اعلم۔

المقالة التاسعة عشر

قَالَ رضي الله عنه إِذَا كُنْتَ ضَعِيفَ الْإِيمَانِ وَالْيَقِينِ وَوُعِدْتَ بِوَعْدٍ
وُفِيَ بِوَعْدِكَ وَلَا يُخْلَفُ لِئَلَّا يَزُولَ إِيمَانُكَ وَيَذْهَبَ
يَقِينُكَ وَإِذَا قَوِيَ ذٰلِكَ فِي قَلْبِكَ وَتَمَكَّنْتَ وَخُوطِبْتَ بِقَوْلِهِ إِنَّكَ
الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ وَتَكَرَّرَ هٰذَا الْخِطَابُ لَكَ حَالًا بَعْدَ
حَالٍ فَكُنْتَ مِنَ الْخَوَاصِّ بَلْ مِنْ خَاصِّ الْخَاصِّ وَلَمْ يَبْقَ
لَكَ إِرَادَةٌ وَلَا مَطْلَبٌ وَلَا عَمَلٌ تُعْجَبُ بِهِ وَلَا قُرْبَةٌ تَرَاهَا
وَلَا مَنْزِلَةٌ تَلْمَحُهَا فَتَسْمُو هِمَّتُكَ إِلَيْهَا فَصِرْتَ كَإِنَاءٍ مُنْثَلِمٍ
الَّذِي لَا يَثْبُتُ فِيهِ مَائِعٌ فَلَا يَثْبُتُ فِيكَ إِرَادَةٌ وَلَا خُلُقٌ
وَلَا هِمَّةٌ إِلَى شَيْءٍ مِنَ الْأَشْيَاءِ دُنْيَا وَأُخْرَى وَطَهُرْتَ مِمَّا
سِوَى اللّٰهِ تَعَالَى عَزَّ وَجَلَّ وَأُعْطِيتَ رِضَاكَ عَنِ اللّٰهِ وُعِدْتَ
بِرِضْوَانِ اللّٰهِ تَعَالَى عَنْكَ وَلَذِذْتَ وَنَعِمْتَ بِأَفْعَالِ اللّٰهِ أَجْمَعَ
فَحِ تُوعَدُ بِوَعْدٍ فَإِذَا اطْمَأَنَنْتَ إِلَيْهِ وَوُجِدَتْ فِيكَ أَمَارَةُ
إِرَادَةٍ مَّا نُقِلْتَ عَنْ ذٰلِكَ الْوَعْدِ إِلَى مَا هُوَ أَعْلَى مِنْهُ وَصُرِفْتَ
إِلَى أَشْرَفَ مِنْهُ وَعُوِّضْتَ عَنِ الْأَوَّلِ بِالْغِنَاءِ عَنْهُ وَفُتِحَتْ
لَكَ أَبْوَابُ الْمَعَارِفِ وَالْعُلُومِ وَأُطْلِعْتَ عَلَى غَوَامِضِ الْأُمُورِ

وَحَقَائِقِ الْحِكْمَةِ وَمَصَالِحِ الْمَدْفُونَةِ فِي الْانْتِقَالِ مِنَ
الْأَوَّلِ إِلَى مَا يَلِيهِ وَيَزْدَادُ فِي مَكَانَتِكَ فِي حِفْظِ الْحَالِ ثُمَّ
الْمَقَامِ فِي أَمَانَتِكَ فِي حِفْظِ الْأَسْرَارِ وَشَرْحِ الصَّدْرِ وَتَنْوِيرِ
الْقَلْبِ وَفَصَاحَةِ اللِّسَانِ وَالْحِكْمَةِ الْبَالِغَةِ وَفِي إِلْقَاءِ الْمَحَبَّةِ
فَجُعِلْتَ مَحْبُوبَ الْخَلِيقَةِ أَجْمَعَ وَالثَّقَلَيْنِ وَمَا سِوَاهُمَا دُنْيَا وَ
أُخْرَى إِذْ صِرْتَ مَحْبُوبَ الْحَقِّ وَالْخَلْقُ تَابِعٌ لِلْحَقِّ وَمَحَبَّتُهُمْ
مُنْدَرِجَةٌ فِي مَحَبَّتِهِ كَمَا أَنَّ بُغْضَهُمْ مُنْدَرِجَةٌ فِي بُغْضِهِ وَ
كَذٰلِكَ إِذَا بَلَغْتَ هٰذَا الْمَقَامَ الَّذِي لَيْسَ لَكَ فِيهِ إِرَادَةُ
شَيْءٍ أَلْبَتَّةَ جُعِلَتْ لَكَ إِرَادَةُ شَيْءٍ مِنَ الْأَشْيَاءِ فَإِذَا تَحَقَّقَتْ
إِرَادَتُكَ لِذٰلِكَ الشَّيْءِ أُزِيلَ الشَّيْءُ وَأُعْدِمَ وَصُرِفْتَ عَنْهُ
فَلَمْ تُعْطَهُ فِي الدُّنْيَا وَعُوِّضْتَ عَنْهُ فِي الْأُخْرَى بِمَا يَزِيدُكَ
قُرْبَةً وَزُلْفَى إِلَى الْعَلِيِّ الْأَعْلَى وَمَا تَقَرُّ بِهِ عَيْنَاكَ فِي الْفِرْدَوْسِ
الْأَعْلَى وَجَنَّةِ الْمَأْوَى وَإِنْ كُنْتَ لَمْ تَطْلُبْ ذٰلِكَ وَتَأْمُلْهُ وَ
تَرْجُوهُ وَأَنْتَ فِي دَارِ الدُّنْيَا الَّتِي هِيَ دَارُ الْفَنَاءِ وَالتَّكَالِيفِ
بَلْ رَجَاءُكَ وَأَنْتَ فِيهَا وَجْهُ الَّذِي خَلَقَ وَبَرَأَ وَمَنَعَ وَأَعْطَى
وَبَسَطَ الْأَرْضَ وَرَفَعَ السَّمَاءَ إِذْ ذٰلِكَ هُوَ الْمُرَادُ وَالْمَطْلُوبُ
وَالْمُنَارُ بِمَا عُوِّضْتَ عَنْ ذٰلِكَ بِمَا هُوَ أَدْنَى مِنْ ذٰلِكَ أَوْ مِثْلُهُ
فِي الدُّنْيَا بَعْدَ انْكِسَارِ قَلْبِكَ بِصَدِّكَ عَنْ ذٰلِكَ الْمَطْلُوبِ
وَالْمُرَادِ وَالْمُنَارِ وَتَحْقِيقِ الْعِوَضِ فِي الْأُخْرَى عَلَى
مَا ذَكَرْنَا وَبَيَّنَّا ـ

مقالہ ۱۹

ایفائے عہد کی تاکید

حضرت شاہِ جیلاں رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تمھارا ایمان اور یقین ضعیف ہوگا تو جو وعدہ کیا جائے گا وہ پُورا ہوگا[1] اس کے خلاف نہیں ہوگا تاکہ تمھارا ایمان اور یقین زائل نہ ہو، اور جب ایمان و یقین کو اپنے دل میں پختہ کرلو گے اور اس میں محکم ہوجاؤ گے تو تمھیں یوُں خطاب[2] ہوگا ۔ آج آپ ہمارے ہاں صاحبِ منزلت و مرتبت اور امانت دار ہیں ۔ یہ خطاب وقتاً بعد وقتٍ حالاً بعد حالٍ تکرار سے ہوتا رہے گا، حتیٰ کہ تم خواص بلکہ اخص لوگوں میں شامل ہوجاؤ گے اور تمھاری کوئی خواہش و آرزو باقی نہیں رہے گی نہ عمل[3] رہے گا جسے تم پسند کرو[4] نہ کوئی عبادت رہے گی جسے تم

---

(۱) اور تالیف قلوب کے لئے موعود چیز تم تک پہنچا دی جائے گی ۔

(۲) شاہِ مصر نے حضرت یوسف علےٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام سے یہ خطاب کیا تھا اسے بطریق تمثیل و حکایت ارشاد فرمار ہے ہیں ۔

(۳) سوائے اس چیز کے جو حق تعالےٰ کی قضا اور امر و نہی میں فنا ہونے کی وجہ سے

اپنی طرف سے سمجھو[5] ۔ اور نہ کوئی ایسا ایسا مرتبہ ہوگا کہ جس کی طرف دیکھ کر خوشی محسوس کرتے ہوئے وہاں جانے کا قصد کرو[6] تو اس وقت تم اس سوراخ والے برتن کی طرح ہوجاؤ گے جس میں کوئی بہنے والی چیز نہیں ٹھہرتی[7]، تمھارے اندر دنیا و آخرت کی کسی چیز کا قصد و ارادہ اور کوئی خصلت نہیں رہے گی اور اللہ عزّ و جل کے سوا ہر چیز کی آلائش سے پاک ہوجاؤ گے ، رضائے الٰہی حاصل ہوگی اور اس کے راضی ہونے کی نوید سُن لو گے ، تمھیں اس کے تمام افعال میں لذت و نعمت محسوس ہوگی[8] ۔ اس وقت تم سے کوئی وعدہ کیا جائے گا[9]، جب تم اس وعدے اور موعود چیز کے موصول ہونے کے شوق پر اطمینان پاؤ گے اور خواہش کی ادنیٰ نشانی پائی جائے گی تو اس سے اعلیٰ مقام کے وعدہ کی طرف منتقل کر دیا جائیگا

تم سے طلب کرے گا ۔

(۴) توفیقِ حق کو دیکھتے ہوئے فعلِ خدا میں فنا اور از روئے حقیقت اپنے نفس کی طرف عمل کی نسبت نہ کرنے کی وجہ سے ۔

(۵) اور اپنے لئے اثبات کرتے ہوئے اس پر اعتماد کرو ۔

(۶) جب ارادہ و طلب نہ رہیں تو عمل ، عبادت ، قدر و منزلت اور ہمت نظر سے گر جائیں گی ۔

(۷) مثلاً پانی ، تیل اور سرکہ وغیرہ ۔

(۸) کہ نعمت و بلا اور منع و عطا جو کچھ بھی ہو تم اسے لذیذ و نعیم شمار کرو گے ۔

عاشق بر لطف و بر قہرش بجد   ایں عجب من عاشقی ایں ہر دو ضد

(میں اس کے لُطف و قہر پر کوشش سے عاشق ہوں اور یہ عجیب بات ہے کہ میرا ان دونوں متضاد حقیقتوں سے لگاؤ ہے ۔

(۹) بطورِ امتحانِ حال جیسا کہ حضرت قدس سرہٗ خود فرمار ہے ہیں ۔

اور زیادہ شریف و مرغوب مقام کی طرف لے جایا جائے گا۔ یہ پہلے وعدے استغنا کی وجہ سے ہے (۱۰)، تمہارے لئے علوم و معارف کے دروازے

---

(۱۰) بعض نسخوں میں اس طرح ہے بِالفَنَاءِ عَنْہُ کہ پہلے وعدہ سے فانی ہونے کی وجہ سے یہ مقام حاصل ہوا ہے۔ بعض قوتِ ایمان و یقین نے حصولِ مرتبۂ استقامت و تمکین اور حصولِ فنا و رضا کہ "تم حق سے راضی ہو جاؤ اور وُہ تم سے" کے بعد اگر کوئی وعدہ کیا جائیگا تو اچانک ارادے کا شائبہ پایا گیا اور اس وعدہ پر اطمینان حاصل ہوگیا۔ چونکہ تم بارگاہِ ربّ العزت کے راضی و مرضی فرد بن چکے ہو اور لُطف و عنایتِ خداوندی تمہارے کام میں ہے اس وعدہ پر اطمینان و ارادہ سے اس انداز سے نکالا جائے گا کہ اعلیٰ و اشرف کا وعدہ کرتے ہوئے پہلے مقام سے بے نیاز و فانی کر دیا جائے گا یہ لطف و رفق کی ایک قسم ہے۔ بعض محبوبین و مقربین سے ایسا معاملہ کیا جاتا ہے اور اس لطف آمیز محبّت انگیز حُسنِ ادا سے ماسوا کی طرف میلان سے نکال دیتے ہیں اور وعدہ ترک کرا دیتے ہیں جبکہ زجر و توبیخ اور قہر و سختی سے نکالنا یہ دوسرا طریقہ ہے واللہ تعالےٰ اعلم ؎

(i) ہر زمان از وعدۂ لطف و کرم دارد خوشم
نے وصال است و نہ ہجراں ایں مقامِ دیگر است
(ii) یارے دارم کہ جَور و لطفش بہم است
نے نے ہمہ لطف دارد جور کم است
(iii) وصلش طلبم بوعدۂ مے اندازد
نے وصل دہد نہ ہجر ایں ہم کرم است

کھول دئے جائیں گے کارہائے سخت اور رازہائے سربستہ، حقائقِ حکمت اور ایک وعدہ سے دوسرے وعدہ کی طرف انتقال کی مخفی مصلحتوں پر مطلع کر دیا جائے گا۔ قدر و مرتبہ کے حال کی حفاظت زیادہ کی جائے گی (۱۱)، پھر مقام میں اور حفظ اسرار سے متعلق امانت میں اضافہ کر دیا جائے گا (۱۲) ——

ترجمہ: (i) وہ محبوب مجھے ہر لمحہ لطف و کرم کے وعدے سے خوش رکھتا ہے نہ تو وصال میسّر ہے اور نہ ہی اسے ہجر کا نام دیا جا سکتا ہے یہ ایک الگ ہی مقام ہے۔

(ii) میرے دوست کی نرمی و درشتی کا ایک ساتھ اظہار ہوتا ہے، نہیں نہیں! وُہ تو سراسر لُطف و کرم ہی ہے، سختی بہت کا وجود نادر ہے۔

(iii) میں وصال کی آرزو کرتا ہوں تو وعدہ میں ٹال دیا جاتا ہے نہ وصال عطا ہوتا ہے نہ یہ ہجر ہے، یہ بھی کرم و احسان کی ایک ادا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس پر عنایت محبوب سے مسلسل وعدے ایک وعدہ سے شریف تر و لذیذ تر کے وعدہ کی طرف نقل و تبدیلی مقاماتِ عالیہ پر عروج اور ابوابِ معارف و حقائق کے کُھلنے کا سبب بنتے ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

(۱۱) تاکہ ہر آن زیادہ ثابت اور متمکن ہو سکو۔

(۱۲) تمھیں وصفِ امانت بخش دیا جائیگا تاکہ اسرار فاش نہ ہوں ؎

(۱) ستاند زبان از رقیبانِ راز — کہ تا رازِ سلطان نگویند باز

شرح صدر،(۱۳) دل کی نورانیت(۱۴)، زبان کی فصاحت(۱۵)،

(ii) ہر سادہ دل محرم اسرار نباشد   تا بستہ زبان در صفِ اغیار نباشد

(iii) منصور صفت راز درون ہر کہ برون زد   جولانگہ او جز بسرِ دار نباشد

ترجمہ: (i) محرم راز حضرات کی زبان اس لیے نکال لی جاتی ہے تاکہ سلطانی راز آگے بیان نہ کر سکیں۔

(ii) ہر سادہ دل آدمی محرم اسرار نہیں ہو سکتا تاکہ زبان بندی کی وجہ سے اغیار کی صف میں داخل نہ ہو سکے۔

(iii) جو بھی حضرت منصور علیہ الرحمۃ کی طرح سربستہ راز زبان پر لاتا ہے تو اس کی جولانگاہ آخر تختۂ دار میں ہے۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ جس کو کشف کی دولت تو مل جائے لیکن وصفِ ستاری نہ ملے وہ کشف اس کے لیے وبالِ حال بن جاتا ہے۔

(۱۳) سینہ کی کشادگی اور حوصلہ کی فراخی کی دولت سے اس لیے نوازا جاتا ہے تاکہ وہ حفظِ اسرار میں تنگ نہ پڑے اور بے حوصلگی کی بنا پر اسرار فاش نہ کرے۔

(۱۴) شرحِ صدر اور تنویرِ قلب باہم لازم و ملزوم ہیں، آیۂ کریمہ ہے:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ

فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ۔

(۱۵) حقائق و معارف اور نصائح کے بیان کے لئے زبان فصیح کر دی جاتی ہے ایہام و ابہام کی آمیزش سے پاک کر دیا جاتا ہے تاکہ بات دلنشین ہو،

حکمتِ بالغہ(۱۶) اور تمہارے ساتھ مخلوق کی

کہیں ایسا نہ ہو کہ غیر واضح بات کی وجہ سے مخاطب ورطۂ حیرت و ضلالت میں گر جائے۔ یعنی اصل یہی ہے کہ زبان بند رہے اور اسرار محفوظ، اور اگر زبان کھلے تو نقصان دہ نہ ہو، سلامتی کی راہ سے نہ ہٹے۔ صدیقین و متمکنین کے معارف اسی قسم کے ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام سے واضح ہے۔

(۱۶) **حکمتِ بالغہ کی تشریح** حقائقِ امور اور احوالِ موجودات پر درست طریقے پر اطلاع اور جانبِ علم و عمل میں تحصیلِ کمال کو حکمت کہتے ہیں۔ جب حکمت حاصل ہو جائے گی اور اس کے ساتھ فصاحتِ لسانی بھی متصل ہو گی تو آدمی کو کمال و تکمیل میں نصیبِ تام حاصل ہو گا۔

حاصلِ کلام کتاب و سنّت کی موافقت کے ساتھ معنی کی تصحیح و ضبط اور الفاظ میں زبان کی حفاظت و صیانت ضروری ہے تاکہ مقصودِ کلام لفظاً و معنیً مکمل ہو جائے، اور کلام اشکال و ابہام سے خالی رہے ورنہ ضبطِ معنیٰ کے بغیر گمراہی ہے۔ آدمی خود گمراہ ہو جاتا ہے اور الفاظ کی نگہداشت کے بغیر دوسروں کو گمراہ کر دیتا ہے جیسا کہ متاخرین کی ایک جماعت سے یہ واقعہ پیش آیا ہے۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ محققِ کامل بھی الفاظ و عبارت، معنیٰ و مقصود کی ادائیگی اور اشتباہ و ابہام کے بغیر درست طریقہ سے یہ کشفِ حقیقت میں قصور کی وجہ سے اختلاف کے بھنور میں پڑ جاتا ہے۔ ظاہر بین

محبت میں اضافہ کر دیا جائے گا(۱۷) اور تمام مخلوق کے محبوب

اور عبارت پرست حضرات کے نزدیک زندقہ اور اتحاد (بین الخالق والمخلوق) تک پہنچ جاتا ہے نعوذ باللہ من ذالک ۔

(i) در بارگاہِ حضرت سلطان سخن مگو
در کوئے اختیار بدست زبان مدہ

(ii) از دل بپرس ہرچہ بگوید بگو
تا مشورت بدل نکنی دل بداں مدہ

(iii) دل ہم اگر ز بادۂ توحید مست شد
ہشیار باش درکفِ دل ہم عنان مدہ

(iv) بیروں در تجلی بر آئین خلق باش
کس رابسوئے راز درونے نشان مدہ

(v) صد سر دریں راہ ازپئے یک حرف می رود
خاموش باش یاں سرِ خود رائگاں مدہ

ترجمہ: (i) سلطان کی بارگاہ میں کوئی بات نہ کرو اختیار کے کوچہ میں زبان ہاتھ میں نہ دو۔

(ii) دل سے دریافت کرو جس بات کی اجازت دے وہ کرو اور جب تک دل سے مشورہ نہ کرلو دل اس بات پر نہ لگاؤ۔

(iii) اگر دل بھی بادۂ توحید سے مست ہوچکا ہے تو خبردار! دل کے ہاتھوں میں بھی لگام دو۔

(iv) دروازے سے باہر مخلوق کے آئین وقانون کے مطابق

بنادئے جاؤ گے(۱۸) خواہ وہ جن وانس ہوں یا دنیا وآخرت کی کوئی دوسری مخلوق،(۱۹)

رہو، کسی کو اندرونی راز کی بات نہ بتاؤ۔

(v) اس راہ میں ایک حرف کے بدلے سو سر جاتے ہیں خاموش رہو اور اپنا سر ضائع نہ کرو۔

(۱۷) خالق جل وعلا کی دوستی کے ساتھ ساتھ مخلوق کی دوستی اس خالق و مالک کی محبت کا اثر ونتیجہ ہے۔

(۱۸) **قبولیتِ خلق** سب کے سب تمہارے محب اور خدمت گار بن جائیں گے لیکن ہر ایک کی محبت اپنے حال کے مناسب ہوگی، معتقدین کی محبت علم وحال سے استفادہ کے پیشِ نظر ہوگی منکرین کی ہیبت وجلال کی قوت کے باعث' یا مخلوق سے مراد اہلِ ایمان وصلاح اور اربابِ انصاف ہیں۔ کُل کو اکثر پر حمل کیا گیا ہے اور مبالغہ مقصود ہے، حق بات یہ ہے کہ محبت مخلوق میں سرِ ولایت اور اس کی قوت وسطوت کے اندازے کے مطابق سرایت کرتی ہے۔ کوئی ایک ہی ایسا ہوتا ہے جو سارے عالم کو گھیر لے۔

(۱۹) مثلاً ملائکہ کرام، تو اس وقت اسے شیخ الجن والانس والملائکہ کا لقب دیا جاتا ہے اور خواہ وہ مخلوق دوسرے شہر، صوبے یا ملک کی ہو۔ مَاسِوَاھُمَا میں لفظ ما سے پتا چلتا ہے کہ جمادات ونباتات بھی اپنے حال کے لائق محبت میں شریک ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

اُحُدٌ جَبَلٌ یُحِبُّنَا نُحِبُّہٗ۔ جبلِ اُحد کی ہم سے محبت ہے اور ہماری اس سے۔

جب آپ محبوبِ خدا بن جائیں گے اور خلق حق تعالیٰ کے تابع ہے اور ان کی محبت محبتِ خدا میں مندرج ہے جس طرح کہ ان کا بغض اس کی دشمنی میں داخل ہے(۲۰) اور اسی طرح(۲۱) جب تمھیں اس مقام پر پہنچا دیا جائے گا

---

(۲۰) اللہ تعالیٰ کی محبت اور عداوت کا اثر یعنی جب وُہ کسی کو دوست بنالیتا ہے تو کائنات اس کو دوست بنالیتی ہے، جب وہ کسی سے عداوت رکھتا ہے تو تمام مخلوق اس سے نفرت کرتی ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ مخلوق کی محبت و عداوت خالق کی محبت و عداوت کا اثر اور نتیجہ ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ مخلوق میری طرف رجوع کرے تاکہ میرے حال کی صحت پر دلیل بن سکے۔ یہ حصولِ فنا نفیِ ارادہ اور وجودِ کمالات کے بعد ہے، یعنی مرتبۂ ولایت فنا کے بعد کبھی حکمت و مصلحت کے مطابق مخلوق کی محبت و رجوع واقع ہوتا ہے، یہ بات نہیں کہ ہر جگہ رجوعِ خلق وجودِ ولایت کی دلیل ہے۔

بالجملہ اگر دیندار اور طالبانِ حق اغراضِ دنیا سے خالی ہو کر خدا کے لئے محبت رکھیں، تعلقِ باطن قائم کریں اور یہ تعلق ہوائے نفس جادۂ سلامت سے انحراف اور حق سے اعراض کا باعث نہ بنے اور یہ بات اسباب سے اور حیلوں اور وسیلوں سے ظاہر نہ ہو تو یہ صدق حال اور خسرانِ مبدء و مآل کا سبب ہے۔ احوال و مقامات اور کشف و کرامات اور تعلقِ باطن اور مشغولیِ خاطر کا سبب بنیں تو یہ درجات سے گرانے کا باعث ہیں چہ جائیکہ عوام کا ہجوم اور مالِ دنیا کا حصول ہو واللہ تعالیٰ اعلم

(۲۱) ارادہ سے فانی کو وعدہ پر اطمینان اور ارادے کی علامتیں پائے جانے

جس میں تمھاری خواہش قطعاً نہیں ہے تو تمھارے لیے کسی چیز کی خواہش پیدا کی جائے گی اور جب اس چیز کی خواہش ثابت ہو جائے گی تو اس چیز کو زائل و معدوم کرتے ہوئے تمھیں اس سے ہٹا لیا جائے گا وُہ دنیا میں تو نہیں ملے گی البتہ اس کا اجر آخرت میں نصیب ہوگا۔ جس سے تمھارا قُربِ خداوندی اور بڑھے گا اور جنت الماویٰ اور فردوسِ اعلیٰ(۲۲) میں تمھاری آنکھیں روشن ہوں گی اور اگر تم اس چیز کی تمنا اور آرزو نہ کرو گے اور اس تکلیف(۲۳) سے بھرپور فانی دنیا

کے وقت ایک وعدہ سے دوسرے وعدہ کی طرف منتقل کرکے اس وعدہ و ارادہ سے رہائی عنایت کرتے ہیں اور کبھی اس طرح بھی ہوتا ہے کہ ترکِ وعدہ میں دُنیا سے آخرت کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ دنیا میں وہ چیز روک کر آخرت میں عطا کرتے ہیں، یہ بھی کمالِ لطف و کرم ہے جیسا کہ خود آنجناب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں۔

(۲۲) اعلیٰ سے مراد کہ زمین سے بلند پایہ مراد ہے کہ جنت الفردوس بہشت کے دیگر درجات سے بلند ہے۔ بہشت متقین و صالحین کے لوٹنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فنا اور عدمِ ارادہ کی منزل میں بھی کبھی کبھی ارادہ آسر نکالتا ہے۔

(۲۳) کہ شریعت نے بندے کو حقوق کی ادائیگی، پکڑنے اور خرچ کرنے میں شروط کی رعایت کا مکلف ٹھہرایا ہے۔ اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا کی طلب و خواہش نہ رکھے ؎

برے نیرزد جہاں داشتن — گرفتن بسختی و بگذاشتن

(جہان رکھنا جوانمردی کے لائق نہیں کہ پہلے اسے سختی سے حاصل کرنا اور آخر کار چھوڑ دینا)

میں موجود ہو بلکہ دنیا میں رہ کر تمھارا مقصود خالق و مالک ہی ہو، جس نے کسی کو محروم رکھا اور کسی کو نوازا، زمین کو بچھایا اور آسمان بلند کیا کیونکہ یہی مقصود اور متمنّٰی و مطلوب ہے[(۲۴)]، تو کبھی دنیا میں اس سے کم یا اس کے برابر عطا کر دیا جائے گا۔ یہ صورت[(۲۵)] شکستہ دل ہونے، خود کو اس مطلوب و مراد سے روکنے اور ہمارے ذکر و بیان کے مطابق آخرت میں عوض متحقق ہونے کے بعد ہوتی ہے[(۲۶)]۔

---

(۲۴) جو کہ صفاتِ کامل سے متصف اور جلال و جمال کا جامع ہے۔

(۲۵) اور کبھی اس سے بہتر اور بالاتر بھی عطا کر دیتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذاتِ کریم کے طالبوں اور خاص بندوں کی حفاظت و رعایت اور ان کے حال کی درستی کے لحاظ سے غالب یہی ہے کہ انھیں کم تر دیا جائے۔

(۲۶) حاصلِ کلام یہ ہے کہ خداوند قدوس کا اپنے بندگانِ خاص اور مقربانِ درگاہ کے ساتھ اس طرح کا معمول ہے کہ اگر وہ دنیا کی کسی چیز کی طرف توجہ کرتے ہیں یا اس کی تمنا کا اظہار کرتے ہیں تو اُسے روک دیا جاتا ہے اور ان کو اپنے حال پر نہیں چھوڑا جاتا اور معاملہ ان کی آرزو کے برعکس کیا جاتا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی آرزو نہ ہو اور دل دنیاوی خواہشات سے بیزار ہو تو آرزو و مراد کے کارخانہ کی شکست و ریخت کے بعد کچھ عطا کر دیا جاتا ہے ؎

اگر دست در کارے زنم زنجیر بر دستم نہند ۔۔۔ درخم می غرقم کنند گر نام ہشیاری برم

(اگر کسی کام کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوں تو زنجیروں سے جکڑ دیتے ہیں اور اگر اس سے نکلنے کی کوشش کرتا ہوں مے کے مٹکے میں غوطے دیتے ہیں)

اَلْمَقَالَةُ الْعِشْرُوْنَ

قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ قَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَا لَا يُرِيْبُكَ دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِذَا اجْتَمَعَ مَعَ مَا لَا يُرِيْبُكَ فَخُذْ بِالْعَزِيْمَةِ الَّتِيْ لَا يَشُوْبُهَا رَيْبٌ وَلَا شَكٌّ وَدَعْ مَا يُرِيْبُكَ وَاَمَّا اِذَا تَجَرَّدَ الْمُرِيْبُ الْمَشُوْبُ الَّذِيْ لَوْ يُصَفْ عَنْ حَزِّ الْقَلْبِ وَحَكِّهٖ كَمَا جَاءَ فِي الْخَبَرِ الْاِثْمُ حَزَّازُ الْقُلُوْبِ فَتَوَقَّفْ فِيْهِ وَانْتَظِرِ الْاَمْرَ فِيْهِ فَاِنْ اُمِرْتَ بِتَنَاوُلِهٖ فَدُوْنَكَ وَاِنْ مُنِعْتَ فَكُفَّ فَلْيَكُنْ ذٰلِكَ عِنْدَكَ كَاَنْ لَّمْ يَكُنْ وَلَمْ يُوْجَدْ وَارْجِعْ اِلَى الْبَابِ وَابْتَغِ عِنْدَ رَبِّكَ الرِّزْقَ اِنْ ضَعُفْتَ عَنِ الصَّبْرِ اَوِ الْمُوَافَقَةِ وَالرِّضَاءِ وَالْفَنَاءِ فَهُوَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَحْتَاجُ اَنْ يُّذَكَّرَ فَلَيْسَ بِغَافِلٍ عَنْكَ وَعَنْ غَيْرِكَ هُوَ عَزَّ وَجَلَّ يُطْعِمُ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَالْمُدْبِرِيْنَ عَنْهُ فَكَيْفَ يَنْسَاكَ اَيُّهَا الْمُؤْمِنُ الْمُوَحِّدُ الْمُقْبِلُ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَالْقَائِمُ بِاَمْرِهٖ فِيْ اٰنَاءِ اللَّيْلِ وَاَطْرَافِ النَّهَارِ وَفِيْهِ وَجْهٌ اٰخَرُ دَعْ مَا يُرِيْبُكَ لِمَا لَا يُرِيْبُكَ دَعْ مَا فِيْ يَدِ الْخَلْقِ فَلَا تَطْلُبْهُ وَلَا تُعَلِّقْ قَلْبَكَ بِهٖ وَلَا تَرْجُوا الْخَلْقَ وَلَا تَخَافُهُمْ وَخُذْ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَهُوَ مَا لَا يُرِيْبُكَ فَلْيَكُنْ لَّكَ مَسْئُوْلٌ وَّاحِدٌ وَّمُعْطٍ

وَاحِدٌ وَّهِمَّةٌ وَّاحِدَةٌ وَهُوَ رَبُّكَ عَزَّ وَجَلَّ اَلَّذِیْ نَوَاصِیْ
الْمُلُوْكِ بِيَدِهٖ وَقُلُوْبُ الْخَلْقِ بِيَدِهٖ اَلَّتِیْ هِیَ اُمَرَاءُ الْاَجْسَادِ وَ
اَمْوَالُ الْخَلْقِ لَهٗ وَالْخَلْقُ وُكَلَاءُهٗ وَاُمَنَاءُهٗ وَحَرَكَةُ اَيْدِيْهِمْ
بِالْعَطَاءِ لَكَ بِاِذْنِهٖ عَزَّ وَجَلَّ وَاَمْرِهٖ وَتَحْرِيْكِهٖ وَكَفُّهَا عَنْ
عَطَائِكَ كَذٰلِكَ قَالَ عَزَّ مِنْ قَائِلٍ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ وَقَالَ
اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا
عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ قَالَ سَاَلَكَ عِبَادِیْ
عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ وَقَالَ اُدْعُوْنِیْ
اَسْتَجِبْ لَكُمْ وَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ وَ
قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

مقالہ ۲۰

شکوک وشبہات میں نہ پڑو

حضرت محبوب صمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: "تم مشکوک چیزوں کو چھوڑ کر غیر مشکوک کو اپنا لو"[1]۔ یعنی جب مشکوک کہ یہ حرام ہے یا حلال اور غیر مشکوک جمع ہو جائیں تو تم عزیمت[2] پر عمل پیرا ہوتے ہوئے غیر مشکوک کام کو اختیار کرو اور جس میں شک و شبہ کی آمیزش ہو اسے چھوڑ دو[3] اور اگر صرف شک و شبہ والی ہی چیز ہے جس کی علامت یہ ہے کہ دل میں اس کی طرف سے خلجان کھٹکے اور جلن سے خالی وصاف نہ ہو جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ گناہ دل کو

---

(۱) یاء پر ضمہ اور فتحہ دونوں درست ہیں اس لیے کہ دَابَنِیْ اَدَابَنِیْ دونوں ہم معنیٰ ہیں۔

(۲) افضل واولیٰ۔

(۳) یہ اس وقت ہے جب مشکوک اور غیر مشکوک اکٹھے ہوں۔

کاٹنے والا ہے(۴)۔ ایسی صورت میں توقف کرو(۵)، حکمِ خداوندی کا انتظار کرو، پھر
اگر پکڑنے کا حکم ہو تو لے لو اور اگر روک دیا جائے تو رُک جاؤ(۷)، اور یوں ہو جاؤ

---

(۴) ایک روایت میں ہے: اَلْاِثْمُ مَا حَاكَ فِي الْقَلْبِ یعنی گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے کہ یہ فعل قبیح ہے اور اس میں گناہ ہے۔ وہ اس طرح کہ دل میں تردّد و خلجان پیدا ہو اور دل اس پر اطمینان و قرار نہ پائے۔ اس جگہ وُہ دل مراد ہے جو گناہ کی آلائش سے پاک اور تقویٰ و ولایت کے نور سے منور ہو اس کے ساتھ ساتھ یہ قاعدہ اس جگہ جاری ہو گا جو محلِ اشتباہ و اختلاف ہو نہ کہ جہاں کتاب و سنت کی نص موجود ہو اور علماء کا مختار و متفق علیہ ہو۔ اور اگر کسی جانب دلیلِ شرعی معتبر موجود نہ ہو تو حدیث پاک میں وارد ہے جو کہ اسی صورت میں معتبر ہے:

وَاِذَا اَفْتَاكَ الْمُفْتُوْنَ فَاسْتَفْتِ قَلْبَكَ۔ — اور جب مفتی حضرات فتویٰ دے دیں تو دل سے فتویٰ لو۔

اور ارشادِ گرامی ہے:

وَاِذَا لَمْ تَسْتَحِيْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ — بے حیا باش آنچہ خواہی کن

اسی معنی پر محمول ہے۔

(۵) اس کام کا ارتکاب کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لو۔

(۶) امرِ باطن اور اشارہ غیبی کا۔

(۷) پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ امر و نہی سے مراد صریح اِفْعَلْ (کر) اور لَا تَفْعَلْ (نہ کر) ہے یا ولی کے قلب صحیح میں پیدا ہونے والا نورِ یقین مراد ہے۔ اس کلام کے سیاق سے بظاہر دوسرا معنی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دیگر مقالات سے دونوں معنوں کا صراحۃً احتمال موجود ہے واللہ اعلم بالصواب۔

گویا وہ چیز تھی ہی نہیں، پھر اللہ تعالٰی کے دروازے پر آ جاؤ اور اس سے رزق کے طلبگار رہو(۸)۔ یہ اس وقت ہے کہ تم نے صبر(۹) سے یا ارادۂ الٰہی سے موافقت(۱۰) اور تسلیم قضا سے اور فنا(۱۱) سے کمزوری کا مظاہرہ کیا ہو، کیونکہ اللہ تعالٰی یاددہانی کرانے کا محتاج نہیں، وہ تمہارے اور دوسروں کے حالات سے واقف ہے، وہ تو کفار و منافقین اور اس کی اطاعت سے رُوگردانی کرنے والوں کو بھی رزق دیتا ہے۔ تو پھر اے مؤمن! توحید پرست، مطیع، شب و روز کی ساعتوں میں اس کے حکم پر قائم رہنے والے تجھے وہ کیسے فراموش کر دے گا(۱۲)۔ اس حدیث شریف کی ایک اور توجیہ بھی ہے کہ مخلوق کے ہاتھوں میں موجود چیز

---

(۸) جو کسی اور ذریعہ سے کام نکال دیتا ہے۔

(۹) جو کہ ادنیٰ مرتبہ ہے۔

(۱۰) جو کہ اس سے بلند درجہ ہے۔

(۱۱) جو کہ ان سب سے بالاتر رتبہ ہے۔ بہتر یہی ہے کہ رزق طلب نہ کرو اور دم نہ مارو، صبر کا دامن تھامے رکھو، وصفِ رضا اپنا لو اور فانی ہو جاؤ۔

(۱۲) یعنی فقط مسلمان ہونا ہی دوستی، کفایت اور خبرگیری کا سبب ہے چہ جائیکہ دیگر صفات بھی موجود ہوں ؎

دوستاں را کجا کنی محروم
تُو کہ با دشمناں نظر داری

(تُو تو دشمنوں پر بھی نظر رکھتا ہے دوستوں کو کب محروم کرے گا)

آپ نے تصویرِ کلام میں طعام کا ذکر بطور تمثیل فرمایا ہے ورنہ حکم تمام ارزاق اَرفاق (آسانیوں) اور افعال کو عام ہے۔

کو چھوڑ دو،[13] اسے طلب نہ کرو۔ اپنا دل اس کے ساتھ معلق نہ کرو، نہ مخلوق سے امید رکھو نہ خوف[14]۔ اللہ تعالیٰ کا فضل جس کا حصول غیر مشکوک ہے حاصل کرو۔ تمہارا مطلوب، معطی اور مقصود ایک ہی ہونا چاہیئے۔ وہ تمہارا رب ہے جس کے ہاتھوں میں بادشاہوں کی پیشانیاں اور مخلوقات کے قلوب ہیں جو کہ اجسام میں حاکم و متصرف ہے لوگوں کے مال اللہ تعالیٰ کے ہیں اور لوگ صرف ان کے وکیل اور امین ہیں، ان کے ہاتھوں کی حرکت عطیۂ الٰہی ہے۔ اور اس کی اجازت، حکم اور حرکت دینے سے ہے[15]۔ اور تمہیں کچھ عطا کرنے اور اسی طرح مخلوق کا ہاتھ روک دینے کا اختیار اس کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ غالب و برتر نے فرمایا[16]: اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو۔ اور فرمایا: من دون اللہ جن کو تم پوجتے ہو وہ تمہارے رزق کے مالک نہیں، پس اللہ تعالیٰ سے رزق طلب کرو، اس کی عبادت کرو اور شکر بجالاؤ۔ ایک مقام پر فرمایا: اے حبیب! جب آپ سے میرے بندے میرے

(۱۳) کہ اس کا وصول محلِ شک و شبہ ہے۔ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ دیں گے یا نہیں۔ طمع کی تعریف یہی ہے کہ ایسی چیز کی توقع رکھنا جس کے حاصل ہونے میں شک و شبہ ہو۔

(۱۴) یہ خبر بمعنے نہی ہے۔

(۱۵) مباح صورت میں اذن ہوتا ہے کہ منع نہیں کیا گیا۔ واجب کاموں میں امر ہوتا ہے۔ اور حرکت دینا تقدیر کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۶) دوسرا معنیٰ، ہر قائل سے بزرگ ذات نے فرمایا، یہاں صرف اللہ تعالیٰ سے سوال و تضرع اور دعا کرنے اور اس کی بارگاہِ بیکس پناہ میں اجابت و قبولیت کی تائید میں آیاتِ قرآنیہ پیش کر رہے ہیں۔

بارے میں پوچھیں تو فرما دیجئے میں بہت قریب ہوں اور میں پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں جب بھی مجھے کوئی پکارے۔ اور فرماتا ہے: تم مجھ سے مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ اور فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ بڑا رزق دینے والا، مضبوط اور قوت والا ہے[17]۔ ایک اور مقام پر یوں فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

(۱۷) کہ تغیر و تبدل اور نقصان و زوال کا اس کی بارگاہِ عزت و قدرت میں امکان ہی نہیں۔

اَلْمَقَالَةُ الْحَادِیَةُ وَالْعِشْرُوْنَ

قَالَ رضؓ رَأَیْتُ اِبْلِیْسَ اللَّعِیْنَ فِی الْمَنَامِ وَاَنَا فِیْ جَمْعٍ کَثِیْرٍ
فَهَمَمْتُ بِقَتْلِهٖ فَقَالَ لِیْ لِمَ تَقْتُلُنِیْ وَمَا ذَنْبِیْ اِنْ جَرَی
الْقَدَرُ بِالشَّرِّ فَلَا اَقْدِرُ اُغَیِّرُهٗ اِلٰی خَیْرٍ وَاَنْقُلُهٗ اِلَیْهِ وَ
اِنْ جَرٰی بِالْخَیْرِ فَلَا اَقْدِرُ اُغَیِّرُهٗ وَاَنْقُلُهٗ اِلَی الشَّرِّ وَاَیُّ
شَیْءٍ بِیَدِیْ وَرَأَیْتُ صُوْرَتَهٗ عَلٰی صُوْرَةِ الْخُنَاثٰی لَیِّنَ الْکَلَامِ
عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ وَکَانَ کَیْدُ الشَّیْطٰنِ ضَعِیْفًا مَسْنُوْنَ
الْوَجْهِ فِیْهِ طَاقَاتُ شَعْرٍ فِیْ ذَقَنِهٖ حَقِیْرَ الصُّوْرَةِ ذَمِیْمَ الْوَجْهِ
وَکَاَنَّهٗ یَتَبَسَّمُ فِیْ وَجْهِیْ تَبَسُّمَ خَجِلٍ وَوَجِلٍ وَذٰلِکَ فِیْ لَیْلَةِ الْاَحَدِ
ثَانِیْ عَشَرَةَ ذِی الْحِجَّةِ سَنَةَ اِحْدٰی وَتِسْعِیْنَ وَاَرْبَعِمِائَةٍ ۵

مقالہ ۲۱

ابلیس سے مکالمہ

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں میں نے ایک رات خواب میں ابلیس لعین کو دیکھا، اور میرے ساتھ کافی لوگ ہیں[1]۔ میں نے اسے مار ڈالنے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا آپ مجھے کس گناہ کے بدلے میں قتل کرتے ہیں؟ اگر تقدیر شر کے ساتھ جاری ہوتی ہے تو میں اسے خیر میں تبدیل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور نیکی کی طرف منتقل نہیں کر سکتا[2] اور اگر تقدیر میں خیر ہے تو مجھ میں یہ طاقت نہیں کہ اس کو شر سے بدل سکوں اور اس طرف لے آؤں، پھر میرے

(۱) اس کی تعبیر خدائی لشکروں کے ساتھ ہو سکتی ہے وہ لشکر اعمال واذکار اور صفاتِ حمیدہ ہیں جو کہ آنجناب قدس سرہٗ کی شیطان سے حفاظت اور آپ کی امداد واعانت کرتے ہیں۔

(۲) یہ بات ظاہر ہے کہ شیطان سے خیر کا کام نہیں ہو سکتا۔ یہ بات تمہیداً بیان ہو رہی ہے، مقصود کا ذکر آگے آرہا ہے۔

اختیار میں ہے کیا (۳)! میں نے دیکھا کہ اس کی شکل ہیجڑوں کی سی ہے (۴)، نرمی سے آہستہ آہستہ گفتگو کرتا ہے (۵)، چہرہ لمبوترا ٹھوڑی پر تھوڑے بال ہیں، صورت مکروہ اور شکل ذلیل ہے (۶)، خوف اور شرمندگی کی وجہ سے میری طرف دیکھ کر زیرِ لب مسکراتا ہے، میں نے یہ خواب ۱۲ ذوالحجہ ۴۹۱ھ کو اتوار کی رات دیکھا (۷)۔

---

(۴) خُناثیٰ خُنثیٰ کی جمع ہے جس میں مرد و زن والی دونوں علامتیں موجود ہوں، ممکن ہے کہ اس نے مردوں کو گمراہ کرنے کے لیے مردوں کی سی اور عورتوں کو گمراہ کرنے کے لیے عورتوں جیسی شکل اپنا رکھی ہو۔

(۵) یہ نرمی اور کمزوری حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی ولایت کے غلبہ کی وجہ سے تھی اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ — کہ میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں

وَكَانَ كَيْدُ الشَّيْطَانِ ضَعِيفًا۔ — اور شیطان کا مکر کمزور ہے۔

جیسا کہ چرب زبان، حیلہ باز اور منہ کے میٹھے لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے کہ نرمی کی وجہ سے بات کدھر کی کدھر لے جاتے ہیں۔

(۶) حضرت رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دین اور آپ کی حقانیت کے غلبہ کی وجہ سے شیطان کی شکل ایسی دکھائی دیتی تھی۔ اگر بالفرض کوئی شخص اس کو خوبصورت دیکھے تو غالباً اس کا حال اُلٹ ہے۔

(۷) اس حساب سے اس وقت آپ کی عمر ۲۱ سال تھی کیونکہ آپ ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ میں پیدا ہوئے، لہٰذا یہ واقعہ زمانۂ طالب علمی اور ابتدائے حال کا ہے۔ اور آپ بچپن ہی سے خوارق و کرامات کا مظہر اور خیرات و برکات کا منبع تھے رضی اللہ تعالےٰ عنہ ؎

باش پا پیشِ جمالِ تو بہارِ دگر ست
یک گل از صد شگفتہ است گلستان ترا

(ابھی تو تمہارے گلستان کے سو پھولوں میں سے ایک پھول کِھلا ہے تمہارے جمال کے سامنے ایک اور بہار ہے)

؎ کجا حد است حسنت را کہ ہنوز آغاز می بینم

(ابھی تو آغاز ملاحظہ کر رہا ہوں جب یہ اپنے جوبن پر آئے گا تو اس کی انتہا خدا جانے کہاں تک ہوگی)

المقالة الثانية والعشرون

قال رضي الله عنه لا يزال الله يبتلي عبده المؤمن على قدر إيمانه فمن عظم إيمانه وكثر وتزايد عظم بلاؤه الرسول بلاؤه أعظم من بلاء النبي لأن إيمانه أعظم والنبي بلاؤه أعظم من بلاء البدل وبلاء البدل أعظم من بلاء الولي كل واحد على قدر إيمانه ويقينه وأصل ذلك قول النبي عليه السلام إنا معاشر الأنبياء أشد الناس بلاء ثم الأمثل فالأمثل فيديم الله تعالى البلاء هؤلاء السادة الكرام حتى يكونوا أبدا في الحضرة ولا يغفلوا عن اليقظة لأنه تعالى يحبهم فهم أهل المحبة ومحبوبوا الحق والمحب أبدا لا يختار بعد محبوبه فالبلاء خطاف لقلوبهم وقيد لنفوسهم يمنعهم عن الميل إلى غير مطلوبهم والسكون والارتكان إلى غير خالقهم وإذا دام ذلك في حقهم ذابت أهويتهم وانكسرت نفوسهم وتميز الحق من الباطل فتنزوي الشهوات والإرادة والميل إلى اللذات والراحات بأجمعها دنيا وأخرى إلى ما يلي النفس

ويصير السكون إلى وعد الحق والرضاء بقضائه والقناعة بعطائه والصبر على بلائه والأمن من شر خلقه إلى ما يلي القلب فتقوى شوكة القلب فتصير الولاية على الجوارح إليه لأن البلاء يقوي القلب واليقين ويحقق الإيمان والصبر ويضعف النفس والهوى لأنه كلما وصل الألم ووجد من المؤمن الصبر والرضاء والتسليم لفعل الرب وشكره ورضي الله عنه فجاءه المدد والزيادة والتوفيق قال الله عز وجل لئن شكرتم لأزيدنكم وإذا تحركت النفس بطلب شهوة من شهواتها ولذة من لذاتها من القلب فأجابها القلب إلى مطلوبها وذلك من غير أمر من الله وإذن منه حصلت بذلك غفلة عن الحق وشرك ومعصية فعمهما الله بالخذلان والبلاء وتسليط الخلق والإيذاء والتشويش والأوجع والأمراض فينال كل واحد من القلب والنفس حظا من ذلك فإن لم يجب القلب النفس إلى مطلوبها حتى يأتيه الإذن من قبل الحق بإلهام في حق الأولياء ووحي صريح في حق المرسلين والأنبياء يعمل على ذلك عطاء ومنعا عمهما الله تعالى بالرحمة والبركة والعافية والرضاء والنور والمعرفة والقرب والغناء والسلامة من الآفات فاعلم ذلك واحفظه واحذر البلاء جدا في المسارعة إلى إجابة النفس والهوى

بَلْ تَوَقَّفْ وَتَرَقَّبْ فِيْ ذٰلِكَ اِذْنَ الْمَوْلٰى
فَتَسْلَمْ فِي الدُّنْيَا وَالْعُقْبٰى ۝

مقالہ ۲۲

ابتلاءِ مومن بقدرِ ایمان

حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی ہمیشہ اپنے مومن بندے کو اس کے ایمان کی پختگی کے لحاظ سے آفت میں مبتلا کرتا رہتا ہے[1]، جس کے ایمان کی بنیاد قوی ہوگی اور اس سے ایمان کے احکام ونشانات کثرت سے صادر ہوں گے اور ایمان کے انوار وثمرات زیادہ ظاہر ہوں گے تو اتنی ہی بڑی اس پر مصیبت آئے گی[2]۔

---

(۱) جو کہ اس کی رحمت ومحبت کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۲) **لطف وقہر میں فرق** واضح ہو کہ اللہ تعالٰی کے احکام، ارادہ اور نوازل قدریہ جب بندے پہ نازل ہوتے ہیں اگر وہ بندے کی طبیعت کے موافق اور خواہشِ نفس کے مطابق ہوں تو انھیں عرفِ عام میں لطف وعطا کہتے ہیں، اور جو طبیعت کے مخالف اور نفس کو ناپسند ہوں تو انھیں قہر وبلا کا نام دیا جاتا ہے۔ لیکن نظرِ حقیقت سے دیکھا جائے تو سب کا تعلق لطف وعطا سے ہی ہے۔ خواہ اس کا تعلق

رسول[۳] کی بلا نبی[۴] کی بلا سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس کا ایمان نبی کے ای
زیادہ مضبوط ہوتا ہے[۵] اور نبی پر مصیبت ابدال پر مصیبت سے سخت ہو

عوام سے ہو یا خواص سے یا اخص الخواص سے، عوام کے لحاظ سے مخالف
احکام گناہوں کا کفارہ ہیں، گناہوں سے باز رکھتے ہیں اور شہوات ولذات
انہماک اور نفس وعصیان کے گڑھوں میں گرنے سے روکتے ہیں، خواص کے ل
سے احکام اس طرح لطف سے وابستہ ہیں کہ درجات کی بلندی، ثواب
کثرت اور کمالات وکرامات کے حصول کا سبب ہیں ان دو قسموں میں بند
تزکیہ اور تربیت مقصود ہے اور اخص الخواص کے لیے ان میں حضور وشہود
دوام وہمیشگی ہے، ہر لمحہ اور ہر لحظہ ماسوا کی طرف التفات سے بالکل انقطا
جو کہ جبلی اور بشری تقاضے کے مطابق طاری ہو سکتا ہے اور احکامِ قہریہ
انوارِ محبت چمکتے ہیں اور اسرارِ قربت ظاہر ہوتے ہیں۔ اندازِ کلام سے مفہو
ہوتا ہے کہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مقالہ میں کلا
تیسری قسم کے متعلق ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) **رسول کی تعریف** رسول اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف
لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث ہو اور کتاب
شریعت بھی ساتھ لائے۔

(۴) **نبی کی تعریف** نبی بھی ہدایتِ خلق کے لیے مبعوث ہوتا ہے
اس کے ساتھ کتاب وشریعت کا ہونا ضروری

(۵) اور اس کے ایمان کے انوار و آثار نبی کی نسبت زیادہ اور قوی ہوتے
اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قدر ومنزلت کے اعتبار سے بلند مقام پر فائز ہوتا
اور محبتِ الٰہی اس میں بہت غالب اور زیادہ ہوتی ہے۔

اور ابدال کی آزمائش ولی کی آزمائش سے گراں ہوتی ہے[۶]۔ انبیاء ورسل اور ابدال واولیاء میں سے ہر ایک اپنے ایمان وایقان کے مطابق امتحان میں ڈالا جاتا ہے۔ اس کی دلیل سرورِ انبیاء علیہ وعلیہم السلام کا یہ ارشادِ مقدس ہے کہ ابتلاء وآزمائش کے اعتبار سے گروہِ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام لوگوں کی نسبت زیادہ مبتلا ہوتا ہے[۷]۔ ان کے بعد مخلوق میں درجوں کے اعتبار سے بلا کا نزول ہوتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان ساداتِ کرام کو ہمیشہ امتحان میں مبتلا رکھا، یہاں تک کہ وہ ہمیشہ کے لیے مجلسِ قرب اور خلوتِ حضور میں مقیم رہیں اور شہودِ حق سے غافل نہ رہیں[۸] کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے محب بھی ہیں اور محبوب بھی، اور محب سے محبوب کی

---

(۶) گزشتہ کئی مقالات میں معلوم ہو چکا ہے کہ ابدال کا مرتبہ ولی کے مرتبے سے بڑھ کر ہے۔

(۷) کیونکہ دین کی اشاعت، دعوتِ خلق اور مقامِ قرب میں جس قدر انبیاءِ کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو تکالیف برداشت کرنا پڑیں اس قدر اولیاء کو نہیں اور اس راہ میں جس قدر سید الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایذائیں پہنچیں مخلوق کے کسی اور فرد کو نہیں۔

(۸) یعنی شہودِ حق میں بروجہ اتم واکمل ہمیشہ کے لیے بیدار رہیں جیسا کہ محبتِ ذاتیہ کے مقتضا کے مطابق ان کے مقام ومرتبہ کی بلندی کے مناسب ہے اور جبلی وبشری تقاضوں (جو کہ حکمت کے پیشِ نظر ان میں رکھے جاتے ہیں) کے مطابق ماسوا اللہ کی طرف التفات سے باخبر رہتے ہیں۔ یہ التفات اگرچہ مخلوق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت وارشاد کی خاطر ہو۔

جدائی برداشت نہیں ہوتی[9]، آزمائش و ابتلاء[10] ان کے قلوب کو حق کی طرف مائل رکھتی ہے ان کے نفوس کے لیے قید ہے اور غیرِ مطلوب کی طرف تو اور غیرِ خالق کی طرف التفات سے باز رکھتی ہے[11]، جب بلا کا نزول تسلسل سے ہوتا ہے تو

---

(9) اور ایک لحظہ کے لئے بھی ان کی جُدائی پہ راضی نہیں ہے۔

(10) سوال : مذکورہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہوتا ہے کہ نعمتوں اور عطیوں کے ذریعے بھی قُرب و حضور کا ارادہ کیا جا سکتا ہے جو کہ باعثِ مسرّت اور خاصیّت کے اعتبار سے محبت، رضامندی اور شکرگزاری کا سبب ہیں، تو اس مقام پہ محنت و بلا کی تخصیص کیونکر ہے؟ جبکہ یہ بات جُور و جفا کی خاصیّت سے ہے کہ اس سے محبّت میں نقصان و فتور پیدا ہوتا ہے اور دل سرد پڑ جاتا ہے۔

(11) جب نعمت و آسائش عطا کی جائے تو نفس اور طبیعت کے موافق ہونے کی وجہ سے اس نعمت کی طرف میلان کا احتمال باقی رہتا ہے بخلاف محبت و بلا کے، کہ نفس کی مزاحمت اور اغیار کی تشویش کے بغیر محض ذات کی محبّت باقی رہتی ہے۔ یہ بات اربابِ یقین اور اصحابِ محبتِ ذاتیہ کے بارے میں ہو رہی ہے جن کے نزدیک لُطف و قہر یکساں ہیں، جیسا کہ شاعر کہتا ہے : ؎

عاشقم بر لطف و بر قہرش بجد
ایں عجب من عاشقم ایں ہر دو ضد

(میں محبوب کے لُطف و قہر دونوں پر پُوری کوشش سے فریفتہ و فدائی ہُوں اور یہ عجیب بات ہے کہ میں دو متضاد چیزوں سے لگاؤ رکھتا ہُوں)

ان کی خواہشات ختم ہو جاتی ہیں، ان کے

یہ بات نفس پرست اور سُست مزاج لوگوں کو گوارا نہیں ہو سکتی جو کہ مولفۃ القلوب کا حکم رکھتے ہیں اور اس آیۂ کریمہ کا مصداق ہیں،

اِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ
وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ
عَلٰى وَجْهِهٖ۔

ان کے حق میں قہر کی نسبت لُطف و کرم کی رعایت زیادہ مناسب ہے لیکن اربابِ یقین کہ وُہ احوال کے التفات اور اوقات کے فتور سے محفوظ ہیں ان کے حق میں حصولِ نعمت کی بجائے بلا کی پاسبانی زیادہ موافق و صالح ہے، یہ حضرات ایک لحظہ کے لیے بھی نعمت پہ نظر نہیں کرتے اور ماسوٰی کی طرف التفات نہیں فرماتے۔ سیّد الرسل سلطان المقربین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نظر مبارک دورانِ نماز جب منقش کپڑے پہ پڑی تو آپ نے اسے فوراً اتار کر کسی کو دے دیا۔ شہودِ دائمی اور قُربِ حقیقی کے وصول کے باوجود یہ مقام نازک ہے، یہاں دم مارنے کی گنجائش نہیں، یہ ایک ایسا راز ہے جسے الفاظ سے تعبیر نہیں کر سکتے ؎

یک چشم زدن غافل ازاں ماہ نباشم
ترسم کہ نگاہے کند آگاہ نباشم

(میں اس ماہ رو محبوب سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں رہتا کیونکہ میں ڈرتا ہُوں کہیں ایسا نہ ہو کہ محبوب توجہ فرمائے اور میں آگاہ نہ ہو سکوں)

نفوس ٹوٹ جاتے ہیں اور حق باطل سے ممتاز ہو جاتا ہے۔[۱۲]

---

(۱۲) **محفوظ اور معصوم میں فرق** دین خالص باطل کی آمیزش یعنی خواہشِ نفس اور ماسوٰی کی طرف التفات سے جُدا ہو جاتا ہے، خواہش کا پگھلنا، انکساری نفس اور حق کا باطل سے امتیاز یہ ان کے باقی رہنے کی فرع ہیں۔ اولیاء وابدال میں تو کوئی اشکال نہیں رہتا کیونکہ یہ محفوظ ہیں نہ کہ معصوم۔ ان کے حق میں کبھی کبھار خواہش کی طرف میلان اور ماسوا اللہ کی طرف توجہ جائز ہے۔ تو اللہ تعالےٰ ان کا تدارک یوں فرماتا ہے کہ اپنی رحمت سے توبہ کی توفیق عنایت فرما دیتا ہے اور بیدار کر دیتا ہے۔ لیکن انبیاء ورسل صلوات اللہ علیہم وسلامہٗ کے حق میں ماسوا کی طرف میلان ان کے جبلی اور بشری تقاضے کے مطابق ہوگا جیسا کہ اُن کی شانِ رفیع اور مقامِ عالی کے لائق ہے۔ اور یہ جبلی اور بشری تقاضے کسی خاص حکمت کی بناء پر ان میں باقی ہیں۔

ایک اہم قاعدہ علماء نے یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے شیطان کا حصہ مطلقاً خارج ہے، ان کا صاف وشفاف سینہ اس سے دھو دیا گیا ہے اور نفسانیت کے کُلی امور سے جُدا ہیں۔ بعض جزوی امور وہ بھی لطافت اور نورانیت کے ساتھ متصف ہیں ان میں موجود ہیں تاکہ ان کے اثرات کے صدور کے باعث احکامِ شرعیہ صادر ہوں اور اُمت انھیں معلوم کر کے شرفِ اتباع سے شرفیاب ہو سکے ان کا یہ قاعدہ علم کے مطابق اور حق ہے۔

اما درحال سیّد المرسلین صلی اللہ تعالےٰ

لیکن سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ

پھر شہوات، ارادے، لذات کی آرزوئیں اور دُنیا و آخرت کی تمام راحتیں[۱۳] نفس کی طرف سمٹ آتی ہیں[۱۴] اور وعدۂ حق سے[۱۵] سکون، قضاءِ الٰہی سے رضا، عطاءِ خداوندی پر قناعت، بلا پر صبر اور مخلوق کے شر سے امن ایسی صفات دل کی طرف لوٹ آتی ہیں[۱۶]۔ ان کے دل کی شوکت قوی ہو جاتی ہے اور دل

علیہ وسلم نتوان زد کہ حال ومقام او از متشابہات است وما یعلم تاویلہ الا اللہ حق آنست کہ وے ازین کلیہ مستثنیٰ وازین قیاس بیرون است۔

علیہ وسلم کے حال پر یہ قاعدہ چسپاں نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ کا حال و مقام از قبیل متشابہات ہے جس کی تاویل اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، حق بات یہ ہے کہ آپ اس مذکورہ قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں اور اس قیاس سے باہر۔

ع اوبرتر ازانست کہ آید بقیاس

(عقل جو کچھ بھی سوچتی ہے آپ کا حال اس سے بلند تر ہے)

(۱۳) متواتر نزولِ بلا کی وجہ سے۔

(۱۴) یہ صفات دل میں سرایت نہیں کر سکتیں اور نہ ہی اس کی طرف آسکتی ہیں جیسا کہ ایک لشکر ایک طرف جمع ہو جائے یہ نفس کی طرف جمع ہو چکی ہیں۔

(۱۵) جو کہ صابرین کے ساتھ ہو چکا ہے۔

(۱۶) بعض کامل الایمان صاحبِ یقین مومن کی صفاتِ نفسانیہ جو کہ ظلمات ہیں نفس کی طرف آجاتی ہیں۔ جب نفس اور اس کی خواہشات انکسار پذیر ہوتی ہیں تو یہ صفات بھی اس کے ساتھ ہی معدوم اور فنا ہو جاتی ہیں، اور صفاتِ حمیدہ قلبیہ جو از قبیل انوار ہیں ان کے قلوب میں آجاتی ہیں انوار کے لشکروں کے ساتھ ان کی تائید وتقویت ہوتی رہتی ہے۔

کی تمام اعضاء پر حکومت ہوتی ہے۔[17] کیونکہ ابتلاء دل اور یقین کی تقویت سے ایمان اور صبر کو برقرار رکھتی ہے اور نفس و ہوا کو ضعیف کر دیتی ہے[18] کیونکہ بندۂ مومن کو جب بھی تکلیف لاحق ہو گی تو اس میں صبر اور فعلِ خداوندی پر تسلیم و رضا پائی جاتی ہے، تو اللہ تعالےٰ اس سے خوش ہو جاتا ہے اور شکر کی جزا عطا فرماتا ہے[19]، خداوند قدوس کی طرف سے اسے مزید توفیق اور امداد نصیب ہوتی ہے، ارشادِ خداوندی ہے: اگر تم شکر گزار بنو گے تو تمہیں اور زیادہ نعمت عطا کروں گا[20]، جب نفس[21] دل سے اپنی خواہشات و لذات میں سے کسی خواہش و

---

(17) اور اعضاء نفس کے تصرف و تاریکی سے نکل کر انوارِ قلب کے ساتھ منور اور انوارِ صفات کے ساتھ روشن ہو جاتے ہیں آگے اس کی تشریح و تفصیل ذکر ہو رہی ہے۔

(18) صفاتِ نفس کی ظلمات کی عدم موجودگی اور صفاتِ قلب کے انوار کی موجودگی کی وجہ سے۔

(19) یعنی اعمال کی جزا دس گنا بڑھا کر دی جاتی ہے۔

(20) اور توفیق بخشوں گا۔

مصیبت کے وقت بھی شکر ہی کرنا چاہیئے

اس کلام میں یہ اشارہ ہے کہ نزولِ بلا کے وقت بھی شکر ہی ادا کرنا چاہیئے کیونکہ یہ مخفی الطاف اور باطنی انعامات کو متضمن ہے اور صبر و تسلیم کو شکر کا بدل قرار دیا گیا ہے۔

فقیرِ شاکر کی افضلیت

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشادات سے ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ غنی شاکر افضل ہے یا فقیر صابر؟ فرمایا: فقیر شاکر دونوں سے افضل ہے۔

(21) خواص کا حال بیان کرنے کے بعد ایک ضابطہ بیان فرما رہے ہیں جو کہ

لذت کی طلب کرتے ہوئے حرکت کرے اور دل اللہ تعالیٰ کے حکم و اذن کے بغیر نفس کو اس کا مطلوب دے دے[22]، تو اس کی وجہ سے حق تعالیٰ سے غفلت، شرک اور معصیت جیسے امراض پیدا ہوں گے، تو اللہ تعالےٰ نفس اور دل دونوں کو رسوائی، مصائب، مخلوق کے تسلّط، ایذا، تشویش، دردوں اور مرضوں میں مبتلا کر دے گا، دل اور نفس اپنے اپنے حصّے کی سزا بھگتیں گے[23]۔ اور اگر دل نفس کا

نفس اور دِل کے معارضے نفس کی خواہشات کو دل کے تسلیم کرنے اور نفس کی بات کو قبول میں عوام و خواص سب کو شامل ہے، دونوں قسم کے نتائج و لوازم کو بھی ذکر فرما رہے ہیں۔

(22) لذّت اور شہوات سے مراد مباح لذّت و شہوت ہے اور امر و اذن سے مراد باطنی امر اور اذن ہے جیسا کہ سیاقِ کلام سے واضح ہو رہا ہے۔

اِذن اور امر میں فرق

اذن اور امر میں فرق یہ ہے کہ امر میں کام کی بطورِ وجوب یا ندب طلب پائی جاتی ہے، اور اذن میں یہ طلب نہیں ہوتی بلکہ چیز کو مباح قرار دیتے ہوئے مانع کو اٹھا لیا جاتا ہے، لہٰذا اِذن کا مرتبہ امر سے نیچے ہے اسی لیے کہتے ہیں کہ اِذن سے قوت و استعداد حاصل ہوتی ہے اور امر سے فعل و وجود میسر آتے ہیں۔

(23) دل کی سزا سخت تر ہے

سزا کے ذکر میں دل کو اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اس کا مواخذہ اور عقاب سخت تر ہے کیونکہ اس نے نفس کی بات قبول کی ہے اسے رد نہیں کیا جبکہ نفس نے اپنی خاصیت اور اپنی ذات کے مطابق کام کیا ہے۔ اس لیے اسے ملامت نہیں کی جا سکتی۔ اس مقام پر جن آفات کا ذکر ہے بظاہر

مطلوب پورا نہ کرے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے اذن[۲۴] حاصل ہوجائے جو کہ اولیاء کرام علیہم الرحمۃ کے حق میں الہام ہے اور مرسلین و انبیاء علیہم السلام کے حق میں وحی صریح ہے[۲۵]، جس پر عطا اور منع کے اعتبار سے عمل کیا جاتا ہے، تو

یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ از قبیلِ قہر و غضب میں لطف و کرم کو متضمن نہیں ہے کیونکہ اس میں تو بندے کی تربیت اور تزکیۂ نفس مقصود ہوتا ہے نہ کہ رُسوائی۔ اگر یہاں بھی تضرع و زاری کرتے ہُوئے رو رو کر بارگاہِ رب العزّت میں التجا کرے تو گزشتہ حکم جاری ہوسکتا ہے۔

(۲۴) یہاں صرف اذن کا ذکر ہے امر کا نہیں۔ ایسا ارادۃً کیا گیا ہے کیونکہ اذن امر کو بھی شامل ہے نیز یہ اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ یہاں امر کے بغیر فقط اذن ہی کافی ہے اگرچہ دیگر مقامات پر فرماتے ہیں کہ فقط اذن پر قناعت نہ کرے جب تک کہ امر نہ ہو، اور مجبور کر کے اس کام میں داخل نہ کریں جیسا کہ مقالہ ۸ میں گزر چکا ہے۔

(۲۵) وحی اور الہام میں فرق وحی کی صفت صریح تاکید کے لیے لائی گئی ہے اور اس بات کی تعریض بھی ہے کہ الہام ایک خفی امر ہے جو ولی کے قلبِ صحیح میں نورِ یقینی کی صورت میں باطن میں پیدا ہوتا ہے۔

دیگر مقامات پر حضرت قدس سرہٗ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولیاء کے حق میں صریح امر بھی ہوتا ہے اس کے باوجود وہ مرتبۂ وحی سے نیچے ہے اور صرف احکامِ باطن میں حجت ہے جبکہ وحی ظاہر و باطن میں حجت ہے اور اس کے ساتھ رُوح الامین ہوتے ہیں جو کہ خط پر مُہر کا حکم رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ دل اور نفس دونوں کو رحمت، برکت، جمیع مکروہات و علل سے عافیت، تمام احوال و اوضاع میں رِضا، ایمان و ایقان کے کامل ہونے کے نور، اپنی ذات و صفات کی معرفت بارگاہِ کرامت و مشاہدہ کے قُرب، اللہ تعالےٰ کے ماسوا سے استغنا اور تمام آفات سے سلامتی سے نوازتا ہے اسے جان لو اور یاد کر لو۔ اتباعِ نفس و ہوا میں جلدی کر کے خود کو بلا میں ڈالنے سے بچو، بلکہ توقف کرو، اور اس معاملہ میں مولیٰ کریم کے اذن کا انتظار کرو تاکہ دُنیا و آخرت میں سلامتی پا سکو، اِن شاء اللہ تعالےٰ۔

اَلْمَقَالَةُ الثَّالِثَةُ وَالْعِشْرُوْنَ

قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: عَلَيْكَ بِالدُّوْنِ وَالْزَمْهُ جِدًّا حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ فَتَنْتَقِلَ
اِلَى الْاَعْلٰى وَالْاَنْفَسِ وَبِهٖ تُهَنَّاُ وَفِيْهِ تُبْقٰى وَتُحْفَظُ بِلَا عَنَاءٍ
دُنْيًا وَّاُخْرٰى وَلَا تَبِعَةٍ وَّلَا عُدْوٰى ثُمَّ تُرَقّٰى مِنْ ذٰلِكَ اِلٰى مَا هُوَ
اَقَرُّ عَيْنًا مِّنْهُ وَاَهْنَاُ وَاعْلَمْ اَنَّ الْقِسْمَ لَا يَفُوْتُكَ بِتَرْكِ الطَّلَبِ
وَمَا لَيْسَ لَكَ بِقِسْمٍ لَا تَنَالُهٗ بِحِرْصِكَ فِي الطَّلَبِ وَالْجِدِّ وَ
وَالْاِجْتِهَادِ فَاصْبِرْ وَالْزَمِ الْحَالَ وَارْضَ بِهٖ لَا تَاْخُذْ بِكَ
وَلَا تُعْطِ بِكَ حَتّٰى تُؤْمَرَ وَلَا تَتَحَرَّكْ بِكَ وَلَا تَسْكُنْ بِكَ
فَتُبْتَلٰى بِكَ وَبِمَنْ هُوَ شَرٌّ مِّنْكَ مِنَ الْخَلْقِ لِاَنَّكَ بِذٰلِكَ
تَظْلِمُ وَالظَّالِمُ لَا يُغْفَلُ عَنْهُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَكَذٰلِكَ
نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا لِاَنَّكَ فِيْ دَارِ مَلِكٍ عَظِيْمٍ اَمْرُهٗ
شَدِيْدٍ شَوْكَتُهٗ كَثِيْرٍ جُنْدُهٗ نَافِذٍ مَّشِيَّتُهٗ قَاهِرٍ حُكْمُهٗ
بَاقٍ مُلْكُهٗ دَائِمٍ سُلْطَانُهٗ دَقِيْقٍ عِلْمُهٗ بَالِغَةٍ حِكْمَتُهٗ
عَدْلٍ قَضَاؤُهٗ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ

وَلَا فِي السَّمَآءِ لَا يُجَاوِزُهٗ ظُلْمُ ظَالِمٍ فَاَنْتَ اَعْظَمُ الظَّلَمَةِ
وَاَكْبَرُهُمْ جَرِيْمَةً لِاَنَّكَ اَشْرَكْتَ بِتَصَرُّفِكَ فِيْكَ وَفِيْ خَلْقِهٖ
بِهَوَاكَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ
مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ اِتَّقِ الشِّرْكَ جِدًّا وَّلَا تَقْرَبْهُ وَاجْتَنِبْهُ
فِيْ حَرَكَاتِكَ وَسَكَنَاتِكَ وَلَيْلِكَ وَنَهَارِكَ فِيْ خَلْوَتِكَ وَفِيْ جَلْوَتِكَ
وَاحْذَرِ الْمَعْصِيَةَ فِي الْجُمْلَةِ وَفِي الْجَوَارِحِ وَالْقَلْبِ وَاتْرُكِ
الْاِثْمَ مَا ظَهَرَ مِنْهُ وَمَا بَطَنَ وَلَا تَهْرُبْ مِنْهُ فَيُدْرِكُكَ وَلَا
تُنَازِعْهُ فِيْ قَضَائِهٖ فَيَقْصِمُكَ وَلَا تَتَّهِمْهُ فِيْ حُكْمِهٖ فَيَخْذُلُكَ
وَلَا تَغْفُلْ عَنْهُ فَيُنْسِيَكَ فَيَبْتَلِيَكَ وَلَا تُحْدِثْ فِيْ دَارِهٖ حَادِثَةً
فَيُهْلِكَكَ وَلَا تَقُلْ فِيْ دِيْنِهٖ بِهَوَاكَ فَيُرْدِيَكَ وَيُظْلِمُ قَلْبَكَ
وَيَسْلُبُ اِيْمَانَكَ وَمَعْرِفَتَكَ وَيُسَلِّطُ عَلَيْكَ شَيْطَانَكَ وَنَفْسَكَ
وَهَوَاكَ وَشَهَوَاتِكَ وَاَهْلَكَ وَجِيْرَانَكَ وَاَصْحَابَكَ وَاَخِلَّائَكَ
وَجَمِيْعَ خَلْقِهٖ حَتّٰى عَقَارِبَ دَارِكَ وَحَيَّاتِهَا وَجِنَّهَا وَبَقِيَّةَ
هَوَامِّهَا فَيُنَغِّصُ عَيْشَكَ فِي الدُّنْيَا وَيُطِيْلُ عَذَابَكَ فِي الْاُخْرٰى ٥

مقالہ ۲۳

اپنی قسمت پر رضا

حضرت شیخ السمٰوٰت والارض رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: تھوڑے رزق پر خوش رہو اور ہمیشہ اس کو لازم رکھو[۱]، حتّٰی کہ نوشتۂ تقدیر کی معیّنہ مدت پوری ہوجائے تو تمہیں بہترین اور اعلیٰ مقام پر فائز کردیا جائے گا، اور تمہیں مبارکباد دی جائے گی اور کسی دُنیوی و اُخروی تکلیف کے بُرے انجام اور حد سے تجاوز کے بغیر اس مقام پر باحفاظت باقی رکھا جائے گا پھر تمہیں اس منزل سے مزید ترقی دے کر اس مقام کی طرف منتقل کردیا جائے گا جو زیادہ خوشگوار ہے جس سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ اور یقین کرلو کہ طلب نہ کرنے کی وجہ سے تمہارا مقدر ضائع نہیں ہوگا[۲]۔ اور جو چیز تمہاری

---

(۱) یعنی اس پر قناعت کرو اور اعلیٰ و برتر مقام کی آرزو نہ کرو۔

(۲) ہین توکّل کن ملرزاں پا و دست
رزق تو بر تو ز عاشق تر است

(توکّل اختیار کرو اور اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں نہ مارو کیونکہ

قسمت میں نہیں وہ کسی طلب، کوشش اور قوّت سے نہیں پاسکو گے[۳]۔ اس لئے

تمہارا رزق تمہاری نسبت تم پر زیادہ گرویدہ ہے)

لیکن جب طلب بھی نصیب میں داخل ہوگی تو یہ بھی معرضِ وجود میں آجائیگی، یعنی جب نصیب کا حصول طلب پر موقوف ہو تو طلب پائی جائے گی اور مطلوب حاصل ہوجائیگا، اگر نصیب طلب پر موقوف نہیں تو بے طلب حاصل ہوجائیگا اور اگر نصیب محض طلب ہی ہے تو طلب ہی حاصل ہوگی مطلوب میسر نہیں ہوگا لیکن یہ صورت نہیں ہوسکتی کہ کوئی چیز تمہاری ذاتی طلب پر موقوف ہو اور یہ طلب مستقل سبب کی حیثیت رکھے کہ اگر طلب ہے تو نصیب حاصل ورنہ نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ طلب کے بعد مطلوب پاؤ گے نہ کہ طلب کے ساتھ، اس مقام پر کہتے ہیں:

مَنْ طَلَبَ شَيْئًا وَجَدَّ وَجَدَ۔ جو شخص کوئی چیز طلب کرتا ہے پھر کوشش بھی کرتا ہے تو پالیتا ہے۔

ے بجست و جُوئے نیابد کسے مراد دلی
کس مراد بیابد کہ جستجو دارد

(کوئی آدمی جستجو کی بنا پر دلی مراد حاصل نہیں کر پاتا، یہ بات ضرور ہے کہ مراد اس کو حاصل ہوتی ہے جو جستجو کرتا ہے)

(۳) اہلِ ہدایت کا یہی طریقہ ہے کہ وہ آخرت کے معاملہ میں خوب محنت اور طلب کرتے ہیں لیکن دنیا کے معاملات میں صبر و توکّل سے کام لیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرمارہے ہیں۔

صبر کو اپنا شعار بنا لو[4]، اللہ تعالیٰ جس حالت میں رکھے اسے لازم کر لو اور اس پر خوش رہو[5]۔ حکمِ الٰہی کے بغیر لین دین نہ کرو، از خود حرکت نہ کرو نہ سکون۔ ورنہ شامتِ اختیار سے بد ترین مخلوق کے حال میں مبتلا کر دئے جاؤ گے کیونکہ ایسا کر کے تم اپنی جان پر ظلم کرو گے[6] اور ظالم کو معاف نہیں کیا جاتا[7]۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اسی طرح ہم ظالموں کے بعض کو بعض کے حوالے کر دیا کرتے ہیں[8]۔ تم بادشاہ کے محل میں ہو، وہ بادشاہ بلند شان کا مالک ہے، بڑی شوکت والا ہے، اس کا لشکر بہت بڑا ہے، اس کا حکم چلتا ہے[9]، اس کا فرمان غالب ہے، ملک باقی اور سلطنت دائمی ہے۔ ہر چیز اس کے علم میں ہے، اس کی حکمت کامل ہے، اس کی قضا درست ہے، اس سے زمین و آسمان کا کوئی ذرّہ پوشیدہ نہیں، کسی ظالم کا ظلم اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا، تم دوسروں سے بڑھ کر ظالم ہو، کیونکہ تم نے اپنی ذات اور مخلوقات کے حوالے سے اپنی خواہش میں

---

(۴) اضطراب و پریشانی کا اظہار نہ کرو۔

(۵) اپنی تدبیر و اختیار سے کنارہ کش رہو۔

(۶) اور بندگی کی حدود پامال نہ کرو۔

(۷) اسے گرفتار کر کے کسی اور کو اس پہ مسلط کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس پہ ظلم کرے اور عذاب دے۔

(۸) تاکہ وہ پہلوں کو سزا دیں اور پھر ہم ان کو ایک دوسرے کے ساتھ عذاب میں گرفتار کریں جیسا کہ دنیا میں ہوا تھا، اسی طرح تمہیں بھی ظلم کی سزا ملے گی۔

(۹) اس کا کوئی ارادہ نامکمل نہیں رہتا۔

تصرف کیا ہے[10]۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، مشرک کے علاوہ جس کی چاہے مغفرت فرما دے[11]۔ شرک سے پوری طرح بچو[12] اور اس کے قریب نہ جاؤ، صبح و مسا خلوت و جلوت میں اپنی تمام حرکات و سکنات میں اس سے بچو۔ تمام احوال و اوقات میں دل اور دیگر اعضاء و جوارح کو گناہوں سے بچاؤ اور ظاہر و باطن میں گناہوں سے آلودہ کرنے والی اشیاء کو ترک کر دو۔ خدا سے فرار اختیار نہ کرو وہ تمہیں پکڑ لے گا[13]، اس

---

(۱۰) **خواص کے لحاظ سے شرک کی تعریف** اپنی خواہش سے تدبیر و اختیار، نزاع و جدال اور اعتراض و انکار یہ سب ربوبیت اور توحیدِ حق میں شرک ہے۔ قرآنِ حکیم میں ہے: "کیا آپ نے دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو خدا بنا رکھا ہے"۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور مقامِ قرب و عزت کے لحاظ سے جرم ہے البتہ مقربین کو اس پر عتاب و عقاب ہوگا۔

(۱۱) **عوام و خواص کے شرک میں فرق** عوام کے حق میں شرک یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو مانیں اور بت پرستی کریں، یہ حکمِ الٰہی کے مطابق بخشا نہیں جائیگا۔ خواص کے نزدیک طریقت میں دعویٰ ہستی اور خود پرستی بھی کفر و شرک کے حکم میں داخل ہے البتہ اس پہ عتاب ہوگا۔

(۱۲) یہ کمالِ توحید ہے اور مقربین اس کے مکلف ہیں، اس میں کوتاہی کی وجہ سے مواخذہ اور عتاب ہوگا۔

(۱۳) یعنی یہ خیال بھی نہ کرنا کہ اس کے عذاب سے بھاگ نکلنا ممکن ہے ع

بیچارہ کہ از گریزد کجا رود

(بندۂ مسکین تجھ سے بھاگ کر کہاں جا سکتا ہے)

کی فضا میں جھگڑا نہ کرو[14] وہ تمھیں ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ اس کے حکم پر کوئی تہمت نہ تراشو[15] ورنہ وہ ذلت و رسوائی تمھارا مقدر کر دے گا[16]، اس کی یاد سے غفلت نہ برتو کہ وہ تمھیں چھوڑ دے گا[17]، رنج و بلا میں مبتلا کر دے گا، اور اس کے گھر اور ولایت و قدرت میں کوئی نئی بات نہ کرو[18]، پس وہ تمھیں ہلاک کر دے گا[19]۔ اس کے دین میں اپنی خواہش سے کوئی بات نہ کرو کہ وہ تباہ کر دے گا[20] اور تمھارے دل کو تاریک کر دے گا۔ تمھارا ایمان و معرفت چھین لے گا اور شیطان کو[21]، نفس کو[22]،

---

(۱۴) اپنی تدبیر و اختیار اور قضا میں صبر و رضا چھوڑنے کی صورت میں۔

(۱۵) اس کے وعدہ میں شک اور تکذیب کرتے ہوئے اور اس کی تقدیر میں رحمت و حکمت کا انکار کرتے ہوئے۔

(۱۶) اور اپنی توفیق و نصرت روک لے گا۔

(۱۷) اور اپنے فضل و رحمت سے محروم کر دے گا۔ بعض نسخوں میں اس طرح ہے فَيُنَبِّهُكَ کہ وہ تمھیں خوابِ غفلت و غرور سے آگاہ و ہشیار کر دے گا، یہ نسخہ بعد والے کلام کے زیادہ مناسب ہے۔

(۱۸) جس میں اپنی ہستی اور حول و قوت کا دعویٰ پایا جاتا ہو۔

(۱۹) ممکن ہے کہ اِحداث سے مراد دین میں بدعت اور نئے اعتقاد کا اظہار ہو یہ مابعد کے زیادہ مناسب ہے۔

(۲۰) تاکہ دین میں بدعت اور اعتقادِ بد سے مانع ہو۔

(۲۱) تاکہ وہ تمہیں گمراہ کر دے اور وسوسہ و ضلالت کے گڑھے میں ڈال دے۔

(۲۲) تاکہ نفس تجھے اپنی تدبیر و تصرف اور حول و قوت کے دعویٰ کی بنا پر [illegible]

شہوات و لذات کو[23]، تمھارے اہلِ خانہ کو[24]، ساتھیوں اور ہمسایوں اور سب مخلوق کو حتیٰ کہ گھر میں رہنے والے بچھو، سانپ، جنات اور دیگر موذی جانوروں کو تم پر مسلّط کر دے گا۔ تمھاری دنیاوی زندگی تاریک اور آخرت کا عذاب طویل کر دے گا[25]۔

---

(۲۳) تاکہ یہ بدعت، اتباعِ باطل، اعتقاداتِ فاسدہ اور من گھڑت تاویلات میں ڈال دے۔

(۲۴) تاکہ یہ معصیات، محرمات و مکروہات، لذات کے حصول اور شہوات میں انہماک کی وادی میں جا گرائیں۔

(۲۵) یہ تمام آفات و بلیات طرح طرح کے عذاب محض نفس کی گرفتاری اپنی ہستی کے دعویٰ اور شرکِ خفی کے ارتکاب کی وجہ سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے محفوظ رکھے۔ آمین!

المَقَالَةُ الرَّابِعَةُ وَالعِشْرُونَ

قَالَ رضی احْذَرْ مَعْصِيَةَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ جِدًّا وَالْزَمْ بَابَهُ حَقًّا وَ
ابْذُلْ طَوْقَكَ وَجَهْدَكَ فِي طَاعَتِهِ مُتَعَذِّرًا مُتَضَرِّعًا مُفْتَقِرًا
خَاضِعًا مُتَخَشِّعًا وَمُطْرِقًا غَيْرَ نَاظِرٍ إِلَى خَلْقِهِ وَلَا تَابِعٍ
لِهَوَاكَ وَلَا طَالِبًا لِلْأَعْوَاضِ دُنْيًا وَّأُخْرٰى وَالِارْتِقَاءِ إِلَى
الْمَنَازِلِ الْعَالِيَةِ وَالْمُقَامَاتِ الشَّرِيْفَةِ وَاقْطَعْ بِأَنَّكَ
عَبْدُهُ وَالْعَبْدُ وَمَا مَلَكَ لِمَوْلَاهُ يَسْتَحِقُّ عَلَيْهِ شَيْئًا مِّنَ
الْأَشْيَاءِ أَحْسِنِ الْأَدَبَ وَلَا تَتَّهِمْ مَوْلَاكَ وَكُلُّ شَيْءٍ
عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ لَا مُقَدِّمَ لِمَا أَخَّرَ وَلَا مُؤَخِّرَ لِمَا قَدَّمَ يَأْتِيكَ
مَا قُدِّرَ لَكَ عِنْدَ وَقْتِهِ وَأَجَلِهِ إِنْ شِئْتَ أَوْ أَبَيْتَ لَا تَشْرَهْ عَلٰى
مَا سَيَكُوْنُ لَكَ وَلَا تَطْلُبْ وَلَا تَتَلَهَّفْ عَلٰى مَا هُوَ لِغَيْرِكَ فَمَا لَيْسَ
هُوَ عِنْدَكَ لَا يَخْلُوْ إِمَّا أَنْ يَّكُوْنَ لَكَ أَوْ لِغَيْرِكَ فَإِنْ كَانَ لَكَ
فَإِلَيْكَ صَائِرٌ وَّأَنْتَ إِلَيْهِ مُقَادٌ وَّمُسَيَّرٌ فَاللِّقَاءُ عَنْ قَرِيْبٍ
حَاصِلٌ وَّمَا لَيْسَ لَكَ فَأَنْتَ عَنْهُ مَصْرُوْفٌ وَّهُوَ عَنْكَ مُوَلٍّ
فَأَنّٰى لَكُمَا التَّلَاقِيْ فَاشْتَغِلْ بِإِحْسَانِ الْأَدَبِ فِيْمَا أَنْتَ بِصَدَدِهٖ
مِنْ طَاعَةِ مَوْلَاكَ فِيْ وَقْتِكَ الْحَاضِرِ وَلَا تَرْفَعْ رَأْسَكَ
وَلَا تَمِلْ عُنُقَكَ إِلٰى مَا سِوَاهُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ

إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ
فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى فَقَدْ نَهَاكَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنِ
الْاِلْتِفَاتِ إِلٰى غَيْرِ مَا أَقَامَكَ فِيْهِ وَرَزَقَكَ مِنْ طَاعَتِهٖ وَأَعْطَاكَ
مِنْ قِسْمَتِهٖ وَرِزْقِهٖ وَفَضْلِهٖ وَنَبَّهَكَ أَنَّ مَا سِوٰى ذٰلِكَ فِتْنَةٌ
أَفْتَنَهُمْ بِهٖ وَرِضَاكَ بِقِسْمِكَ خَيْرٌ لَّكَ وَأَحْرٰى وَأَوْلٰى فَلْيَكُنْ هٰذَا
دَارَكَ وَمُتَقَلَّبَكَ وَمَثْوَاكَ وَشِعَارُكَ وَدِثَارُكَ وَمُرَادُكَ وَمَرَامُكَ
وَشَهْوَتُكَ وَمُنَاكَ تَنَالُ مِنْهُ كُلَّ الْمَرَامِ وَتَصِلُ بِهٖ إِلٰى
كُلِّ مَقَامٍ وَّتَرْتَقِيْ بِهٖ إِلٰى كُلِّ خَيْرٍ وَّنَعِيْمٍ وَطَرِيْفٍ وَّسُرُوْرٍ وَّ
نَفِيْسٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ
مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ فَلَا عَمَلَ بَعْدَ الْعِبَادَاتِ
الْخَمْسِ وَتَرْكُ الذُّنُوْبِ أَجْمَعُ وَأَعْظَمُ وَلَا أَشْرَفُ وَلَا أَحَبُّ
إِلَى اللّٰهِ وَلَا أَرْضٰى عِنْدَهٗ مِمَّا ذَكَرْتُ لَكَ وَفَّقَنَا اللّٰهُ وَإِيَّاكَ
لِمَا يُحِبُّ يَرْضٰى بِمَنِّهٖ ط

مقالہ ۲۴

خدا کی چوکھٹ پر ملازمت

حضرت سرکارِ بغداد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے کُلی طور پر احتراز کرو،(۱) اس کا دروازہ مضبوطی سے تھام لو۔ اس کی بندگی میں اپنی توانائی صرف کرو، اپنی کوتاہیوں پر معذرت پیش کرتے رہو،(۲) عبادت کی

---

(۱) کیونکہ وہ تمہارا پروردگار، ولیِ نعمت اور عبادت کا مستحق ہے، یہ زیادہ بلیغ ومؤکد ہے، اس لیے کہ بزرگ فرماتے ہیں: معصیت کے ارتکاب پر عذابِ خداوندی سے ڈرو کیونکہ اس میں نفسِ معصیت اور کفرانِ نعمت کی بنا پر قباحت وکراہیت سمجھی جارہی ہے۔ اگر عذاب وثواب کا سلسلہ نہ ہوتا اور جنت و دوزخ کا وجود نہ ہوتا تو بھی مولیٰ کریم کے ذاتی استحقاق کی بنا پر اس کی اطاعت واجب ہوتی اور اس کی مخالفت ومعصیت حرام ہوتی۔

(۲) کیونکہ کما حقہٗ اس کی عبادت ہو ہی نہیں سکتی ؎

چہ گونہ سرز خجالت برآورم بر دوست — کہ خدمتے بسزا بر نیاید از دستم

(میں دوست کے سامنے شرمندگی کی وجہ سے سر اُوپر نہیں اٹھا سکتا کیونکہ میرے ہاتھوں سے کوئی لائقِ خدمت کام انجام نہیں پاسکا)

قبولیت کے لیے زاری کرو۔ بے نیاز ذات کی بارگاہ میں حاجتمندی ظاہر کرو، جاہ وجلالِ خداوندی کا مشاہدہ کرتے ہوئے خشوع وخضوع سے پیش آؤ۔(۳) جمعیت وحضور کی وجہ سے نگاہ جھکائے رکھو، اور نہ مخلوقِ خدا کی طرف دیکھو(۴) نہ اپنی خواہش کی پیروی کرو، نہ دین و دنیا میں عبادت کا بدلہ چاہو(۵) نہ بلند مقام اور اونچی منزل کی تمنا کرو(۶) اور یقین کرو کہ تم اس کے بندے ہو، بندہ اور اس کی ہر چیز مولیٰ کے لیے ہوتی ہے(۷)، بندہ کوئی چیز طلب کرنے کا

---

(۳) **خشوع وخضوع میں فرق** یہ دونوں لفظ ہم معنیٰ ہیں خضوع کو ظاہر اور خشوع کو باطن پر حمل کرلیتے ہیں اس لیے خشوع کو تفعّل کے صیغہ سے ذکر کرکے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ امرِ باطن کا اہتمام زیادہ ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے ظاہری خضوع آسانی سے میسر آسکتا ہے اور جمعِ باطن میں تکلّف اور کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۴) ظاہر وباطن میں ریاکاری اور سُمعہ (لوگوں کو سنانے) سے بچنے کے لیے۔

(۵) دنیا میں عبادت کا بدلہ مال ومرتبہ کے حصول اور عزت وکرامت کے آثار کے ظہور کے ذریعے اور آخرت میں اجر وثواب اور نعیم جنت کے حصول کی بنا پر۔

(۶) کہ حق تعالےٰ کا قرب اور اس کی بارگاہ کی رسائی کی طلب ظاہر نہ کرو، کیونکہ اس میں حظِ نفس اور وجود کی بقا کا دخل ہے۔ اس کلام میں صدق واخلاص کے مقام کی طرف اشارہ ہے جس میں غرض وعوض کا دخل نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے سرفراز فرمائے۔ اس کی تحقیق ذکر ہو رہی ہے۔

(۷) جو کہ بظاہر بندے کے ہاتھ میں ہے درحقیقت خدا تعالیٰ کی ہے کیونکہ مالکِ حقیقی وہی ہے۔

حق نہیں رکھتا۔[8] ربوبیت کا حق ادا کرتے ہوئے عبودیت کا ادب ملحوظ رکھو۔ خداوندِ کریم پر اتہام نہ تراشو۔[9] اس کے یہاں ہر چیز اندازے کے مطابق ہے۔[10] اس نے جسے مؤخر کر دیا اس کو مقدم کرنے والا کوئی نہیں، اور وہ جسے مقدم کر دے اسے مؤخر کرنے والا کوئی نہیں، اور جو چیز تمہارے مقدر میں ہے وہ اپنے وقت اور مدت پر تمہیں مل جائے گی خواہ تم خواہش رکھو یا انکار کرو۔ جو چیز تمہیں مستقبل میں ملنی ہے اس کی حرص نہ رکھو اور جو چیز کسی اور کے لیے ہے اس کی خواہش نہ کرو اور اظہارِ تاسف نہ کرو۔ جو چیز تمہارے پاس نہیں ہے اس کی دو صورتیں ہیں، یا تو وہ تمہاری قسمت میں ہے یا کسی دوسرے کی۔ اگر قسمت میں ہے تو وہ تمہیں مل جائے گی اور تمہیں کھینچ کر وہاں لایا جائے گا، عنقریب

---

(۸) اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں بندے کا مولیٰ کریم پر اجر و ثواب اور جاہ و منزلت کے اعتبار سے کوئی حق نہیں ہے یہ معنی مالکِ حقیقی میں ظاہر ہے کیونکہ تمام آلات و اسباب، اعضا، قوت و قدرت اور اعمال و افعال کی توفیق سب کچھ اسی کا پیدا کردہ ہے۔ بندہ کسی چیز پر اجر کا طلبگار بنتا ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ اجر عطا فرما دے تو یہ محض اس کا فضل ہے۔

(۹) بخل، جہل اور نادانی کا بہتان نہ لگاؤ کہ یہ چیز بارگاہِ ربوبیت کے لائق نہیں۔

(۱۰) ہر چیز کی مقدار مخصوص، وقت معلوم اور حال معین ہے اس میں کمی بیشی ناممکن ہے۔

تمہاری اپنی قسمت سے ملاقات ہونے والی ہے[11] اور جو چیز تمہاری قسمت میں نہیں تو تم اس سے اور وہ تم سے پھیر دی گئی ہے تمہاری باہم ملاقات کیسے ہو سکتی ہے، چنانچہ تمہیں جو چیز مطلوب ہو اس کے حصول میں حُسنِ ادب ملحوظ رکھتے ہوئے اس موجود وقت میں طاعتِ مولیٰ تعالیٰ میں مشغول ہو جاؤ،[12] نہ خدا کے سامنے سر اٹھاؤ اور نہ ماسوا کے سامنے گردن جھکاؤ۔[13] اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مقدس ہے: اور اے سننے والے! اپنی آنکھیں نہ پھیلا اس کی طرف جو ہم نے کافروں کے جوڑوں کو برتنے کے لیے دی ہیں۔ جیتی دنیا کی تازگی کہ ہم اس کے سبب فتنے میں ڈالیں اور تیرے رب کا رزق اچھا ہے سب سے دیرپا۔ تجھے اللہ تعالیٰ نے جس حال میں رکھا ہے اور عبادت و طاعت کی جس قدر دولت عطا کی ہے اس کے ماسوا کی طرف نہ دیکھو اس نے قسمت رزق اور فضل سے سرفراز فرمایا ہے اور تمہیں خبردار کیا ہے کہ ماسوا تمہارے لیے فتنہ ہے اور تم اپنی پر راضی رہو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر، پائیدار، مبارک اور لائق و مناسب ہے،[14] تمہارا طریقہ یہی ہونا چاہیے۔[15] اپنی واپسی کی جگہ، جائے سکون،

---

(۱۱) لفظ عنقریب استعمال کرنے کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں:

(i) اس میں نیک فال اور طالب کی تسلی ہے۔

(ii) کہ زمانۂ حیات کم ہے اس اعتبار سے ہر آنے والی چیز نزدیک ہی ہے۔

(۱۲) اور حال کو غنیمت جانو۔

(۱۳) جب اطاعت خدا تعالیٰ کی کی جاتی ہے تو توجہ اور نگاہ بھی اس طرف چاہیے۔

(۱۴) اَولیٰ اُخریٰ کی تاکید ہے اور یہ دونوں لفظ ہم معنیٰ ہیں۔

(۱۵) کہ مصیبت سے اجتناب، قسمت پر رضا اور ماسوا و دیگر دنیا کی آرائش کو چھوڑ دیا جائے۔

شعار و دِثار(۱۶) آرزؤوں کا مطلوب و مقصود اس کو جانو، اس کے ذریعہ تم تمام مطلوب حاصل کرلو گے، ہر مقام تک رسائی میسر ہوگی، اسی طرح ہر نیکی، نازو نعمت، ہر تازگی اور ہر عمدہ چیز کی طرف ترقی و رفعت پالو گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: از خود کوئی نہیں جانتا کہ اس کے لیے کیا چھپا رکھا گیا ہے(۱۷)۔ یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے۔ عبادات خمسہ(۱۸) بجالانے اور گناہ ترک کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارے ذکر کردہ عمل سے بڑھ کر(۱۹) اور کوئی عمل اشرف و

---

(۱۶) شعار کے معنی جسم پر پہنا جانے والا کپڑا مثلاً تہبند اور قمیص وغیرہ اور دثار کے معنی قمیص کے اُوپر پہنا جانے والا لباس (مثلاً جیکٹ وغیرہ) یعنی تم ظاہر و باطن میں اس حال کو اپنالو۔

(۱۷) خصوصاً شب بیدار اور راہِ خدا میں مال صرف کرنے والوں کے لیے، یعنی جانی اور مالی عبادات بجالانے والوں کے لیے۔

(۱۸) نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور کلمۂ شہادت مراد ہیں کیونکہ یہ عبادات کامل تر اور مقرب تر ہیں یا عبادات خمسہ سے مراد نماز پنجگانہ ہے۔

(۱۹) **پرہیز علاج پر مقدم ہے** یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نوافل و مستحبات کی ادائیگی کی نسبت محرمات و مکروہات سے پرہیز کا اہتمام زیادہ کرنا چاہئے، جیسا کہ ایک مریض معجونوں اور ادویات کو استعمال نہ کرے لیکن پرہیز مکمل کرے تو اس کے شفایاب ہونے کی امید ہوسکتی ہے گو بدیر سہی۔ لیکن اگر کوئی شخص ادویات تو استعمال کرے لیکن پرہیز نہ کرے تو اس کی حالت روز بروز ابتر ہی ہو گی۔ اگر کوئی شخص فرائض و واجبات اور سُنن مؤکدہ جو کہ ان کے ساتھ متصل ہیں

اعظم، محبوب و مرغوب اور پسندیدہ نہیں(۲۰)۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ سب کو اپنے احسان سے اُن کاموں کی توفیق مرحمت فرمائے جو اسے پسند اور محبوب ہیں(۲۱)۔

اور انہی کے حکم میں ہیں بجالائے اور نوافل کی پابندی نہ کرے مگر منہیات سے کُلی اجتناب کرتا ہو تو یہ مقصودِ حقیقی یعنی قربِ باری تعالیٰ کے حصول کے لیے کافی ہے شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "تبیین" میں اس حقیقت کو خوب تفصیل سے ذکر فرمایا ہے اور راقم الحروف (شیخ محقق قدس سرہٗ) نے زاد المتقین میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔

(۲۰) یعنی معصیات سے اجتناب، طاعت کی پابندی، قسمت پر رضا اور دنیا کی کوڑیوں کی طرف عدمِ توجہ۔

(۲۱) حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک جبار جل شانہٗ کی بارگاہ میں عجز و انکساری کے اظہار کے لیے مخاطب کو بھی اپنے ساتھ شریک فرمایا ہے جو کہ بلند شان مقربین کا طریقہ ہے تاکہ مخاطبین کی دُعا بھی آپ کی دُعاءِ مستجاب کے ساتھ مقبول ہو جائے جیسا کہ کہتے ہیں کہ مہمان جس قدر عزیز ہوگا طفیلی بھی اسی قدر عزیز ہوگا ؎

مورے مسکین ہوسے داشت کہ در کعبہ رسید
دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

(مسکین چیونٹی کعبہ شریف حاضری کی خواہشمند بھی کبوتر کے پاؤں سے لپٹ گئی تو فوراً منزلِ مقصود تک پہنچ گئی)

المقالة الخامسة والعشرون

قال رضي الله عنه لا تقولن يا فقير اليد يا مولى عنه الدنيا وأربابها
يا خامل الذكر يا جائع يا نائع يا عريان الجسد يا ظمآن
الكبد يا مشتتا في كل زاوية من الأرض من مسجد و
بقاع خراب ومردودا من كل باب ومدفوعا عن كل مراد
ومنكسرا ومزدحما في قلبه كل حاجة ومرام إن الله
تعالى أفقرني وزوى عني الدنيا وعثرني وتركني وقلاني
وفرقني ولم يجمعني وأهانني ولم يعطني من الدنيا كفاية
وخملني ولم يرفع ذكري بين الخليقة وإخواني وأسبل
على غيري نعمة منه سابغة يتقلب فيها ليله ونهاره وفضله
علي وعلى أهل دياري وكلانا مسلمان مؤمنان ويجمعنا
أمنا حواء وأبونا آدم خير الأنام أما أنت فقد فعل الله بك
ذلك لأن طينتك حرة وندى رحمة الله متدارك عليك
من الصبر والرضاء واليقين والموافقة والعلم و
أنوار الإيمان والتوحيد متراكم لديك فشجرة إيمانك
وغرسها وبذرها ثابتة مكينة مورقة مثمرة مستزيدة
متشعبة مظللة متفرعة فهي كل يوم في زيادة ونمو فلا

حاجة بها إلى سياطة وعلف لتنمى بها وتربى وقد فرغ
الله تعالى من أمرك على ذلك وأعطاك في الآخرة
دار البقاء وخولك فيها وأجزل عطاءك في العقبى ما لا
عين رأت ولا أذن سمعت ولا خطر على قلب بشر قال
الله تعالى فلا تعلم نفس ما أخفي لهم من قرة أعين
جزاء بما كانوا يعملون أي ما عملوا في الدنيا من أداء الأوامر
والصبر على ما ترك المناهي والتسليم إليه والتفويض
إليه في المقدور والموافقة له في جميع الأمور وأما الغير
الذي أعطاه الله من الدنيا وخوله ونعمه فيها وأسبغ
عليه فضله فعل به ذلك لأن محل إيمانه أرض
سبخة صخر لا يكاد يثبت فيها الماء وتنبت الأشجار
ويتربى فيها الزرع والثمار فصب عليها أنواع سباطة
وغيرها مما يربى به النبات والأشجار وهي الدنيا و
حطامها ليتحفظ بذلك ما أنبت فيها من شجرة
الإيمان وغرس الأعمال فلو قطع ذلك عنها لجفت
النبات والأشجار وانقطعت الثمار فخربت الديار وهو
عز وجل يريد عمارتها فشجرة إيمان الغني ضعيفة
المنبت وخال عما هو مشحون به شجرة إيمانك يا فقير
فقوتها وبقاؤها بما ترى عنده من الدنيا وأنواع النعيم
فلو قطعها مع ضعف الشجرة جفت الشجرة

فَكَانَ كُفْرًا وَّجُحُوْدًا وَّاِلْحَاقًا بِالْمُنَافِقِيْنَ وَالْمُرْتَدِّيْنَ
وَالْكُفَّارِ اَللّٰهُمَّ اِلَّا اَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اِلَى الْغَنِيِّ عَسَاكِرًا مِنَ
الصَّبْرِ وَالرِّضَاءِ وَالْيَقِيْنِ وَالْعِلْمِ وَاَنْوَاعِ الْمَعَارِفِ فَيَقْوٰى
الْاِيْمَانُ بِهَا فَحٍ لَا يُبَالِىْ بِانْقِطَاعِ الْغِنٰى وَالنَّعِيْمِ ؕ

مقالہ ۲۵

شجرِ ایمان

حضرت سیدنا شیخ جیلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں : اے دُنیا اور سامانِ دُنیا سے خالی ہاتھ، دنیا اور اہلِ دنیا کے راندے ہوئے، اے گمنام اے بھوکے پیاسے، برہنہ جسم والے، تشنہ جگر، اے زمین کے ہر گوشہ مسجد و ویرانہ میں پراگندہ رہنے والے، ہر در کے ٹھکرائے، مرادِ دنیا سے محروم، شکستہ قلب اور خواہشوں اور حاجتوں سے بھرے ہوئے دل والے، یہ ہرگز نہ کہہ کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے فقیر بنا دیا ہے، مجھ سے دنیا کو ہٹا دیا ہے، مجھے گرا دیا ہے، مجھے چھوڑ دیا ہے، مجھ سے دشمنی رکھتا ہے، مجھے پراگندہ کیا ہے، دلجمعی کی دولت نہیں بخشی ذلّت و رسوائی دی ہے، دنیا میں گزارے کی چیز نہیں دی، مجھے گُمنام کر دیا ہے مخلوق اور میرے بھائیوں میں شہرت نہیں دی اور دُوسروں کو نعمتِ کامل سے نوازا ہے، جس میں وہ دن رات پھرتا ہے انھیں مجھ پر اور میرے اہلِ وطن پر فضیلت دی ہے جبکہ ہم سب مسلمان مؤمن ہیں سب کی ماں حضرت حوّا اور باپ حضرت آدم

خیر الانام علیہ السلام ہیں[1]۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ یہ سلوک اس لئے روا رکھا ہے کہ تمہارا خمیر اچھا ہے۔ اس میں رحمتِ خداوندی کی نمی یعنی صبر و رضا و یقین، امر و نہی کی موافقت اور صفاتِ جلال کا علم متواتر پہنچتا رہے گا۔ توحید و ایمان کے انوار برستے رہیں گے۔ چنانچہ ایمان کے درخت کی جڑ مضبوط، شاخیں بلند، کثرت سے میوہ دار، سایہ فگن اور فضا میں پھیلی ہوئی ہیں اور دن بدن پروان چڑھ رہی ہیں تو اس کی تربیت و افزائش کے لیے کھاد کی ضرورت نہیں رہی[3]۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اس حال سے فارغ ہو چکا ہے اور آخرت میں دار البقا عطا کرکے اس کا مالک بنا دیا ہے اور تمہیں آخرت میں وہ نعمتیں عطا کی ہیں جنہیں نہ کسی نے دیکھا نہ کسی نے سُنا، ان کے حصول یا ان کی ماہیت کا نہ کسی کے دل نے تصور کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ازخود کوئی نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا کچھ چھپا رکھا ہے، جو ان کے اعمال کی جزا ہے یعنی اوامر کی ادائیگی

---

(۱) ایک ماں باپ کی اولاد میں اس قدر فرق کیوں؟ ع

بندگانیم این یکے مقبول و آن مردود چیست

(جب ہم ایک آقا کے غلام ہیں، تو ایک مقبول اور دوسرا مردود، یہ ماجرا کیا ہے؟)

(۲) یہ کلام اس مردِ فقیر کی تسلی کے سلسلہ میں ہو رہا ہے۔

(۳) جیسا کہ دستور ہے زمین کو قابلِ کاشت بنانے اور زیادہ پھل لینے کے لیے ہوتا ہے اس عمل کو بار انداختن کا نام دیا جاتا ہے، اس مثال میں اغنیاء کے دین و ایمان کی حفاظت کے لیے مال کو کھاد سے تشبیہ دی گئی ہے تاکہ زراعت کے قابل ہو سکے۔

اور منہیات ترک کرنے پر صبر سے کام لیا۔ اپنے تمام امور تقدیرِ الٰہی کو تفویض کئے اور تمام احکام شرعیہ و قہریہ کی تعمیل کی جب کہ دوسروں کو خدا تعالیٰ نے دنیا کی دولت کا مالک بنایا، ناز و نعمت سے نوازا، اور فضل و کرم کیا، ان کے ساتھ ایسا اس لیے کیا کہ ان کے ایمان کی مٹی پتھریلی اور شور تھی جس میں پانی نہیں ٹھہر سکتا، درخت اگانے کی صلاحیت نہ تھی، نہ کھیتی باڑی ہو سکتی تھی نہ پھل لگ سکتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کی کھاد ڈالی تاکہ گھاس پھوس اور درخت اُگیں تو یہ دنیا اور اس کے اموال و اسباب ہیں[4] تاکہ اس کے ایمان کے درخت اور اعمال کی شاخیں محفوظ رہیں۔ اور اگر کھاد نہ ڈالی جائے تو یہ خشک ہو کر رہ جائیں گے، پھل گر پڑیں گے اور ملک ویران ہو جائے گا[5] حالانکہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ آباد ہو۔ امیروں کے ایمان کا درخت کمزور ہے اور اس چیز سے خالی ہے جس سے اے فقیر! تیرا دل بھرا ہوا ہے۔ امراء کے درخت کی تازگی اور بقا دنیا کی قسم قسم کی نعمتوں میں ہے، پھر درخت کی کمزوری کے باوجود یہ انعامات بھی چھن جائیں تو درخت سُوکھ جائے گا تو ان کا ایمان کفر و انکار میں تبدیل ہو جائے گا، اور امیر آدمی کفار و منافقین اور مرتدین کے گروہ میں شامل ہو جائے گا، ہاں اگر اللہ تعالیٰ غنی کے پاس صبر و رضا، یقین و علم وغیرہ

---

(۴) حُطَمَ کے معنی توڑنا، حُطام ٹوٹی ہوئی چیز، ایک ریزہ۔ اور یہاں دنیا کا قلیل مال مراد ہے۔

(۵) تو اغنیاء دنیا میں نہ رہیں گے جبکہ مسلمان اغنیا کا دنیا کی آبادی میں بڑا دخل ہے۔

انواع واقسام کے لشکر بھیج دے، تو ان سے ان کا ایمان مضبوط
ہو جائے گا، پھر مالدار کو مال ونعمت کے زوال پر کوئی پروا نہیں
ہوگی۔(٦)

---

(٦) اور وہ ایمان کی قوت واستحکام کے اعتبار سے فقراء کے حکم
میں داخل ہوگا۔

اَلْمَقَالَةُ السَّادِسَةُ وَالْعِشْرُوْنَ

قَالَ رضی اللہ عنہ لَا تَكْشِفُ الْبُرْقَعَ وَالْقِنَاعَ عَنْ وَجْهِكَ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنَ
الْخَلْقِ وَتُوَلِّيَهُمْ ظَهْرَ قَلْبِكَ فِيْ جَمِيْعِ الْاَحْوَالِ وَيَزُوْلَ هَوَاكَ
ثُمَّ تَزُوْلَ اِرَادَتُكَ وَمُنَاكَ فَتَفْنٰى عَنِ الْاَكْوَانِ دُنْيًا وَّاُخْرٰى
فَتَصِيْرُ كَاِنَاءٍ مُنْثَلِمٍ لَا يَبْقٰى فِيْكَ اِرَادَةٌ غَيْرَ اِرَادَةِ رَبِّكَ فَتَمْتَلِئُ
بِرَبِّكَ فَلَا يَكُوْنُ لِغَيْرِ رَبِّكَ فِيْ قَلْبِكَ مَكَانٌ وَّلَا مَدْخَلٌ وَجُعِلْتَ
بَوَّابَ قَلْبِكَ وَاُعْطِيْتَ سَيْفَ التَّوْحِيْدِ وَالْعَظْمَةِ وَالْجَبَرُوْتِ فَكُلُّ
مَنْ رَاَيْتَهٗ دَنٰى مِنْ سَاحَةِ صَدْرِكَ اِلٰى بَابِ اَنْدَرْتَ رَاْسَهٗ
مِنْ كَاهِلِهٖ فَلَا يَكُوْنُ لِنَفْسِكَ وَهَوَاكَ وَاِرَادَتِكَ وَمُنَاكَ دُنْيَاكَ
وَاُخْرَاكَ عِنْدَكَ رَاْسٌ مُنْشَالٌ وَّلَا كَلِمَةٌ مَّسْمُوْعَةٌ وَّلَا رَاْيٌ
مُتَّبَعٌ اِلَّا اتِّبَاعُ اَمْرِ الرَّبِّ وَالْوُقُوْفُ مَعَهٗ وَالرِّضَاءُ بِقَضَائِهٖ
بَلِ الْفَنَاءُ فِيْ قَضَائِهٖ وَقَدْرِهٖ فَتَكُوْنُ عَبْدَ الرَّبِّ وَاَمْرِهٖ لَا عَبْدَ
الْخَلْقِ وَرَاْيِهِمْ فَاِذَا اسْتَمَرَّ الْاَمْرُ فِيْكَ كَذٰلِكَ ضُرِبَتْ حَوْلَ قَلْبِكَ
سُرَادِقَاتُ الْغَيْرَةِ وَخَنَادِقُ الْعَظْمَةِ وَسُلْطَانُ الْجَبَرُوْتِ

وحف بجنود الحقيقة والتوحيد ويقام دون ذلك حراس من
الحق كيلا يخلص الخلق الى القلب من الشيطان والنفس والهوى
والارادة والاماني الباطلة والدعاوى الكاذبة الناشية من
الطباع والنفوس الامرة بالسوء والضلالة الناشية من
الاهوية ان كان في القدر مجيء الخلق وتواترهم اليك وتتابعهم
وتطابقهم عليك ليصيبوا من الانوار اللائحة والعلامات
المنيرة والحكم البالغة ويروا الكرامات الظاهرة وخوارق
العادات المستمرة ويزدادوا بذلك من القربات والطاعات
والمجاهدات والمكابدات في عبادة ربهم حفظت عنهم
اجمعين وعن ميل النفس الى هواها وعجبها ومباهاتها
وتعاظمها بالتكثر بهم وبقبولهم لك واقبال وجوههم
اليك وكذلك ان قدر مجيء زوجة حسناء جميلة وبكفايتها
وسائر مؤنتها حفظت من شرها وتحمل اثقالها واتباعها
واهلها وصارت عندك موهبة مكفاة مهناة متقاة
مصفاة من الغش والخبث والدغل والحقد والغضب
والخيانة في الغيب فتكون مسخرة لك هي واهلها محمولة
عنك مؤنتها مدفوعة عنك اذيتها وان قدر منها ولد كان
صالحا ذرية طيبة قرة عين قال الله تعالى واصلحنا له
زوجه وقال الله تعالى وهب لنا من ازواجنا وذرياتنا قرة
اعين واجعلنا للمتقين اماما وقوله تعالى واجعله رب

رضيا فتكون هذه الدعوات التي في هذه الايات
معمولا بها مستجابة في حقك ان دعوت بها اولم تدع
اذ هي في محلها واهلها واولى من تعامل بهذه النعمة
ويقابل بها من كان اهلا لهذه المنزلة واقيم في هذا
المقام وقدر له من الفضل والقرب وكذلك ان قدر
مجيء شيء من الدنيا لا يضر اذ ذاك فما هو قسمك منها لابد
من تناوله وتصفيته لك بفعل الله وارادته وورود الامر
بتناوله فتناوله وانت ممتثل بالامر مثاب على
تناوله كما تثاب على فعل الصلوة الفرض والصيام الفرض
وتؤمر فيما ليس بقسمك منها بصرفها الى اربابها من الاصحاب
والجيران والاخوان والمستحقين الفقراء منهم و
واصحاب الاقسام على ما يقتضي الحال فالاحوال تكشفها
وتميزها وليس الخبر كالمعاينة فح تكون من امرك
على بيضاء نقية لا غبار عليها ولا تلبيس ولا تخليط ولا
شك ولا ارتياب فالصبر الصبر الرضاء الرضاء حفظ
الحال حفظ الحال الخمول الخمول الخمود الخمود السكون
السكون الصموت الصموت الحذر الحذر النجا النجا
الوحا الوحا الله الله ثم الله الاطراق الاغماض الاغماض
الحيا الحيا حتى يبلغ الكتاب اجله فيؤخذ بيدك
فتقدم وينزع عنك ما عليك ثم تغوص في بحار

الْفَضَائِلِ وَالْمِنَنِ وَالرَّحْمَةِ فَيُخْلَعُ عَلَيْكَ خِلَعُ الْأَنْوَارِ وَ
الْأَسْرَارِ وَالْعُلُومِ الْغَرَائِبِ اللَّدُنِّيَّةِ فَتُقَرَّبُ وَتُحَدَّثُ
وَتُكَلَّمُ وَتُعْطَى وَتُغْنَى وَتُشَجَّعُ وَتُرْفَعُ وَتُخَاطَبُ بِأَنَّكَ
الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ فَحِ اِعْتَبِرْ حَالَةَ يُوسُفَ
الصِّدِّيقِ حِينَ خُوطِبَ بِهٰذَا الْخِطَابِ عَلٰى لِسَانِ مَلِكِ
مِصْرَ وَعَظِيمِهَا وَفِرْعَوْنِهَا كَانَ لِسَانُ الْمَلِكِ
قَائِلًا وَمُعَبِّرًا لِهٰذَا الْخِطَابِ وَالْمُخَاطِبُ هُوَ اللّٰهُ عَلٰى
لِسَانِ الْمَعْرِفَةِ سُلِّمَ إِلَيْهِ الْمُلْكُ الظَّاهِرُ وَهُوَ مُلْكُ مِصْرَ
وَمُلْكُ النَّفْسِ وَمُلْكُ الْمَعْرِفَةِ وَالْعِلْمِ وَالْقُرْبَةِ وَ
الْخُصُوصِيَّةِ وَعُلُوُّ الْمَنْزِلَةِ عِنْدَهُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَكَذٰلِكَ
مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ أَيْ فِي أَرْضِ مِصْرَ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ
يَشَآءُ وَقَالَ فِي مُلْكِ النَّفْسِ وَكَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ
وَالْفَحْشَآءَ إِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ وَقَالَ فِي مُلْكِ
الْعِلْمِ بِيُوسُفَ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّيْ إِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ
قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ فَإِذَا خُوطِبْتَ بِهٰذَا الْخِطَابِ
يَا أَيُّهَا الصِّدِّيقُ الْأَكْبَرُ أُعْطِيتَ الْحَظَّ الْأَوْفَرَ مِنَ الْعِلْمِ
الْأَعْظَمِ وَهُنِّيتَ بِالتَّوْفِيقِ وَالْمِنَنِ وَالْقُدْرَةِ وَالْوِلَايَةِ
الْعَامَّةِ وَالْأَمْرِ النَّافِذِ عَلَى النَّفْسِ وَغَيْرِهَا
مِنَ الْأَشْيَآءِ وَالتَّكْوِينِ بِإِذْنِ إِلٰهِ الْأَشْيَآءِ
فِي الدُّنْيَا قَبْلَ الْأُخْرٰى وَأَمَّا فِي الْأُخْرٰى

فِيْ دَارِ السَّلَامِ وَالْجَنَّةِ الْعُلْيَا فَالنَّظَرُ إِلٰى وَجْهِ
الْمَوْلَى الْكَرِيمِ زِيَادَةٌ وَمِنَّةٌ وَهُوَ الْمُنَى الَّذِيْ
لَا غَايَةَ لَهٗ وَلَا مُنْتَهٰى ۞

مقالہ ۲۶

احوال کو پوشیدہ رکھو

حضرت شاہِ بغداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اپنے چہرے سے پردہ نہ اٹھاؤ[1]

(۱) لغت کی کتاب "صراح" میں بُرقع کے معنیٰ یوں درج ہیں کہ وہ کپڑا جس سے زنانِ عرب اپنا چہرہ ڈھانپتی ہیں۔ اور قِناع کے معنیٰ اوڑھنی کے اوپر ڈالے جانے والا کپڑا۔ حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کے لباس بُرقع اور قناع سے ذکر سے اشارہ فرمادیا کہ جب تک کمال ظاہر اور برہانِ توحید ثابت نہ ہو جائے مرد عورتوں کا حکم رکھتا ہے اس لیے اسے مرد ہونے کا دعویٰ نہیں کرنا چاہیئے، اور یہ بات بھی ہے کہ معرفت کے انوار و اسرار عورت کا حکم رکھتے ہیں لہٰذا مردوں کے لیے ان کا چھپانا ضروری ہے ؎

(۱) تا مرتبۂ کمال حاصل نکنی   باید کہ دم از سرِ حقیقت نزنی

(۲) مرداں ہمہ در دعویٰ مردی چو زنند   تو خود چہ زنی کہ نہ مردی نہ زنی

(۱۔ مرتبۂ کمال کے حصول سے قبل حقیقت کا راز ظاہر نہیں کرنا چاہیئے

۲۔ مرد تو جوانمردی کا دعویٰ کرسکتے ہیں مگر تو یہ دعویٰ کیسے کرسکتا ہے کیونکہ نہ تو مرد ہے نہ عورت

جب تک مخلوق سے باہر نہ آجاؤ[2]، تمام احوال میں[3] اپنے دل کی توجہ ان سے ہٹا نہ لو، اور خواہشِ نفس[4] پھر ارادہ و آرزو[5] زائل نہ ہو، پھر تمہیں دنیا و آخرت کی اشیاء[6] سے فنا عطا ہو جائے گی، تو اس سوراخ والے برتن کی طرح ہو جاؤ گے جس میں ارادۂ خداوندی کے سوا کوئی ارادہ نہ ٹھہر سکے[7] تو تمہارا دل نورِ خدا سے اس طرح بھر جائے گا[8] کہ تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد و

(۲) اور مخلوق کے تعلق اور اس کے وجود کی گرفتاری ان کی طرف افعال کی نسبت، ان سے نفع ونقصان اور مدح وذم جاننے اور ان کی کسی چیز کا طمع کرنے سے فانی ہو جاؤ۔

(۳) منع وعطا، اقبال وادبار اور غضب ورِضا میں۔

(۴) نفس اللہ تعالےٰ کے اوامر ونواہی کی مخالفت سے باز آجائے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام کے تابع ہو جائے۔

(۵) یعنی جو چیز خدا تعالےٰ کی مرضی کے مطابق نہیں اور تمہارے لیے تیار نہیں کی گئی تو اس کی خواہش زائل ہو جائے گی۔ یہ موت کی تینوں قسموں کی طرف اشارہ ہے یعنی مخلوق، خواہش اور ارادہ کی موت۔ جیسا کہ دیگر مقالات میں ذکر ہو چکا ہے۔

(۶) جن کے ساتھ باطل کا تعلق ہو سکتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی ذاتِ کریم کے مشاہدہ اور حق کے ملاحظہ کے بغیر جس کی آرزو کی جا سکتی ہے۔

(۷) جب سوراخ والے برتن میں بہنے والی چیز قرار نہیں پاتی اور تمہارا دل خالی ہو جائے گا۔

(۸) جب اپنی ذات سے فانی اور حق تعالےٰ کے ساتھ باقی ہو جاؤ گے کیونکہ ہر فنا کے لیے بقا لازم ہے۔ قاعدہ ہے:

رضا اور امر و ارادہ کے سوا کسی کی جگہ اور راہ نہیں ہوگی، تمہیں اپنے دل کا دربان بنا دیا جائے گا[9] اور توحید و عظمت اور کبریائی حق کی تلوار سے نوازا جائے گا[10] تاکہ جب تمہارے سینے سے کوئی خواہش اُٹھ کر دل کے دروازے کے قریب آتے دیکھو تو اس کا سر گردن سے جدا کرتے ہوئے اسے نیست و نابود کر دو[12]۔ اس صورت نفس اور دُنیا و آخرت کی کوئی خواہش، کوئی آرزو اور کوئی ارادہ تمہارے سامنے سر نہیں اٹھا سکے گا[13]، نہ اس کی کوئی بات سُنی جائے گی[14]، نہ ان کی کوئی

إِذَا خَرَجَ الدُّوْدُ دَخَلَ النُّوْرُ۔	جب بشری صفات کی ظلمت کوچ کر جاتی ہے تو انوارِ ربوبیت کے پرتو اثر انداز ہو جاتے ہیں

خرج الدّود ما و من باشد
دخل النور ذو المنن باشد

(9) تاکہ امرِ الٰہی کے سوا کوئی چیز دل میں داخل نہ ہو سکے۔
(10) تاکہ اس کے علاوہ تجھے کسی کی یاد نہ رہے۔
(11) تاکہ اس کے مقابل ہر چیز خوار و خورد نظر آئے۔
(12) ؎ غیرِ حق ہر ذرہ کان مقصود تست
تیغ لا بر کش کہ آن معبود تست
(اللہ تعالیٰ کے سوا جو بھی تمہارا مقصود ہے اس پر لا کی تلوار چلا دو کیونکہ وہ تمہارا معبود (وہمی) ہے)۔
(13) یعنی تمام خواہشات اور آرزوئیں پست، مغلوب اور خراب ہو جائینگی اور سر نہیں اٹھا سکیں گے۔
(14) نہ ان کی اطاعت کی جائے گی۔

رائے ہوگی جس کی اتباع کی جائے[15]، اس صورت میں صرف اللہ تعالیٰ کی پیروی، اس کے امر پہ توقف، اس کی قضا پر رضا، بلکہ قضا و قدر میں فنا رہ جائے گی[16]۔ تو تم ربِ قدوس اور امرِ رب العزت کے عبد بن جاؤ گے[17] نہ کہ مخلوق اور ان کے اعتقادات کے غلام۔ جب اس طرح خدا تعالیٰ کے امر پہ اندر مداومت پیدا ہو جائے گی تو تمہارے دل کے آس پاس غیرت کے خیمے[18] اور عظمت کی خندقیں تیار ہوں گی اور تم پر جبروت کا غلبہ ہوگا اور دل کو حقیقت اور توحید کے لشکر گھیر لیں گے اور حق کے پاسبان دل کے قریب کھڑے ہوں گے تاکہ وہاں مخلوق کی، شیاطین کی، خواہشاتِ نفس کی، باطل ارادوں اور غلط آرزوؤں کی رسائی نہ ہو سکے اور

---

(15) یعنی نفس، تمنّا اور آرزو کا تم پہ حکم اور تسلّط نہیں رہے گا۔
(16) یہ مقام، مقامِ رضا سے بلند تر ہے کیونکہ اس مقامِ رضا میں ہستی اور اختیار کا شائبہ باقی ہے۔
(17) **سیفِ توحید کب ملتی ہے** معلوم ہوتا ہے کہ محض مرتبۂ فنا کے حصول سے توحید اور عظمت و کبریائی کی تلوار سے نواز دیا جاتا ہے تاکہ اس تلوار کے ساتھ ماسوا کا سر کاٹ دے اور اس کی تمنا و آرزو کو زائل کر سکے۔ جب فنا کا معاملہ دوام و استقرار اور تمکن حاصل کرے تو اس کے نتیجے میں نفس اور اس کی خواہشات کے زائل کرنے میں قوت و استحکام حاصل ہوگا، جیسا کہ آگے فرما رہے ہیں۔
(18) یعنی تم محبوبِ الٰہی بن جاؤ گے اور محب یقیناً محبوب پہ غیور ہوتا ہے۔ محبوب کو کسی اور طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا، تو نفس و خواہش کو بھی تمہارے قریب آنے کا نہیں چھوڑے گا۔

جھوٹے دعوے جو طبیعتوں اور نفس امارہ سے پیدا ہوتے ہیں، اور خواہشِ نفس سے تخلیق ہونے والی گمراہیاں تمہارے دل تک نہ پہنچ سکیں۔ زمرۂ اولیاء میں داخل ہونے اور اس مقام پر(19) فائز ہونے کے بعد اگر تمہاری قسمت میں ہے کہ مخلوق جوق در جوق، متواتر اور لگاتار تمہارے پاس آئے(20) تاکہ تمہارے انوارِ درخشاں، نشانہائے تاباں، حکمتہائے بالغہ(21) اور مسلسل روشن کرامتیں دیکھے(22)۔

(19) کہ حقیقتِ توحید تک رسائی حاصل ہوگئی ہو۔ حقیقت کے مشاہدہ، جبروتِ الٰہی کے غلبہ کے ثبوت اور ماسوا کے تعلق سے چھٹکارے کے بعد اور خلق و نفس، شیطان، طبیعت و ارادہ جھوٹے دعووں سے امان پانے اور مقامِ ولایت پر فائز ہونے کے بعد۔

(20) اور تمہاری ولایت پر متفق ہو جائیں۔

(21) حکمت کے معنیٰ ہیں ہر چیز کی حقیقت، راست گفتاری اور درست کرداری کو معلوم کرنا۔

(22) **خوارق و کرامات کا بیان** مستمرہ کے معنیٰ مضبوط اور استوار بھی آتے ہیں اس وقت یہ مَرَّۃٌ بمعنی تیزی سے اور قوت سے مشتق ہوگا اور پہلے معنی (ہمیشہ) کے اعتبار سے مرور سے ماخوذ ہے خوارق عادات یہ کرامات کی تفسیر ہے اور عادت سے مراد اللہ تعالیٰ کی کائنات میں سنتِ جاریہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کرامات سے آفاقی اور خوارق سے انفسی مراد ہوں، اور عادات کو عادتِ ولی پر محمول کر لیا جائے، یا کہ خوارقِ عادات سے مراد صفاتِ کاملہ اور اخلاقِ عظیمہ ہوں جو کہ ولایت کا نشان اور نفس کا کمال ہیں جیسا کہ نبوت کے معجزات اور

مشاہدۂ کرامات(23) کی وجہ سے مخلوق اپنے خدا کی عبادت میں مجاہدے، مشقتیں، طاعتیں اور ترتیبیں زیادہ بجالائے گی اور ان میں(24) تمہارے مقبول و محمود ہونے کی وجہ سے ان کے ضرر، خواہش کی طرف نفس کے میلان، خود پسندی اور

علامات کے فرق کے بیان میں مذکور ہوا۔

اس کلام کا مصداق حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا حال ہے اس لیے کہ جس قدر خوارقِ عادات واقعات آپ سے ظاہر ہوئے ہیں کسی اور ولی سے اس قدر ظاہر نہیں ہوئے، یہ واقعات مسلسل اور پے در پے ظاہر ہوئے تھے جیسا کہ حضرت امام عبد اللہ یافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ آپ کی کرامات مشہور اور حدِ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں اور بالاتفاق معلوم ہیں، جہاں بھر کے اولیاء میں سے کسی سے اس قدر کرامات ظاہر نہیں ہوئیں۔ منقول ہے کہ آپ کی کرامات مروارید کی گرہوں کی طرح لگاتار ظہور پذیر ہوتیں، کرامت کبھی تو آپ سے ظاہر ہوتی کبھی آپ میں ظاہر ہوتی اور کبھی آپ کے ساتھ ظاہر ہوتی، ہر گھڑی، ہر آن قسم قسم کی کرامات اور رنگ رنگ کی برکات ملاحظہ کی جاتیں جو کہ حدِ احصار و حصر سے باہر ہیں ؎

رُخِ نگارِ مرا ہر زمان دگر رنگ است
بزیرِ خمِ زلفش ہزار نیرنگ است

(میرے محبوب کے چہرے کا ہر آن نیا رنگ ہے اور اس کی زلفوں کے نیچے ہزاروں نیرنگیاں ہیں)

(23) یہاں سے کرامات و کمالات کے ظہور کی احادیث بیان فرما رہے ہیں۔

(24) جب مرتبۂ فنا حاصل ہو جائے گا اور مخلوق ارادت و عقیدت سے حاصل ہوگی۔

اور فخر و مباہات سے محفوظ و مامون کر دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر خوبصورت اور نیک سیرت[۲۵] بیوی اپنی کفایت اور دیگر بوجھوں[۲۶] سمیت تمہاری قسمت میں ہے تو اس کے اپنے اور رشتہ داروں کے بوجھ اور ان کی شرارت سے حفاظت کی جائے گی، وہ تمہارے پاس عطیۂ الٰہی، بے مشقت، مبارک، پاکیزہ ہوگی اور خیانت و کینہ، پلیدی[۲۷]، دغا اور غیظ و غضب[۲۸] سے پاک و صاف ہو کر رہے گی اور تمہاری عدم موجودگی میں خیانت نہیں کرے گی[۲۹]

---

(۲۵) حسن و جمال دونوں کے معنی خوبی کے ہیں، اگر حُسن کا معنیٰ حُسنِ اخلاق اور جمال کے معنیٰ خوبصورتی کے ہوں تو بھی درست ہے۔

(۲۶) یعنی وہ عورت حُسن و جمال اور مال و اسباب سمیت عطا کی جائے گی تاکہ تمہیں پسند بھی ہو اور اس کی مشقت کا بوجھ نہ پڑے۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے احوال میں مذکور ہے کہ ابتداءً آپ کو بیوی کی ضرورت تھی مگر آپ اس سلسلہ میں اللہ تعالےٰ کے حکم و اذن کے منتظر تھے جیساکہ مقالہ ۱۱ میں مذکور ہو چکا ہے۔

(۲۷) بعض نسخوں میں خبث کی بجائے حنث ہے اس کا معنیٰ ہے گناہ اور قسم توڑنا۔

(۲۸) طبیعت کے خلاف کام ہونے کی وجہ سے غصہ اور کینہ سر نکالتے ہیں۔ اگر انتقام لیا جائے تو اسے غضب کہتے ہیں اور اگر انتقام نہ لیا جائے تو اس سے کینہ پیدا ہوتا ہے۔

(۲۹) یہ لفظ آیۂ کریمہ حافظاتٌ للغیب کی تفسیر کے طور پر واقع ہیں اس سے دو مفہوم ہو سکتے ہیں: (۱) عورت خاوند کی عدم موجودگی میں خود کو زنا سے بچائے۔
(۲) خاوند کے مال میں بلا اذن بے جا تصرف نہ کرے۔

وہ بیوی اور اس کے رشتہ دار تمہارے فرمانبردار ہوں گے، اس کی مشقت سے محفوظ اور اذیت سے دُور رکھا جائے گا۔ اور اگر مقدر میں اس سے بیٹا لکھا ہے تو وہ صالح، آب و خاک کی آلائش سے پاک اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا: ہم نے آپ کے لیے آپ کی بیوی کو نیک بنا دیا۔ ایک اور جگہ اپنے خاص بندوں کی دُعا کا ذکر فرمایا کہ "اے اللہ! ہماری بیویوں اور اولاد کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا[۳۰] اور ہمیں متقین کا پیشوا بنا[۳۱]۔ اللہ تعالےٰ نے زکریا علیہ السلام کی دُعا کا ذکر فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا: اے پروردگار میرے فرزند کو اپنا محبوب اور قول و عمل میں اپنا پسندیدہ بنا لے۔ ان آیات میں مذکورہ دعاؤں پر عمل کیا جائے گا۔ یعنی تمہارے حق میں مستجاب و مقبول ہوں گی[۳۲]۔ خواہ آپ دُعا کریں یا نہ کریں[۳۳]، کیونکہ یہ نعمتیں برمحل اور اپنے اہل میں واقع ہیں[۳۴]۔ چنانچہ جو بھی ان نعمتوں کے لائق ہوگا اس مقام و مرتبہ پر فائز ہوگا، اور یہ قرب و فضل اس کے

---

(۳۰) کہ ہم انہیں دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں اور وہ ہمارے آرام و چین کا باعث ہوں اور ہم دین و دنیا میں راحت پا سکیں۔

(۳۱) یعنی ہمیں تقویٰ میں اس قدر کامل کر دے کہ متقین حضرات ہماری اقتدا کریں۔

(۳۲) تو ان دعاؤں سے تمہارا مقصود حاصل ہو جائے گا۔

(۳۳) یعنی جب آپ نفس اور اس کی خواہشات سے نکل کر اللہ تعالےٰ کے لطف و کرم کے مستحق بن گئے تو مانگے بے مانگے تمہاری اصلاح کی اشیاء مہیا کی جائیں گی اور ظاہری و باطنی نعمتیں نثار ہوں گی۔

(۳۴) کیونکہ بندہ ان صفات و احوال کے حاصل ہونے کی وجہ سے فیض الٰہی کے اخذ کرنے کے قابل ہو چکا ہے اور عادتِ الٰہیہ کے مطابق اسے یہ انعامات حاصل ہوں گے اسے سمجھ لو۔

مقدر میں ہوگا اس پر عنایات ہوں گی۔ اسی طرح دنیا کی کوئی چیز تمہارے مقدر میں ہوگی تو اس وقت[35] کوئی نقصان نہیں دے گی۔ کیونکہ وہ تمہاری قسمت میں لکھی جا چکی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے فعل و ارادہ سے کدورتوں سے پاک کردی گئی ہے، اور اسے تناول کرنے کا حکم بھی ہو چکا ہے[36]۔ اس لیے اس کا کھانا ضروری ہے، اسے کھانے میں تم حکمِ الٰہی بجالانے والے اور ثواب پانے والے ہوگے۔ جیساکہ فرض نماز اور فرض روزوں کی ادائیگی پر ثواب حاصل ہوتا ہے[37]، اور جو چیز قسمت میں نہیں[38] اس کو اس کے حقدار دوستوں، پڑوسیوں، دینی و ملّی بھائیوں، مستحقینِ زکوٰۃ[39] اور حال کے تقاضے کے مطابق دیگر مصارفِ زکوٰۃ[40] پر خرچ کرنے کا حکم دیا جائے گا، پھر تم پر حالات منکشف

---

(35) مخلوق سے تعلقات منقطع اور نفس و ہوا اور ارادہ و آرزو کے فنا ہونے کے بعد۔

(36) یہاں حکم سے مراد صحیح دل میں پیدا ہونے والا سکون اور یقین ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فرشتے کے ذریعہ وحی کے علاوہ صریح امر وارد ہو۔

(37) لیکن یہ دونوں امر ایجابی ہیں۔ اور باطنی حکم ظاہر کے اعتبار سے ساقط ہے اس لیے اس کا انکار کفر قرار نہیں پائے گا اور فقط باطنی خرابی ہی پیدا ہوگی جبکہ وحی کا انکار کفر اور ظاہری و باطنی خرابی کا موجب ہے اس لیے وحی کے ساتھ رُوح الامین علیہ السلام کی آمد مکتوب پر مہر کا درجہ رکھتی ہے۔

(38) اگرچہ تمہارے ہاتھ میں ہو لیکن اس میں تصرف کرنے کی اجازت حاصل نہیں ہوئی۔

(39) اگر وہ مالِ زکوٰۃ ہو تو، اور اگر مالِ زکوٰۃ نہیں تو اسے اغنیاء اور فقراء سب پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔

(40) اصحاب الاقسام کا ایک معنیٰ مصارفِ زکوٰۃ ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے اصحابِ اقسام مصارفِ زکوٰۃ سے عام تر لوگ مراد ہوں۔

کردیے جائیں گے اور تم ان میں تمیز کرسکو گے۔ اور ہر ایک کو پہچان سکو گے، اور سُنی ہوئی بات دیکھی ہوئی کی مانند نہیں ہوسکتی[41]۔ تو اس وقت تم شک و شبہ کی تاریکی سے پاک اور نفس کی کدورت سے صاف اور روشن ملّت و خصلت پر ہوجاؤ گے، جس پر وہم و ابہام کی کوئی گرد نہیں ہوگی۔ نہ اس میں التباس و اختلاط اور شک و شبہ کی گنجائش ہوگی[42]۔ پس تمہارے لیے ضروری ہے صبر و[43] رضا، حال کی نگہداشت[44]، گمنامی[45]، نرمی، خاموشی[46]، پرہیز، دنیا سے فرار اور کنارہ کشی لازم کرلو، اللہ تعالےٰ سے ڈرو، اس کی بارگاہ میں التجا کرو[47]، سر

---

(41) یعنی احوال کے کشف و تمیز میں خبر پر اعتماد نہ کرو اور محض لوگوں کے کہنے پر بھروسا نہ کرو بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ اس کلام سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ آپ یہ فرما رہے ہیں کہ میں نے یہ حالات و مقامات، معارف و حقائق صرف سُن کر بیان نہیں کردیے بلکہ بچشمِ خود ملاحظہ کیے ہیں اور حقیقتِ حال تک رسائی حاصل کی ہے۔

(42) شک کے معنیٰ یقین کے خلاف گمان کرنا اور ارتیاب کے معنیٰ شک کرنا (طرح)

(43) ہوائے نفس کی پیروی سے اور امرِ حق کی بجاآوری پر۔

(44) قضاء و قدر پر۔

(45) کہ اسے پوشیدہ رکھو اور حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔

(46) خمول و خمود دونوں کے معنیٰ خاموشی کے ہیں۔ خمود کے لغوی معنیٰ آگ بجھانا۔ بعض نسخوں میں الجمود الجمود ہے یعنی دماغ پر پانی ڈالنا۔

(47) اَلوحا اَلوحا اور اَلنجا اَلنجا ہم معنیٰ ہیں کسی لشکر کی آمد کے وقت لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

جھکالو[۴۸]، آنکھیں بند رکھو[۴۹]، حیا کو شعار کرلو[۵۰]، یہاں تک کہ کتاب اپنی مقررہ مدت پر پہنچ جائے[۵۱]۔ پھر تمھاری دستگیری کرتے ہوئے تمھیں آگے بڑھایا جائے گا تم سے سختی اور بوجھ اُٹھا لیا جائے گا۔ احسان، رحمت اور فضائل و کمالات کے سمندروں میں غوطہ دے کر تمھیں انوار و اسرار کی خلعت زیبِ تن کرائی جائے گی[۵۲] اور امورِ لدنیہ[۵۳] سے فیضیاب کرکے مقربِ بارگاہِ الٰہی بنا دیا جائے گا اور الہام و اِعلام سے نوازا جائے گا[۵۴]۔ کلامِ خداوندی سے مستفید کیا جائے گا[۵۵]۔ نعمتوں والے

(۴۸) سربلند کرنے اور جھوٹے دعوے کرنے سے شرم کرنا چاہیے۔

(۴۹) بعض نسخوں میں اَلاِطراق الاغماض ہے یعنی بہ الفاظ تکرار۔

(۵۰) یہ الفاظ بطریق امرار استعمال کرتے ہیں۔ اگر مبالغہ اور تاکید کے طور پر بطریق تحذیر استعمال کیے جائیں تو بھی احتمال ہے۔ یعنی ان صفات کو لازم کر لو اور اس راہ کو اپنا لو۔

(۵۱) یعنی معین مدت تک صبر و استقامت سے کام لو۔

(۵۲) فنا کے بعد بقا اور سیر الی اللہ کے بعد سیر فی اللہ کی طرف اور اسی طرح پروردگار کی طرف سے تربیت حاصل کرنے کے بعد مرتبۂ تکمیل و ارشاد پر فائز ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

(۵۳) جو کہ نظر و کسب کے بغیر حاصل ہوتے ہیں۔

(۵۴) مُحَدَّث کے معنی ہیں درست گمان والا آدمی - یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے:

لَقَدْ كَانَ فِيْمَنْ قَبْلَكُمْ مُحَدَّثُوْنَ — پہلی اُمتوں میں محدث ہوا کرتے تھے

فَاِنْ يَّكُنْ فِيْ اُمَّتِيْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ مِنْهُمْ۔ — اگر میری امت میں ہیں تو عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں سے ایک ہیں۔

(۵۵) جو کہ مقامِ قرب کے مناسب ہے، جیسا کہ آیۂ کریمہ میں ہے:

مَاكَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا — اللہ تعالیٰ کی شان نہیں کہ کسی بشر

بے نیاز[۵۶] اور دلیر بنا دیے جاؤ گے[۵۷]۔ تمھارا مقام بلند اور نام مشہور کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یُوں خطاب ہو گا کہ یقیناً آج تم ہمارے پاس صاحبِ مرتبہ و مقام اور امین ہو[۵۸]۔ اس وقت تم حضرت یوسف علیہ السلام کے حال پر قیاس کرو۔ جب انھیں مصر کے عظیم بادشاہ[۵۹] اور فرعون[۶۰] کی طرف سے یہی خطاب ملا تھا بظاہر اس خطاب کا قائل وہ فرعون تھا لیکن حقیقت و معرفت کی زبان میں حقیقتاً یہ بات خداوند قدوس کی تھی[۶۱]۔ آپ کو بظاہر مصر کی بادشاہت ملی تھی لیکن در حقیقت

وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ۔ — سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے۔

(۵۶) غنائے قلبی کے ساتھ۔

(۵۷) تائیدِ حق اور تقویتِ دین ہلاکت اور خوف کی جگہوں میں گھُس جانے والے۔

(۵۸) کہ زمین و آسمان کے خزانوں، علم و معرفت کے اسرار اور ان میں گفتگو کرنے میں تم امین ہو۔

(۵۹) دہقانوں اور مزارعین کے مقالات میں سردار اور بزرگ کے لیے عموماً لفظ عظیم استعمال ہوتا ہے چنانچہ روم اور بصریٰ کے والیوں کی طرف خط لکھتے ہوئے مملکت و سلطنت سے ان کے مرتبہ کو کم کرتے ہوئے لفظِ عظیم سے خطاب کیا گیا۔ حدیث پاک میں ہے: اِلٰی عَظِيْمِ بُصْرٰى وَاِلٰى عَظِيْمِ رُوْمَ۔

(۶۰) مشہور یہی ہے کہ شاہِ مصر کو فرعون کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور فرعون بمعنیٰ ظالم بھی آتا ہے اور فُرْعَنَةٌ کے معنیٰ زیرکی، تیزیٔ خاطر اور تکبّر کے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کا فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا دادا تھا۔

(۶۱) اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس مرتبہ و مقام سے سرفراز کریں تو فرعون کی زبان پر یہ کلمات جاری فرما دیئے در حقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے فضل و تصرف سے ہوا تھا جیسا کہ ایک آدمی دوسرے کو پیغام بھیجتا ہے۔

ملکِ نفس، آسمانِ علم و معرفت، اقلیمِ قربت و خصوصیت[٦٢] اور بلند مرتبہ باطنی سلطنت سونپ دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا[٦٣]: جس طرح ہم نے شاہِ مصر کے نزدیک مرتبہ بلند کیا اسی طرح زمینِ مصر میں آپ کو قدرت و مکنت دی کہ جہاں جی چاہے قیام کریں۔ ملکِ نفس کو حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے مسخر کرنے کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: اور اسی طرح[٦٤] تاکہ ہم انہیں ہر بُرائی اور بے حیائی سے بچالیں[٦٥]، یقیناً وہ ہمارے مخلص[٦٦] بندوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ملکِ علم و معرفت سونپنے[٦٧] کے متعلق بزبانِ یوسف علیہ السلام ارشاد فرمایا[٦٨]: یہ تمہارے خوابوں کی تعبیر ان جملہ معلومات سے ہے جس کی میرے رب نے مجھے تعلیم دی۔ بے شک میں نے اس قوم کا راستہ چھوڑا ہوا ہے جو خدا پر ایمان

---

(٦٢) کہ آپ اسرار و انوار سے ممتاز ہوئے۔

(٦٣) ان مملکتوں کی آیاتِ قرآنی کے ساتھ وضاحت فرما رہے ہیں۔

(٦٤) جس طرح ہم نے عزیزِ مصر کی بیوی کے فریب سے اور آپ کو اپنی طرف بلانے اور آپ کا قصد کرنے میں تمھیں ثابت قدم رکھا اور اس کا ارادہ کرنے سے بچالیا۔

(٦٥) یعنی مقدماتِ زنا

(٦٦) مُخلَص خالص کیے ہوئے۔ یعنی ہم نے اُنھیں سُمعہ و ریاکاری سے خالص کر کے اپنی محنت و عبادت کی دولت سے نوازا ہے۔

(٦٧) اور آپ کے دیگر خواص و لوازم کے متعلق۔

(٦٨) جو کہ آپ نے اپنے قید کے دو ساتھیوں کے سامنے اظہارِ تشکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا جب انہوں نے آپ کے خوارقِ عادت کام دیکھے اور آپ نے ان کے خوابوں کی تعبیر بیان فرمائی۔

نہیں رکھتی۔ لہٰذا جب تم سے اس طرح کا خطاب کیا جائے گا اے دوسروں سے بڑھ کر صدیق[٦٩]! تمھیں بڑے علم سے وافر حصہ عطا کیا جائے گا اور توفیق و احسان، دنیا کے بڑے بڑے کاموں پر قدرت، ولایتِ عامہ اپنے نفس اور دیگر سب اشیاء پر حکومت کی خوشخبری سنائی جائے گی[٧٠]۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے

---

(٦٩) ہمیشہ سچ بولنے والے اور سچائی کو اپنا شعار و کردار بنانے والے۔

(٧٠) تمھارے پسندیدہ امور کی ترقی اور اسباب کو مطالب کے موافق بنانے کی خوشخبری سنائی جائے گی۔ بعض نسخوں میں ھُنِّیتَ کی بجائے مُنِحتَ ہے یعنی کہ مذکورہ امور عطا کیے جائیں گے۔

(٧١) مقامِ سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یعنی تم اس مقام پر فائز ہوگے کہ انفس و آفاق پر تمہاری حکومت ہوگی اور ہر چیز مطیع و فرمانبردار بن جائے گی، جیسا کہ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ قطبیتِ عظمیٰ پہ فائز تھے تو آپ کے احکام ظاہر و باطن اور جن و انس سب پر جاری تھے۔ تمام آپ کے جلال و دبدبہ کے تابع اور خود کو فانی و محو کرنے والے تھے، جمیع اولیاءِ وقت آپ کی اطاعت و فرمانبرداری بجالانے والے اور امراء و خلفاءِ وقت سرِ تسلیم خم کیے ہوئے تھے کبھی یوں بھی ہوتا کہ کوئی عباسی خلیفہ حاضرِ خدمت ہوتا تو ملاقات نہ کر پاتا۔ اور حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ خط میں یوں تحریر فرماتے: عَبْدُ الْقَادِرِ یَأْمُرُكَ وَ اَمْرُهُ نَافِذٌ کہ عبدالقادر تمہیں یہ حکم دیتے ہیں اور ان کا حکم نافذ العمل ہے۔ ایک بار خلیفہ مستنجد باللہ جس کے دورِ خلافت میں آپ کا وصال شریف ہوا، خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور سونے کی تھیلیاں بطورِ ہدیہ پیش کیں۔ آپ نے

اشیار کو عدم سے وجود میں لانے کی طاقت سے سرفراز کیا جائے گا۔ یہ تمام نعمتیں اور کرامتیں دُنیا میں دی جائیں گی اور آخرت میں تمام آفات و بلیات سے محفوظ بہشت بریں میں ٹھہرائے جاؤ گے، اللہ تعالےٰ کے دیدار سے مشرف ہو گے۔ مزید انعامات واحسانات حاصل ہوں گے۔ یہ دیدار باری عزّ اسمہ ہی سب سے بڑھ کر مقصود ہے جس کی نہ کوئی انتہا ہے اور نہ ہی اس سے بڑھ کر کوئی نعمت ہے۔

ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اگر خاندانِ نبوت سے تمھارا تعلق نہ ہوتا تو میں اپنا ہاتھ ان ہتھیلیوں پر رکھتا اور لوگوں پر ظلم وستم کر کے چھینے ہوئے اس مال سے خون جاری ہو جاتا جو بہتا بہتا باب السلطنت تک پہنچ جاتا۔

درحقیقت اس کتاب میں آدابِ سلوک و مقاماتِ قُرب وغیرہ کے متعلق جو کچھ بھی ہے وہ آپ کے ہی احوالِ شریفہ ہیں جنھیں آپ نے بطریق رمز و اشارہ ذکر فرمایا ہے۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہ وعن جمیع الاولیار المقربین۔

اَلْمَقَالَةُ السَّابِعَةُ وَالْعِشْرُوْنَ

قَالَ رضؓ اِجْعَلِ الْخَيْرَ وَالشَّرَّ ثَمَرَتَيْنِ مِنْ غُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ وَّاحِدَةٍ
اَحَدُ الْغُصْنَيْنِ يُثْمِرُ حُلْوًا وَّ الْاٰخَرُ مُرًّا فَاتْرُكِ الْبِلَادَ وَالْاَقَالِيْمَ
وَنَوَاحِيَ الْاَرْضِ الَّتِيْ تُحْمَلُ اِلَيْهَا هٰذِهِ الثِّمَارُ الْمَاخُوْذَةُ مِنْ هٰذِهِ
الشَّجَرَةِ وَابْعُدْ مِنْهَا وَمِنْ اَهْلِهَا وَاقْرُبْ مِنَ الشَّجَرَةِ وَكُنْ سَائِسَهَا
وَخَادِمَهَا الْقَائِمَ عِنْدَهَا وَاعْرِفِ الْغُصْنَيْنِ وَالثَّمَرَتَيْنِ وَالْجَانِبَيْنِ
فَكُنْ اِلٰى جَانِبِ الْغُصْنِ الْمُثْمِرِ حُلْوًا فح يَكُوْنُ غِذَائُكَ وَقُوْتُكَ
مِنْهَا وَاجْتَنِبْ اَنْ تَقَدَّمَ اِلٰى جَانِبِ الْغُصْنِ الْاٰخَرِ فَتَاكُلَ مِنْ
ثَمَرَتِهٖ فَتُهْلِكَكَ مَرَارَتُهَا فَاِذَا اَدَمْتَ عَلٰى هٰذَا كُنْتَ فِيْ دَعَةٍ وَّاَمْنٍ
وَسَلَامَةٍ مِّنَ الْاٰفَاتِ كُلِّهَا اِذِ الْاٰفَاتُ وَاَنْوَاعُ الْبَلَايَا تَتَوَلَّدُ مِنْ
تِلْكَ الثَّمَرَةِ الْمُرَّةِ وَاِذَا غِبْتَ عَنِ الشَّجَرَةِ وَهِمْتَ فِي الْاٰفَاقِ
وَقُدِّمَ بَيْنَ يَدَيْكَ مِنْ تِلْكَ الثِّمَارِ وَهِيَ مُخْتَلِطَةٌ غَيْرُ مُتَمَيِّزَةٍ
الْحُلْوُ مِنَ الْمُرِّ فَتَنَاوَلْتَ مِنْهَا فَرُبَّمَا وَقَعَتْ يَدُكَ عَلَى الْمُرِّ
فَاَدْنَيْتَهَا مِنْ فِيْكَ فَاَكَلْتَ مِنْهَا جُزْءًا اَوْ مُضْغَةً فَسَرَتِ الْمَرَارَةُ اِلٰى
اَعْمَاقِ لَهَوَاتِكَ وَبَاطِنِ حَلْقِكَ وَدِمَاغِكَ وَخَيَاشِيْمِكَ فَعَمِلَتْ
فِيْكَ وَسَرَتْ فِيْ عُرُوْقِكَ وَاَجْزَاءِ جَسَدِكَ فَهَلَكْتَ بِهَا وَلَفَظَكَ

الباقي من فيك وغسل أثره لا يدفع عنك ما قد سرى في
جسدك ولا ينفعك وإن أكلت ابتداء من الثمرة الحارة وسرت
حلاوتها في أجزاء جسدك وانتفعت بها وسررت فلا يكفيك
ذلك فلا بد أن تتناول غيرها ثانيا فلا تأمن أن تكون الثانية من
المرة فيحل بك ما ذكرته لك فلا خير في البعد عن الشجرة و
الجهل بثمرتها والسلامة في قربها والقيام معها فالخير والشر
فعل الله عز وجل والله خلقكم وما تعملون وقال النبي صلى الله
عليه وسلم والله خلق الجازر وجزوره وأعمال العباد خلق
الله وكسبهم قال الله تعالى عز وجل ادخلوا الجنة بما كنتم
تعملون سبحانه ما أكرمه وأرحمه أضاف العمل إليهم وأنهم
استحقوا الدخول إلى الجنة بعملهم وهو بتوفيقه ورحمته
قال النبي صلى الله عليه وسلم لا يدخل الجنة أحد بعمله
فقيل له ولا أنت يا رسول الله فقال ولا أنا إلا أن يتغمدني
الله برحمته فوضع يده على رأسه مروي ذلك في حديث عائشة
رضي الله تعالى عنها فإذا كنت طائعا لله ممتثلا لأمره منتهيا لنهيه
مسلما له في قدره حماك عن شره وتفضل عليك بخيره وحماك
عن الأسواء جميعها دينا ودنيا أما دنيا فقوله كذلك لنصرف
عنه السوء والفحشاء إنه من عبادنا المخلصين وأما دينا
فقوله عز وجل ما يفعل الله بعذابكم إن شكرتم وآمنتم
مؤمن شاكر ما يفعل البلاء عنده وهو إلى العافية أقرب

من البلاء لأنه شاكر قال الله تعالى لئن شكرتم لأزيدنكم
فإيمانك يطفي لهب النار في الآخرة التي هي عقوبة كل عاص
فكيف لا يطفي نار البلاء في الدنيا اللهم إلا أن يكون العبد
من المجذوبين المختارين للولاية والاصطفاء والاجتباء فلا بد
من البلاء ليصفى به من خبث الأهواء والميل إلى الطباع و
الركون إلى شهوات النفس ولذاتها والطمأنينة إلى الخلق و
الرضا بقربهم والسكون إليهم والثبوت معهم والفرح
بهم فيبتلى حتى يذوب جميع ذلك فينظف القلب بخروج
الكل ويبقى توحيد الرب ومعرفة الحق وموارد الغيب من
أنواع الأسرار والعلوم وأنوار القرب لأنه بيت لا يسع اثنان
ما جعل الله لرجل من قلبين في جوفه إن الملوك إذا دخلوا قرية
أفسدوها وجعلوا أعزة أهلها أذلة فأخرجوا الأعزة عن طيب
المنازل ونعيم العيش وكانت الولاية على القلب للشيطان والهوى
والنفس والجوارح متحركة بأمرهم من أنواع المعاصي و
الأباطيل والترهات فزالت تلك الولاية فسكنت الجوارح و
فرغت دار الملك التي هي القلب وتنظفت الساحة التي هي
الصدر وأما القلب فصار مسكنا للتوحيد والمعرفة والعلم
وأما الساحة فمحط الموارد والعجائب من الغيب كل ذلك
نتيجة البلايا وثمرتها قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم
إنا معاشر الأنبياء أشد الناس بلاء ثم الأمثل فالأمثل

وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَعْرَفُكُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّكُمْ لَهُ
خَوْفًا فَكُلُّ مَنْ قَرُبَ مِنَ الْمَلِكِ اِشْتَدَّ خَطَرُهُ وَحَذَرُهُ لِاَنَّهُ فِيْ
مَرْاٰى مِنَ الْمَلِكِ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ تَصَارِيْفُهُ وَحَرَكَاتُهُ وَلَحَظَاتُهُ فَاِنْ
قُلْتَ فَالْخَلِيْقَةُ عِنْدَ اللّٰهِ بِاَجْمَعِهِمْ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ
مِنْهُمْ شَيْءٌ فَاَيُّ فَائِدَةٍ لِهٰذَا الْكَلَامِ قِيْلَ لَكَ لَمَّا عَلَتْ مَنْزِلَتُهُ وَشَرُفَتْ
رُتْبَتُهُ عَظُمَ خَطَرُهُ لِاَنَّهُ وَجَبَ عَلَيْهِ شُكْرُ مَا اَوْلَاهُ مِنْ جَسِيْمِ
نِعَمِهِ وَفَضْلِهِ فَاَدْنَى الْاِلْتِفَاتِ عَنْ خِدْمَتِهِ تَقْصِيْرٌ فِيْ شُكْرِهِ وَذٰلِكَ
نُقْصَانٌ فِيْ طَاعَتِهِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ
بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ قَالَ ذٰلِكَ لَهُنَّ لِتَمَامِ
نِعْمَتِهِ عَلَيْهِنَّ بِاتِّصَالِهِنَّ بِالنَّبِيِّ فَكَيْفَ مَنْ كَانَ هُوَ وَاصِلًا بِاللّٰهِ وَقُرْبِهِ
تَعَالَى اللّٰهُ عُلُوًّا كَبِيْرًا عَنِ التَّشْبِيْهِ بِخَلْقِهِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ

مقالہ ۲۷

خیر و شر ایک ہی درخت کے دو ثمر ہیں

حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: خیر و شر ایک ہی درخت کی دو ٹہنیوں کے پھل جانو۔ ایک شاخ کا پھل میٹھا ہوتا ہے[1] دوسری کا کڑوا۔[2] اس لیے ان شہروں، ملکوں اور زمین کے ان گوشوں کو چھوڑ دو جہاں اس درخت[3] کے پھل پہنچتے ہیں۔ ایسی جگہوں اور ان کے باسیوں سے دور ہو جاؤ[4] اور درخت کے تنے کے قریب ہو جاؤ۔[5] اس کے نگہبان اور خادم بنتے ہوئے اس کی نزدیکی

(۱) جو کہ خیر سے عبارت ہے۔
(۲) اس سے مراد شر ہے۔
(۳) یعنی مختلف قسم کے خیر و شر کے درخت۔
(۴) تاکہ تمھیں پریشانی نہ اٹھانی پڑے اور تلخ و شیریں کے درمیان امتیاز کیے بغیر پھل نہ کھا سکو اور لوگوں کی بھلائی و برائی میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ ان سب سے مقصود شر سے احتراز ہے۔
(۵) جہاں سے یہ دونوں شاخیں نکلتی ہیں کیونکہ اس جگہ تلخ و شیریں میں امتیاز کرنا آسان ہے۔

لازم کرلو۔ اس کی دو شاخوں اور ان کے دونوں طرف کے پھلوں کو اچھی طرح پہچان کر وہ پہلو اختیار کرو جس کا پھل میٹھا ہے۔ اس وقت تمہاری غذا اور پرورش(۶) میٹھے میوے سے ہوگی۔ کڑوے پھل والی شاخ کی طرف بڑھنے سے اجتناب کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اُسے کھالو اور اس کی تلخی تمہیں ہلاک کردے۔ جب تم ہمیشہ اس طریقے پر قائم رہے تو راحت و آسودگی اور امن و سلامتی میں رہو گے کیونکہ تمام آفات و بلیات اس کڑوے پھل(۷) سے پیدا ہوتی ہیں اور اگر تم نے اس درخت سے دُوری اختیار کی اور ادھر ادھر حیران و سرگرداں پھرتے رہے تو یہ مِلے جُلے پھل(۸) سامنے آئیں گے ان میں میٹھے اور کڑوے کا امتیاز نہیں ہوگا تو تم اسے کھانے کے لیے پکڑو گے تو کبھی تمہارا ہاتھ کڑوے پھل پر جا پڑے گا، پھر تم اسے اپنے مُنہ کے قریب کرتے ہُوئے کھاؤ گے اور چباؤ گے تو اس کی تلخی تمہارے حلق، دماغ اور ناک میں سرایت کر جائیگی اور اپنا اثر دکھائے گی اور تمہارے رگ و ریشے اور تمام جسم میں داخل ہوجائے گی جس کے نتیجے میں تم ہلاک ہوجاؤ گے پھر اگر تم پھل کا باقی حصہ منہ سے نکال کر منہ دھو لو تو ایسا کرنا جسم میں رچی ہُوئی کڑواہٹ کے لیے مفید نہیں ہوگا(۹)۔ اور اگر تم ابتداءً ہی ثمرِ شیریں تناول کرو اور اس کی حلاوت

---

(۶) جس سے تمہارے بدن کو آرام میسر آئے۔

(۷) جو کہ بدی اور بدکاری سے کنایہ ہے۔

(۸) یہ نیکیوں اور بدیوں سے کنایہ ہے۔

(۹) **گناہ کا اثر سارے جسم میں سرایت کرجاتا ہے** اس کلام میں تنبیہ ہے کہ محض برائی اور

تمہارے جسم میں رچ جائے اور تم اس سے نفع و مسرت پاؤ تو یہ ایک بار ثمرِ شیریں کھانا کافی نہیں اسے دوبارہ بھی کھانا پڑے گا۔ لہٰذا دوسری بار بھی کڑوا پھل کھانے سے مامون نہیں ہو تو اس صورت میں مذکورہ نقصان اٹھانا پڑے گا(۱۰)۔ لہٰذا درخت سے دُور اور اس کے پھل سے بے خبر رہنے میں بھلائی نہیں ہے بلکہ سلامتی اس کے قریب رہنے میں ہے(۱۱)۔ معلوم ہونا چاہیے کہ خیر و شر دونوں اللہ تعالیٰ کے فعل و تقدیر ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا خالق و متصرف اور بندوں میں انہیں

معصیت کا ارتکاب کرنے سے اس کا اثر پورے جسم میں سرایت کرجاتا ہے جس کا نتیجہ آدمی کی ہلاکت کی صورت میں سامنے آتا ہے اثر کے سرایت کرنے کے بعد پشیمان ہونے اور اسے ترک کرنے کا کوئی فائدہ برآمد نہیں ہوتا۔ اللّٰھم! مگر مکمل توبہ کی توفیق مل جائے تو یہ گناہ نہ کرنے کے حکم میں داخل ہے لیکن توبۃ النصوح کا وجود انتہائی کمیاب ہے خصوصاً حقوق العباد کے بارے میں کیونکہ ان میں توبہ مظالم رد کرنے پر موقوف ہے۔

(۱۰) **عمل میں دوام ضروری ہے** اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نیک کام میں دوام اور کامل تجربہ ہونا چاہیئے تاکہ بالتحقیق معلوم ہوسکے کہ یہ کام نیک ہے خصوصاً جہاں نیک اور بُرے کام کے اجتماع و اختلاط کی وجہ سے اشتباہ و التباس ہو۔

(۱۱) تاکہ تلخ و شیریں میں امتیاز آسان ہو، اور دور رہنا حیرانی و سرگردانی کا موجب نہ بنے اور بلا امتیاز پھل کھانے سے ہلاکت میں نہ گرے۔

جاری کرنے والا ہے[۱۲]۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۱۳]: اللہ نے تمھیں اور تمھار

---

(۱۲) درخت والی مثال کی توضیح

اللہ تعالیٰ ہی کے لیے بلند مثال ہے گویا درخت حق تعالیٰ کی ذات مقدس ہے اور اس کی دو شاخیں جمال وجلال اور ہدایت وضلال والی دو صفتیں ہیں اور پھل ان دونوں صفتوں سے پیدا ہونے والے خیر وشر کی مثال ہے کہ جمال و ہدایت کا ثمر شیریں اور جلال وضلال کا ثمر تلخ ہے۔ درخت کا قرب حاصل کرنے سے مراد صمدیت میں توجہ اور اس سے استمداد اور بارگاہِ قدس سے علم ومعرفت کا استفادہ کرنا ہے تاکہ اس سے خیر وشر کے درمیان فرق وامتیاز حاصل ہو سکے۔ شہروں، ملکوں اور زمین کے گوشوں میں حیران پھرنا کثرت کے تفرقہ، عقل ووہم کے احکام سے تمسک وتعلق، نفس کی تدابیر اور اس کے ارادہ وخواہشات سے کنایہ ہے جو کہ حیرانی وسرگردانی کا باعث اور مہلکات میں گرنے کا سبب ہے۔ ممکن ہے کہ شجرہ تقدیرِ الٰہی کی مثال ہو جس کی دو جانبیں ہیں بطریق خدمت وملازمت درخت کا قرب اور اس کے پاس وقوف قدر میں فنا اور اس کے علم کے مطابق جاری ہونے سے کنایہ ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ اس مقالہ کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ مخلوق سے جُدائی اختیار کرتے ہوئے خلوت اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توجہ اور حضور لازم کرلے۔ تدبیر واختیار کو ترک کرتے ہوئے تفرق وانتشار سے کنارہ کش ہوجائے تاکہ شر کی ہلاکتوں میں گرنے اور تباہی کے مقامات میں پڑنے سے بچا رہے اور توجہ جنابِ باری تعالیٰ کی طرف رہے جو خیر وشر کی تقدیر کرنے والا اور تمام اکوان و آثار کا مبدا ہے۔ اور خیر کی جانب کو مضبوط تھام لے کیونکہ یہ آفات وبلیات سے امن وسلامتی کا مرجع ہے۔ واللہ اعلم

(۱۳) یہاں سے اس بات پر دلیل ذکر فرما رہے ہیں کہ سب خدا کی مخلوق اور مقدور ہیں۔

عملوں کو پیدا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ذبح کرنے والے اور ذبح ہونے والے دونوں کو پیدا کیا ہے[۱۴]۔ بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور بندوں کا کسب ہیں[۱۵] ——— اللہ تعالیٰ

---

(۱۴) لہٰذا بکری کا ذبح اور اونٹ کا نحر اس کی خلق میں داخل ہیں۔ گویا کہ کسی نے حیوان کو ذبح کرنا اور کسی جاندار شئے کو تکلیف دینا بعید جانا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا کہ یہ سب کچھ اس کی خلق وتقدیر سے ہے۔ قاتل ومقتول اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ تمام اشیاء اس کی مخلوق اور اس کی قدرت میں داخل ہیں تو اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ بندے کا بھی کچھ دخل ہے جیسا کہ اہلسنت وجماعت کا مذہب ہے، چنانچہ آگے فرماتے ہیں۔

(۱۵) اللہ خالق ہے اور بندہ کاسب

کسب کا لغوی معنی اختیار کرنا اور گرد آوردن جمع کرنا ہے۔

اہلسنت میں یہ بات مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور بندہ کاسب۔ اس کی تحقیق اپنے مقام پر درج ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے پروردگارِ عالم نے اسباب پیدا فرمائے ہیں اور ہر کام کا سبب مقرر فرمایا جیسا کہ جلانے کے لیے آگ اور تر کرنے کے لیے پانی وغیرہ۔ اور کسی کام کو پیدا کرنے کے لیے بندے کے قصد واختیار کو سبب بنایا ہے۔ جب بندے کی طرف سے قصد پایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فعل کی ایجاد فرمادیتا ہے یہاں تک کہ بندے کے قصد کا پیدا کرنا بھی اسباب وآلات پر موقوف ہے اور یہ سب کے سب مخلوق الٰہی ہیں۔ لہٰذا قصد بھی اللہ کی ایجاد ہے۔ کہتے ہیں کہ قصد

فرما رہا ہے: [۱۶] جنت میں داخل ہو جاؤ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے۔ اللہ سبحانہٗ کس قدر رحم و کرم والا ہے کہ عمل کی نسبت بندوں کی طرف کرتے ہوئے انھیں عمل کی وجہ سے دخولِ جنت کا مستحق ٹھہرا رہا ہے جبکہ یہ بھی اسی کی توفیق [۱۷] و رحمت [۱۸] سے ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا [۱۹]۔ عرض کیا گیا: آپ بھی نہیں یا رسول اللہ؟ فرمایا: میں بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوں گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت مجھے ڈھانپ لے [۲۰]۔

وجودی چیز نہیں ہے بلکہ لاموجود و لامعدوم ہے۔ اس کے باوجود نفس الامر میں کوئی ایسی چیز موجود ہے جس کے ساتھ بندہ استناد و استقلال حاصل کرتا ہے اور یہ چیز عادت جاریہ کے مطابق ایجادِ حق کی موقوف علیہ ہے۔ حق بات یہی ہے کہ علمی گفتگو کے ذریعے اس مسئلہ کی کُنہ معلوم کرنا ممکن نہیں۔ ہاں کشفِ اتم کے ذریعے حقیقتِ حال پر آگاہی ہو سکتی ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ دخولِ بہشت کے وقت یہ خبر منکشف ہو جائے گی۔

(۱۶) یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ بندوں کی طرف عمل کی نسبت و اسناد ہوتی ہے اور ترتبِ ثواب و عقاب میں ان کا دخل ہے۔

(۱۷) کہ دنیا میں عمل کی توفیق دی۔

(۱۸) کہ آخرت میں ان پر رحمت فرمائے گا۔

(۱۹) بلکہ محض اس کے فضل و کرم سے داخل ہوگا۔

(۲۰) جس طرح کہ نیام تلوار کو ڈھانپ لیتی ہے۔

یہ فرما کر آپ نے اپنا دستِ مبارک اپنے سر پر رکھ لیا [۲۱]۔ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے [۲۲]۔ جب تم حکمِ خداوندی کے مطیع اور امرِ خدا کے فرمانبردار اس کی نہی سے رُک جاؤ گے اور قضا و قدر کو تسلیم کر لو گے تو اللہ تعالےٰ شر سے تمھیں محفوظ رکھے گا اور خیر کے ذریعے تم پر اپنا فضل فرمائے گا اور دین و دنیا کی تمام آفتوں سے بچائے گا۔ دینی معاملہ میں حفاظت کے متعلق فرمانِ الٰہی ہے ہم نے یوسف علیہ السلام سے یہ معاملہ کیا تاکہ ہم آپ سے زنا اور اس کے مقدمات دُور رکھیں یقیناً وہ ہمارے مخلص [۲۳] بندوں سے ہیں۔ دنیاوی حمایت کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اگر تم شکر گزار مومن بندے ہو تو اللہ تعالیٰ تمھیں عذاب کیوں دے گا۔ شاکر مومن کے پاس مصیبت کیا کرے گی؟ جبکہ وہ بلا کی نسبت عافیت کے زیادہ قریب ہے اور شکر گزار ہونے کی وجہ سے زیادتی نعمت کے مقام میں ہے [۲۴]۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم شکر کرو گے تو تمھیں زیادہ دوں گا۔ جب تمھارا ایمان آخرت کی آگ کو سرد کر دیتا ہے جو کہ ہر گنہگار کے لیے عذاب ہے [۲۵]

---

(۲۱) اللہ تعالیٰ کے احکام و اوامر کو تسلیم کرتے اور تعظیم بجا لاتے ہوئے جیسا کہ اہلِ عرب کی عادت ہے کہ تعظیم و تکریم کے وقت وہ اپنا ہاتھ سر پر رکھ لیتے ہیں۔

(۲۲) وَلَا اَنْتَ؟ کہہ کر سوال کرنے والی بھی آپ ہیں۔

(۲۳) خالص کرنے والے یا خالص کیے ہوئے۔

(۲۴) کیونکہ شکر مزید نعمت کا سبب ہے نہ کہ ابتلا و انتقام کا موجب اور عقاب و سزا کا محل کفر اور کفرانِ نعمت ہے۔

(۲۵) چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ مومن جب دوزخ سے گزریں گے تو دوزخ پکار اٹھے گی کہ اے مومن! جلدی سے گزر جا کیونکہ تمھارا نور میری آگ کو ختم کر رہا ہے۔

تو دنیا آتشِ بلا اور غضبِ الٰہی کو کیوں نہ بُجھائے گا۔ (۲۶) اللّٰھم مگر کہ بندہ مجذوبوں سے ہو جسے اللہ تعالےٰ نے ولایت خلوصِ محبت وصفائے مودّت، مراتبِ عَلیہ اور مناصبِ سَنیہ کے لیے چُن لیا ہو (۲۷) تو اس کے لیے بلائیں ضروری ہیں تاکہ اسے خواہشاتِ نفس، میلانِ طبیعت، نفس کی لذات وشہوات، مخلوق سے آرام و سکون، ان کے قُرب میں خوشنودی حاصل کرنے اور ان کے ساتھ ثبوت و فرحت پانے سے خالی کر دیا جائے (۲۸)۔ اس عبد مجذوب کو مبتلا کیا جاتا ہے یہاں تک کہ تمام آلائشیں اس سے خارج ہو جاتی ہیں اور دل تمام آلودگیوں سے پاک کر دیا جاتا ہے۔ پھر اس کا دل خدا کی وحدانیت، حق کی معرفت اور علومِ غیب کی آمد کا محل بن جاتا ہے جس میں طرح طرح کے اسرار و علوم اور انوارِ قُرب جلوہ گر ہوتے ہیں کیونکہ یہ دل ایسا گھر ہے جس میں دُوئی کی گنجائش نہیں ہے۔ قرآنِ حکیم میں ہے: اللہ تعالےٰ نے کسی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے (۲۹)۔ نیز فرمایا کہ

---

(۲۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان وطاعت لطف و رحمت اور ناز و نعمت کا سبب ہیں جیسا کہ فرمانبردار غلاموں کے متعلق امراء و سلاطین کے سامنے مشاہدہ کیا جاتا ہے نیز مومن بارگاہِ الٰہی کے محبوب ہیں اور محب اپنے محبوب کو کبھی عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔

(۲۷) اجتباء۔ اور اصطفاء۔ دونوں ہم معنی ہیں۔

(۲۸) جس طرح کہ زنگ آلود لوہا آگ پر صاف کیا جاتا ہے، اس گروہ کے حق میں یہ بھی حمایت وعنایت، تفضل و احسان، نعمت وعافیت اور لطف و کرم میں شامل ہے لہذا مومن ہر حال میں انعام و اکرام اور لطف و کرم کا مستحق ہے خواہ انعام ظاہری ہو یا خفی۔

(۲۹) عؔ یک دل داری بس است یکدوست ترا

(تمہارا دل ایک ہے لہذا دوست بھی ایک ہی کافی ہے)

یقیناً سلاطین جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے خراب کرتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل بنا دیتے ہیں۔ ان معزز لوگوں کو خوب صورت منازل اور ستھری زندگی سے نکال دیتے ہیں (۳۰)۔ اس سے قبل دل پر نفس، شیطان اور خواہش کی حکمرانی تھی اور اعضاء ان کے حکم کے مطابق متحرک تھے کہ طرح طرح کی برائیوں اور گمراہیوں (۳۱) میں مصروف تھے جب ان کی سلطنت زائل ہو گئی تو جوارح نے سکون حاصل کر لیا، اور دل جو کہ شاہی محل ہے خالی ہو گیا اور سینہ جو کہ صحن ہے غیر کے غبار سے صاف ہو گیا لیکن دل وہ توحید اور معرفت و علم کا مرکز بن گیا اور سینہ عجائباتِ غیبی اور واردات کے نزول کا مقام بن گیا (۳۲)۔ یہ آفات

---

(۳۰) کہ وہ لوگ بمقتضائے طبع وحکمِ نفس اطمینان وسکون کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے ناز و نعمت کے ساتھ رہ رہے تھے کہ ان کو تہہ و بالا کر ڈالا۔

ع ہمچو من سرمست را در خانۂ خود رہ دہی
آخر ندانی اینقدر ایں بشکنم آں بشکنم

(مجھ ایسے سرمست کو اپنے گھر کی طرف راہ دیتے ہوئے یہ نہ جانا کہ میں یہ نہیں توڑوں گا وہ توڑوں گا)

(۳۱) تَرَوُّھات تَرّہ کی جمع ہے یہ فارسی کے لفظ دوروِیہ سے عربی بنایا گیا ہے یعنی بڑی شاہراہ سے نکلنے والا چھوٹا راستہ۔ اور کبھی عظیم حادثہ اور سخت و دشوار کام کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔

(۳۲) ولی کا دل اسرارِ غیبیہ کا مرکز ہے اس کلام حقیقت انتظام سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہی محل توحید و معرفت کا مرکز و مسکن دل ہی ہے اور سینہ جو کہ اس محل کا صحن ہے

بلیات کا نتیجہ اور ثمر ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارے انبیاءِ کرام کی آزمائش سب سے سخت ہوتی ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کی جو صلاح و فضیلت میں ان کے نزدیک ہیں۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم سے زیادہ خدا کی معرفت رکھنے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں۔ جو بادشاہ کے زیادہ قریب ہوگا اس کے لیے

وہ بھی اسرارِ غریبہ اور علومِ غیبیہ کے ورود کا مقام ہے۔ دل اور سینہ اصطلاحِ معرفت میں عوالمِ غیوب و انوارِ معرفت کے دو جہانوں کا نام ہے جو کہ عالمِ ملکوت سے فیض پاتے ہیں پہلے انوار دل پر برستے ہیں اور ان انوار کے آثار خشیت و ہیبت اور سرور وغیرہ یہ عالمِ جبروت سے اترتے ہیں ان کی جائے ورود سینہ ہے کہ سینے کا تعلق عالمِ جبروت سے ہے اور دل کا تعلق عالمِ غیب سے، عالمِ جبروت کو عالمِ صدر سے اور عالمِ غیب کو دل سے کنایہ کرتے ہیں۔ عالمِ جبروت عالمِ ملکوت و شہادت کے درمیان واقع ہے جیسا کہ سینہ قلب و جوارح کے درمیان ہے۔ لیکن رونا، چیخنا چلانا اور ڈر کی وجہ سے بالوں کا کھڑے ہو جانا، ان کا تعلق عالمِ شہادت سے ہے چونکہ جوارح کا تعلق بھی عالمِ شہادت سے ہے اس لیے ان کے آثار کا ورود بھی جوارح پر ہوگا جس طرح کہ عالمِ صغیر یعنی صورتِ قلب اور اس کا احاطہ کرنے والی ہڈیاں یعنی صورتِ صدر کے درمیان نسبت ہے وہی نسبتِ معنوی قلب و صدر کے درمیان سمجھنا چاہیے جیسا کہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے ذکر فرمایا۔ اور جب سلطانِ توحید اور شہود اللہ مملکتِ وجود پر غالب آجاتا ہے تو قلب و سینہ کے انوار و اسرار چمکتے ہیں اور وہاں سے اعضاء و جوارح میں سرایت کرتے ہیں۔

خوف و خطر بھی زیادہ ہوگا اس لیے کہ وہ بادشاہ کی نگاہ میں ہوتا ہے اس کے تمام تصرفات حرکتیں اور ادھر ادھر دیکھنا بادشاہ پر ظاہر ہوتا ہے۔

اعتراض : اللہ تعالیٰ کے سامنے تمام لوگ ایک آدمی کا حکم رکھتے ہیں اس پر بندوں کی کوئی چیز مخفی نہیں[33]، تو اس کلام کا کیا فائدہ ہوگا؟

جواب : یہ درست ہے کہ اللہ کا علم تمام کو محیط ہے لیکن جب اس آدمی کی قدر و منزلت اللہ کی بارگاہ میں بڑھ گئی رتبہ زائد ہو گیا تو اس کے لیے خطرات بھی بڑھ گئے ہیں کیونکہ اس کی اس قدر عظیم نعمت و فضل کا شکر ادا کرنا بھی لازم ہے اور اس کی اطاعت میں ادنیٰ سی بے احتیاطی ادائے شکر میں کوتاہی ہے اور یہ اطاعتِ خداوندی میں کمی کا سبب ہے[34]۔ ربِ کائنات جل شانہٗ نے فرمایا: اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کھلی نافرمانی کرے گی[35] اسے اوروں سے دُگنا عذاب دیا جائے گا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج کو یہ اس لیے کہا کہ اُن پر قُرب و معیتِ نبی[36] کی وجہ سے نعمتوں کا اتمام ہو چکا ہے، تو اس آدمی کا کیا حال ہوگا جسے اللہ تعالیٰ کا

---

(۳۳) کہ مقربین کے احوال کو دیکھتا، جانتا ہے جبکہ وہ تمام مخلوق کو دیکھتا جانتا ہے تو مقربین کے ساتھ دیکھنے جاننے کی تخصیص کیونکر؟

(۳۴) اور یہ مقربین کے لیے زیادہ خطرے اور پرہیز کا سبب ہے۔ ان کے متعلق زیادہ علم ہونا یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ اس کا اعتبار زیادہ اور ان پر مواخذہ سخت ہے۔ آگے مقربین پر مؤاخذہ سخت ہونے کی دلیل ذکر فرماتے ہیں۔

(۳۵) فاحشہ کے معنی زنا کے بھی ہیں اور ہر حد سے بڑھنے والی برائی کو بھی فاحش کہتے ہیں۔

(۳۶) جیسا کہ یٰنساء النبی کی اضافت سے مفہوم ہوتا ہے اور یہاں یہی مقصود ہے۔

قُرب و اتصال میسر آچکا ہے۔(۳۷) اللہ تعالےٰ اس بات سے بہت بلند ہے کہ اسے اپنی مخلوق میں سے کسی سے تشبیہ دی جائے۔ اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سُننے جاننے والا ہے۔(۳۸)

---

(۳۷) اگرچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قُرب و اتصال خداوندی قُرب و اتصال کا سبب ہے تاہم اس کے باوجود۔

(۳۸) اس کے مقابلہ میں کسی کی سماعت وبصارت نہیں رہتی، سب کی معدوم وفنا ہوجاتی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات رضوان اللہ علیہن کے لیے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر یہ وعید ہے تو حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی نسبت کی وساطت سے جسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انتساب حاصل ہے اس اعتبار پر وعید اس سے بھی شدید اور قوی ہوگی۔ اسے سمجھ لو۔

اَلْمَقَالَةُ الثَّامِنَةُ وَالْعِشْرُوْنَ

قَالَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اَتُرِيْدُ الرَّاحَةَ وَالسُّرُوْرَ وَالدَّعَةَ وَالْحُبُوْرَ وَالْاَمْنَ وَالسُّكُوْنَ
وَالنَّعِيْمَ وَالدَّلَالَ وَاَنْتَ بَعْدُ فِیْ كِيْرِ السَّبْكِ وَالتَّذْوِيْبِ وَتَمْوِيْتِ
النَّفْسِ وَمُجَاهَدَةِ الْهَوٰى وَاِزَالَةِ الْمُرَادَاتِ وَالْاَعْوَاضِ دُنْيَا
وَّاُخْرٰى وَقَدْ بَقِیَ فِيْكَ بَقِيَّةٌ مِّنْ ذٰلِكَ ظَاهِرَةٌ لَا بُحَّةٌ عَلٰى
دِسْلِكَ يَا مُسْتَعْجِلُ مَهْلًا مَهْلًا يَا مُتَرَقِّبُ اَلْبَابُ مَسْدُوْدٌ اِلٰى ذٰلِكَ
وَقَدْ بَقِيَتْ عَلَيْكَ مِنْهُ بَقِيَّةٌ وَّفِيْكَ ذَرَّةٌ مِّنْهُ اَلْمُكَاتَبُ عَبْدٌ
مَا بَقِیَ عَلَيْهِ دِرْهَمٌ اَنْتَ مَصْدُوْدٌ عَنْ ذٰلِكَ مَا بَقِیَ عَلَيْكَ مِنَ الدُّنْيَا
مِقْدَارُ مَصِّ نَوَاةٍ اَلدُّنْيَا هَوَاكَ وَمُرَادُكَ وَمُنَاكَ وَرُؤْيَتُكَ لِشَیْءٍ
مِّنَ الْاَشْيَاءِ وَتَشَوُّقُ نَفْسِكَ اِلٰى شَیْءٍ مِّنَ الْاَعْوَاضِ دُنْيَا وَّاُخْرٰى
فَمَا دَامَ فِيْكَ شَیْءٌ مِّنْ ذٰلِكَ فَاَنْتَ فِیْ بَابِ الْاِفْنَاءِ فَاسْكُنْ حَتّٰى
يَحْصُلَ الْفَنَاءُ عَلَى التَّمَامِ وَالْكَمَالِ فَتَخْرُجَ مِنَ الْكِيْرِ وَتَكْمُلَ
صِيَاغَتُكَ وَتُحَلّٰى وَتُكْسٰى وَتُطَيَّبَ وَتُبَخَّرَ ثُمَّ تُرْفَعَ اِلَى الْمَلِكِ
الْاَكْبَرِ فَتُخَاطَبَ بِاَنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ فَتُؤَانَسَ
وَتُلَاطَفَ وَتُطْعَمَ مِنَ الْفَضْلِ وَمِنْهُ تُسْقٰى وَتُقَرَّبُ وَتُدْنٰى وَ
تُطْلَعُ عَلَى الْاَسْرَارِ هِیَ عَنْكَ لَا تُخْفٰى فَتَغْنٰى بِمَا تُعْطٰى مِنْ ذٰلِكَ

عَنْ جَمِيعِ الْأَشْيَاءِ أَلَا تَرَى إِلَى قُرَاضَةِ الذَّهَبِ مُتَفَرِّقَةً مُتَبَدِّلَةً مُتَدَاوَلَةً غَادِيَةً رَائِحَةً فِي أَيْدِي الْعَطَّارِينَ وَالْبَقَّالِينَ وَالْقَصَّابِينَ وَالدَّبَّاغِينَ وَالنَّفَّاطِينَ وَالْكَنَّافِينَ أَصْحَابِ الصَّنَائِعِ النَّفِيسَةِ وَالرَّذِيلَةِ الدَّنِيَّةِ الْخَبِيثَةِ ثُمَّ تُجْمَعُ فَتُجْعَلُ فِي كِيرِ الصَّائِغِ فَتَذُوبُ هُنَاكَ بِاشْتِعَالِ النَّارِ عَلَيْهَا ثُمَّ تُخْرَجُ مِنْهُ وَتُرَقَّقُ وَتُطْبَعُ فَتُصَاغُ فَتُجْعَلُ حُلِيًّا ثُمَّ تُجْلَى وَتُطَيَّبُ فَتُتْرَكُ فِي خَيْرِ الْمَوَاضِعِ وَالْأَمْكِنَةِ مِنْ وَرَاءِ الْأَغْلَاقِ فِي الْخَزَائِنِ وَالصَّنَادِيقِ وَالْأَحْقَاقِ أَوْ تَتَحَلَّى بِهَا الْعَرُوسُ وَتُزَيَّنُ وَتُكَرَّمُ وَقَدْ تَكُونُ الْعَرُوسُ مِنَ الْمَلِكِ الْأَعْظَمِ فَتَنْتَقِلُ الْقُرَاضَةُ مِنْ أَيْدِي الدَّبَّاغِينَ إِلَى قُرْبِ الْمَلِكِ وَمَجْلِسِهِ وَبَعْدَ السَّبْكِ وَالدَّقِّ فَهٰكَذَا أَنْتَ يَا مُؤْمِنُ إِذَا صَبَرْتَ عَلَى مَجَارِي الْأَقْدَارِ وَرَضِيتَ بِالْقَضَاءِ فِي جَمِيعِ الْأَحْوَالِ قُرِّبْتَ إِلَى مَوْلَاكَ فِي الدُّنْيَا فَتَنَعَّمُ بِالْمَعْرِفَةِ وَالْعُلُومِ وَالْأَسْرَارِ وَتَسْكُنُ فِي الْآخِرَةِ دَارَ السَّلَامِ مَعَ الْأَنْبِيَاءِ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ فِي جِوَارِ اللهِ وَدَارِهِ وَقُرْبِهِ وَالْأُنْسِ بِهِ فَاصْبِرْ وَلَا تَسْتَعْجِلْ وَارْضَ بِالْقَضَاءِ وَلَا تَتَّهِمْ فَيَنَالُكَ بَرْدُ عَفْوِهِ وَحَلَاوَةُ مَعْرِفَتِهِ وَلُطْفِهِ وَكَرَمِهِ وَمَنِّهِ۔

مقالہ ۲۸

احوالِ مرید کی تفصیل

غوثِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا : کیا تم نفس کشی ، خواہشوں کے پگھلانے اور دنیا و آخرت کی مرادات و مرغوبات کی بھٹی میں پڑے ہونے کے باوجود راحت و سرور، آسودگی و چین ، امن و سکون اور ناز و نعمت کے طالب ہو۔ تم میں ابھی مرادات اور اعواض کی طلب باقی اور ظاہر و باہر ہے[1]۔ اے جلدباز! ٹھہر جا۔ اے فتح باب کی امید لگائے انتظار کرنے والے ! آہستہ ہو جا ، جب تک خواہشات کا کچھ حصہ بھی باقی ہوگا یہ دروازہ بند ہی رہے گا اور ابھی تم میں کچھ آرزوئیں موجود ہیں۔ مکاتب[2] کے ذمہ ایک درہم بھی ہو تو غلام ہی

---

(۱) جیساکہ اس کے آثار تمہارے احوال و افعال سے ظاہر ہو رہے ہیں اور تمام لوگ مشاہدہ کر رہے ہیں اور اگر دوسروں پر پوشیدہ ہے تو تم سے تو مخفی نہیں۔

(۲) مُکاتَب اُس غلام کو کہتے ہیں جو اپنے مالک سے معیّن مدت میں مخصوص رقم کی ادائی کا وعدہ کرے ، جب وہ حسبِ وعدہ رقم ادا کرے گا تو آزاد ہو جائے گا اور حکمِ شریعت کے مطابق جب تک کچھ بھی رقم باقی ہو تو آزاد نہیں

ہوتا ہے۔ جب تک تم میں کھجور کی گٹھلی چُوسنے کے برابر طلبِ دنیا باقی ہے قربِ قبولِ خداوندی کا دروازہ بند ہے۔ دنیا کی خواہش و آرزو اور دنیا کی کسی چیز کو بطریقِ میل و محبت اور بطورِ عجب دیکھنا(۳) حظِ نفس و حکمِ طبیعت کے مطابق عزو جاہ کسی چیز کی طرف توجہ اور دُنیا و آخرت کے کسی عمل پر اجر کی آرزو یہ سب وصول سے مانع ہیں(۴) ان میں سے کوئی چیز بھی تم میں موجود ہے تو تم ابھی ان کے فنا کرنے کے دروازے پر ہو لہٰذا بہ تمام و کمال فنا حاصل ہونے تک ٹھہرو اور صبر کرو(۵)، یہاں تک کہ تم بھٹی سے پاک ہو کر نکل آؤ اور تمہاری صیاغت مکمل ہو جائے(۶)۔ پھر تمہیں اچھے لباس سے آراستہ دیدہ زیب زیور سے مزیّن کر کے خوشبوؤں میں بسا کر سب سے بڑے بادشاہ کے حضور پہنچا دیا جائے گا اور تمہیں اس

ہو گا یہاں تک کہ ایک درہم بھی باقی ہے تو غلام ہی ہے اسی طرح اس راہ کے سالک اور قرب درگاہ کے طالب کا معاملہ ہے کہ جب تک طلبِ مراد، آثارِ ہستی اور خود خواہی اور خود کامی کا ایک ذرّہ تک موجود ہے تو وہ آزادی کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا اور خالص حریت کے مقام پر فائز نہیں ہو سکتا، جیساکہ آگے فرماتے ہیں۔

(۳) ماسوی اللہ مال و اسباب، اولاد، علم و فضل اور طاعت و عبادت کی طرف نظر رکھتا ہو۔

(۴) اخلاص حقیقی اور عبودیت تحقیقی کے حصول میں رکاوٹ ہیں کیونکہ ابھی تک ہستی اور خود پرستی کا نشان باقی ہے۔

(۵) اور وصول کا دعویٰ نہ کرو۔

(۶) صوغ کا معنی ہے پگھلائے ہوئے سونے کو جسم کی صورت میں ڈھالنا یعنی پگھلانے اور فانی کرنے کے بعد تمہیں مقامِ بقا پر فائز کیا جائے گا۔

طرح خطاب کیا جائے گا: آج کے دن سے آپ ہمارے ہاں صاحبِ مرتبہ و امانت ہو۔ پھر موانست و ملاطفت سے گفتگو کی جائے گی۔ لطف و کرم کی فراوانی کے ساتھ کھلایا پلایا جائے گا، اللہ تعالیٰ کا انتہائی قرب میسر ہو گا۔ اسرار اور حقائق و امور پر اس طرح مطلع کیا جائے گا کہ کوئی چیز مخفی نہیں رہے گی۔ ان نعمتوں کی موجودگی میں باقی ہر چیز سے(۷) مستغنی ہو جاؤ گے۔ کیا تم نے سونے کے بکھرے ہُوئے ٹکڑے نہیں دیکھے جو عطاروں، بقالوں، قصابوں(۸)، چمڑا رنگنے والوں، تیل بیچنے والوں، خاکروبوں اور دیگر اعلیٰ صنعتوں اور گھٹیا پیشے والوں کے ہاتھوں میں صبح و شام گردش کرتے ہیں پھر انہیں جمع کر کے سنار کی بھٹی میں پگھلا دیا جاتا ہے۔ بعد میں نکال کر ہتھوڑی سے نرم کرتے ہوئے جسم کی صورت میں ڈھال دیا جاتا ہے۔ زیورات کی صُورت میں ڈھال کر جلا دی جاتی ہے خوشبو میں بسایا جاتا ہے پھر اعلیٰ و محفوظ مقامات پر مقفل خزانوں اور محفوظ صندوقوں میں بند کر دیا جاتا ہے یا دلہنوں کو ان زیورات کے ساتھ جلوہ دے کر مزیّن و مکرم کیا جاتا ہے اور کبھی وُہ دلھن بادشاہ کی ملکہ بن جاتی ہے(۹)۔ اس طرح یہ سونے کے ٹکڑے رنگریزوں کے ہاتھوں ہوتے ہوئے پگھلنے اور کوٹنے کے بعد بادشاہ کے قریب یا اس کی مجلس میں پہنچ جاتے ہیں، اسی طرح اے اہلِ ایمان! تم قضاء و قدر پر صابر ہو کر

---

(۷) جو بھی ماسوا حق ہے، یعنی دنیا و آخرت کی ہر وُہ چیز جس میں حق مطلوب و منظور نہیں ہے۔

(۸) قصاب کا معنی گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور اعضاء کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنا۔ ذبح کرنے والے کو جزار کہتے ہیں۔

(۹) اس صورت میں اس کی قدر و منزلت مزید بڑھ جاتی ہے۔

تمام احوال[10] میں فیصلوں پر راضی ہو جاؤ تو تمہیں دنیا میں اپنے مولیٰ کے قرب کی دولت سے نوازتے ہوئے معرفت[11]، علوم اور اسرار[12] کی نعمتوں سے سرفراز کیا جائیگا آخرت میں تمہارا مسکن وہ دار السلام بنے گا جہاں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین علیہم السلام کی ہمراہی نصیب ہو گی اور اللہ تعالیٰ کی ہمسائیگی، اس کے مقامِ خاص اور قربِ معنوی و عندیت حقیقی سے سرفراز کیے جاؤ گے خدا کے ذکر و شہود سے چین پاؤ گے[13]۔ چنانچہ عجلت سے کام نہ لو صبر و تحمل کو اختیار کرو، قضا سے راضی رہو[15]، خدا تعالےٰ پر بخل اور عدم اطلاع کا اتہام نہ تراشو۔ اس طرح عفو کی خنکی، معرفت کے تلطف، خدا کے اکرام کے سامنے اور اس کے احسان کی حلاوت سے فیضیاب ہو سکو گے۔

---

(10) خواہ فقر ہو یا غنا، صحت ہو یا بیماری، تنگی ہو یا آسانی اور دیگر حالات موافق ہوں یا مخالف عبادت و طاعت اور اوامر و نواہی کی پابندی جاری رکھو۔

(11) اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات اور اس کے افعال کی معرفت۔

(12) جن کا تعلق سلوکِ طریقت اور بارگاہِ قرب تک وصول کے ساتھ ہے اور علومِ لدنیہ وغیرہ۔

(13) موجودات کے احوال و اسرار اور خلق و ایجاد کی حکمتوں سے۔

(14) جوارُ اللہِ وَدَارِہٖ وَقُرْبِہٖ وَالْاُنْسِ بِہٖ کے الفاظ متشابہات سے ہیں ان سے مراد وہ معانی ہیں جو شائبہ تشبیہ سے معرا ہیں الفاظ کی تنگی اور عوام کو سمجھانے کی غرض سے ان الفاظ کے ساتھ تعبیر کی گئی ہے۔

(15) کہ مقصود کے حصول میں تاخیر ہو رہی ہو تو بھی راضی رہو یہاں تک کہ معین مدت آپہنچے۔

المقالة التاسعة والعشرون

قال رض في قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كاد الفقر أن يكون كفرا يؤمن العبد بالله ويسلم الامور كلها الى الله ويعتقد تسهيل الرزق منه وان ما اصابه لم يكن ليخطئه وما اخطاه لم يكن ليصيبه ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب ومن يتوكل على الله فهو حسبه ويقول ذلك وهو في حال العافية ثم يبتليه الله تعالى بالبلاء والفقر فيأخذ في السؤال والتضرع فلا يكشفها عنه فحينئذ يتحقق قوله كاد الفقر ان يكون كفرا فمن تلطف الله به كشف عنه ما به فادركه بالعافية والغناء ووفقه للشكر والحمد والثناء فيديم له ذلك الى اللقاء ومن يرد الله فتنته ادام بلاءه وفقره فينقطع عنه مدد ايمانه فيكفر بالاعتراض والتهمة للحق والشك في وعده فيموت كافرا بالله وجاحدا لاياته متسخطا على ربه اليه اشار رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اشد الناس عذابا يوم القيمة رجل جمع الله له بين فقر الدنيا وعذ

الْاٰخِرَةِ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ وَھُوَ الْفَقْرُ الْمُنْسِیُ الَّذِیْ اِسْتَعَاذَ مِنْہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالرَّجُلُ الثَّانِیْ ھُوَ الَّذِیْ اَرَادَ اللّٰہُ اِصْطِفَاءَہٗ وَاِجْتِبَاءَہٗ وَجَعَلَہٗ مِنْ خَوَاصِّہٖ وَاَحِبَّائِہٖ وَاَخِلَّائِہٖ وَوَارِثَ اَنْبِیَائِہٖ وَسَیِّدِ اَوْلِیَائِہٖ وَمِنْ عَظِیْمِ عِبَادِہٖ وَعُلَمَائِھِمْ وَحُکَمَائِھِمْ وَشُفَعَائِھِمْ وَشَحْنَتِھِمْ وَمَتْبُوْعِھِمْ وَمُعَلِّمِھِمْ وَھَادِیْھِمْ اِلٰی مَوْلٰھُمْ وَمُرْشِدِھِمْ اِلٰی سُنَنِ الْھُدٰی وَاِجْتِنَابِ سُبُلِ الرَّدٰی فَاَرْسَلَ اِلَیْہِ جِبَالَ الصَّبْرِ وَبِحَارَ الرِّضٰی وَالْمُوَافِقَةِ وَالْفَنَاءِ فِیْ فِعْلِ الْمَوْلٰی ثُمَّ یُدْرِکُہٗ بِجَزِیْلِ الْعَطَاءِ وَیُدَلِّلُہٗ فِیْ اٰنَاءِ اللَّیْلِ وَاَطْرَافِ النَّہَارِ فِی الْجَلْوَةِ وَاِذَا خَلَا فِی الظَّاھِرِ مَرَّةً وَفِی الْبَاطِنِ اُخْرٰی بِاَنْوَاعِ اللُّطْفِ وَفُنُوْنِ الْجَذْبَاتِ فَیَتَّصِلُ لَہٗ ذٰلِکَ اِلٰی حِیْنِ اللِّقَاءِ ۞

مقالہ ۲۹

فقر کفر کے قریب کر دیتا ہے

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی "قریب ہے کہ فقر کفر میں گرنے کا سبب بن جائے" کی تشریح میں فرمایا کہ جب بندہ اللہ پر ایمان لے آئے اور اپنے تمام امور اس کے سپرد کر دے اور یہ یقین کر لے کہ رزق آسان کرنے اور پہنچانے والا وہی ہے جو اسے ملا ہے وہ غلطی سے کسی اور کے پاس نہیں جا سکتا اور جو حاصل نہیں وہ حاصل نہیں ہو سکتا[1]، اور بندۂ مومن اس پر یقین رکھتا ہے کہ "اللہ سے ڈرنے والے کے لیے وہ تمام تنگیوں اور سختیوں

---

(۱) یعنی جو کچھ اس کے نصیب و مقدر میں ہے وہ اسے مل کر ہی رہے گا خواہ یہ طلب کرے یا نہ کرے۔ اور جو اس کے نصیب میں نہیں یہ جس قدر بھی طلب کرے وہ حاصل نہیں ہوگا۔ پہلے اعتقاد کا فائدہ یہ ہے کہ جو کچھ حاصل ہو اسے اپنے قوّتِ بازو اور ذاتی کوشش کا مرہونِ منّت نہ جانے۔ اور دوسرے اعتقاد کا مفاد یہ ہے کہ جو حاصل نہیں ہوا اس پر افسوس نہ کرے۔

سے آسانی کی راہیں پیدا کر دیتا ہے اور وہاں سے رزق دیتا ہے جس کا گمان تک نہ ہو۔" جو اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرے اللہ اس کے لیے کافی ہے۔ بندے کا یہ اعتقاد رنج و بلا سے عافیت و سلامتی کی حالت میں ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے آزمائش اور فقر میں مبتلا کر دیتا ہے تو وہ گریہ و زاری کے ساتھ خدا سے سوال شروع کر دیتا ہے لیکن اللہ اس کی تنگی دور نہیں فرماتا(۲) تو اس وقت پیغمبرِ خدا کا یہ قول ثابت ہو جاتا ہے کہ "قریب ہے کہ فقر کفر بن جائے(۳) مگر جس کسی پر اللہ تعالیٰ مہربان ہو جاتا ہے تو اس سے آزمائش(۴) اٹھا لیتا ہے تو اور عنایت و تونگری سے نواز کر شکر اور حمد و ثنا کی توفیق دے دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے تمام عمر عافیت و غنا کی اسی کیفیت میں رکھتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو آزمائش(۵) میں رکھنا چاہتا ہے تو ہمیشہ اسے فقر و بلا

---

(۲) تو بندہ خداوند قدوس کے بارہ میں پہلے اعتقاد سے برگشتہ ہو کر ورطۂ کفر میں جا گرتا ہے۔

(۳) واضح رہے کہ اس مذکورہ حدیث کی تقریر و توضیح یوں بھی ہو سکتی ہے کہ بندہ آغاز میں ہی فقر و آزمائش میں مبتلا ہو کر کفر و انکار کے گڑھے میں جا گرے لیکن حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کی تقریر اس طرح فرمائی ہے کہ غنا کے بعد فقر میں مبتلا ہوا ہو کیونکہ اس صورت میں کفر کے گڑھے میں گرنے کا امکان زیادہ ہے۔

(۴) جس کی وجہ سے بے صبری و بیقراری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کفر و ضلالت میں گرنے کا امکان تھا۔

(۵) فتنہ کے لغوی معنی ہیں پگھلانے اور صاف کرنے کے لیے تیل کو آگ پر رکھنا اور آگ پر رکھے ہوئے تیل کو مفتون کہتے ہیں۔

میں رکھتا ہے یہاں تک کہ اس کے ایمان کی مدد منقطع ہو جاتی ہے تو خدا پر اعتراض کر کے جہالت بخل اور سفاہت کی تہمت لگا کر اور وعدۂ الٰہی(۶) میں خلاف ورزی کا شک کر کے کافر ہو جاتا ہے تو اسی حالتِ کفر میں آیاتِ(۷) ربانی کا اور اپنے رب پر ناراضی کی حالت میں مر جاتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب اس پر ہو گا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی احتیاج اور آخرت کے عذاب میں مبتلا رکھا ایسے فقر سے رسولِ خدا نے پناہ مانگی ہے اور ہم بھی خدا کی پناہ چاہتے ہیں۔ تیسرا(۸) انسان وہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ظاہری و باطنی نعمتوں اور کمال حسی و عقلی کے ذریعے برگزیدہ بنا لینے کا ارادہ فرمایا تو اُسے خاصانِ درگاہ اپنے ظاہر و باطن کے اور دنیا و آخرت کے دوستوں میں داخل کر لیا۔ انبیاء علیہم السلام کے علم کا وارث، انبیاء پر ایمان کی قوت اور ان کی اتباع میں کمال کی بنا پر اولیاء کا سرخیل اور اپنے بزرگ، باعظمت علماء، حقائق اشیاء سے آگاہ راست گفتار و درست کردار

---

(۶) جو اللہ تعالیٰ نے مظلوم و مکروب کی اعانت اور دعا کی قبولیت کا وعدہ کر رکھا ہے۔

(۷) جو کہ اللہ تعالیٰ کی کمالِ قدرت و رحمت اور شمولِ علم و حکمت پر دال ہیں اور وعدۂ الٰہی کے سچ ہونے پر قرآن ناطق ہے۔

(۸) پہلے دو گروہوں کا ذکر ہو چکا ہے (۱) جو مبتلائے فقر ہونے کی وجہ سے ورطۂ کفر میں جا گرا اسے فقیر مضطر کہتے ہیں (۲) جسے اللہ تعالیٰ نے غنی کر کے شکر کی نعمت سے مالا مال کر دیا اسے غنی شاکر کہتے ہیں تیسرا گروہ فقیر صابر ہے اس کی افضلیت کا ذکر فرما رہے ہیں۔

حکماء ، بارگاہِ رب العزت میں شفاعت کنندگان میں شامل کرلیا، اور اسے خلقت کے امور کا والی ،ان کا پیشرو[9] ، معلم[10] اور ہادی ومولیٰ بنایا تاکہ ان کی سنن ہدیٰ کی طرف رہنمائی کرے اور چاہِ ضلالت میں گرانے والے راستے سے بچائے ۔ پھر اللہ تعالےٰ اسے صبر کے پہاڑوں کی رفعت[11] اور رضا کے دریاؤں کی گہرائی عطا کرتا ہے[12] اور فعلِ مولیٰ میں فنا اور اس سے موافقت کی نعمت سے نوازتا ہے[13] ، پھر اسے اللہ کریم کی طرف سے عطائے جزیل ملتی ہے ۔ صبح وشام کی تمام ساعتوں میں خلوت وجلوت میں اور ظاہر وباطن میں نازونعمت کے ساتھ طرح طرح کی عطاؤں اور نوازشوں کے ساتھ اس کی پرورش کی جاتی ہے اور انعامِ خاص کا یہ سلسلہ وصالِ خداوندی تک مسلسل جاری رہتا ہے ۔

---

(9) کہ مسلمان کارِ خیر میں اس کی پیروی کریں ۔

(10) کہ لوگوں کو علمِ دین وشریعت کی تعلیم دے اور دنیا وآخرت میں ان کی اصلاح کے امور سمجھائے ۔

(11) تاکہ صبر کی برکت سے جادۂ مستقیم پر ثابت قدم رہے ۔

(12) تاکہ اللہ تعالےٰ کے احکام وافعال میں مستغرق ہو جائے ۔

(13) تاکہ اپنی ہستی خواست اور آرزو سے مکمل طور پر آزاد ہو کر دلاینہ خاصہ کے مقام پر پہنچ جائے ۔

اَلْمَقَالَةُ الثَّلٰثُوْنَ

قَالَ رض مَا اَكْثَرُ مَا تَقُوْلُ اَيْشَ اَعْمَلُ وَمَا الْحِيْلَةُ فَيُقَالُ لَكَ قِفْ مَكَانَكَ وَلَا تَجَاوَزْ حَدَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْفَرَجُ مِمَّنْ اَمَرَكَ بِالْقِيَامِ فِيْمَا اَنْتَ فِيْهِ قَالَ اللّٰهُ اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اَمَرَكَ بِالصَّبْرِ يَا مُؤْمِنُ ثُمَّ بِالْمُصَابَرَةِ وَالْمُرَابَطَةِ وَالْمُحَافَظَةِ وَالْمُلَازَمَةِ لَهٗ ثُمَّ حَذَّرَكَ عَنْ تَرْكِهٖ فَقَالَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ تَرْكِ ذٰلِكَ اَيْ تَتْرُكُوا الصَّبْرَ فَاِنَّ الْخَيْرَ وَالسَّلَامَةَ فِي الصَّبْرِ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِيْمَانِ مِنَ الْجَسَدِ وَقِيْلَ لِكُلِّ شَيْءٍ ثَوَابُهٗ بِمِقْدَارٍ اِلَّا ثَوَابَ الصَّبْرِ فَاِنَّهٗ جُزَافٌ غَيْرُ مِقْدَارٍ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ فَاِذَا اتَّقَيْتَهٗ فِيْ حِفْظِكَ لِلصَّبْرِ وَمُحَافَظَةِ الْحُدُوْدِ اَنْجَزَ لَكَ مَا وَعَدَكَ فِيْ كِتَابِهٖ وَهُوَ قَوْلُهٗ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَكُنْتَ بِصَبْرِكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْفَرَجُ مِنَ الْمُتَوَكِّلِيْنَ وَقَدْ وَعَدَكَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِالْكِفَايَةِ فَقَالَ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ وَكُنْتَ مَعَ صَبْرِكَ وَ

وَتَوَكُّلِكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ وَقَدْ وَعَدَكَ بِالْجَزَاءِ فَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ
وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ وَ يُحِبُّكَ اللّٰهُ مَعَ ذٰلِكَ لِاَنَّهٗ قَالَ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ فَالصَّبْرُ رَاْسُ كُلِّ خَيْرٍ وَسَلَامَةٍ
دُنْيَا وَّاُخْرٰى وَمِنْهُ يَتَرَقَّى الْمُؤْمِنُ اِلٰى حَالَةِ الرِّضَاءِ وَالْمُوَافَقَةِ
ثُمَّ الْفَنَاءُ فِيْ اَفْعَالِ اللّٰهِ حَالَةُ الْبَدَلِيَّةِ وَالْغَيْبَةِ فَاحْذَرْ
اَنْ تَتْرُكَهٗ فَتُخْذَلَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَيَفُوْتُكَ خَيْرُهُمَا ۵

مقالہ ۳۰

عمل اور ترکِ حیلہ

حضرت سرکارِ بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ بات باعثِ تعجب ہے کہ تم اکثر کہتے ہو کہ کون سا عمل کروں[۱] اور کون سی تدبیر کروں؟ تمھیں یہی کہا جائے گا کہ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو[۲]، اپنی حد سے تجاوز نہ کرو[۳] جب تک اس مقام پر ٹھہرانے والے کی طرف سے کشادگی نہ آجائے۔ رب کریم فرماتا ہے: صبر کرو[۴]؛ جنگ کی سختیوں پر صبر کرنے میں دشمن پر غالب رہو[۵]، کفّار کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے اپنے گھوڑوں کو سرحد پر

---

(۱) جس کے ذریعے مقصود تک پہنچ کر اپنی مراد پا سکوں اور کام میں کشائش حاصل ہو سکے۔
(۲) جہاں مولیٰ کریم نے اپنی رضا اور حکمِ شریعت کے مطابق ٹھہرایا ہے۔
(۳) اپنی طرف سے تدبیرِ نفس اور چارہ گری کے ذریعے۔
(۴) طاعات کی مشقتوں اور راہِ دین میں پہنچنے والی سختیوں پر۔
(۵) خصوصاً سب سے بدترین دشمن نفسِ امارہ کی خواہشات کی مخالفت کرتے ہوئے صبر کرو۔

تیار رکھو(۶) اور اللہ سے ڈرو(۷)۔ اے بندۂ مومن! اللہ کریم نے تمہیں صبر پھر صبر پہ دلبستگی اور مبالغہ کے ساتھ اس کی حفاظت کا حکم دیا اور انھیں چھوڑ دینے پہ وعید سنائی کہ انہیں چھوڑنے پر اللہ سے ڈرو۔ یعنی صبر کرو کیونکہ دنیا و آخرت کی ہر آفت سے امن و سلامتی صبر ہی میں ہے۔ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان میں صبر کا مقام اس طرح بلند ہے جس طرح جسم میں سر کا(۸)۔ صبر کی فضیلت میں اس طرح بھی کہا گیا ہے کہ: ہر چیز کے ثواب کی ایک حد متعین ہے سوائے صبر کے۔ صبر کا اجر بے حد و بے اندازہ ہے(۹)، جیسا کہ رب کریم نے ارشاد فرمایا: صبر کرنے والوں کو اس کے بے حساب اجر دیا جائے گا۔ جب تم صبر کی حفاظت اور حدود(۱۰) کی نگہداشت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے تو اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں درج وعدہ پورا فرمادے گا وہ وعدہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے

(۶) اور اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادات اور نفس کی خواہش کی مخالفت پہ باندھے رکھو۔

(۷) اللہ کے ماسوا اور اس کی ان کہی ہوئی چیزوں سے دوری پر پابندی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

(۸) یعنی جس طرح سر کے بغیر جسم نہیں ہوتا اسی طرح صبر کے بغیر ایمان کمال نہیں پاتا، خود طاعت و عبادات بلکہ نفس ایمان بھی صبر کے افراد سے ہیں کہ جب تک ان کی ضدوں سے صبر نہیں کرے گا ان چیزوں کا وجود متحقق نہیں ہوگا اور یہ صورت پذیر نہیں ہوں گی

(۹) جزاف فارسی کے لفظ گزاف سے عربی میں لیا گیا ہے بمعنی بیحد و بے اندازہ

(۱۰) جو اس نے معین و مشروع فرمائی ہیں۔

ہر تنگی سے آسانی کی راہ پیدا فرما دیتا ہے اور اسے وہاں سے روزی پہنچاتا ہے جس کا اُسے گمان تک نہیں ہوتا(۱۱)۔ چنانچہ اگر تم کشائش نصیب ہونے تک صبر(۱۲) کرتے رہے تو تمہارا شمار متوکلین سے ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے توکل کی بنا پر تمہارے لیے اپنے کافی ہونے کا وعدہ فرما رکھا ہے(۱۳) کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرے، تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔ اگر تم صبر کے ساتھ اس کے لازم توکل کو بھی اپنائے رکھو گے تو تم محسنین(۱۴) میں داخل ہو جاؤ گے۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے محسنین کے ساتھ جزا کا وعدہ کر رکھا ہے، فرمایا ہے: ہم محسنوں کو اس طرح جزا دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تم محبوبِ خدا بن جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ محسنوں سے محبت رکھتا ہے(۱۵)۔ لہٰذا صبر ہی دنیا و آخرت کی ہر بھلائی اور سلامتی کی بنیاد ہے اور مومن اسی سے ترقی کرتے ہوئے رضا و موافقت کی حالت میں جاگزیں ہوتا ہے اور وہاں سے افعالِ خداوندی میں فنا حاصل کر لیتا ہے جو کہ بدلیت اور

(۱۱) خواہ روزی حسی و جسمانی ہو یا عقلی و روحانی۔

(۱۲) کہ اسباب کے پیچھے نہ دوڑے اور قلق و اضطراب کو ترک کر دیا۔

(۱۳) کہ وہ تمہاری تمام مہمات کو پورا فرمائے گا اور اس کی عنایات و کرامات کی موجودگی میں آلات و اسباب کی محتاجی نہیں رہے گی۔

(۱۴) جو صفتِ شہود و حضور سے متصف ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور احسان کا معنی یہی ہے۔

(۱۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر کس طرح سعادات و کمالات کا جامع ہے کہ اس میں توکل و احسان بھی ہے، کفایت و جزا بھی اور محبتِ خدا بھی۔

غیبت کی حالت ہے۔[16] اس حالت کو ترک کرنے اور ترقی حاصل نہ کرنے سے بچو ورنہ دُنیا و آخرت میں نصرت و قبول اور توفیق کے مقام سے گرا دیے جاؤ گے اور خیر و فلاح سے محروم ہو جاؤ گے۔

---

(۱۶) ابدال میں کوئی خواہش و ارادہ اور فعل و اختیار باقی نہیں رہتا، وہ اللہ تعالٰے کے فضل و ارادہ میں فانی محض اور غائب مطلق ہو جاتا ہے۔

اَلْمَقَالَةُ الْحَادِيَةُ وَالثَّلَاثُوْنَ

قَالَ رض: إِذَا وَجَدْتَ فِي قَلْبِكَ بُغْضَ شَخْصٍ أَوْ حُبَّهُ فَاعْرِضْ أَعْمَالَهُ عَلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانَتْ فِيْهِمَا مَبْغُوْضَةً فَابْشِرْ بِمُوَافَقَتِكَ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَإِنْ كَانَتْ أَعْمَالُهُ فِيْهَا مَحْبُوْبَةً وَأَنْتَ تُبْغِضُهُ فَاعْلَمْ أَنَّكَ صَاحِبُ الْهَوٰى تُبْغِضُهُ بِهَوَاكَ ظَالِمٌ لَهُ بِبُغْضِكَ إِيَّاهُ وَعَاصٍ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَرَسُوْلِهِ مُخَالِفٌ فَتُبْ إِلَى اللّٰهِ مِنْ بُغْضِكَ وَاسْأَلْهُ مَحَبَّةَ ذٰلِكَ الشَّخْصِ وَغَيْرِهٖ مِنْ أَحْبَابِ اللّٰهِ وَأَوْلِيَائِهٖ وَأَصْفِيَائِهٖ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِهٖ وَلِتَكُوْنَ مُوَافِقًا لَهُ فِيْ مَحَبَّتِهٖ وَكَذٰلِكَ افْعَلْ فِيْمَنْ تُحِبُّهُ يَعْنِيْ أَعْرِضْ أَعْمَالَهُ عَلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانَتْ مَحْبُوْبَةً فِيْهِمَا فَأَحِبَّهُ وَإِنْ كَانَتْ مَبْغُوْضَةً فَأَبْغِضْهُ لِئَلَّا تُحِبَّهُ بِهَوَاكَ وَتُبْغِضَهُ بِهَوَاكَ وَقَدْ أُمِرْتَ بِمُخَالَفَةِ هَوَاكَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ

مقالہ ۳۱

محبّت و بُغض صرف خدا کے لئے ہو

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر تم کسی کے بارے میں اپنے دل میں محبت یا نفرت پاؤ تو اس کے اعمال کتاب و سنّت کی کسوٹی پر پرکھو، اگر تم نفرت رکھتے ہو اور کتاب و سنّت میں بھی اس کے اعمال باعث نفرت قرار دیے گئے ہیں تو خدا و رسول جل و علا و صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی موافقت پر خوش ہو جاؤ اور اگر کتاب و سنّت کے موافق اس کے اعمال پسندیدہ ہیں اور تم نفرت رکھتے ہو تو تم ہوائے نفس کے غلام ہو کہ نفسانی خواہشات کے مطابق اس سے عداوت رکھتے ہو۔ تم اپنے اس فعل کی بنا پر ظالم اور اللہ تعالےٰ و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نافرمان و مخالف ہو۔ تمھیں اس فعل سے خدا تعالےٰ کی بارگاہ میں تائب ہونا چاہیئے، خدا سے اس کی اور خدا کے دوسرے محبوبوں، ولیوں، برگزیدہ اور نیک بندوں کی صحبت کا سوال کرنا چاہیئے تاکہ تم اس کی صحبت رکھنے میں خدا کے موافق بن جاؤ(۱)، اسی طرح جس سے تمھارا

(۱) مسلمانوں کو اولیاءِ کرام سے کس طرح محبت رکھنی چاہیئے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اولیاءِ کرام سے اس لیے محبت ہونی چاہیئے کہ یہ خدا کے دوست ہیں اور کسی ولی سے دشمنی نہیں لینی چاہیئے تاکہ بندہ تعصب کی وجہ سے انصاف کے میدان سے دُور زیغ و ضلالت کے گڑھے میں گرنے سے بچ جائے۔ اپنے شیخ اور ولیِ نعمت سے عشق و اخلاص اور ربط و خصوصیت ایک علیحدہ چیز ہے وہاں تو غیر کی خبر نہیں ہوتی چہ جائیکہ دشمنی دم مارے ع

دلبر اگر ہزار بود دلبراں یکیست

(دلبر اگرچہ ہزاروں ہوں مگر دل اسی ایک سے آشنا ہے)

ے خوباں بسے بچشم در آیند و بگزارند
آں شوخ دیگر اند کہ در سینہ جا کنند

(بہت سے خوبصورت نظروں کے سامنے آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں وہ شوخ چشم اور ہوں گے جو اپنے دل میں جگہ دیتے ہیں)

فَہِمَ مَنْ فَہِمَ یہ کسی سے دشمنی رکھنے کی تفصیل تھی۔

محبت والا معاملہ ہے۔ اس کے اعمال کتاب و سنّت کی روشنی میں پرکھو۔ اگر کتاب و سنّت کے موافق ہیں تو اس سے محبت رکھو اگر کتاب و سنّت میں ناپسندیدہ ہیں تو تم بھی اس سے دشمنی رکھو تاکہ ہوائے نفس کی بنا پر محبت و نفرت کرنے والے نہ بنو کیونکہ تمھیں اپنی خواہشاتِ نفس کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے۔ ربِّ کائنات نے فرمایا: خواہشات کی پیروی نہ کرو وہ تمھیں راہِ خدا سے بہکا دیں گی۔

المقالة الثانية والثلثون

قال رض ما أكثر ما تقول كل من أحبه لا تدوم محبتي له
فيحال بيننا إما بالغيبة أو بالموت أو العداوة أو أنواع الأموال
بالتلف والفوات من اليد فيقال لك أما تعلم يا محبوب الحق
المعني به المنظور إليه المغار له وعليه ألم تعلم أن
الله غيور، خلقك له وتروم أن تكون لغيره أما
سمعت قوله يحبهم ويحبونه وقوله وما خلقت الجن و
الإنس إلا ليعبدون أما سمعت قول الرسول إذا أحب الله
عبدا ابتلاه فإن صبر اقتناه قيل يا رسول الله صلى الله عليه
وسلم وما اقتناه قال لم يذر له مالا ولا ولدا وذلك لأنه
إذا كان له مال وولد أحبهما فتشعبت محبته لربه
عز وجل فتنقص وتتجزى فتصير مشتركة بين الله و
بين غيره والله لا يقبل الشريك وهو غيور قاهر فوق
كل شيء غالب لكل شيء فيهلك شريكه ويعدمه
ليخلص قلب عبده له من غير شريك فيتحقق قوله
يحبهم ويحبونه حتى إذا تنظف القلب من الشركاء و
الأنداد من الأهل والمال والولد واللذات وطلب الولايات

والرياسات والكرامات والحالات والمنازل والمقامات و
الجنات والدرجات والقربات فلا يبقى في القلب إرادة ولا أمنية
فصار كالإناء المنثلم الذي لا يثبت فيه مائع لأنه انكسر بفعل
الله كلما تجمعت فيه إرادة كسرها فعل الله وغيرته فضربت
حوله سرادقات العظمة والجبروت والهيبة وحفرت من
دونها خنادق الكبرياء والسطوة فلم يخلص إلى القلب إرادة
شيء من الأشياء فح لا يضر القلب الأسباب من المال والولد
والأهل والأصحاب والكرامات والحكم والعبادات فإن
جميع ذلك يكون خارج القلب فلا يغار الله بل يكون جميع ذلك
كرامة من الله لعبده ولطفا به ونعمة ورزقا ومنفعة للواردين
عليه فيكرمون به ويرحمون ويحفظون لكرامته على الله فيكون
خفيرا لهم وشحنة وكهفا وحرزا وشفيعا دنيا وأخرى ه

مقالہ ۳۲

خدا کی محبت میں کسی کو شریک نہ کرو

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اکثر تم اپنی محبت کی پائیداری کی شکایت کرتے ہو کہ جس سے محبت کرتا ہوں تو ہمارے درمیان کوئی چیز حائل ہو جاتی ہے یا وہ کہیں غائب ہو جاتا ہے یا فوت ہو جاتا ہے یا آپس میں دشمنی ہو جاتی ہے یا اموال ضائع یا گم ہو جانے کی وجہ سے پردہ بن جاتے ہیں۔ اس کا سبب ذکر کرتے ہوئے تمھیں کہا جائے گا کہ تم خدا کے محبوب ہو، تمھیں عنایتِ خداوندی حاصل ہے، تم خدا کے منظورِ نظر ہو، تمھارے لیے اور تم پر غیرت کی گئی ہے تاکہ دوسروں کی طرف متوجہ نہ ہو۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ غیور ہے اس نے تمھیں اس لیے پیدا کیا ہے کہ تم اُسی کے ساتھ مشغول رہو اور تم ماسوی اللہ کے ہو جانے کا ارادہ کرتے ہو،(۱)

(۱) **غیرت کے معنی** غیرت در اصل دل کے تغیر اور ہیجان کو کہتے ہیں جو دل کے ساتھ مخصوص چیز میں شرکت کے وقت پیدا ہوتا ہے۔ لفظ غیرت کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر بایں معنیٰ ہو گا کہ اللہ کریم بندے کو اس کی رحمت و قرب سے دُور کرنے والی اشیاء سے روکتا ہے

کیا تم نے یہ ارشادِ باری تعالیٰ نہیں سنا: "اللہ ان سے دوستی رکھتا ہے اور وہ خدا سے"۔ نیز فرماتا ہے: "میں نے جنوں اور انسانوں کو فقط اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری پرستش کریں"(۲)۔ کیا تم نے اس سلسلہ(۳) میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان نہیں سنا "کسی بندے کو جس وقت خدا محبوب بنا لیتا ہے تو اُسے آزمائش میں ڈال دیتا ہے، اس پر اگر بندہ صبر کرے تو خدا اُسے حفاظت سے رکھ لیتا ہے"(۴)۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا ما اقتناہ (اسے محفوظ کر لیتا ہے) کا کیا معنی؟(۵) تو جناب رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نہ تو اس کا مال چھوڑتا ہے نہ اولاد۔ کیونکہ اگر وہ مال و اولاد کی محبت میں پھنس جائے گا تو خدا سے محبت تقسیم ہو کر کم اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی، اور محبت خدا اور غیر خدا کے درمیان مشترک حیثیت اختیار کرے گی جب کہ اللہ تعالیٰ غیور ہے اور ہر شے پر غالب بھی۔ اور اس کی قدرت ہر شئ کو وسیع ہے تو وہ اپنا شریک قبول نہیں کرتا بلکہ اسے تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ یہ اس لیے ہوتا کہ بندے کا دل بلا شرکتِ غیرے خالص خدا کے لیے ہو جائے(۶)۔ جب بندے کا دل اغیار

---

(۲) اور میری معرفت حاصل کریں اور مجھی سے مشغولیت رکھیں

(۳) کہ جس کو خدا اپنا محبوب بنا لیتا ہے اسے غیروں کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔

(۴) اور غیر کے لیے نہیں چھوڑتا۔

(۵) یہ ما مصدریہ بھی ہو سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کس طرح حفاظت فرماتا ہے۔

(۶) **ایک وہم کا ازالہ** یہاں کوئی آدمی یہ خیال کر سکتا ہے کہ اولاد کے ساتھ محبت و رغبت پر تو شریعت

کی محبت سے خالی ہو جائے تو اللہ تعالےٰ کا یہ فرمان اس کے حق میں ثابت ہو جاتا ہے

میں ترغیب دلائی گئی ہے اور اولاد سے مہر و محبت نہ رکھنے پر وعید وارد ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے دربارِ رسالت مآب میں عرض کیا کہ میرے اتنے بیٹے ہیں میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا اور نہ ہی بغل میں لیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَا يَرْحَمْ لَا يُرْحَمْ۔ جو شخص کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

جواب: بحکم شریعت کے مطابق شفقت و مہربانی اور حقوق کی ادائی ایک الگ چیز ہے اور محبت، انہماکِ قلب، تعلقِ باطن اور اشتغالِ دل ایک الگ حقیقت ہے۔ چنانچہ جب کہ یادِ خدا سے مانع بنے گی اور حقوق اللہ کی بجا آوری میں رکاوٹ ثابت ہو گی تو ممنوع و مکروہ قرار پائے گی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک سوال اور اسکا جواب

اس بات کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ امام شہید حضرت ابو عبد اللہ حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے پُوچھا کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے؟ فرمایا: محبت کیوں نہ ہو آپ میرے لختِ جگر ہیں اور فرزندِ رسول علیہ السلام ہیں۔ پھر عرض کرتے ہیں: خداوندِ قدوس سے بھی محبت رکھتے ہو؟ فرمایا: بھلا یہ بھی کوئی پُوچھنے کی بات ہے! خدا کی محبت سب پر مقدم و مختار ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ پھر عرض کرتے ہیں: ایک دل میں دو کی محبت کس طرح سما سکتی ہے؟ حضرت امیر المومنین حیران اور خاموش رہ گئے۔ پھر استفسار کیا کہ اگر آپ کو میرے

کہ اللہ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔ جب بندے کا دل تمام شریکوں، ہمسروں، اہل و عیال، مال، خواہشات و شہوات، تصرفات و حکومت، کرامات[7] و حالات[8]، منازل و مقامات[9] اور جنّات و درجات اور زلفات[10]

وجود اور ایمان میں اختیار دیا جائے تو کس کو اختیار کرو گے؟ حضرت امیر المومنین نے فرمایا: میں ایمان کو ترجیح دُوں گا۔ تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا: تو پھر آپ کی محبت صرف خدا سے ہے مجھ سے محبت نہیں ہے بلکہ شفقت و مہربانی ہے جو تم میں موجود ہے۔ حضرت امیر المؤمنین نے تحسین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ایسی بات صرف اہلِ بیتِ نبوت کا فرد ہی کر سکتا ہے۔ نیز ان اشیاء کی محبت ترک کرنے اور تعلق قطع کرنے کا تعلق ابتداءِ حال سے ہے تاکہ مولیٰ کریم کی محبت متحقق و راسخ ہو جائے۔ بعد میں اولاد کی محبت ضرر رساں نہیں رہتی۔ جیسا کہ مقالہ کے آخر میں آئے گا۔

(7) یعنی خوارقِ عادات واقعات کا ظہور جیسا کہ قرینے سے ظاہر ہوتا ہے۔

(8) جو اولیاء کو ملتے ہیں۔

(9) منزل سے عموماً وُہ جگہ مراد ہوتی ہے جہاں کچھ دیر ٹھہر کر کُوچ کرنے کا ارادہ ہو۔ اور مقام وُہ جگہ ہے جہاں مستقل قیام ہو۔ سالکین کے منازل و مقامات کو سیر کی تیزی اور سُستی کے اعتبار سے اس پر قیاس کرنا چاہیے۔ بالجملہ اب تک مذکورہ شرکاء کا تعلق اس جہان سے ہے خواہ وہ دینی ہوں یا دُنیوی۔ شرکاءِ آخرت کا ذکر اس کے بعد ہے۔

(10) قُرب، قربیٰ اور قُربت، اسی طرح زلفت، زُلفیٰ اور زلفت تمام کا معنیٰ ہے نزدیکی منزلت اور مرتبت۔ خواہش اگرچہ بارگاہِ حق کی ہو وہ بھی ماسوا کی طلب اور شرکِ خفی میں داخل ہے جیسا کہ آگے ذکر ہو رہا ہے۔

کی طلب سے پاک ہو جائیگا تو اس میں کوئی ارادہ و آرزو باقی نہیں رہے گی اور یہ دل اس سوراخ والے برتن کی طرح ہو جائیگا جس میں کوئی بہنے والی چیز نہیں ٹھہرتی(۱۱)، اس لیے کہ دل فعلِ الٰہی کی وجہ سے شکستہ ہو چکا ہے جب بھی اس میں کوئی ارادہ جنم لیتا ہے تو اللہ تعالےٰ کا فعل اور اس کی غیرت اسے کاٹ کر رکھ دیتی ہے(۱۲) پھر اس کے دل کو عظمت و قہر اور بزرگی و ہیبت کے پردوں میں ڈھانپ لیا جاتا ہے(۱۳)

---

(۱۱) مثلاً پانی، شہد، تیل اور سرکہ وغیرہ ۔ حضرت سرکار بغداد کے کلام میں یہ تشبیہ بار بار ذکر کی گئی ہے کیونکہ اس کی مقصود کے ساتھ انتہائی مطابقت ہے، اسی طرح تقریر و تاکید کی غرض سے مطالب و مقاصد کو تکرار سے ذکر فرمایا ہے جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ہے یہی طریقہ یہاں اپنایا گیا ہے، در حقیقت انبیاء و اولیاء علیہم السلام کا کلام اسی آفتاب کا عکس اور اسی نور کا پرتو ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ دل جب شرک کی آمیزش سے پاک ہو جاتا ہے تو کسی چیز کی آرزو دل میں نہیں رہتی۔

(۱۲) ؎ گر دست در کارے زنم زنجیر بر دستم نہد
در خم غرقم کند گر نام ہشیاری برم
(اگر کسی کام میں ہاتھ ڈالوں تو زنجیر سے جکڑ دیتے ہیں اور اگر نکلنے کی کوشش کروں تو پانی میں غوطے دیتے ہیں)

(۱۳) **خوف اور ہیبت میں فرق** ہیبت میں عظمت و سطوت کا تصور ہوتا ہے جیسا کہ امراء و سلاطین سے ہیبت ہوتی ہے اور خوف میں صرف ڈر، وحشت، اور کراہت ہوتی ہے جیسا کہ چور اور درندے سے ڈر ہوتا ہے نیز خوف میں شر اور ملاحظۂ نفس ملحوظ و منظور ہوتا ہے جبکہ ہیبت میں محض محبوب کے جلال و کمال کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

اور اس کے گرد سطوت و کبریائی کی خندقیں کھود دی جاتی ہیں جس کی وجہ سے کسی چیز کی آرزو دل کی طرف راہ نہیں پاتی۔ پھر اس وقت اسبابِ دنیا سے تعلق رکھنے والی اشیاء، اہل و عیال اور مال و احباب اسی طرح اسبابِ دین سے متعلق کرامات اور علوم و عبارات وغیرہ کوئی چیز دل کی جمعیت پر اثر انداز نہیں ہو سکتی(۱۴)، کیونکہ یہ تمام اشیاء دل سے باہر ہیں لہٰذا اللہ تعالےٰ ان اشیاء کے ہلاک کرنے کے لیے بندے پر غیرت نہیں کرتا(۱۵) بلکہ یہی اشیاء اللہ کی طرف سے بندے کے لیے لطف و کرامت، مزید توفیق، نعمت و رزق اور حاضر ہونے والوں کے لیے منفعت کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اس طرح حاضر ہونے والوں کی تعظیم و تکریم

---

(۱۴) ؎ گرت مال و جاہ است و زرع و تجارت
چو دل با خدائیست فارغ نشینی
(مال و جاہ اور زراعت و تجارت کے باوجود یادِ خدا کی دولت حاصل ہے تو خلوت نشین ہی ہو)

(۱۵) کہ جس صورت میں دل کا ان کے ساتھ تعلق تھا یہ شرک کا حکم رکھتی تھیں اور جب دل کا تعلق منقطع ہو گیا تو یہ اللہ تعالےٰ کے قرب سے دوری و انقطاع کا سبب نہیں بنتیں۔ منقول ہے کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اولادِ امجاد میں سے کسی کا وصال ہو جاتا اور آپ وعظ و تذکیر میں مشغول ہوتے تو ارشاد فرماتے کہ اس کی تجہیز و تکفین کر دو پھر یہ کہہ کر اسی طرح وعظ میں مصروف ہو جاتے لوگ کہتے کہ تعجب ہے اپنے جگر پاروں کی موت بھی تاثیر نہیں کرتی۔ آپ فرماتے کہ ہم نے پہلے ہی ان کو دل سے نکال رکھا ہے جب دل میں ان کی جگہ ہی نہیں تو دل پر تاثیر کیسے ہوگی!

کی جاتی ہے۔ اس بندے کی حرمت کے پیشِ نظر ان پر رحمت ہوتی ہے اور وہ آفات و بلیات سے محفوظ کر دئے جاتے ہیں اور یہ ان کا نگہبان، ان کے امور کا والی اور دُنیا و آخرت میں پناہ گاہ اور شفیع بن جاتا ہے۔[۲۶]

---

(۲۶) امام الوقت شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں مخلوق سے مایوس کیوں نہ ہوں جبکہ خود کو نفع پہنچانے سے نا امید ہوں، اور میں حق تعالٰی سے کس طرح نا امید ہو جاؤں جبکہ میں اُمیدوار ہوں کہ اللہ تعالٰی میری وجہ سے دُوسروں کو نفع پہنچاتا ہے۔

اَلْمَقَالَةُ الثَّالِثَةُ وَالثَّلٰثُوْنَ

قَالَ رض اَلنَّاسُ اَرْبَعَةٌ رَجُلٌ لَا لِسَانَ لَهٗ وَلَا قَلْبَ وَهُوَ الْعَاصِيُّ
الْغِرُّ الْغَبِيُّ سَفَاكٌ لَا يَعْبَأُ اللّٰهُ بِهٖ وَلَا خَيْرَ فِيْهِ هُوَ وَاَمْثَالُهٗ حُثَالَةٌ
لَا وَزْنَ لَهُمْ اِلَّا اَنْ تَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ فَيَهْدِيْ قُلُوْبَهُمْ لِلْاِيْمَانِ
بِهٖ وَيُحَرِّكُ جَوَارِحَهُمْ بِالطَّاعَةِ لَهٗ فَاحْذَرْ اَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ
وَلَا تُؤْوِيْهِمْ وَلَا تَكْتَرِثْ بِهِمْ وَلَا تَقُمْ فِيْهِمْ فَاِنَّهُمْ اَهْلُ الْعَذَابِ
وَالْغَضَبِ وَالسَّخَطِ سُكَّانُ النَّارِ وَاَهْلُهَا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهُمْ
اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْعُلَمَاءِ بِاللّٰهِ وَمِنْ مُعَلِّمِي الْخَيْرِ وَهُدَاةِ
الدِّيْنِ وَقُوَّادِهٖ وَدُعَاتِهٖ فَدُوْنَكَ فَاْتِهِمْ وَادْعُهُمْ اِلٰى طَاعَةِ
اللّٰهِ وَحَذِّرْهُمْ عَنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ فَكُنْتَ عِنْدَ اللّٰهِ جَهِيْدًا
فَتُعْطٰى ثَوَابَ الرُّسُلِ وَالْاَنْبِيَاءِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لِعَلِيٍّ رض لَاَنْ
يَهْدِيَ اللّٰهُ بِهُدَاكَ رَجُلًا خَيْرٌ لَكَ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ وَ
الرَّجُلُ الثَّانِيْ لِسَانٌ بِلَا قَلْبٍ فَيَنْطِقُ بِالْحِكْمَةِ وَلَا يَعْمَلُ بِهٖ
يَدْعُو النَّاسَ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ يَغِذُّ مِنْهُ فَيَسْتَقْبِحُ عَيْبَ غَيْرِهٖ وَ
يَدُوْمُ هُوَ عَلٰى مِثْلِهٖ فِيْ نَفْسِهٖ يُظْهِرُ لِلنَّاسِ تَنَسُّكًا يُبَارِزُ اللّٰهَ
بِالْعَظَائِمِ مِنَ الْمَعَاصِيْ وَاِذَا خَلَا كَاَنَّهٗ ذِئْبٌ عَلَيْهِ ثِيَابٌ

وهو الذي حذر منه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يقول
اخوف ما اخاف على امتي علماء السوء نعوذ بالله من هذا
فابعد منه وهرول لئلا يتخطف بلذيذ لسانه فتحرقك نار
معاصيه ويقتلك نتن باطنه وقلبه والرجل الثالث قلب بلا لسان
وهو مومن ستره الله عن خلقه واسبل عليه كنفه وبصره
بعيوب نفسه ونور قلبه وعرفه غوائل مخالطة الناس و
شوم الكلام والنطق وتيقن ان السلامة في الصمت والانزواء
كما قال النبي صلى الله عليه وسلم من صمت نجا وكما
قال ان للعبادة عشرة اجزاء تسعة منها في الصمت فهذا
رجل ولي الله في ستر الله محفوظ ذو سلامة وعقل وافر
جليس الرحمن منعم عليه فالخير كل الخير عنده فدونك
ومصاحبته ومخالطته وخدمته والتحبب اليه بقضاء
حوائج تسنح له وموافق يرتفق فيها فيحبك الله ويصطفيك
ويدخلك في زمرة احبائه وعباده الصالحين ببركته ان شاء
الله تعالى والرجل الرابع المدعو في الملكوت بالعظمة
كما جاء في الحديث من تعلم وعمل به وعلم دعي في الملكوت
عظيما وهو العالم بالله واياته واستودع قلبه غرائب علمه
واطلعه الله على اسرار طواها عن غيره واصطفاه واجتباه
وجذبه اليه وهداه ورقاه اليه وشرح صدره لقبول
تلك الاسرار والعلوم وجعله جهيذا وداعيا للعباد و

نذيرا لهم وحجة فيهم هاديا مهديا شافعا مشفعا صادقا
مصدقا بدلا لرسله وانبيائه عليهم صلواته وتحياته و
بركاته فهذا هو الغاية والمنتهى في بني ادم لا منزلة فوق هذه
المنزلة الا النبوة فعليك به احذر ان تخالفه وتنافره وتجانبه
وتعاديه وترك القبول منه والرجوع الى قوله ونصيحته فان
السلامة فيما يقول وعنده والهلاك والضلال عند غيره الا
من يوفقه الله ويمده بالسداد والرحمة فقد قسمت لك الناس
فانظر لنفسك ان كنت ناظرا واحترز بها ان كنت محترزا لها
شفيقا عليها هدانا الله واياك لما يحبه ويرضاه دنيا و
اخرى ه

مقالہ ۳۳

لوگوں کی قسمیں

حضرت فرماتے ہیں لوگ چار طرح کے ہیں، ایک وہ جن کے پاس نہ زبان[1] ہوتی ہے نہ دل[2]۔ ایسے عامی[3]، غافل، غبی اور ذلیل شخص کی اللہ تعالیٰ کے ہاں

---

(۱) جس کے ساتھ حکمت کی باتیں بیان کر سکیں۔

(۲) جو کہ علم و معرفت اور اسرارِ ربوبیت کا محل ہے۔

(۳) عامی، یہ عام کی طرف منسوب ہے یعنی علم و عمل کی خصوصیت کے ساتھ مخصوص نہیں ہوا، عِزٌّ عین کے کسرہ کے ساتھ بمعنے بے تمیزی و بے دانشی کی وجہ سے ناآزمودہ کار۔ حدیث شریف میں مسلمانوں کی صفت میں وارد ہے: اَلمُؤمِن عِزٌّ کَرِیمٌ (مومن سادہ لوح کریم ہوتا ہے) یہاں عِزٌّ کا معنیٰ ہے صاف سینے والا اور لوگوں کے متعلق حُسنِ ظن رکھنے والا، سادہ لوح۔ کیونکہ ناتجربہ کاری، امورِ دنیا کی طرف بے التفاتی، امورِ دین میں مشغولیت، زادِ آخرت سے خالی سینہ کی صفائی اور نیک گمان ہونے کی بنا پر یہ صفات پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی صفت کریمہ اس پر قرینہ ہے کہ یہ مومن جامع صفاتِ حمیدہ ہے۔

کوئی قدر و منزلت نہیں۔ ظاہر و باطن کے اعتبار سے اس میں ذرہ بھلائی نہیں ہے، ایسے لوگ تو بھوسے کی مانند ہیں۔ بارگاہِ الٰہی میں اس کی قیمت نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت میں لے لے، ان کے دلوں کو ہدایت سے منور کر دے اور ان کے اعضاء کو اپنی اطاعت میں متحرک کر دے[4]۔ ایسے آدمیوں سے بچو، ان کی پناہ میں نہ آؤ۔ ان کا اعتبار نہ کرو اور ان میں مت کھڑے ہو کیونکہ یہ عذاب اور غضب کے مستحق ہیں اور جہنم کے قابل ہیں ہم ایسوں سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں۔ اگر تم دینِ خدا کے عالم، نیکی کی تعلیم دینے والے، دین کے ہادی و قائد ہو اور لوگوں کو دین کی طرف بلاتے ہو تو بے شک ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرو، انہیں اطاعتِ الٰہی کی دعوت دو۔ گناہوں سے ڈرو[5]، تو تم مجاہد قرار پاؤ گے۔ تمہیں انبیاء و رسل علیہم السلام کی طرح ثواب ملے گا، رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اگر تمہاری وجہ سے خدا تعالےٰ کسی ایک آدمی کو ہدایت دے تو تمہارے لیے یہ اس چیز سے بہتر ہے جس پر آفتاب طلوع ہوا[6]۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے

---

(۴) اس تقدیر پر وہ اس عامی درجہ سے نکل جائے گا، اس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اسے ایمان و عمل کا ادنیٰ درجہ حاصل ہو جو عامی اور جاہل لوگوں کو حاصل ہوتا ہے یعنی اس قسم میں وہی لوگ داخل ہوں گے جنہیں فی الجملہ ایمان و عمل حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ عذابِ دوزخ میں دخول سے رہائی پالیں گے اگرچہ کمالات و درجات سے محروم و بعید ہیں۔

(۵) یعنی ان کے پاس اسی نیت اور کام سے جانا چاہیے کہ انہیں احکامِ دین کی تعلیم دی جا سکے۔

(۶) یعنی پوری دنیا سے بہتر ہے کیونکہ لوگوں کو ہدایت و ارشاد کرنے سے آخرت

جن کے پاس زبان ہے دل نہیں۔[7] علم و عمل کی نصیحت کے سلسلے میں بڑی حکیمانہ گفتگو کرتے ہیں مگر وہ خود ان پر عمل نہیں کرتے، وہ دوسروں کو خدا کی طرف بُلاتے ہیں لیکن خود اس سے بھاگتے ہیں۔ دوسروں کے عیب ذکر کرنے کو بُرا گردانتے ہیں لیکن خود ہی وہ عمل کرتے ہیں۔ لوگوں کے سامنے اپنی پارسائی کا اظہار کرتے ہیں اور خود بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہوئے خدا کے ساتھ اعلانِ جنگ کرتے ہیں۔[8] جب وہ خلوت میں کسی کے پاس جاتے ہیں تو گویا وہ آدمی کے لباس میں ملبوس بھیڑیئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے پرہیز کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اپنی اُمت کے لیے جس چیز کا زیادہ خوف ہے وہ بے عمل علماء ہیں۔[9] ہم ایسے لوگوں سے

کا ثواب حاصل ہوگا جو کہ دنیا و مافیہا سے ہزار مرتبہ بڑھ کر ہے بلکہ ہدایت و ارشاد ایسا عمل ہے جس کا ثواب دیگر اعمال کے ثواب سے زائد ہے۔

(7) مبالغۃً اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے گویا کہ اس کی فقط زبان اس کا عین بن چکی ہے۔

(8) اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ معصیت کا قصد کرتے ہیں گویا وہ اللہ تعالیٰ سے اعلانِ جنگ کرتے ہیں ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ ہلاکت ہی ہوگا۔

(9) کہ بُرائی کو نیکی بتاتے ہیں اور برائی کے مرتکب ہوتے ہیں، بعض بے عمل علما۔ کیونکہ ان کی وجہ سے لوگ گمراہی میں جا رہے ہیں۔ اگرچہ وہ زبان کے ساتھ خیر کی تعلیم دیں لیکن اُن کا عمل اس کے خلاف ہے اس لیے ان کی بات لوگوں میں اثر نہیں کرتی اور نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے عمل شرط ہے مگر یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ بے عملی کی وجہ سے مقصود کا خلاف اور نقصان حاصل ہوگا۔

خدا کی پناہ چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے دُور بھاگو تاکہ وہ تمھیں اپنی طلاقتِ لسانی سے قریب نہ کر لیں[10] اور تمھیں ان کے گناہوں کی آگ نہ جلا دے اور ان کے قلب و باطن کی بدبُو تمھیں ہلاک نہ کر دے۔ تیسری قسم ایسے لوگوں کی ہے جن کے دل ہیں[11] زبان نہیں۔ یہ ایماندار لوگ ہیں، اللہ تعالےٰ نے ایسوں کو مخلوق سے چھپا رکھا ہے اور ان پر پردہ ڈال دیا ہے[12] اور انہیں ان کے نفس کے عیوب دکھا دیئے ہیں، عُجب و ریا کی باریکیوں سے آگاہ کرتے ہوئے ان کے دل روشن کر دیئے ہیں اور لوگوں سے اختلاط کی وجہ سے پیدا ہونے والی برائیاں[13] اور گفتگو کی خرابیاں بتا دی ہیں اور انہیں یقین ہو چکا ہے کہ خاموشی اور

---

(10) ازین دیو مردم کہ کہ دام
نہان شو کہ ہم صحبتان بداند

(11) اور معاصی و شہوات کی محبت تمہارے دل میں نہ بیٹھ جائے کہ تم انہیں اپنا لو۔

(12) یعنی، ان کے دل علم و عرفان کے انوار سے روشن ہیں لیکن زبان ان کی تشریح کی مجاز نہیں بلکہ منہ پر خاموشی کا تالا لگا ہوا ہے تاکہ لوگوں کے اختلاط اور ان سے گفتگو سے باز رہیں۔

(13) اور اپنی پناہ میں لے لیا ہے تاکہ ان کے علم و عرفان کی حقیقت و حالت پر مخلوق اطلاع نہ پا سکے۔

(14) کہ لوگوں کی صحبت مہلک ہے۔

عزلت نشینی میں ہی سلامتی ہے[15]، جیساکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے خاموشی اختیار کی وہ ہر آفت سے نجات پاگیا۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے، عبادت کے دس حصوں میں سے نو حصے خاموشی میں ہیں[16]۔ یہ آدمی سرِّ الٰہی کا حامل، خدا کا دوست، آفاتِ نفس و خلق سے حفاظت و سلامتی والا، عقلِ تمام کا مالک، رب کریم کا ہم جلیس، مقربِ بارگاہ اور نعمتوں والا ہے۔ تمام بھلائیاں اس کی صحبت میں ہیں[17]، اس لیے تم اس کی مصاحبت اور خدمت کو لازم کرلو، اور اس کے کام کرنے اور اسے نفع پہنچانے میں صدقِ دل سے کوشاں رہو۔ اس طرح تمھیں اللہ تعالیٰ اپنا برگزیدہ اور محبوب بناتے ہوئے اپنے نیک بندوں میں شامل کرلے گا[18]۔ یہ تمام سعادات و کمالات اس مردِ صالح کی برکت سے حاصل ہونگے اِن شاء

---

(۱۵) یعنی وہ آدمی علم و دانش کے باوجود اس لیے خاموش ہے کہ وہ جانتا ہے کہ آفاتِ نفس سے سلامتی خاموشی میں ہے اور اس لیے اس نے عزلت نشینی اختیار کی ہے تاکہ خاموش رہ سکے۔

(۱۶) یہ خاموشی کی فضیلت کی کثرت میں مبالغہ ہے کیونکہ آدمی کو تمام آفتیں اس راہگذر سے پہنچتی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ آدمی کو اس کی زبان کے افعال ہی آتشِ دوزخ میں گرائیں گے۔

(۱۷) یہ اس کے پاس خیر کے موجود ہونے میں مبالغہ ہے۔

(۱۸) کہ ان کے معاملات میں کسی قسم کا خلل راہ نہیں پاتا۔ صلاح ایک مرتبۂ عظمیٰ اور جمیع کمالاتِ ظاہرہ و باطنہ کا جامع ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں انبیاء کرام کو صالحین کے وصف سے یاد فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ[19]۔ لوگوں کی چوتھی قسم وہ ہے جو صاحبِ قلب و لسان ہیں جنھیں عالمِ ملائکہ و ارواح میں عزت و بزرگی کے ساتھ بلایا جاتا ہے۔ جیساکہ حدیث پاک میں ہے، جس نے علم حاصل کیا، اس پر عمل کیا، دوسروں کو اس کو اس کی تعلیم دی اسے عالمِ ملکوت میں 'عظیم' کہہ کر بلایا جائے گا۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات[20] کو جانتے ہیں ان کے دل میں علومِ غریبہ[21] ودیعت رکھے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دوسروں سے مخفی اسرار پر انھیں مطلع فرمادیا ہے اور انہیں اپنا برگزیدہ و مقبول بنا کر اپنی جانب متوجہ کرلیا ہے اور علوم و معارف سے آگاہ کرتے ہوئے اپنے قربِ خاص میں بلندی عطا کی ہے اور ان کے سینوں کو ان علوم و اسرار کے قابل بناتے ہوئے کھول دیا ہے[22]، انھیں دانشمند اور نقادِ خیر کرکے بندوں کو نیکی کی

---

(۱۹) اِن شاء اللہ تعالیٰ کے کلمات اکثر طور پر تبرک اور اظہارِ رغبت کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

(۲۰) جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر دلالت کرتی ہیں یا آیات سے مراد قرآنِ حکیم کی آیتیں ہیں۔

(۲۱) جنہیں دوسرے لوگ نہیں جانتے۔

(۲۲) **شرح صدر** شرحِ صدر ایک بلند مقام ہے کیونکہ عبودیت کے بوجھوں کے ثقل کے ہوتے اسرارِ ربوبیت نہیں اٹھائے جاسکتے اور خلق سے تعلق اور قطع تعلق کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ آیۂ کریمہ الم نشرح اسی مقام کی طرف اشارہ ہے اور یہ مقام بر تمام و کمال صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ اولیاءِ کاملین کو آپ کی متابعت اور ذاتِ شریفہ کے انوار کے پرتو کے مطابق تفاوتِ درجات کے موافق یہ مقام حاصل ہوتا ہے۔ اسکی شرح علیحدہ رسالہ میں کی گئی ہے۔

طرف دعوت دینے، برائی سے ڈرانے والے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے دین و ملت پر حجت، ہادی ہدایت یافتہ، شفیع شفاعت قبول کیے ہوئے راست گو اور تصدیق کیے ہوئے بنا کر انبیاء و رسل علیہم الصلوات والتحیات والبرکات کا خلیفہ و جانشین کے اعزاز سے نوازا گیا ہے۔ ان صفات کے حامل بنی آدم کے جوہرِ خاص اور مقصود حقیقی ہیں۔ ان سے اوپر صرف نبوت کا مرتبہ ہے۔ تمھیں چاہیے کہ ان کی عقیدت و غلامی کو لازم کر لو۔(۲۳) ان سے نفرت اور مخالفت کرنے، کنارہ کشی اختیار کرنے سے اجتناب کرو اور ان کی دشمنی اور حکم عدولی سے بچو اور ان کی نصیحتوں سے روگردانی سے پرہیز کرو اس لیے کہ سلامتی انھیں کے پاس اور انھیں کی باتوں میں ہے اور ان کے غیر کے پاس گمراہی اور ہلاکت ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ توفیق دیتے ہوئے اپنی رحمت اور دوستی کے ساتھ امداد فرمائے وہ ان سے نفرت کرنے اور مخالفت سے محفوظ رہتا ہے۔ میں نے انسانوں کی چاروں قسمیں تمھارے سامنے بیان کر دی ہیں اگر صاحبِ نظر و فکر ہو تو ان میں تامل کرو(۲۴)، اگر پرہیز گار ہو، اپنے آپ پر مہربانی کرنا چاہتے ہو اور اسے مکروہات سے بچانے کا خیال ہے

---

(۲۳) اگر صحبت اور خدمت میسر آ جائے تو فبہا ورنہ عقیدت و محبت کو ہاتھ سے نہ جانے دو کیونکہ ان سے دوری اور بیگانگی خسارے اور محرومی کا سبب ہے، اور ان کا انکار و مخالفت بدبختی کا موجب ہے۔

(۲۴) میں یہ نہیں کہتا کہ کس کی مجلس اختیار کرو، تم خود زیرک ہو ان میں سے بہتر کو اختیار کر لو۔

تو اپنے نفس کی نگہداشت کرو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں(۲۵) اور آپ کو ایسی باتوں کی ہدایت دے جو دنیا و آخرت میں اس کی محبوب اور پسندیدہ ہیں۔

---

(۲۵) **مریدین کے لیے خوشخبری** حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ھدانا اللہ وایاک فرمایا کہ مخاطب کو ہدایت کی دعا میں شریک فرمایا ہے یہ اس مدعا کے شرف کامل کی دلیل ہے اور قبولیتِ دعا میں اس مدعا کی تعظیم و تکریم ہے نیز اس جگہ کمال اور زیادتی مراد ہے جس طرح کہ اھدنا الصراط المستقیم میں ہے اس لیے مخاطب کو آپ کے طفیل اس مقصود کے حصول کی مبارک ہو۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ مہمان عزیز ہو تو طفیلی بھی عزیز ہوتا ہے۔

المَقَالَةُ الرَّابِعَةُ وَالثَّلٰثُوْنَ

قَالَ رض مَا اَعْظَمَ تَسَخُّطَكَ عَلٰى رَبِّكَ وَتُهْمَتُكَ لَهُ وَاعْتِرَاضُكَ
عَلَيْهِ وَانْتِسَابُكَ لَهُ عَزَّ وَجَلَّ بِالظُّلْمِ وَاسْتِبْطَائُكَ لَهُ فِى الرِّزْقِ
وَالْغِنٰى وَكَشْفِ الْكُرُوْبِ وَالْبَلْوٰى اَمَا تَعْلَمُ اَنَّ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابًا وَّ
لِكُلِّ بَلِيَّةٍ وَكُرْبَةٍ غَايَةً وَّمُنْتَهٰى وَنَفَاذًا لَا يَتَقَدَّمُ ذٰلِكَ وَلَا يَتَاَخَّرُ
وَاَوْقَاتُ الْبَلَايَا لَا يَنْقَلِبُ فَتَصِيْرُ عَوَافِيًا وَوَقْتُ الْبُؤْسِ لَا يَتَقَلَّبُ
نِعْمَةً وَحَالَةُ الْفَقْرِ لَا يَسْتَحِيْلُ غِنَاءً اَحْسِنِ الْاَدَبَ وَالْزَمِ
الصَّمْتَ وَالصَّبْرَ وَالرِّضَاءَ وَالْمُوَافَقَةَ لِرَبِّكَ وَتُبْ عَنْ سَخَطِكَ
عَلَيْهِ وَتُهْمَتِكَ لَهُ فِىْ فِعْلِهِ وَلَيْسَ هُنَاكَ اِسْتِيْفَاءٌ وَّاِنْتِقَامٌ مِّنْ
غَيْرِ ذَنْبٍ عَلَى الطَّبْعِ كَمَا هُوَ فِىْ حَقِّ الْعَبْدِ بَعْضِهِمْ فِىْ بَعْضٍ
هُوَ عَزَّ وَجَلَّ مُنْفَرِدٌ بِالْاَزَلِ وَسَبَقَ الْاَشْيَاءَ وَخَلَقَهَا وَخَلَقَ
مَصَالِحَهَا وَمَفَاسِدَهَا فَعَلِمَ اِبْتِدَاءَهَا وَانْتِهَاءَهَا وَانْقِضَاءَهَا
وَعَاقِبَتَهَا وَهُوَ عَزَّ وَجَلَّ حَكِيْمٌ فِىْ فِعْلِهِ مُتْقِنٌ فِىْ صُنْعِهِ لَا يُنَاقِضُ
فِىْ فِعْلِهِ لَا يَفْعَلُ عَبَثًا وَّلَا يَخْلُقُ بَاطِلًا لَعِبًا لَا يَجُوْزُ عَلَيْهِ النَّقَائِصُ
وَلَا اللَّوْمُ فِىْ اَفْعَالِهِ وَانْتَظِرِ الْفَرَجَ اِنْ عَجَزْتَ عَنْ مُوَافَقَتِهِ
وَعَنِ الرِّضَاءِ وَالْفَنَاءِ فِىْ فِعْلِهِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهٗ فَتَسْفِرَ

الْحَالَةُ عَنْ ضِدِّهَا بِمُرُوْرِ الزَّمَانِ وَانْقِضَاءِ الْاٰجَالِ كَمَا يَنْقَضِى
الشِّتَاءُ فَيُسْفِرُ عَنِ الصَّيْفِ وَيَنْقَضِى اللَّيْلُ فَيُسْفِرُ عَنِ النَّهَارِ فَاِذَا
طَلَبْتَ ضَوْءَ النَّهَارِ وَنُوْرَهٗ بَيْنَ الْعِشَائَيْنِ لَمْ تُعْطَهُ بَلْ يَزْدَادُ
فِىْ ظُلْمَةِ اللَّيْلِ حَتّٰى اِذَا بَلَغَتِ الظُّلْمَةُ غَايَتَهَا وَطَلَعَ الْفَجْرُ جَاءَ
النَّهَارُ بِضَوْئِهٖ طَلَبْتَ ذٰلِكَ وَاَرَدْتَّهٗ اَوْ سَكَتَّ عَنْهُ وَكَرِهْتَهٗ
فَاِنْ طَلَبْتَ اِعَادَةَ اللَّيْلِ حِ لَمْ تُجَبْ دَعْوَتُكَ وَلَمْ تُعْطَهُ لِاَنَّكَ
طَلَبْتَ الشَّىْءَ فِىْ غَيْرِ حِيْنِهٖ وَوَقْتِهٖ فَتَبْقٰى حَسِيْرًا مُنْقَطِعًا مُتَسَخِّطًا
خَجِلًا فَاتْرُكْ هٰذَا كُلَّهٗ وَالْزَمِ الْمُوَافَقَةَ وَحُسْنَ الظَّنِّ
بِرَبِّكَ وَالصَّبْرَ الْجَمِيْلَ فَمَا لَكَ لَا تُسْلَبُهٗ وَمَا لَيْسَ لَكَ لَا
تُعْطٰى لَعَمْرِىْ اِنَّكَ تَدْعُوْا وَتَبْتَهِلُ اِلٰى رَبِّكَ بِالدُّعَاءِ وَ
التَّضَرُّعِ عِبَادَةً وَّطَاعَةً وَّاِمْتِثَالًا لِاَمْرِهٖ فِىْ قَوْلِهٖ اُدْعُوْنِىْ
اَسْتَجِبْ لَكُمْ وَقَوْلِهٖ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ وَغَيْرُ ذٰلِكَ مِنَ
الْاٰيَاتِ وَالْاَخْبَارِ وَاَنْتَ تَدْعُوْهُ وَهُوَ يَسْتَجِيْبُ لَكَ عِنْدَ حِيْنِهٖ
وَاَجَلِهٖ وَاِذَا اَرَادَ وَكَانَ لَكَ فِىْ ذٰلِكَ مَصْلِحَةٌ دُنْيَاكَ وَاُخْرَاكَ
اَوْ وَافَقَ ذٰلِكَ قَضَائَهٗ وَانْتِهَاءَ اَجَلِهٖ لَا تَتَّهِمْهُ فِىْ تَاْخِيْرِ
الْاِجَابَةِ وَلَا تَسْاَمْ مِنْ دُعَائِكَ فَاِنَّكَ اِنْ لَّمْ تَرْبَحْ لَمْ تَخْسَرْ
اِنْ لَّمْ يُجِبْكَ عَاجِلًا اَثَابَكَ اٰجِلًا فَقَدْ جَاءَ فِى الْحَدِيْثِ اِنَّ
الْعَبْدَ يَرٰى فِىْ صَحَائِفِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَسَنَاتٍ لَا يَعْرِفُهَا فَيُقَالُ اِنَّهَا
بَدَلُ سُؤَالِكَ فِى الدُّنْيَا لَمْ يُقَدَّرْ قَضَائُهٗ فِيْهَا اَوْ كَمَا وَرَدَ ثُمَّ
اَقَلُّ اَحْوَالِكَ اَنَّكَ تَكُوْنُ ذَاكِرًا لِرَبِّكَ وَمُوَحِّدًا لَهٗ حَيْثُ تَسْئَلُهٗ

وَلَمْ تَسْئَلْ غَيْرَهُ وَلَمْ تُنْزِلْ حَاجَتَكَ لِغَيْرِهٖ فَاَنْتَ بَيْنَ الْحَالَتَيْنِ
فِيْ زَمَانِكَ كُلِّهٖ لَيْلِكَ وَنَهَارِكَ وَصِحَّتِكَ وَسُقْمِكَ وَبُؤْسِكَ وَ
نَعْمَائِكَ وَشِدَّتِكَ وَرَخَائِكَ اِمَّا اَنْ تُمْسِكَ عَنِ السُّؤَالِ وَتَرْضٰى
وَتُوَافِقَ وَتَسْتَرْسِلَ لِفِعْلِهٖ عَزَّ وَجَلَّ كَالْمَيِّتِ بَيْنَ يَدَيِ الْغَاسِلِ
وَالطِّفْلِ الرَّضِيْعِ فِيْ يَدِي الظِّئْرِ وَالْكُرَةِ بَيْنَ يَدَيِ الْفَارِسِ
يُقَلِّبُهَا بِالصَّوْلَجَانِ فَيُقَلِّبُكَ الْقَدَرُ كَيْفَ يَشَاءُ اِنْ كَانَ النَّعْمَاءُ
فَمِنْكَ الشُّكْرُ وَالثَّنَاءُ وَمِنْهُ عَزَّ وَجَلَّ الْمَزِيْدُ فِي الْعَطَاءِ كَمَا
قَالَ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَاِنْ كَانَ الْبَاْسَاءُ فَالصَّبْرُ وَ
الْمُوَافَقَةُ مِنْكَ بِتَوْفِيْقِهٖ وَالتَّثْبِيْتُ وَالنُّصْرَةُ وَالصَّلٰوةُ وَالرَّحْمَةُ
مِنْهُ كَمَا قَالَ عَزَّ وَجَلَّ وَاِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ يَعْنِيْ بِفَضْلِهٖ
بِالنَّصْرِ وَالتَّثْبِيْتِ وَكَمَا قَالَ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ
اَقْدَامَكُمْ اِذَا نَصَرْتَ اللّٰهَ فِيْ مُخَالَفَةِ هَوَاكَ بِتَرْكِ الْاِعْتِرَاضِ
عَلَيْهِ وَالتَّسَخُّطِ بِفِعْلِهٖ فِيْكَ وَكُنْتَ خَصْمًا لِلّٰهِ عَلٰى نَفْسِكَ سَيَّافًا
لَهٗ عَلَيْهَا كُلَّمَا تَحَرَّكَتْ بِكُفْرِهَا وَشِرْكِهَا جَزَزْتَ رَاْسَهَا بِصَبْرِكَ
وَمُوَافَقَتِكَ لِرَبِّكَ وَالطُّمَانِيْنَةِ اِلٰى فِعْلِهٖ وَوَعْدِهٖ وَالرِّضَاءِ بِهِمَا
كَانَ اللّٰهُ لَكَ مُعِيْنًا نَاصِرًا وَاَمَّا الصَّلٰوةُ وَالرَّحْمَةُ فَقَوْلُهٗ وَبَشِّرِ
الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ
رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ وَالْحَالَةُ الْاُخْرٰى اَنْ تَبْتَهِلَ اِلٰى رَبِّكَ بِالدُّعَاءِ
وَالتَّضَرُّعِ اِعْظَامًا لَهٗ اِمْتِثَالًا لِاَمْرِهٖ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ وَفِيْهِ وَضْعُ

الشَّيْءِ فِيْ مَوْضِعِهٖ لِاَنَّهٗ نَدَبَكَ اِلٰى سُؤَالِهٖ وَالرُّجُوْعِ اِلَيْهِ جَعَلَ
ذٰلِكَ لَكَ مُسْتَرِيْحًا وَرَسُوْلًا مِّنْكَ اِلَيْهِ وَمُوَاصَلَةً وَوَسِيْلَةً لَدَيْهِ
بِشَرْطِ تَرْكِ التُّهْمَةِ وَالتَّسَخُّطِ عَلَيْهِ عِنْدَ تَاْخِيْرِ الْاِجَابَةِ اِلٰى
حِيْنِهَا اِعْتَبِرْ مَا بَيْنَ الْحَالَتَيْنِ وَلَا تَتَجَاوَزْ حَدَّيْهِمَا فَاِنَّهٗ لَيْسَ
هُنَاكَ حَالَةٌ اُخْرٰى فَاحْذَرْ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ الْمُعْتَدِيْنَ
فَيُهْلِكَكَ وَلَا يُبَالِيْ كَمَا اَهْلَكَ مَنْ مَضٰى مِنَ الْاُمَمِ السَّابِقَةِ فِي
الدُّنْيَا بِتَشْدِيْدِ بَلَائِهٖ وَفِي الْاٰخِرَةِ بِاَلِيْمِ عَذَابِهٖ سُبْحَانَ
اللّٰهِ الْعَظِيْمِ يَا عَالِمًا بِحَالِيْ عَلَيْكَ اِتِّكَالِيْ ۝

مقالہ ۳۴

فعلِ خداوندی پر ناراض نہ ہو

حضرت محبوبِ سبحانی رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں : کس قدر تعجب کی بات ہے کہ تم اپنے پروردگار سے ناراض ہو کر اس پر بخل، حماقت اور جہالت کی اتہام تراشی کرو اس پر اعتراض کرتے ہوئے اس کی طرف ظلم کی نسبت کرو، رزق و غنا اور آفات و بلیات کے دُور کرنے میں تاخیر سمجھو،(۱) کیا تمھیں معلوم نہیں کہ ہر چیز کی مدت مقرر ہے اور ہر مصیبت کی انتہا ہوتی ہے جس میں کسی تقدم و تاخر کی گنجائش نہیں، نہ مصیبتوں کا وقت تبدیل ہوتا ہے کہ آفت عافیت بن جائے، "تکلیف کا وقت راحت سے نہیں بدل سکتا اور فقر کی حالت غنا سے تبدیل نہیں ہوسکتی"(۲)، اس لیے باادب

---

(۱) یعنی جب رزق جلد حاصل نہ ہو رنج و بلا سے نجات نہ ملے اور کام میں کشادگی پیدا نہ ہو تو تم مضطرب، ناراض اور ناامید ہو جاتے ہو جبکہ ایسا نہیں چاہیئے۔

(۲) یعنی ہر چیز کا جو وقت مقرر ہے وہ اسی وقت میں واقع ہو گی اس کے

رہ کر خاموشی، صبر و رضا اور پروردگار کی موافقت لازم کر لو۔(۳) اس کے کاموں پر ناراضی اور بہتان سے توبہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ ایسی نہیں کہ کسی سے پُورا پُورا حق لیا جائے اور بغیر گناہ کے انتقام لیا جائے بلکہ یہ تو بندوں کا کام ہے۔(۴) بلکہ اللہ تعالے کی ذات ازل سے یگانہ ہے، اس کا وجود تمام چیزوں سے پہلے ہے، اس نے اشیاء کو اور ان کی اچھائیوں اور بُرائیوں کو پیدا کیا ہے۔(۵) ان کے آغاز و انجام کو جانتا ہے وہ اپنے فعل میں حکیم مطلق ہے، اپنی تخلیق میں مضبوط ہے، اس کے کاموں میں تضاد

خلاف کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے اور پروردگارِ عالم سے ناراضگی اور اس کے کاموں پر اعتراض نہیں کرنا چاہیئے ؎

کردگار آں کند کہ خود خواہد
حکم بر کردگار نتواں کرد

(اللہ تعالے جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر حکم نہیں چلایا جاسکتا)

(۳) اللہ تعالے کے تمام افعال پر۔

(۴) یعنی اللہ تعالے بندے کو فقر و فاقہ میں اس لیے مبتلا نہیں کرتا کہ اس نے نفسانی حق پُورا کرنا ہے اگر ایسا نہ کرے تو نقصان لازم آئے گا" اور بندوں پر اس لیے ناراض ہوتا ہے کہ بندوں نے حقوق اللہ میں جو کوتاہی کی ہے اس کے بدلے عذاب دے کر اپنا حق پُورا کرے اور انتقام لے کر اپنا غصہ ٹھنڈا کر لے۔ یا خدا (معاذ اللہ) ظالم طبیعت ہے کہ بے اختیار ہو کر بندوں پر ظلم کرتا ہے اور انھیں اذیت دیتا ہے جیسا کہ بندوں میں ہوتا ہے۔

(۵) صلاح و نیکی اور فساد و تباہی آپس میں متضاد ہیں اور مفسدہ مصلحت کی ضد ہے۔

نہیں ہوتا[6]۔ وہ کوئی بے فائدہ کام نہیں کرتا نہ ہی باطل[7] اور لغو چیز پیدا کرتا ہے، اس کی طرف نقص وعیب کی نسبت نہیں ہوسکتی اور نہ اس کے افعال پر ملامت کی جاسکتی ہے' اگر تم اس کے افعال پر رضا وموافقت اور اس کے فعل میں فنا سے عاجز ہو تو کشائش اور فراخی کا انتظار کرو یہاں تک کہ نوشتۂ تقدیر اپنی مدت کو پہنچ جائے[8]، پھر زمانہ گزرنے اور میعاد پوری ہونے پر تمہاری حالت بدل جائے گی جس طرح سردی ختم ہونے پر گرمی آجاتی ہے اور رات ختم ہونے پر سحر طلوع ہوتی ہے[9]۔ چنانچہ اگر تم مغرب اور عشاء کے درمیان ہی دن کے

---

(٦) کہ اس کے کام ایک دوسرے کے مخالف ہوں، مثلاً ایک کو باطل قرار دیتے ہُوئے دوسرا شروع کردے ایسا نہیں ہوسکتا۔ نقض کے لغوی معنیٰ 'توڑنا' ہے اور مناقضہ کے معنیٰ ہیں ایک دوسرے کے خلاف بات کرنا۔

(٧) باطل حق کی ضد ہے، باطل کا معنیٰ ناچیز اور حق کا معنیٰ ہے درست، راست اور ثابت۔

(٨) یعنی تمہیں فضل وقضا اور حکمِ خدا میں موافق وراضی اور اس میں فانی ہونا چاہیئے مخالفت اور ناراضی ہرگز نہیں چاہیئے۔ ابھی اگر اس مقام پر فائز نہیں ہو تو پریشان اور ناامید ہونے کی ضرورت نہیں اجل مقرر کا انتظار چاہیئے کہ اپنے وقت پر کشائش حاصل ہوگی۔

(٩) یعنی جب ہر چیز کا وقت مقرر ہے تو قبل از وقت اس کی طلب بیہودگی قرار پائے گی۔

دنیا داروں کے انقباض کی وجوہ

بزرگ فرماتے ہیں کہ دنیا داروں میں عموماً

اُجالے اور نور کے متمنی ہو تو یہ چیز تمہیں کیسے حاصل ہوسکتی ہے بلکہ ابھی تو رات کی تاریکی میں اضافہ ہوگا اور جب ظلمت اپنی انتہا کو پہنچ جائے گی اور فجر طلوع ہوجائے گی تو دن اپنی روشنی لائے گا، اس وقت اس کی طلب کرو یا نہ کرو، خواہ اسے مکروہ جانو یا خاموشی اختیار کرو اور اگر اس وقت رات کے اعادے کے طلب گار ہو تو تمہاری دُعا مستجاب نہیں ہوگی اور یہ چیز تمہیں نہیں ملے گی کیونکہ تم نے بے وقت طلب کی ہے، پس تم حسرت زدہ، مقصود سے عاجز، ناخوش اور شرمندگی کی وجہ سے دہشت زدہ ہو کر رہ جاؤ گے۔ لہٰذا ان سب باتوں کو چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے فعل سے موافقت، اس کے بارے میں حسنِ اَدب[10] اور صبرِ جمیل[11] کو لازم کرلو تمہارے نصیب کی کوئی چیز تم سے چھینی نہیں جائے گی اور جو تمہاری قسمت میں نہیں ہے وہ تمہیں نہیں ملے گا۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم ہے کہ تم اطاعت عبادت جانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور خشوع وخضوع اور تضرع کے ساتھ دعائیں مانگتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہو، میرے حضور دُعا کرو میں اُسے شرفِ قبولیت بخشوں گا۔ نیز فرمایا: اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو۔ اس کے علاوہ اور بہت سی آیات واحادیث میں یہی

دو چیزوں سے انقباض پیدا ہوتا ہے؛

(i) کہ قسمت سے زائد طلب کرتے ہیں۔

(ii) قبل از وقت چاہتے ہیں۔ جبکہ یہ دونوں امر محال ہیں۔

(١٠) کہ مقرر وقت پر مقصود عطا کردے گا۔

(١١) کہ زبان اور دل کے ساتھ کسی قسم کی شکایت نہ کرو

مضمون بیان کیا گیا ہے[۱۲]، اور جب تم اس سے دعا کرو گے تو وہ اپنے وقت مقرر پر قبول فرمائے گا اور جب تمہاری طلب کے بعد تمہاری دعا قبول ہوگی تو اس میں دنیا اور آخرت کے اعتبار سے تمہاری بھلائی ہوگی[۱۳]، یا یہ دعا قضا اور

---

(۱۲) سوال اور دُعا میں فرق

دُعا کے معنی "پکارنا" ہیں۔ بندہ جب دُعا کرتا ہے تو عرض کرتا ہے "اے میرے پروردگار۔" اور اس کے مقابلہ میں اجابت ہے اس کا معنی قبول کرنا اور جواب دینا گویا کہ اللہ تعالےٰ جواباً ارشاد فرماتا ہے "لبیک یا عبدی۔" اور اس کی دعا کو قبول فرمالیتا ہے۔ سوال کا معنی ہے طلب کرنا اور درخواست کرنا، اس کے مقابلے میں اعطا ہے، چنانچہ بندہ جو مانگتا ہے اللہ تعالےٰ عطا کر دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا: اللہ تعالےٰ کے اسمِ اعظم کے ساتھ جب دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور جب اس کے ساتھ سوال کیا جائے تو اللہ تعالےٰ عطا فرماتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے اعطا اور اجابت دو علیحدہ چیزیں ہیں اور آیات و احادیث میں دونوں کے متعلق حکم وارد ہے اور اعطا و اجابت کا وعدہ مذکور ہے۔ یہ فرق بھی ہو سکتا ہے کہ اجابت فوری قبولیت کو کہتے ہوں اور اعطا میں تاخیر کا مفہوم مضمر ہو۔ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں، اور کبھی سوال کی جگہ دعا بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ اسے سمجھ لو۔

(۱۳) اگر تم کوئی چیز طلب کرو اور اس وقت وہ چیز تمہارے لیے مناسب نہیں تو اسے نہ دینا بہتر ہے۔ اس صورت میں منع درحقیقت عین عطا ہے

معینہ وقت کے مطابق ہو جائے گی[۱۴]، اس لیے دُعا قبول ہونے میں تاخیر

آنکس کہ توانگرت نمے گرداند
او مصلحت تو از تو بہ داند

(خدا تعالےٰ تمہیں مالدار نہیں کر رہا تو وہ تمہاری مصلحت کو تم سے بہتر جانتا ہے)

اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک دیہاتی بادشاہ سے گھوڑا مانگے اور بادشاہ اسے گھوڑا اس لیے نہ دے کہ گھوڑے کی سواری اس کے لیے نقصان دہ ہے یا گھوڑے کے بدلے گائے دے دے تو یہ اس کے حق میں عین شفقت و رحمت ہے۔

بس دعا ہا کان زیانست و وبال
از کرم مے نشنود شانِ ذوالجلال

(تمہاری بہت سی دُعائیں تمہارے حق میں باعثِ وبال و زیاں ہیں، ربِّ ذوالجلال کے کرم کا تقاضا ہے کہ انہیں قبول نہیں فرماتا)

(۱۴) دُعا رد نہیں ہوتی یہ عبارت سابقہ کلام کی تقریر و تکریر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے حصولِ مقصود کے لیے تقدیرِ الٰہی میں وقت مقرر اور مدت مخصوص ہے جس سے قبل مقصود کا حصول ناممکن ہے اور اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے کہ منع و عطا میں بندے کے حال کی اصلاح اور حکمت کی رعایت منظورِ نظر رکھتا ہے، لہٰذا حصولِ مدعا میں تاخیر عدمِ اجابت اور عطا سے منع کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اجابتِ دُعا اور عطا کا وعدہ مطلق ہے کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں، بندہ جب چاہے جس طرح چاہے دعا مانگے۔ اگر دُنیا میں قبول نہ ہوئی تو آخرت میں اس کا صلہ مل جائے گا۔

پر اللہ تعالےٰ پر ہرگز تہمت نہ تراشو اور نہ دعا کرنے میں سستی کرو ، کیونکہ دعا کے
اثر میں مدعا اور خواہش نفس کے مطابق فائدہ حاصل نہیں ہو گا تو
نقصان بھی نہ کرو (۱۵) ۔ اگر عجلت کے ساتھ قبول نہ ہوئی تو آخرت میں اس کا اجر
پاؤ گے (۱۶) ۔ حدیث شریف میں ہے کہ بندہ حشر کے دن اپنے نامۂ اعمال میں ایسی
بہت سی نیکیاں دیکھے گا جنھیں وہ پہچانتا نہ ہو گا (۱۷) تو اسے بتایا جائے گا یہ زائد
نیکیاں تمہارے اُن سوالوں کا بدلہ ہے جو دنیا میں مقبول ہونی تمہارے مقدر
میں نہ تھیں ۔ یا جس طرح کہ حدیث پاک کے لفظ ہیں (۱۸) ، پس دعا کرنے کا ادنیٰ

---

(۱۵) کیونکہ آخرت میں حاصل ہو گی ۔

(۱۶) حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ یہ کلام ارخاءِ عنان اور تنزل کے طور پر فرما رہے ہیں کیونکہ اس میں داعی ہوائے نفس ہے ، ورنہ تو آخرت کا نفع باقی اور پائدار ہونے کی وجہ سے اہم ، اتم اور اکمل ہے اس کے مقابلے میں دنیاوی نفع فانی ہے ۔

(۱۷) جنہیں اس نے دنیا میں کیا نہ ہو گا تو حیران ہو کر سوال کرے گا کہ یہ اعمال تو میں نے کیے نہیں ، یہاں کیسے آ گئے ۔

(۱۸) اَوْ کَمَا وَرَدَ یا اَوْ کَمَا قَالَ اور اس قسم کے الفاظ وہاں استعمال کیے جاتے ہیں جہاں راوی کو حدیث کے لفظ معلوم اور محفوظ نہ ہوں اور اس کے مضمون کو اپنے الفاظ میں ادا کرے ، تو احتیاطاً اس قسم کے الفاظ ساتھ کہہ دیتا ہے یعنی یا جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔

دعا کی قبولیت کے طریقے

حدیث شریف میں وارد ہے کہ
دعا اور اس کی اجابت کا معاملہ

فائدہ یہ ہو گا کہ تم اپنے رب کو وحدہٗ لاشریک سمجھتے ہوئے اسے رحمت و جُود
اور فضل و کرم کی صفت کے ساتھ یاد کرو گے اور اسی سے مانگو گے اور اس کے
علاوہ کسی اور سے طلب نہیں کرو گے اور اپنی حاجت کسی اور کے سامنے
نہ لے جاؤ گے ۔ صبح و مسا ، صحت اور مرض میں ، مشقت اور نعمت میں ، سختی
اور نرمی کی حالت میں تمہاری ان دو حالتوں میں سے ایک حالت ضرور ہو گی ،
یا تو تم بالکل سوال نہیں کرو گے اور قضا پر رضا و موافقت کے باعث فعلِ
خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم اس طرح جھکا دو گے جس طرح غسال کے ہاتھ
میں مُردہ یا دایہ کے ہاتھ میں بچّہ یا سوار کے سامنے گیند ہوتی ہے کہ اسے ہاکی
کے ساتھ جس طرح چاہتا ہے چلاتا ہے ، پس تمہیں بھی تقدیر جس طرح چاہے گی
اس طرح پلٹے گی (۱۹) ، اگر تمہارے نصیب میں ناز و نعمت ہے تو شکر بجا لاؤ ،

تین چیزوں کے درمیان دائر ہے :

(ا) کہ بندہ کو طلب کے مطابق مل جائے ۔

(اا) اس کے بدلے مصیبت سے رہائی حاصل ہو جائے ۔

(ااا) اس کے لیے ذخیرۂ آخرت بنا دی جائے ۔

اس کی تحقیق رسالہ " تسلیۃ المصاب " میں وضاحت کے ساتھ درج کی گئی ہے وہاں دیکھنی چاہیئے ۔

(۱۹) اور تمہیں اتباع کرنا ہو گی ؂

چہ کند بندہ کہ گردن نہ نہد فرمان را
چکند گوئی کہ تن در نہ نہد چوگان را

(بندہ فرمانِ الٰہی کو تسلیم کیے بغیر اور کر بھی کیا سکتا ہے جس طرح کہ گیند ہاکی کے سامنے چلنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی)

اس طرح اللہ تعالیٰ تمھیں زیادہ دے گا اس نے خود فرمایا ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمھیں زیادہ دوں گا۔ اگر تمھاری قسمت میں تنگی ہے تو تم سے مطلوب یہ ہے کہ صبر کرو ارادہ و فضلِ خدا کی اس کی توفیق سے موافقت کرو[۲۰]۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے فضل سے ثابت قدمی، نصرت اور صلوٰۃ و رحمت عطا ہو گی۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے "یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔ یعنی مدد کرنے اور ثابت قدم رکھنے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہے۔ نیز فرماتا ہے اگر تم اللہ کی مدد کرو گے[۲۱] تو اللہ تمھاری مدد کرے گا اور مقامِ ہدایت و استقامت میں تمھیں ثابت قدم رکھے گا[۲۲]۔ یعنی جب تم اپنی خواہش کی مخالفت میں اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے اس کے افعال میں عیب جوئی اور ناراضی کا طریقہ ترک کرو گے اور خدا کی طرف سے اپنے نفس کے دشمن بن کر اس پر تلوار سونتے لو گے تو جب بھی نفس کفرانِ نعمت اور شرکِ خفی[۲۳] کے لیے سر اٹھائے گا تو تم صبر، خدا کی موافقت اور اس کے فعل و وعدہ پر طمانیت و رضا کی بنا پر اس کا سر قلم کرو گے اور خدا پاک تمھیں توفیق اور مدد سے سرفراز کرے گا[۲۴]۔ لیکن صلوٰۃ و رحمت کا ترتب اس کی دلیل یہ آیہ کریمہ ہے: "وبشر الصابرین"...

---

(۲۰) طبیعت اگرچہ جزع و فزع اور مخالفت و شکایت پر آمادہ ہو۔

(۲۱) اور اس کے دین کی تائید و تقویت کے لیے کوشش کرو گے۔

(۲۲) اور اس کی مدد کا ایک اثر یہ ہو گا کہ تم معصیت اور ہوائے نفس کی پیروی کی بجائے صبر کا التزام کرو گے۔

(۲۳) جیسا کہ اس کی عادت ہے۔

(۲۴) اور ہر آفت سے محفوظ رکھے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے صبر و موافقت پر تثبیت و نصرت مترتب ہوتی ہے۔

جب صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیجئے یہ وہ لوگ ہیں جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں[۲۵] بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں[۲۶] اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں[۲۷]۔ انہی لوگوں پر ان کے رب کی طرف سے برکتیں اور رحمتیں ہیں[۲۸] اور یہی لوگ[۲۹] ہدایت پانے والے ہیں۔ دوسری حالت یہ ہے کہ دعا و تضرع کے ساتھ اپنے رب کی بارگاہ میں گڑگڑاؤ اس کی عظمت[۳۰] کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس حکم کی تعمیل کرو کہ اپنے رب کو پکارو۔ یہی اقدام برمحل ہے[۳۱]۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں سوال کرنے اور اس کی بارگاہ میں

---

(۲۵) زبان و دل کی موافقت کے ساتھ۔

(۲۶) ہم اس کے بندے ہیں اور اس کی بندگی، مصیبت پر صبر، قضا پر رضا کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔

(۲۷) دنیا کے ہر کام اور حاجت میں اور آخرت میں ثواب و عقاب کی خاطر اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

(۲۸) مغفرت اور طلب و احسان ہے۔

(۲۹) دنیا و آخرت کی ہر قسم کی صلاح و سعادت کی طرف ہدایت پانے والے ہیں جن میں عبادت و معرفت بھی ہے اور قربت و اعتقادِ حق اور عمل صحیح بھی ہے اور ثوابِ آخرت بھی اور جنت کی نعمتیں بھی۔ یہ تمام ثمرات و نتائج دعا سے خاموشی اختیار کرنے، قضا پر راضی رہنے اور ارادۂ الٰہی کے سامنے تسلیم خم کرنے پر مترتب ہوتے ہیں۔

(۳۰) جو کہ صفات کمال یعنی قدرت، جود، کرم و رافت کے اثبات اور اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے اسناد کو مستلزم ہے۔

(۳۱) حقِ عبودیت و ربوبیت کی ادائی میں انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے۔

رجوع کی ترغیب دی ہے اور اسے راحت[۳۲] بنا کر تمھاری طرف سے قاصد، پیوستگی کا سبب اور ملاقات کا وسیلہ بنا دیا ہے[۳۳] شرط یہ ہے دعا کی معینہ مدت تک تاخیر کی صورت میں خدا پر تہمت نہ تراشو اور اس پہ ناراضی کا تصور نہ کرو۔ سوال کرنے اور خاموش رہنے کی مذکورہ دو حالتوں کے فرق کا اندازہ کر لو[۳۴]۔ اور ان کی حدود سے ہرگز تجاوز نہ کرو کیونکہ یہاں تعبد اور مولیٰ کریم کے تقرب کے مقام میں ان دو کے سوا اور کوئی حالت نہیں ہے۔ پس حد سے گزرنے اور ظلم کرنے والوں[۳۵] کے زمرے میں داخل ہونے سے ڈرو۔ اگر یہ ہو تو اللہ تعالیٰ پہلی امتوں کی طرح تمھیں ہلاک کر دے گا اور تمھاری پروا نہیں کرے گا دنیا میں سخت ابتلا میں اور آخرت میں دردناک عذاب میں گرفتار کرے گا[۳۶]، پس اللہ تعالیٰ

---

(۳۲) کہ اللہ تعالیٰ نے دعا و سوال اور توجہ و اقبال کو اور اپنے اسماء و صفات کے ذکر کو آسائش کا مقام اور وقت کی تنگی اور مخلوق کی وحشت سے بچنے کی جگہ بنا دیا ہے۔

(۳۳) یہ اور اس طرح کے دیگر فوائد دعا سے حاصل ہوتے ہیں۔

(۳۴) اور یہ قیاس کرو کہ کون سی حالت بہتر اور بلند تر ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ غور و فکر کرو کس حالت میں اور کس وقت کیا صورت ہونی چاہیے اور ہر ایک کے شرائط و آداب پر نظر ہونی چاہیے، یہ معنی آئندہ کلام کے زیادہ موافق ہے۔

(۳۵) جو چیز کو بے محل رکھتے ہیں۔

(۳۶) اس مقام کے مطابق امام ابوالقاسم قشیری کا کلام ہم نے اپنے رسالے "تسلیۃ المصاب" میں نقل کیا ہے جو یہاں بھی درج کیا جاتا ہے۔

عظمت والے کی پاکی بیان کرتا ہوں، اے میرے حال کو جاننے

سوال اور خاموشی میں کون افضل ہے

اس مقام پر صوفیہ میں اختلاف ہے کہ سوال و دعا افضل ہے یا کہ سکوت و رضا۔ بعض دعا کی فضیلت کے قائل ہیں یہ اس لیے کہ دعا بذاتِ خود عبادت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دعا عبادت کا مغز ہے"۔ لہذا عبادت کرنا چھوڑنے سے افضل و اولیٰ ہے۔ اس کے بعد اجابتِ باری تعالیٰ کا مرتبہ ہے اگر دعا کی قبولیت بندے کے نصیب میں نہ ہو اور اپنی خواہش کے مطابق مقصد حاصل نہ ہو تو کیا حرج ہے کیونکہ بندے نے اللہ کا حقِ عبودیت ادا کر دیا ہے اور چونکہ دعا سے مقصود احتیاج عبدیت اور فقر و فاقہ کا اظہار ہے جو کہ حاصل ہو گیا ہے۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جاری حکم کے تحت خاموشی اور مولا کریم کے اختیار و قضا پر رضا اولیٰ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پروردگار عالم فرماتا ہے جس شخص کو میرا ذکر دعا کرنے سے روکے رکھے تو میں اسے سوال کرنے والوں سے بڑھ کر عطا کروں گا۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ زبان کے ساتھ تو دعا میں مشغول رہے لیکن دل مقامِ رضا پہ رکھے تاکہ دو فضیلتوں کو جمع کر لے۔ بہتر یہ ہے کہ اختلافِ اوقات کا لحاظ کیا جائے گا۔ بعض اوقات ادب کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ خاموشی اختیار کرنے کی بجائے دعا و سوال میں مشغول ہو اور بعض احوال میں دعا کی بجائے سکوت اختیار کرنا ادبِ وقت کا مقتضیٰ ہوتا ہے ان حالات کی پہچان بھی بر وقت ہوتی ہے کہ اب کیا کرنا چاہیے کیونکہ وقت کا علم اس وقت ہی حاصل ہوتا ہے لہذا اگر دل دعا کرنے کی طرف اشارہ کرے تو دعا میں

والے تجھی پر میرا بھروسا ہے۔ (۳۷)

تنگ جائے، اگر خاموشی کی طرف اشارہ کرے تو خاموشی بہتر ہوگی۔ اسی طرح اگر دعا کرنے سے بسط و ذوق اور حضورِ وقت میں اضافہ محسوس کرتا ہے تو دعا کرنا افضل ہے۔ اگر دل کی طرف توجہ کرنے اور دعا کرنے پر قبض و زجیر محسوس کرے تو اس وقت دُعا نہ کرنا اولےٰ ہوگا اور اگر دُعا کرنے یا نہ کرنے سے قبض و بسط کی معلوم نہیں ہوتی تو اس صورت میں دعا کرنا یا نہ کرنا برابر ہے نیز اگر اس وقت۔ اس علم کا حکم غالب ہے تو دعا کرنا بہتر ہے کیونکہ یہ عبادت ہے اگر معرفت کا حال غالب ہے تو سکون و سکوت اولیٰ ہے یہ بھی کہا جا سکتا ہے جس چیز میں مسلمانوں اور رب قدوس کا حق ہے اس میں دعا کرنا افضل ہے اور جس چیز میں اپنے نفس کا خلاصہ نصیب ہے تو سکوت اختیار اتم ہے۔ امام ابوالقاسم قشیری کا کلام ختم ہوا۔

(۳۷) بعض نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے اس کی مناسبت سے دعا و سوال اور تضرع و زاری میں مشغولیت کی افضلیت ظاہر ہے۔

اَلْمَقَالَةُ الْخَامِسَةُ وَالثَّلٰثُوْنَ

قَالَ رضی اللہ عنہ عَلَيْكَ بِالْوَرَعِ وَإِلَّا فَالْهَلَاكُ فِيْ رِبْقِكَ مُلَازِمٌ لَكَ لَا تَنْجُوْا مِنْهُ أَبَدًا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَكَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ فَقَدْ ثَبَتَ فِي الْحَدِيْثِ الْمَرْوِيِّ أَنَّ مِلَاكَ الدِّيْنِ الْوَرَعُ وَهَلَاكَهُ الطَّمَعُ وَأَنَّ مَنْ حَامَ حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ أَنْ يَقَعَ فِيْهِ كَالرَّاتِعِ إِلَى جَنْبِ الزَّرْعِ يُوْشِكُ أَنْ يَمُدَّ فَاهُ إِلَيْهِ لَا يَكَادُ أَنْ يَسْلَمَ الزَّرْعُ مِنْهُ وَقَدْ قَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كُنَّا نَتْرُكُ تِسْعَةَ أَعْشَارِ الْحَلَالِ مَخَافَةَ أَنْ نَقَعَ فِي الْحَرَامِ وَعَنْ أَبِيْ بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا نَتْرُكُ سَبْعِيْنَ بَابًا مِنَ الْمُبَاحِ مَخَافَةَ أَنْ نَقَعَ فِي الْجُنَاحِ فَعَلُوْا ذٰلِكَ تَوَرُّعًا مِنْ مُقَارَبَةِ الْحَرَامِ أَخْذًا بِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا إِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى وَإِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ فَمَنْ حَامَ حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ أَنْ يَقَعَ فِيْهِ فَمَنْ دَخَلَ حِصْنَ الْمَلِكِ فَجَاوَزَ الْبَابَ الْأُوْلٰى ثُمَّ الثَّانِيْ وَالثَّالِثَ حَتّٰى قَرُبَ مِنْ سُدَّتِهٖ خَيْرٌ مِمَّنْ وَقَفَ عَلَى الْبَابِ الْأَوَّلِ الَّذِيْ يَلِي الْبَرَّ فَإِنَّهٗ إِنْ أُغْلِقَ عَنْهُ لَمْ يَضُرَّهٗ وَهُوَ مِنْ وَرَاءِ مَا بَيْنَ مِنْ أَبْوَابِ الْقَصْرِ

مِنْ دُوْنِهٖ خَزَائِنُ الْمَلِكِ وَجُنْدُهٗ، وَاَمَّا اِذَا كَانَ عَلَى الْبَابِ
الْاَوَّلِ فَغُلِّقَ عَنْهُ بَقِيَ فِي الْبَرِّ وَحْدَهٗ، اَخَذَتْهُ الذِّيَابُ وَ
الْاَعْدَآءُ فَكَانَ مِنَ الْهَالِكِيْنَ فَهٰكَذَا مَنْ سَلَكَ الْعَزِيْمَةَ
وَلَازَمَهَا اِنْ سُلِبَ عَنْهُ مَدَدُ التَّوْفِيْقِ وَالرِّعَايَةِ وَانْقَطَعَتْ عَنْهُ
حَصَلَ فِي الرُّخَصِ وَلَمْ يَخْرُجْ مِنَ الشَّرْعِ فَاِذَا اَدْرَكَتْهُ
الْمَوْتُ كَانَ عَلَى الطَّاعَةِ وَالْعِبَادَةِ يُشْهَدُ لَهٗ بِخَيْرِ الْعَمَلِ
وَمَنْ وَقَفَ عَلَى الرُّخَصِ وَلَمْ يَتَقَدَّمْ اِلَى الْعَزِيْمَةِ اِنْ سُلِبَ
عَنْهُ التَّوْفِيْقُ فَقُطِعَتْ عَنْهُ اِمْدَادُهٗ فَغَلَبَ الْهَوٰى عَلَيْهِ وَ
شَهَوَاتُ النَّفْسِ فَتَنَاوَلَ الْحَرَامَ خَرَجَ مِنَ الشَّرْعِ فَصَارَ فِيْ
زُمْرَةِ الشَّيَاطِيْنِ اَعْدَاءِ اللّٰهِ الضَّالِّيْنَ فَاِنْ اَدْرَكَتْهُ الْمَوْتُ
قَبْلَ التَّوْبَةِ كَانَ مِنَ الْهَالِكِيْنَ اِلَّا اَنْ يَتَغَمَّدَهُ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ
وَفَضْلِهٖ فَالْخَطَرُ كُلُّ الْخَطَرِ فِي الْقِيَامِ مَعَ الرُّخَصِ وَ
السَّلَامَةُ كُلُّ السَّلَامَةِ فِي الْقِيَامِ مَعَ الْعَزِيْمَةِ۔

مقالہ ۳۵

زہد و ورع

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا، تقویٰ کو لازم کر لو (۱)

---

(۱) تقویٰ اور ورع میں فرق

تقویٰ اور ورع دونوں کے معنی ہیں صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بچنا، یا صرف کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنا، کیونکہ انسان کے لیے صغیرہ گناہوں سے خلاصی انتہائی مشکل معاملہ ہے۔ بعض حضرات ورع کا مقام تقویٰ سے بلند بیان کرتے ہیں کہ تقویٰ کا معنیٰ ہے حرام سے اجتناب کرنا' اور ورع کا معنیٰ شبہ والی چیز سے پرہیز کرنا بھی ہے۔ اور بعض حضرات کی اصطلاح میں اس کا عکس ہے۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ اس مقالہ میں ورع کا بیان فرما رہے ہیں جس سے ظاہر یہی ہے کہ آپ پہلا معنیٰ مراد لیتے ہیں۔ بہر حال آپ فرما رہے ہیں کہ اے طالب! نجات ورع میں ہی ہے۔

ورنہ ہلاکت[2] کا پھندا[3] تمہارے گلے میں یُوں پڑجائے گا کہ خدا کی رحمت میں ڈھانپ لیے جانے کے علاوہ اس سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ حبیبِ خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہے کہ ورع دین کی بنا ہے اور طمع[4] دین کی ہلاکت ہے۔ ایک حدیث میں ہے: جو شخص شاہی چراگاہ کے گرد پھرے تو بعید نہیں کہ اس میں گرجائے[5]، جس طرح کھیتی کے آس پاس چرنے والے مویشیوں کا کھیتی میں منہ مارنا بعید نہیں اور کھیتی کا ان سے محفوظ رہنا ممکن نہیں[6]۔

---

(۲) یعنی عذاب وعقاب اور مراتب و درجات سے گرجانا جو کہ ہلاکت کا موجب ہے۔

(۳) رِبْقٌ را مکسور کے ساتھ یعنی گلے میں ڈالی جانے والی رسّی جس کے ساتھ بھیڑ بکریوں کو باندھا جائے۔ اور رِبقہ کا معنی اس رسّی کا ایک گوشہ۔ کذا فی القاموس

(۴) طمع تقویٰ اور ورع کی حد سے نکل جانے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے عاجز آنے کا سبب بنتا ہے ھِلَاکُ امر کا معنی ہے وہ چیز جس کے ساتھ کوئی امر قائم ہو اس معنی کے اعتبار سے دل کو ہلاکِ جسد کہتے ہیں۔

(۵) حِمٰی حا کو مکسور اور میم کو مخفف پڑھا جائے گا یعنی وہ چراگاہ جسے بادشاہ صدقے کے جانوروں کے لیے مخصوص قرار دیتا ہے۔ اس میں عام جانوروں کو لے جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ لہٰذا جو شخص اپنے چوپایوں کو دُور دُور رکھے ہے وہ چراگاہ میں جانے سے مامون رہے گا اور جو شخص چراگاہ کے قریب آئیگا عین ممکن ہے کہ اس کے جانور اس چراگاہ میں داخل ہو جائیں۔

(۶) یہ شبہات سے پرہیز کرنے کی مثال ہے کہ جو شخص شبہات کے قریب آئے گا عین ممکن ہے کہ وُہ حرام کا مرتکب ہو جائے اور مثال میں بہت زیادہ احتیاط کرنے پر تنبیہ کی گئی ہے۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا: ہم محلِ شُبہ میں دس چیزوں سے نَو کو حرام میں پڑجانے کے خوف سے چھوڑ دیتے تھے[7]۔ اور حضرت سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم مباح کے ستّر دروازے اس ڈر سے چھوڑ دیتے ہیں کہ کہیں گناہ میں ملوّث نہ ہو جائیں[8]۔ ان حضرات کی اس قدر احتیاط رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے اس فرمان کی روشنی میں تھی کہ "آگاہ ہو جاؤ کہ یقیناً ہر بادشاہ کی ایک مخصوص چراگاہ ہوتی ہے[9]، اور اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کی ہُوئی چیزیں ہیں[10]۔ پس جو شخص اس کے اردگرد پھرے گا ہو سکتا ہے اس میں جا پڑے۔ جو شخص[11] بادشاہ کے قلعے[12] میں داخل

---

(۷) اگر بالفرض دسوں چیزیں حلال ہوتیں تو محلِ شبہ میں ہونے کی وجہ سے احتیاط میں اس قدر مبالغہ کرتے کہ نو چیزیں چھوڑ دیتے اور ایک چیز لے لیتے کہ اگر وہ ایک چیز بلا شبہ حلال ہے تو مقصود حاصل ہو گیا۔ اور اگر اس میں اشتباہ ہے تو ضرورت کے مطابق ایک چیز پر اکتفا کرتے۔

(۸) اس میں پہلے کی نسبت بہت زیادہ احتیاط ہے۔

(۹) جس میں دوسروں کا داخلہ ممنوع ہوتا ہے۔

(۱۰) کہ بندوں کو اس میں پڑنے سے منع کیا گیا ہے۔

(۱۱) عزیمت پر عمل کرنے اور رخصت کو ترک کرنے کی ایک اور مثال دی جا رہی ہے۔

(۱۲) حِصْنٌ۔ ہر وہ محفوظ مقام جس کے اندر جانا ممکن نہ ہو اسے حصن کہتے ہیں اور اس کی چار دیواری کو حصار کہتے ہیں۔ حصن ہمیشہ محفوظ رکھا جاتا ہے اور حصار کی کبھی حفاظت کی جاتی ہے اور کبھی نہیں۔ حدیث قدسی ہے: لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو آدمی اس قلعے میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے بچ گیا۔

ہواور پہلے، دوسرے، تیسرے دروازے سے گزر کر بادشاہ کی چوکھٹ کے قریب ہوجائے یہ آدمی اس شخص سے ہر لحاظ سے بہتر ہے جو پہلے دروازے سے باہر میدان میں کھڑا ہے۔ اس لیے اس پر اگر تیسرا دروازہ بند بھی کر لیا جائے تو اسے کوئی ضرر نہیں ہوگا کیونکہ وہ تینوں دروازے[۱۳] عبور کر کے اس جگہ پہنچ چکا ہے جس کے قریب شاہی خزانہ اور فوج ہے۔ لیکن اگر پہلے دروازے پر کھڑے آدمی پہ دروازہ بند کر دیا جائے تو وہ چٹیل میدان میں تنہا رہ جائے گا اور اُسے کوئی بھیڑیا یا دشمن پکڑلے گا اس طرح وہ ہلاک ہوجائے گا۔ اور اسی طرح جس آدمی نے عزیمت کی راہ اختیار کی اور ثابت قدمی[۱۴] سے اس پر عمل کیا اگر اس سے توفیق اور حال کی نگہداشت کی امداد روک لی جائے اور اس سے عنایتِ الٰہی منقطع ہوجائے تو اسے رخصت حاصل ہوگئی[۱۵]۔ لیکن وہ دائرۂ شریعت سے نہیں نکلا[۱۶]۔ جب وہ اس حالت میں فوت

---

(۱۳) وراء آگے اور پیچھے دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور یہاں دونوں درست ہیں۔

(۱۴) یہ رخصت اور عزیمت پر عمل کرنے کی مثال ہے کہ جو شخص دوسرے اور تیسرے دروازے سے گزر کر شاہی قرب سے شرفیاب ہوگیا وہ عزیمت پر عمل پیرا ہے اور رخصت پر عمل کرنے والا دروازے سے باہر کھڑے مقامِ قُرب واختصاص سے محروم ومحجوب کی مانند ہے۔

(۱۵) یعنی عزیمت کے مرتبے سے نیچے رخصت کے مقام میں آگیا۔

(۱۶) اگرچہ مقامِ قُرب اور مرتبۂ فضیلت سے تو محروم ہوچکا ہے مگر تاحال معصیت کا مرتکب نہیں ہوا۔

ہوجائے گا تو اسے طاعت وعبادت ہی پر تصور کیا جائے گا اور اس کے عملِ صالح کی شہادت دی جائے گی۔ اور جو شخص ہمیشہ رخصت پر ہی رہا عزیمت کی طرف نہ بڑھا اگر اس سے توفیق اور اعانت سلب کر لی جائے اس پر شہوات وخواہشاتِ نفس غالب آجائیں جس کے نتیجے میں حرام چیز کھالے تو وہ شریعت سے نکل کر شیاطین[۱۷] خدا کے دشمنوں اور گمراہوں کے گروہ میں داخل ہوجائیگا اور اگر توبہ سے پہلے فوت ہوجائے تو وہ ہلاک ہونے والوں میں شمار ہوگا مگر یہ کہ اللہ تعالےٰ اسے اپنے فضل ورحمت میں ڈھانپ لے۔ یاد رکھو کہ رخصتوں پر عمل کرنے میں سراسر خطرہ ہے اور عزیمت پر عمل کرنے سے مکمل سلامتی ہے۔

---

(۱۷) جنوں اور انسانوں میں سے ہر سرکش اور نافرمان کو شیطان کہتے ہیں ظاہر یہی ہے کہ یہاں انسانی شیطان مراد ہیں جو خواہشِ نفس کے تحت شریعت کی حدود سے تجاوز کر چکے ہیں۔

المقالة السادسة والثلثون

قال رض اجعل اخرتك راس مالك ودنياك ربحه اصرف زمانك اولاً في تحصيل اخرتك ثم ان فضل من زمانك شيء اصرفه في دنياك في طلب معاشك ولا تجعل دنياك راس مالك واخرتك ربحه ثم ان فضل من الزمان فضل صرفتها في اخرتك تقضي فيها الصلوات الخمس تسبكها سبكة واحدة ساقطة الاركان مختلفة الواجبات من غير ركوع وسجود وطمانية بين الاركان او يلحقك التعب والاعياء فتنام عن القضاء جملة جيفة في الليل بطالاً في النهار تابعاً لنفسك وهواك وشيطانك وبائعاً اخرتك بدنياك عبد النفس ومطيتها ومركبها امرت بركوبها وتهذيبها ورياضتها والسلوك بها في سبل السلامة وهي طرق الاخرة وطاعة مولاها فظلمتها بقبولها منها وسلمت زمامها اليها وتبعتها في شهواتها ولذاتها ووافقتها شيطانها

وهواها ففاتك خير الدنيا والاخرة وخسرتهما فقد خلت القيمة افلس الناس واخسرهم ديناً وما وصلت بمتابعتها الى اكثر من قسمك من دنياك ولو سلكت بها طريق الاخرة وجعلتها راس مالك ربحت الدنيا والاخرة وصل اليك قسمك من الدنيا هنيئاً مريئاً وانت مصان مكرم كما قال النبي ان الله تعالى يعطي الدنيا على نية الاخرة ولا يعطي الاخرة على نية الدنيا وكيف لا يكون كذلك ونية الاخرة هي طاعة الله لان النية روح العبادة وذاتها فاذا اطعت الله بزهدك في الدنيا وطلبك دار الاخرة كنت من خواص الله واهل طاعته ومحبته وحصلت لك الاخرة وهي الجنة وجوار الله وخدمتك الدنيا فيوفيك قسمك الذي قدر لك منها اذ الكل تبع لخالقها ومولاها وان اشتغلت بالدنيا واعرضت عن الاخرة غضب الرب عليك ففاتك الاخرة وتعاصت الدنيا عليك وتعسرت واتعبتك في ايصال قسمك اليك لغضب الله عليك لانها مملوكه تهين من عصاه وتكرم من اطاعه فيتحقق ح قوله الدنيا والاخرة ضرتان ان ارضيت احدهما سخطت عليك الاخرى قال الله عز وجل منكم من يريد الدنيا ومنكم من يريد الاخرة يقال ابناء الدنيا وابناء الاخرة فانظر من ابناء ايهما انت ومن اي القبيلتين تحب ان تكون انت و

أَنْتَ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِذَا صِرْتَ إِلَى الْآخِرَةِ فَفَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ
فِي السَّعِيرِ فَفَرِيقٌ فِي الْمَوْقِفِ قِيَامٌ فِي طُولِ الْحِسَابِ فِي يَوْمٍ كَانَ
مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ كَمَا قَالَ جَلَّ وَعَلَا وَفَرِيقٌ فِي ظِلِّ
الْعَرْشِ عُكُوفٌ عَلَى الْمَوَائِدِ عَلَيْهَا أَطْيَبُ الطَّعَامِ وَالْفَوَاكِهِ وَالشَّهْدِ
أَبْيَضَ مِنَ الثَّلْجِ كَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ يَنْظُرُونَ إِلَى مَنَازِلِهِمْ فِي الْجَنَّةِ
حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْ حِسَابِ الْخَلْقِ دَخَلُوا الْجَنَّةَ يَهْتَدُونَ إِلَى
مَنَازِلِهِمْ كَمَا يَهْتَدِي أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ فِي الدُّنْيَا إِلَى مَنْزِلِهِ
فَهَلْ وَصَلُوا إِلَى هٰذِهِ إِلَّا بِتَرْكِهِمُ الدُّنْيَا وَاشْتِغَالِهِمْ بِطَلَبِ
الْآخِرَةِ وَالْمَوْلٰى وَهَلْ وَقَعُوا أُولٰئِكَ فِي الْحِسَابِ وَأَنْوَاعِ الشَّدَائِدِ
وَالذُّلِّ إِلَّا لِاشْتِغَالِهِمْ بِالدُّنْيَا وَرَغْبَتِهِمْ فِيهَا وَزُهْدِهِمْ فِي
الْآخِرَةِ وَقِلَّةِ الْمُبَالَاتِ بِأَمْرِهَا وَنِسْيَانِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَمَا سَيَصِيرُونَ
إِلَيْهِ غَدًا مِمَّا ذُكِرَ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَانْظُرْ لِنَفْسِكَ نَظَرَ رَحْمٍ
وَشَفَقَةٍ وَاخْتَرْ لَهَا خَيْرَ الْقَبِيلَتَيْنِ وَأَفْرِدْهَا عَنْ أَقْرَانِ السُّوْءِ
مِنْ شَيَاطِينِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ وَاجْعَلِ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ أَمَامَكَ
وَانْظُرْ فِيهِمَا بِتَأَمُّلٍ وَتَدَبُّرٍ وَاعْمَلْ بِهِمَا وَلَا تَغْتَرَّ بِالْقَالِ
وَالْقِيلِ وَالْهَوَسِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَا آتٰكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ
وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تَخَافُوهُ فَتَتْرُكُوا الْعَمَلَ
بِمَا جَاءَ بِهِ لَا تَخْتَرِعُوا لِأَنْفُسِكُمْ عَمَلًا وَعِبَادَةً كَمَا قَالَ اللّٰهُ فِي
حَقِّ قَوْمٍ ضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ وَرُهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوهَا
مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ ثُمَّ إِنَّهُ قَدْ ذَكَّى هُوَ نِيَّتَهُ وَنَزَّهَهُ مِنَ الْبَاطِلِ

فَقَالَ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى أَيْ مَا آتٰكُمْ بِهِ فَهُوَ
مِنْ عِنْدِي لَا مِنْ هَوَاهُ وَنَفْسِهِ فَاتَّبِعُوهُ ثُمَّ قَالَ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ
تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ فَبَيَّنَ أَنَّ طَرِيقَ الْمَحَبَّةِ اتِّبَاعُهُ
قَوْلًا وَفِعْلًا فَالنَّبِيُّ قَالَ الْاِكْتِسَابُ سُنَّتِي وَالتَّوَكُّلُ حَالَتِي أَوْ كَمَا
قَالَ فَأَنْتَ بَيْنَ سُنَّتِهِ وَحَالَتِهِ إِنْ ضَعُفَ إِيمَانُكَ فَالتَّكَسُّبُ
الَّذِي هُوَ سُنَّتُهُ وَإِنْ قَوِيَ إِيمَانُكَ فَحَالَتُهُ الَّتِي هِيَ التَّوَكُّلُ قَالَ
اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوا وَقَالَ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ
فَهُوَ حَسْبُهُ وَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ فَقَدْ أَمَرَكَ بِالتَّوَكُّلِ
وَنَبَّهَكَ عَلَيْهِ كَمَا أُمِرَ نَبِيُّهُ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ هٰذَا يَعُمُّ الرِّزْقَ وَ
الْأَعْمَالَ وَالْأَقْوَالَ لَيْسَ لَنَا نَبِيٌّ غَيْرُهُ فَنَتَّبِعُهُ وَلَا كِتَابٌ غَيْرُ الْقُرْآنِ
فَنَعْمَلُ بِهِ فَلَا تَخْرُجْ عَنْهُمَا فَتَهْلِكَ فَيُضِلَّكَ هَوَاكَ وَالشَّيْطَانُ
قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَالسَّلَامَةُ
مَعَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْهَلَاكُ مَعَ غَيْرِهِمَا وَبِهِمَا يَرْتَقِي الْعَبْدُ إِلَى
حَالَةِ الْوِلَايَةِ وَالْبَدَلِيَّةِ وَالْغَوْثِيَّةِ -

مقالہ ۳۶

دین راس المال ہے اور دنیا اس کا نفع

حضرت غوثِ صمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: دین کے کاموں کو، جن کا ثواب آخرت میں حاصل ہونا ہے اپنا راس المال بنا لو اور دنیا کے کاموں کو، جن کے ساتھ زندگی بسر کی جا رہی ہے اس کا نفع جانو۔[1] پہلے اپنے وقت کو آخرت حاصل[2] کرنے میں خرچ کرو۔ پھر جو وقت فارغ ہو اسے اسبابِ معیشت کی طلب میں دُنیا حاصل کرنے کے کام میں لاؤ۔[3] اس کے برعکس دُنیا کو راس المال اور آخرت کو اس کا نفع نہ بناؤ، پھر اگر کچھ وقت ملے تو اسے[4]

---

(۱) نفع جو کہ اصل مال پر زائد ہوتا ہے جیسا کہ تاجر تجارت میں پہلے راس المال کے حصول کی کوشش کرتا ہے جب اصل مال حاصل ہو جائے تو پھر نفع کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اگر نفع نہ بھی ملے تو اصل مال ضائع نہیں ہوتا۔

(۲) جو کہ راس المال ہے۔

(۳) جیسا کہ راس المال کے بعد نفع حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہیں۔

(۴) کہ اکثر اوقات تحصیلِ دُنیا میں صرف کرو۔

آخرت کے کاموں میں صرف کرو اور اس فارغ وقت میں پنجگانہ نماز اس طرح جلدی کے ساتھ ادا کرو[5] کہ ارکان[6] مکمل ادا نہ ہوں اس کے واجبات غیر معتدل باہم مخالف ہوں رکوع و سجود مکمل ادا نہ ہوں اور ارکان کی ادائیگی کے وقت اطمینان مفقود ہو، یا نماز ادا[7] کرنے کے وقت سُستی اور تھکاوٹ کا بہانہ بنا کر نمازوں سے رات کو ایسے سو رہو جس طرح مردار پڑا ہوتا ہے اور دن کو

---

(۵) سبك کا معنیٰ ہیں سونے یا چاندی کو کٹھالی میں ڈال کر پگھلانا، اور سبیکۃ کے معنی پگھلائی ہوئی چیز۔ اور سکب کاف پہلے اور با بعد میں، اس کے معنی ہیں پانی بہانا۔ یہ معنیٰ بھی مقصود سے مطابقت رکھتا ہے۔ لیکن فتوح الغیب شریف کے نسخوں میں 'سبک' ہی ہے۔ یہ اس مقام کے زیادہ مناسب ہے کہ نمازی اس طرح نماز ادا کرتا ہے جس طرح کٹھالی میں سونا چاندی حرکت کر رہی ہو۔

(۶) **لفظ رکن کی تحقیق** گھر یا کسی اور بڑی چیز کے مضبوط حصے کو جس پر اس چیز کا دارومدار ہے رکن کہتے ہیں اس لیے امرا کو ارکانِ دولت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ رکن بمعنی عزت و قوت بھی مستعمل ہے۔ آرام و سکون والے آدمی کو رکین کہتے ہیں۔ یہی معنی ارکانِ صلوٰۃ کے مطابق ہیں۔ نماز کی تکمیل تو اسی میں ہے ارکان پُوری طرح ادا ہوں اور ساقط الارکان ان کے نامکمل اور ناقص ہونے سے کنایہ ہے۔

(۷) قضا کا معنیٰ ادا کرنا بھی ہو سکتا ہے اور اس کے مشہور معنے کہ فوت ہونے کے بعد قضا کرنا بھی لیا جا سکتا ہے کہ پہلے تو نماز فوت ہو گئی پھر قضا کرنے میں بھی سُستی دکھائی کہ قضا کا وقت بھی گزر گیا۔

بیکار رہو، نفس و ہوا اور اپنے شیطان(8) کی پیروی کرتے رہو اور اپنی آخرت کو دنیا کے بدلے بیچ ڈالو۔ اے نفس کی غلامی کرنے والے اس کی سواری اور مرکب(9) بننے والے تمہیں تو حکم دیا گیا ہے کہ اس کی تہذیب(10) و اصلاح کرو، ریاضت(11) کے ذریعے اسے رام کرو اور اس پر سوار ہو کر سلامتی کے راستوں پر چلو جو کہ آخرت کے اور مولیٰ کریم کی اطاعت کے راستے ہیں(12)۔ تم نے یہ بڑا ظلم کیا ہے کہ حق کو

---

(8) جو تجھ پر مسلط ہے حدیث شریف میں ہے ہر آدمی کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے اور ایک فرشتہ۔ شیطان برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور فرشتہ نیکی اور اطاعت کا۔

(9) **مطیہ اور مرکب میں فرق** مطیہ اور مرکب میں عطف تفسیری ہے یہ فرق بھی ہو سکتا ہے کہ مطیہ چوپائے کے ساتھ مخصوص ہے یعنی وہ سواری جس کی پشت پر بیٹھا جائے اور وہ کوشش اور تیزی سے چلے۔ مطا کا معنیٰ پشت، اور چلنے میں تیزی اور کوشش کرنا۔ اور رکوب کا معنیٰ ہے اوپر بیٹھنا۔ مرکب کا معنی بیٹھنے کی جگہ، خواہ وہ کشتی ہو یا چوپایہ۔

(10) تہذیب کا معنی اخلاق بد سے خالص کرنا۔ ہذب کا معنی ہے کھجور کے درخت کا پوست اتارنا۔ ہذب کا معنی تیز چلنا اور دوڑنا بھی ہے۔ "ہذبی" رفتار کی ایک قسم کا نام ہے۔ اس معنیٰ کے لحاظ سے تہذیب کی مرکب کی طرف اضافت عین مناسب ہے۔

(11) ریاضت کے معنی رام کرنا، نرم کرنا۔ یہ گھوڑے اور اونٹ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

(12) **خدا تک پہنچانے والے راستوں کی تعداد** طُرق طریق کی جمع ذکر کر کے

چھوڑ کر نفس کی غلامی قبول کر لی۔ نفس کی لگام اس کو تھما دی اور خواہشات و لذات کی پیروی کرتے ہیں۔ شیطان(13) کی موافقت(14) اختیار کر لی۔ یوں تم سے

اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ خدا تک قرب و وصول حاصل کرنے کے بے شمار راستے ہیں مثلاً واجبات ادا کرنے اور منہیات سے پرہیز کرنے کے بعد ہر عملِ خیر یعنی نفلی کام خدا کے قرب و وصول کا ایک راستہ ہے جو آدمی اس کا التزام کے ساتھ ہمیشہ پابند رہے گا وہ جلد یا بدیر یقیناً مقصد کو پالے گا۔ ان اقسام کا احاطہ و استیعاب شرط نہیں ہے بزرگوں کا قول والطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق خدا تک موصل راستے اتنے ہیں جتنے مخلوقات کے سانس ہیں جو کہ کثرت کی طرف مشعر ہے، اس کا معنیٰ بھی یہی ہے تمام کا مرجع و مآل شریعت اور اتباع سنت ہے۔ مشائخ طریقت کے طریقوں میں تعدد و تکثر اور مریدین کے سلوک میں اختلاف بھی اسی باب سے متعلق ہے جبکہ مآل کے اعتبار سے سب ایک ہی ہیں۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ سلوک کی منزلیں طے کرنے والے اخیافی بھائی ہیں (کہ ماں سب کی ایک ہو اور باپ مختلف ہوں) ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(13) وہ شیطان جو نفس پر مسلط کیا گیا ہے درحقیقت عالمِ انسانیت میں نفس شیطان کا وکیل اور کوتوال ہے۔

(14) گویا کہ تم نفس کی سواری بن گئے وہ جہاں چاہتا ہے تمہیں لے جاتا ہے، جبکہ معاملہ برعکس ہونا چاہئے تھا۔ اسی کو ظلم کہتے ہیں کہ چیز کو اپنے محل میں نہ رکھنا۔

دنیا و آخرت دونوں کی بہتری فوت ہو گئی[۱۵]، اس کی جگہ خسارے نے لے لی[۱۶]۔ قیامت کے روز اس طرح آؤ گے کہ عمل کے اعتبار سے مفلس ترین[۱۷] اور دین کے حوالے سے سب سے زیادہ خسارے والے ہو گے اور نفس کی اتباع کی وجہ سے دنیا میں بھی تمہیں قسمت سے زیادہ کچھ نہ ملا[۱۸]۔ اور اگر تم دین کے راستے پر چلتے ہوئے آخرت کو اپنا راس المال بنا لیتے تو تمہیں دنیا و آخرت میں نفع ہوتا[۱۹] اور تمہاری قسمت کا جو کچھ تمہیں دنیا میں ملنا تھا وہ تمہارے لیے

---

(۱۵) دنیا کی نیکی اس طرح جاتی رہی کہ تم ہلاکت اور ضلالت میں گر گئے اور آخرت کی نیکی سے اس طرح محروم ہوئے کہ قیامت کے روز عقاب و وبال میں مبتلا ہو گے۔

(۱۶) بمصداق خسر الدنیا والآخرۃ دنیا اور آخرت میں خسارہ پایا۔ دنیا کا خسارہ تو دیکھ لیا اور آخرت کا خسارہ باقی ہے جو اپنے ساتھ لے جاؤ گے، جیسا کہ آگے ذکر فرماتے ہیں۔

(۱۷) مفلس فلس سے بنا ہے، فلس کا معنے پیسے، اور فلس کا معنی ہے پیسوں سے خالی ہونا۔ یعنی وہ اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ فلوس نہیں رکھتا۔

(۱۸) اس سے بڑھ کر اور خسارہ کیا ہو گا کہ دنیا بھی ہاتھ نہ آئی اور دین بھی جاتا رہا۔

(۱۹) آخرت کا فائدہ تو ظاہر ہے دنیا میں اس طرح فائدہ ہوتا کہ متقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق تنگی اور غم سے نجات پاتے بلا تکلیف و مشقت تمہیں وہاں سے رزق ملتا جس کا تمہیں گمان تک نہ تھا، اہلِ ایمان و تقویٰ کے نصیب میں جو عزت و کرامت ہے تم بھی اس سے معزز و مکرم ہوتے۔

خوش گوار اور خوش آیند ہوتا اور تم آفاتِ دنیا سے محفوظ عزت و کرامت کے ساتھ زندگی گزارتے۔ جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ آخرت کے ثواب کی نیت پر دنیا میں نعمت و راحت عطا کرتا ہے اور دنیا کے ارادے پر آخرت کا ثواب نہیں دیتا[۲۰] اور ایسا کیوں نہ ہو حالانکہ آخرت کی نیت اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے کیونکہ نیت عبادت کی بہ نسبت روح کا حکم رکھتی ہے[۲۱]، بلکہ نیت عین عبادت اور حقیقتِ عبادت ہے[۲۲]۔ پس جب تم دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طلب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو گے تو تم اللہ تعالیٰ کے خاص اہلِ طاعت و محبت میں شامل ہو جاؤ گے اور تمہیں ثواب آخرت بھی حاصل ہو گا جو کہ جنت اور اللہ تعالیٰ کا قربِ خاص ہے اور دنیا تمہاری چاکری کرے گی۔ اس طرح تمہیں دنیا کا نصیب بھی پورا پورا مل جائے گا کیونکہ ہر چیز اپنے خالق و مالک اللہ عزوجل کے تابع ہے[۲۳]۔ اور اگر تم آخرت سے روگردانی کرتے ہوئے دنیا

---

(۲۰) آخرت کے طالب کو دنیا بھی مل جاتی ہے اور آخرت بھی، جبکہ دنیا کا طالب دنیا تو پا لیتا ہے مگر آخرت سے محروم رہتا ہے۔

(۲۱) جس طرح جسم کا وجود روح کے بغیر متصور نہیں اسی طرح عبادت کا نیت کے بغیر اعتبار نہیں اور نہ ہی اس پر ثواب مترتب ہوتا ہے۔

(۲۲) اس میں زیادہ مبالغہ ہے۔

(۲۳) اور آخرت میں اشتغال اور اس کی نیت پر اللہ تعالیٰ خوش ہو گا اور اس کی رضا سے اس کی ساری مخلوق خواہ دنیا ہو یا آخرت خوش ہو گی، بزرگوں کے ارشاد مَنْ لَهُ الْمَوْلٰى فَلَهُ الْكُلُّ کہ جس کا وہ مولیٰ ہو گیا ہر چیز اس کی ہو گئی کا یہی مطلب ہے۔

میں مشغول ہو گئے تو خدا تم سے ناراض ہوگا آخرت کی بھلائیوں سے محروم ہو جاؤ گے اور دنیا سرکشی کرتے ہوئے تم پر تنگ ہو جائے گی، اور خدا کے قہر کی وجہ سے دنیا کا نصیب تم تک پہنچنے میں تمہیں خوب مشقت میں ڈالے گا، کیونکہ دنیا خدا کی مملوک ہے اس کے نافرمان کی توہین کرتی ہے اور اس کے فرمانبردار کی غلامی کرتی ہے۔[۲۴] اس وقت رسول معظم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا

---

(۲۴) **مومن اور کافر میں فرق** یہ سارا معاملہ مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے کہ اگر اطاعت کریں اور اللہ تعالےٰ کے اوامر و نواہی کی پابندی کریں تو اس کے بدلے میں جو آخرت میں وعدہ ہے وہ دنیا میں بھی پا لیتے ہیں۔ ناز و نعمت اور جاہ و جلال کے ساتھ رہتے ہیں اور اگر نافرمانی کریں اور معصیت کا راستہ اپنائیں اور حقوق ادا کرنے میں تھوڑی سی تقصیر بھی کریں تو دونوں جہانوں میں اس کی سزا پاتے ہیں۔ ایک درویش کے متعلق منقول ہے کہ ایک چوہا ان کے جوتوں کو کاٹ رہا تھا اور وہ روتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ میں نے کون سی غلطی کی ہے جس کی سزا میں اس صورت میں دیکھ رہا ہوں۔ لیکن کافر جو کہ ایمان کی دولت اور سعادت سے محروم ہیں وہ جس قدر بھی معصیت میں منہمک رہیں دنیا میں انہیں کچھ سزا نہیں ملے گی بلکہ دنیا میں اضافہ ہوگا تاکہ وہ خوب مغرور بن جائیں اور اللہ تعالےٰ کی طرف مہلت اور استدراج کی وجہ سے وہ اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ کوئی علاج کارگر ثابت نہیں ہوتا۔ اس کی مثال اس طبیب کی سی ہے جب وہ بیمار سے ناامید ہو جائے تو پرہیز ختم کرا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جو چاہو کھا سکتے ہو۔

ایک مرتبہ اس فقیر (شیخ محقق علیہ الرحمۃ) نے حضرت قبلہ موسیٰ پاک شہید قدس سرہ سے پوچھا کہ حدیث شریف میں آیا ہے: صبح کی نیند رزق کی

یہ قول صحیح ثابت ہو گیا کہ دنیا و عقبےٰ دو سوکنیں ہیں[۲۵] اگر ایک کو خوش کرو گے تو دوسری کو ناراض کر بیٹھو گے۔ رب کریم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کچھ دنیا کے طالب ہیں اور کچھ آخرت کا ارادہ رکھتے ہیں[۲۶]، اسی لیے دنیا کے طالبوں کو ابناءِ دنیا اور آخرت کی خواہش رکھنے والوں کو ابناءِ آخرت کہا جاتا ہے[۲۷]۔ پس

تنگی پیدا کرتی ہے اور زنا کی وجہ سے ذلت و حقارت مسلط ہو جاتی ہے۔ ماہِ رمضان کا روزہ چھوڑنے سے بزدلی پیدا ہوتی ہے (ص ۲۱۲) جبکہ بہت سے دنیادار اس میں مبتلا ہیں، خوب مالدار ہیں اور دن بدن ان کی عزت میں اضافہ ہو رہا ہے اور عمر دراز پاتے ہیں۔ فرمایا: یہی تو خوف کا مقام ہے کیونکہ ان کے دل کی زمین سے ایمان کا بیج اکھاڑا جا چکا ہے اور دولتِ ایمان سے ناامید ہو چکے ہیں نعوذ باللہ من ذالک۔

(۲۵) سابقہ کلام سے معلوم ہو چکا ہے کہ دنیا و آخرت آپس میں متضاد ہیں، ایک کی تحصیل میں کوشش کرنے اور مشغول ہونے سے دوسری فوت ہو جاتی ہے اگرچہ اطاعت اور طلبِ آخرت کے ارادے پر اعمال بجالانے کی صورت میں دنیا مجبور و مقہور ہو کر تابع اور خدمتگار بن جاتی ہے۔ اب اسی کی تشریح کی جا رہی ہے۔

(۲۶) **آیت کا شانِ نزول** یہ آیتِ کریمہ اصحابِ اُحد کے بارے میں نازل ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے تیر اندازوں کی ایک جماعت کو حکم دیا کہ تم اس درے پر ٹھہرو یہاں سے ہرگز نہ ٹلنا۔ بعض نے مالِ غنیمت جمع کرنے کے لیے حکم عدولی کرتے ہوئے اپنی جگہ کو چھوڑ دیا اور بعض صحابہ اپنی جگہ پر قائم رہے۔

(۲۷) بعض نسخوں میں یُقال کی بجائے یعنی ہے اس تقدیر پر یہ جملہ من یرید الدنیا و من یرید الآخرۃ کی تفسیر و بیان قرار پائے گا۔

تمھیں غور کرنا چاہیے کہ تُم ابنائے دنیا سے ہو یا ابنائے آخرت سے، اور دنیا میں رہتے ہوئے کس گروہ میں شامل ہونا پسند کرتے ہو، پھر جب تم آخرت کی طرف لوٹو گے تو اس دن ایک گروہ جنّت میں ہوگا اور دُوسرا دوزخ میں، اور ایک گروہ اپنے حساب کی طوالت کی وجہ سے حشر کے میدان میں کھڑا رہ جائے گا اس دن کے بارے میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے: وہ دن تمھارے شمار کے مطابق پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ اور بعض نسخوں میں اس طرح ہے اس دن میں جو تمھاری گنتی کے مطابق ہزار سال کا ہوگا(۲۸)۔ اور ایک گروہ عرشِ رحمٰن کے سایہ میں مقیم ہوگا جن کے سامنے دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے اور برف سے زیادہ سفید شہد ہوگا(۲۹)۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے: وُہ لوگ

---

(۲۸) فلسفیانہ ذہن رکھنے والے عقل و فہم کی تنگی کے پیشِ نظر اس میں تاویل کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ یہاں اس دن کی طوالت سے کنایہ اور مبالغہ کیا گیا ہے اور حقیقۃً وہ دن اتنا لمبا نہیں ہوگا۔ خدا جانتا ہے مسلمانی تو اسی کو کہتے ہیں کہ جس طرح خدا فرمائے بلا چُون وچرا تسلیم کر لیا جائے اور اللہ تعالےٰ کی قدرت کے اس کرشمے کی طرف دیکھنا چاہیئے کہ وہ ایک جماعت کے لیے دوٗ رکعت نماز ادا کرنے کے وقت کے برابر ہوگا۔

(۲۹) شہد کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا ہے کہ یہ مٹھاس کی وجہ سے دیگر کھانوں میں ممتاز مقام رکھتا ہے اور ایمان کی بھی ایک صفت حلاوت ہے۔ شہد اگرچہ کئی رنگوں میں ہوتا ہے لیکن یہاں صفائی اور لطافت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے سفید رنگ کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ کھانے اگرچہ وہاں محسوس طور پر موجود ہوں گے لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرب کے

میدانِ محشر میں کھڑے اپنی جنّت کی منازل دیکھ رہے ہوں گے۔ جب اللہ تعالےٰ مخلوق کے حساب سے فارغ ہوگا تو یہ لوگ جنّت میں داخل ہو کر اپنے مکانوں کی طرف اس طرح بڑھیں گے جس طرح کوئی آدمی دنیا میں رہتے ہوئے اپنے گھر کی طرف جاتا ہے۔ یہ مقام و مرتبہ ان لوگوں کو اس لیے حاصل ہُوا کہ وہ دنیا کو چھوڑ کر خدا اور آخرت کی طلب میں مشغول ہو گئے(۳۰)۔ اور جن لوگوں کو حساب کتاب کے وقت مختلف سختیاں اور ذلتیں سہنی پڑیں اس کی وجہ یہ تھی کہ وُہ آخرت کو چھوڑ کر اس کی پروا کیے بغیر دنیا کی رغبت کرتے ہوئے اس میں مشغول ہو گئے۔ قیامت کو اور کتاب و سنّت کے بیان کے مطابق کل کو جس طرف جانا تھا اسے بھول بیٹھے۔ اس لیے نفس کی رحمت و شفقت کی نظر کرتے ہوئے دیکھو۔ ان دونوں گروہوں میں سے افضل کو اختیار کر لو(۳۱) اور اسے شیاطین جن و انس

مراتب و درجات کی طرف بھی اشارہ ہے، اور یہ تمام کھانے صفاتِ الٰہی کا مظہر ہوں گے تاکہ جنتی جو کہ جلالِ ذات کی ہیبت کے صدقے میں مستغرق و مستہلک ہوں گے صفاتِ شہود کا مشاہدہ کرتے ہُوئے اپنی حالت پر آسکیں اور آرام پائیں تاکہ دُوسری تجلّی کے لیے تیار ہو سکیں۔

(۳۰) کسی کی راہنمائی کے بغیر جنّتی اپنی منزلوں کی طرف بڑھیں گے، اگرچہ الہامِ الٰہی کی وجہ سے بڑھیں گے مگر اس میں ان کی توجہ کی کثرت اور صدقِ دل کا بھی دخل ہے جس نے انھیں اپنے گھروں سے از خود شناسا کرا دیا، اور جب کوئی آدمی کسی چیز یا کسی آدمی کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو یقیناً راہ پا لیتا ہے اور واصل ہو جاتا ہے۔

(۳۱) وہ حضرات آخرت میں مشغول اور اس کی طرف متوجہ ہیں۔

ایسے برے ساتھیوں سے علیحدہ رکھو، اور کتاب وسنت کو اپنا پیشوا بنالو، ان میں غور وفکر کرتے ہوئے ان پر کاربند رہو۔ قیل وقال اور ہوس(۳۲) پر مغرور نہ ہو۔ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ "یہ رسول جو تمہیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے رُک جاؤ۔"(۳۳) خدا کی نافرمانی سے بچو اور رسول کی مخالفت نہ کرو

---

(۳۲) **ہوس کا معنیٰ** لغات کی کتب کے مطابق ہوس جنون کی ایک قسم ہے۔ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلماتِ قدسیہ سے ہے آپ نے فرمایا: تصوف قیل وقال سے حاصل نہیں ہوتا، یہ تو بھوک اختیار کرنے، دنیا ترک کرنے اور پسندیدہ ومستحسنات کو خیرباد کہنے سے ملتا ہے۔ اور رویم (ص ۲۱۵) قدس سرہٗ نے تصوف کی یوں تعریف کی ہے کہ تصوف رُوح کو مصروف رکھنے اور صوفیا کی ترہات (کتاب وسنت کی تائید سے خالی باتیں) میں مشغول نہ ہونے کا نام ہے ؎

(۱) کار کن کار بگزار از گفتار
کاندریں راہ کار دارد کار
(۲) کار آمد حصۂ مردان مرد
حصۂ ما گفت آمد اینست درد

(۱) باتیں بنانا چھوڑدو کام کرنے کا طریقہ اپناؤ کیونکہ اس راہ میں صرف عمل ہی کار آمد ہے۔

(۲) اے جوانمرد! مردوں کے حصے میں کام آیا ہے اور ہمیں اس بات کا قلق ہے کہ ہمارے حصے میں باتیں بنانا آیا ہے۔

(۳۳) اس پر عمل کرو۔

کہ آپ کے لائے ہوئے احکام پر عمل کرنا نہ چھوڑدو۔ اور اپنے لیے رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمودات کے علاوہ کوئی عمل اور عبادت اختیار نہ کرو۔(۳۴) جو لوگ اپنی طرف عمل وعبادت کی اختراع کرتے ہوئے راہ راست سے ہٹ گئے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے(۳۶)
"اہلِ کتاب نے اپنی طرف سے رہبانیت(۳۵) نکال لی جو ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی"

---

(۳۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو درویشوں کے گروہ فرمانِ باری تعالیٰ اور شریعت کے مخالف مجاہدات وریاضات اختیار کرتے ہیں انھیں ان مجاہدوں اور ریاضتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا ؎

بزہد وورع کوش صدق وصفا
لیکن میفزائے بر مصطفیٰ علیہ السلام

(زہد وورع اور صدق وصفا میں ضرور کوشش کرو لیکن مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمودات سے تجاوز نہ کرنا)

(۳۵) رہبانیت کا معنیٰ ہے ریاضت کی کثرت کرنا، عبادت میں مبالغہ کرنا، تنہائی اختیار کرنا، مخلوق سے قطع تعلق کرلینا اور لذت وخواہش سے کلی اجتناب کرنا۔

(۳۶) **رہبانیت کی مذمت** جبکہ ہم ان کے پروردگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس فعل کی شکایت فرمارہا ہے کہ انہوں نے فضول کام کیا ہمارے حکم پر کاربند نہ رہے اس کے برعکس دشوار کام اپنے ذمے لے لیے، آخر الامر انھیں نبھا نہ سکے اور حق کی رعایت نہ کرسکے۔ درحقیقت ان لوگوں نے بندگی کا مفہوم ہی نہیں سمجھا تھا اور اپنے

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پاک کر دیا ہے اور

عمل کو علت جان بیٹھے یہ نہ جانا کہ ثواب محض فضلِ الٰہی پر موقوف ہے۔ اور اگر انہوں نے عبادت و پرستش کا طریقہ اپنی طرف سے ایجاد کیا تھا تو اعتدال اور توسط قائم نہ رکھ سکے اور اس کی بجا آوری میں دیگر بہت سے حقوق سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اگر اس میں حظوظ کا دخل سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف رخصت اور آسانی دینے کے پیشِ نظر یہ حظوظ بھی حقوق کا حکم پیدا کر لیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس طرح عزیمت پر عمل کرنے سے ثواب دینا پسند کرتا ہے اسی طرح رخصت کو اپنانے پر بھی ثواب عطا کرنا پسند کرتا ہے۔ خدائی رخصت حقوق کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ یہ شریعتِ مصطفےٰ اور آپ کے پیروکاروں کی خصوصیت ہے صلی اللہ علیہ وسلم بالذات وعلیہم بواسطہٖ، جو کہ اس کی بارگاہِ فضل و کرم کے مخصوص دائرۂ اعتدال کے مرکز، اپنی ہستی سے فانی اور حق تعالیٰ کے ساتھ باقی ہیں۔ ان کو تھوڑی سی مدت میں مختصر عمل پر اتنا اجر ملا جو دوسروں کو بڑی بڑی ریاضتوں، مجاہدوں اور جان کی بازی لگانے پر بھی نہ مل سکا۔

حضرت احمد بن ابی الحواری حضرت ابو سلیمان دارانی کے پاس آ کر کہنے لگے کہ مجھے بنی اسرائیل پر رشک آتا ہے۔ حضرت ابو سلیمان دارانی نے پوچھا: کس بات پر؟ کہنے لگے اُن کی عمریں لمبی تھیں اور انھوں نے اس قدر ریاضتیں کیں کہ پرانے مشکیزوں، ٹوٹی ہوئی کمانوں اور کمانوں کے کھنچے ہوئے چِلّوں (   ) (ص ۷، ۲۱) کی طرح ہو گئے۔
حضرت ابو سلیمان نے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تم یہ معاملہ تازہ کرو گے۔

باطل سے دُور رکھا ہے۔(۳۷) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "یہ نبی اپنی خواہش

خدا کی قسم اللہ تعالیٰ ہمارے جسموں پر کھالیں خشک ہونے کا طالب نہیں ہے بلکہ وہ ہم سے صدقِ نیت کا خواہاں ہے۔ ممکن ہے کہ ہم میں سے کوئی آدمی صدق و صفائی کے ساتھ دس روزے رکھ کر وہ کچھ حاصل کر لے جو پہلے لوگ لمبی لمبی عمروں کے روزوں میں حاصل نہ کر سکے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری اور تم سے پہلے لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی مزدور کو لاتا ہے اور کہتا ہے کہ صبح سے دوپہر تک کام کرو گے تو ایک قیراط دوں گا، اور دوسرا اجیر لاتا ہے اسے کہتا ہے کہ دوپہر سے عصر تک کام کرو گے تو دو قیراط کے حقدار ہو۔ اور تیسرے مزدور کے ساتھ عصر تا مغرب کام کرنے پر تین قیراط طے کر لیتا ہے۔ پہلا مزدور یہود کی مثل ہے، دوسرا نصاریٰ کی مانند، اور تیسرا مزدور اس امتِ مرحومہ کی طرح ہے۔ اُجرت ملنے کے وقت تمام کو مقررہ اُجرت دی گئی تو پہلا اور دوسرا مزدور ناراض ہو جاتے ہیں کہ ہم نے کام زیادہ کیا ہے اور اُجرت کم مل رہی ہے اور اس تیسرے نے کام کم کیا ہے اور اُجرت دُگنی لے رہا ہے یہ کیا بات ہے؟ آجر کہتا ہے کہ میں نے جو اجرت مقرر کی تھی کیا اس میں کمی کی ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ نہیں، آجر کہتا ہے یہ میرا فضل جس کو چاہوں جس قدر چاہوں عطا کروں۔

(۳۷) یہاں سے رسالتمآب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی متابعت اور آپ کے صدق و طہارت کی تحقیق ذکر کر رہے ہیں۔

سے کوئی بات نہیں کرتے آپ کی بات وہی ہے جس کی آپ کی طرف وحی کی گئی ہو۔
یعنی یہ نبی تمہارے پاس جو لے کر آئے ہیں وہ میری طرف سے ہے اس میں ان کی خواہش اور نفس کا دخل نہیں ہے اس لیے آپ کی پیروی کرو۔ پھر فرمایا: اے میرے محب اور اے میرے محبوب! کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو(۳۸) تو میری پیروی کرو تاکہ وہ تمہیں اپنا دوست بنالے۔(۳۹)
پس اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ محبت خدا تک پہنچانے والا راستہ قول و فعل میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔(۴۰) آقائے دوعالم

---

(۳۸) اس کی بارگاہ کے قرب و وصول کے ساتھ مخصوص ہونے کے خواہشمند ہو۔ دوسرا معنی اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تمہارا ہو جائے اور تمہیں اپنا دوست بنالے۔

(۳۹) دوسرے معنیٰ کے لحاظ سے اس عبارت کا ماقبل سے ربط ظاہر ہے اور پہلے معنیٰ کے لحاظ سے مقصود یہ ہوگا کہ تم خدا کے محب بننا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اس کے صلے میں تم محب کیا اس کے محبوب بن جاؤ گے۔ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مابعد والے کلام میں ان دونوں معنی کا احتمال موجود ہے۔

(۴۰) اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور محبتِ خدا عزوجل

جب قول و فعل میں اتباع حاصل ہوگئی تو اس کے اثر و نتیجہ کے طور حال کی اتباع بھی نصیب ہو جائیگی۔ کیونکہ عطیات اعمال کے آثار ہیں۔ محبت کے معنی ہیں کسی چیز میں کسی کمال کا اعتقاد کرتے ہوئے نفس کا

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسب میرے ظاہر کی سنت ہے

اس کی طرف میلان کرنا اور اس کی طرف کھنچے جانا کہ وہ کمال اس کے تقرب کا باعث بن جائے۔ محبت کی دو علتیں ہیں:

۱۔ حسن

۲۔ احسان

اور یہ دونوں ذاتِ باری تعالیٰ میں منحصر ہیں باقی ہر جگہ اسی کا ظہور ہے ان مظاہر اور انوار مشارق میں سب سے اجل و ارفع حضرت سید السادات روحِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے آپ کے بعد اتباع و استقامت کے درجات کے فرق کے لحاظ سے یہ اولیاءِ امت میں سرایت کرتی ہے اور محبت کی حقیقت وہی مذکورہ میلان و انجذاب ہے اور تقرب کا سبب اطاعت و موافقت محبت کو لازم ہے۔ کیونکہ اطاعت کے بغیر محبت ناقص رہتی ہے اور کمال کا دعویٰ جھوٹا ہوتا ہے لیکن اصل محبت باقی رہتی ہے، اس کی دلیل یہ حدیث پاک ہے:

لَا تَلْعَنُوْهُ فَاِنَّهٗ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔

(اسے لعنت نہ کرو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے)

اسی لیے علماء نے محبت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ بندے کی خدا سے محبت یہ ہے کہ خدا کی اطاعت کرے اور خدا کی بندے سے محبت یہ ہے کہ وہ راضی ہو جائے، جس کا اثر لطف و توفیق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ چونکہ میلان و انجذاب کا تعلق مقولۂ انفعال سے ہے اس لیے اس کا باری تعالیٰ

اور توکل میرے باطن کی حالت ہے(۴۱) اَوْکَمَا قَالَ، اس لیے اے طالبِ آخرت!
تم آپ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی سنّت اور حالت کے درمیان کھڑے رہو۔ اگر

میں امکان نہیں ہے اور رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی اتباع محبت الٰہی کا سبب اس طرح بنے گی کہ جو شخص کسی کی پیروی کرتے ہوئے اس کے پیچھے چلے گا تو یقیناً جہاں متبوع پہنچے گا وہاں تابع بھی پہنچے گا۔ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم محبت اور محبوبیت کے مقام پر فائز ہیں تو آپ کے متبعین کو بھی اس مقام سے حصہ ملے گا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ کہ آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ محبت ہے، اسی کی طرف اشارہ ہے۔ آپ کا مقام چونکہ سب سے بلند و بالا ہے وہاں تک تو کسی کی رسائی نہیں لیکن محبت کا دائرہ بہت وسیع ہے، اس کی منازل و مراتب متعدد ہیں اس لیے نیچے والے مرتبے میں جگہ مل جائے گی اور محبت کا علاقہ جذب ہے[۲۱۹] (   ) ہے ؎

(۱) آنجا کہ توئی کجا بود منزلِ ما
در رہ طلب شکستہ شد محملِ ما
(۲) لیکن شب و روز با تو یکجا بودیم
ما بر درِ تو مقیم و تو در دلِ ما

(۱۔ جہاں آپ ہو وہ ہماری منزل کیسے بن سکتی ہے، ہمارا کجاوہ تو طلب کی راہ میں ہی ٹوٹ چکا ہے۔
۲۔ لیکن اس کے باوجود شب و روز ہماری منزل ایک ہی رہتی ہے کہ ہم آپ کے دروازے پر مقیم ہیں اور آپ ہمارے دل میں ہیں)

(۴۱) یہاں سے اتباع کا طریقہ بیان کر رہے ہیں کہ اس میں رخصت بھی ہے اور عزیمت بھی۔

تمہارا ایمان کمزور ہے(۴۲) تو کسب کو وظیفہ بنالو جو کہ سنّت ہے اور اگر تمہارا اعتقاد مضبوط ہے تو تم آپ کی حالت یعنی توکل پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: "اور اللہ پر بھروسا کرو" نیز فرماتا ہے: "جو شخص اللہ پر بھروسا کرے گا اللہ اسے کافی ہے(۴۳)" نیز فرماتا ہے: "یقیناً اللہ تعالےٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے(۴۴)" چنانچہ اس نے توکل کا حکم دے کر تنبیہ کر دی ہے جیسا کہ اس کے نبی نے توکل کرنے کا حکم دیا ہے(۴۵)۔ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۴۲) یعنی ارزاق کی تقسیم کے متعلق تقدیر ازلی کے اعتبار سے بے سبب خدا کے رازق ہونے پر اعتقاد کمزور ہے۔

(۴۳) کہ رزق کی تحصیل کے لیے اسباب تلاش کرنے کی ضرورت نہیں وہ بلا سبب رزق پہنچا دے گا اور اگر بلا سبب روزی نہیں دے گا تو سبب بھی وہی پیدا فرما دے گا کیونکہ وہ مسبب الاسباب ہے وہ اپنے بندے کو سبب تلاش کرنے کی محنت و مشقت میں نہیں ڈالے گا۔

(۴۴) جب اللہ تعالےٰ توکل و متوکلین سے ہی محبت رکھتا ہے تو توکل کی ضد سے محفوظ رکھے گا جو کہ اسباب میں گرفتاری ہے اور خداوند قدوس کو ناپسند ہے ؎

محالست چوں دوست دارد ترا
کہ در دست دشمن گزارد ترا

(جب اللہ تعالےٰ تمہیں دوست رکھتا ہے تو یہ بات محال ہے کہ وہ تجھے دشمنوں کے ہاتھوں میں دے دے)

(۴۵) دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ تمہیں توکل کا حکم دیا ہے جس طرح کہ نبی کو حکم

(۴۶) نے فرمایا کہ جس نے ایسا عمل کیا جس کے متعلق ہمارا حکم نہیں تو وہ عمل مردود و باطل ہے یہ یہ ارشادِ نبوی تمام اقوال، اعمال اور رزق کے لیے عام ہے،(۴۷) کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بغیر ہمارا کوئی نبی نہیں ہے جس کی پیروی کریں اور نہ ہی کوئی کتاب ہے جس پر عمل پیرا ہوں(۴۸)۔ اے طالب و

دیا ہے اس معنی کے اعتبار سے شانِ توکل کی تعظیم و تکریم ہے کہ خدا نے طالب مامور کو اس بات کا حکم دیا ہے جس کا اپنے نبی کو حکم دیا۔

توکل کے معنی توکل کے معنی ہیں اللہ تعالے کے ضامن ہونے پر مکمل وثوق اور اس کو ثابت کرنے کے لیے اسباب ترک کر دینا۔ اور اگر یہ وثوق حاصل ہو جائے تو اسباب کو ترک کرنا اور نہ کرنا برابر ہے۔

(۴۶) یہاں سے اتباعِ سنّت کی حفاظت اور مخالفت و بدعت کے اجتناب کے بارے میں سلام فرما رہے ہیں۔

(۴۷) سنّت اور بدعت کا حکم ہر جگہ جاری ہوتا ہے۔ رزق کے حصول میں یہ حکم اس طرح جاری ہوگا کہ جو رزق بطریقِ بدعت حاصل ہو اس کا کھانا بھی بدعت قرار پائے گا اور اعمال و اقوال میں بدعت کا حکم ظاہر ہے اس لیے ہر جگہ سنّت کی پیروی اور بدعت سے پرہیز کرنا چاہیئے ؎

راہِ راست رو تا بمنزل رسی

(منزل پر پہنچنا چاہتے ہو تو سیدھی راہ پر چلو)

کتاب و سنّت کے بغیر نہ کوئی چارہ کار ہے اور نہ ہی کوئی راستہ۔

(۴۸) تو ناچار کتاب و سنّت کی ہی اتباع کرنا ہوگی۔

سالک! ان سے باہر نہ نکلو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور نفس و شیطان تمہیں گمراہ کر دیں گے۔ فرمانِ باری تعالے ہے: "اور خواہش کی پیروی نہ کر۔ پس وہ تجھے اللہ کے راستے سے گمراہ کر دے گی۔" نفس و شیطان کی آفات اور ضلالت و رسوائی سے سلامتی کتاب و سنّت پر عمل کرنے سے حاصل ہوگی۔ ان سے ہٹنے میں ہلاکت و تباہی ہے اور مومن کتاب و سنّت کے احکام پر عمل کر کے ہی ولایت، ابدالیت اور غوثیت کے مرتبے تک ترقی کر سکتا ہے۔(۴۹)

---

(۴۹) ولایت، ابدالیت اور غوثیت میں فرق حالتِ ولایت میں اتباعِ ہوا سے اجتناب و احتراز ہوتا ہے۔ اور حالتِ ابدالیت میں اللہ تعالیٰ کے فعل و ارادہ کے علاوہ ہر قسم کے فعل و ارادہ سے فانی اور خالی ہونا ضروری ہے، اور حالتِ غوثیت میں اللہ تعالے کے حکم سے مخلوق پر تصرف و حکومت حاصل ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ عالیہ قادریہ میں کتاب و سنّت کی اتباع اور بدعت کی ہلاکتوں سے اجتناب کا پورا پورا اہتمام ہوتا ہے۔ میرے شیخ و مرشد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دیگر سلاسل میں اور باتوں کے متعلق سوال ہوگا۔ خبردار شریعتِ مطہرہ کو تیرے متعلق کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیئے۔

اللہ تعالے ہمیں اس کی توفیق فرمائے اور اس طریقۂ مستقیمہ پر ثابت قدم رکھے!

المقالة السابعة والثلثون

قال رض مالى اراك يا مؤمن حاسد الجارك فى مطعمه ومشربه
وملبسه ومنكحه ومسكنه وتقلبه فى غناه ونعم مولاه
وقسمه الذى قسمه له اما تعلم ان هذا مما يضعف ايمانك
ويسقطك من عين مولاك ويبغضك اليه اما سمعت الحديث
المروى عن النبى صلى الله عليه وسلم ان الله يقول الحسود
عدو نعمتى وما سمعت قول النبى ان الحسد ليأكل الحسنات
كما تأكل النار الحطب ثم على اى شئ تحسده يا مسكين
أعلى قسمه او على قسمك فان حسدته على قسمة الله تعالى له
فى قوله تعالى نحن قسمنا بينهم معيشتهم فى الحيوة الدنيا
فقد ظلمته رجل يتقلب فى نعمة مولاه التى تفضل بها
عليه وقدرها له ولم يجعل لاحد فيها حظا و نصيبا فمن
يكون اظلم منك وان حسدته على قسمك فقد جهلت
غاية الجهل فان قسمك لا يعطى غيرك ولا ينتقل منك
اليه حاشا لله قال الله تعالى ما يبدل لدى وما انا بظلام
للعبيد ان الله لا يظلمك فيأخذ ما قسمه وقدره لك فيعطى

غيرك فهذا اجهل منك وظلم لاخيك ثم حسدك الارض
التى هى معدن الكنوز والدفائن من انواع الذهب والفضة
والجواهر مما جمعته الملوك المتقدمة من عاد وثمود
وكسرى وقيصر اولى من حسدك لاخيك وما مثلك الا كمثل
رجل راى ملكا مع سلطانه وجنوده وحشمه وملكه وعلى الاراضى
وجباية خراجها اليه وارتفاعها لديه وتنعمه بانواع
النعيم واللذات والشهوات فلم يحسده على ذلك ثم
راى كلبا بريا يخدم كلبا من كلاب ذلك الملك يقوم
معه ويبيت ويصبح معه فيعطى من مطبخ الملك بقاية
طعام وردايه فيتقوت به فاخذه يحسده ويعاديه ويتمنى
موته وهلاكه وكونه مكانه وان يخلفه فى ذلك
خسة ودناءة لا لزهد او دين و قناعة فهل يكون فى
الزمان رجل احمق منه وارعن واجهل ثم لو علمت
يا مسكين ما سيلقى جارك غدا من طول الحساب يوم القيمة
ان لم يكن اطاع الله فيما خوله من نعمته واداء حقه فيها
وامتثل امره وانتهى نهيه فيها واستعان بها على عبادته
وطاعته ما يتمنى انه لم يعط من ذلك ذرة ولا راى نعيما
يوما قط اما سمعت ما قد ورد فى الحديث انه ليتمنين
اقوام يوم القيامة ان تقرض لحومهم بالمقاريض
مما يرون لاصحاب البلايا من الثواب فيتمنى جارك غدا

مَكَانَكَ فِي الدُّنْيَا لِمَا يَرَى مِنْ طُولِ حِسَابِهِ وَمُنَاقَشَتِهِ وَقِيَامِهِ
خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ فِي حَرِّ الشَّمْسِ فِي الْقِيٰمَةِ لِاَجْلِ مِمَّا تَمَتَّعَ
بِهِ مِنَ النَّعِيْمِ فِي الدُّنْيَا وَ اَنْتَ فِي مَعْزَلٍ مِّنْ ذٰلِكَ فِي ظِلِّ
الْعَرْشِ اٰكِلًا شَارِبًا مُّتَنَعِّمًا فَرِحًا مَّسْرُوْرًا مُّسْتَرِيْحًا
بِصَبْرِكَ عَلٰى شَدَائِدِ الدُّنْيَا وَضِيْقِهَا وَ اٰفَاتِهَا وَ فَقْرِهَا وَ بُؤْسِهَا
وَ رِضَاكَ بِقِسْمِكَ وَمُوَافَقَتِكَ لِرَبِّكَ فِيْمَا دَرَّ وَقَضٰى مِنْ فَقْرِكَ
وَغِنَاءِ غَيْرِكَ وَسُقْمِكَ وَعَافِيَةِ غَيْرِكَ وَ شِدَّتِكَ وَ رَخَاءِ
غَيْرِكَ وَ ذُلِّكَ وَعِزِّ غَيْرِكَ جَعَلَنَا اللّٰهُ وَ اِيَّاكَ مِمَّنْ صَبَرَ
عَلَى الْبَلَاءِ وَ شَكَرَ عَلَى النَّعْمَاءِ وَ سَلَّمَ وَ فَوَّضَ الْاَمْرَ اِلٰى
رَبِّ الْاَرْضِ وَ السَّمَاءِ۔

مقالہ ۳۷

حسد کی مذمت

حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے تقدیرِ الٰہی اور قسمتِ ازل پر ایمان رکھنے والے! میں تمھیں اپنے ہمسائے[1] کے کھانے پینے، لباس، مکان، نکاح اور اس کی نعمتوں اور غنا پر حسد کرتے کیوں دیکھتا ہوں اس کی قسمت میں وہی چیزیں ہیں جو تقسیم ازلی کے اعتبار سے اس کے حصے میں آچکی ہیں[2]، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ حسد تمھارے ایمان کو کمزور کرنے والی

---

(۱) خصوصیت کے ساتھ ہمسائے کے ذکر اس لیے کیا ہے کہ حسد اکثر ہمسائے پر ہوتا ہے۔

(۲) **حسد کی مذمت** اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی پر حسد کرنا خطائے فاسد اور نادانی ہے، جیسا کہ آگے اس کی تفصیل و تشریح آرہی ہے

حسد کے معنی کسی سے نعمت کے زوال کی تمنا اور آرزو کو حسد کہتے ہیں اسے اپنے لیے طلب کرے یا نہ کرے بعض حضرات

چیزوں میں سے ایک ہے (۳) جو تجھے مولا کریم کی نظرِ عنایت سے گرا کر مبغوض بنادے گی۔ کیا تم نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی نہیں سُنا کہ "اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ حسد کرنے والا میری نعمت کا دشمن ہے" (۴)۔ اور کیا یہ حدیث بھی نہیں سُنی کہ "حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے" (۶)۔ پھر اے ضعیف الایمان اور

سے زوالِ نعمت کی طلب کے ساتھ اپنے لیے حصول کی تخصیص کی ہے لیکن یہ ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو ظالم نہیں کیونکہ ظالم کی نعمت جس سے وہ دوسروں کو تکلیف دیتا ہے کے زوال کی تمنا کرنا حسد نہیں ہے اور نہ ہی مذموم ہے اور اگر دوسرے سے زوالِ نعمت کی تمنا کیے بغیر وہی چیز اپنے لیے طلب کی جائے تو اسے حسد نہیں کہتے اسے غِبطہ (رشک) کہتے ہیں اور یہ مذموم نہیں ہے، اور اللہ تعالےٰ کے اس حکم میں داخل ہے کہ اللہ تعالےٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو۔

(۳) کیونکہ اس صفتِ مذمومہ اور اس کے ضمن میں پنہاں دیگر صفاتِ مذمومہ کی وجہ سے ظلمت طاری ہوتی ہے جس طرح کہ وضاحت کی جائے گی اور اس بات میں شک نہیں کہ اس صفتِ مذمومہ کا مبدءِ ظہور بھی یہی ضعفِ یقین اور ظلمتِ جہل ہے یقیناً ان تہ بہ تہ ظلمات کے اجتماع کی وجہ سے نورِ ایمان میں ضعف و فترت واقع ہوتا ہے۔

(۴) یعنی وہ نہیں چاہتا کہ بندوں پر میرے انعامات ہوں۔ حسود مبالغہ کا صیغہ اس لیے استعمال کیا گیا کہ حاسد میں عموماً شدّت اور مبالغہ آجاتا ہے۔

(۵) نیکیوں کے انوار و برکات کو۔

(۶) کیونکہ عمل کا قوام و اعتبار ایمان کے نور اور اس کی قوت کے اعتبار سے ہے ضعفِ ایمان کی وجہ سے نیکیوں میں سُستی اور ظلمت پیدا ہوتی ہے۔

سرمایہ فضل و رحمت سے محروم! تو کس چیز پر حسد کرتا ہے اپنے نصیب پر یا دوسرے کے نصیب پر۔ اگر تو اس بندے کے بارے میں خدا کی تقسیم پر حسد کرتا ہے جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ہے ہم نے دنیا کی زندگی کے بارے میں ان میں ان کی معیشت کو تقسیم فرمایا۔ تو اس پر ظلم کرتا ہے کیونکہ یہ آدمی تو اللہ تعالےٰ کی نعمت سے چلتا پھرتا ہے جس کی وجہ سے یہ فضیلت رکھتا ہے یہ صرف اس کے مقدر میں ہے اس میں کسی دوسرے کا حصہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس صورت میں تم سے بڑا ظالم (۷)، بخیل (۸)، احمق (۹) اور کم عقل کون ہوگا، اور اگر اپنی قسمت پر حسد کرو گے (۱۰) تو تمہاری انتہائی (۱۱) نادانی ہوگی کیونکہ تمہاری قسمت کا حصّہ کسی دوسرے کو نہیں مل سکتا اور نہ ہی اس کی طرف منتقل ہوسکتا ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ اس بات سے پاک ہے (۱۲)

---

(۷) کیونکہ حسد کرنے اور اس کی نعمت کا زوال طلب کرنے میں تجھے کوئی دخل نہیں ہے۔

(۸) کہ عطاءِ الٰہی پر تنگ نظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بخل کا مظاہرہ کرتے ہو۔

(9) کیونکہ تمہارا عمل بے فائدہ ہے اور جس کی تمنا رکھتے ہو ویسا ہونا محال ہے۔

(۱۰) یہ وہم و گمان کرتے ہوئے کہ فلاں کے پاس نعمت میرے نصیب میں تھی لیکن اسے دے دی گئی ہے یا یہ خیال کرو کہ میرا نصیب بن جائے اور مجھے مل جائے اگر اس خیال سے حسد کرو گے تو۔

(۱۱) خدا و رسول جل وعلا و صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے فرمودات سے بے خبر جاہل ہوگے کیونکہ ان کا تو فرمان ہے کہ ہر ایک کو اپنا ہی نصیب ملے گا۔

(۱۲) کہ کسی کا نصیب دوسرے کو دے دے، ایسا ہرگز نہیں کرتا۔

اس کا ارشاد ہے: "میرے نزدیک حکم تبدیل نہیں ہوتا اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہوں"[13]۔ یقین رکھو کہ اللہ تعالےٰ تم پر کبھی ظلم نہیں کرے گا کہ تمھاری قسمت اور مقدر کی چیز لے کر کسی اور کو عطا کرے۔ یہ محض تمھاری نادانی اور اپنے بھائی پر ظلم ہے[14]۔ پھر تمہیں اپنے بھائی پر حسد کرنے کی بجائے زمین پر حسد کرنا چاہیے جو کنوز و خزائن، سونا چاندی اور انواع و اقسام کے جواہر کی معدن ہے جو عاد و ثمود، قیصر و کسریٰ اور دوسرے بادشاہوں سے جمع کئے تھے[16]، تمھاری

---

(۱۳) کہ ایک کا نصیب دوسرے کو دے دوں۔ جیسا کہ آیت کی تفسیر میں ذکر فرما رہے ہیں۔

(۱۴) یہ حرف اس دوسری قسم کی طرف اشارہ بھی ہو سکتا ہے اور یہ ظلم اس لیے ہے کہ تم نے اپنے نصیب کی اس کی طرف نسبت کر کے اس پر الزام لگایا ہے۔

(۱۵) ایک اور طریقے سے حسد کی قباحت اور غیر معقولیت کی تصویر کشی کر رہے ہیں۔

(۱۶) کیونکہ اس صورت میں زمین اور تمھارا بھائی برابر ہیں، خود جناب باری تعالےٰ نے اپنی نفیس اور عمدہ مخلوقات کو سونپی ہیں اور ودیعت کر رکھی ہیں، اور اس بات میں بھی شک نہیں کہ ان چیزوں کا زمین میں ہونے کی بجائے آدمیوں کے پاس ہونا مصلحت کے زیادہ قریب اور مناسب تر ہے، زمین میں رکھے ہوئے خزانوں کا زمین کو تو کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لہٰذا بندوں سے زوالِ نعمت کی تمنّا کرنے کی بجائے زمین سے زوالِ نعمت کی تمنّا کرنا عقلی لحاظ سے اولیٰ اور اقرب ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ یہ نعمت فلاں

مثال[17] اس آدمی کی سی ہے جو پادشاہ کا غلبہ حشمت[18]، لشکرِ اراضی پر تسلّط اور خراج کے مال کے انبار جمع ہوتے دیکھتا ہے اور پادشاہ کو ہر طرح کی نعمت اور لذات و شہوات میں کامران پاتا ہے، اس کے باوجود اس پر حسد نہیں کرتا پھر ایک جنگلی کُتا[19] دیکھتا ہے جو بادشاہ کے کتوں کی خدمت کے ذریعے ان کے ساتھ صبح و شام رہتا ہے، بادشاہ کے مطبخ سے کتوں کا بچا ہوا کھانا کھا کر زندگی گزارتا ہے اور تم اس سے حسد اور عداوت کا اظہار کرتے ہوئے اس کی موت کی تمنا کرتے ہو اور اپنی خست و دنارت کی بنا

کو ملی ہے مجھے کیوں نہیں ملی۔ تو یہ اللہ تعالےٰ فاعل مختار کے ساتھ جنگ ہے وُہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، نیز اس کے کاموں کی بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ تمھاری بھلائی اسی میں ہو کہ تمھیں نہ ملے اور اس دوسرے کی بہتری نعمت کے حصول میں ہی ہو، ہمیں کیا خبر! ؎

آنکس کہ ترا توانگرت نمیگرداند
او مصلحت تو از تو بہ داند

(جو تجھے غنی نہیں کر رہا وہ تیری مصلحت کو تجھ سے بہتر جانتا ہے)

(۱۷) کہ تم زمین کے دفینوں اور خزینوں پہ حسد نہیں کرتے اور اگر کسی آدمی کے پاس تھوڑا بہت کھانے پینے اور پہننے کا سامان ہے تو حسد میں جلنے لگتے ہو۔

(۱۸) حشمت اور احتشام کے لغوی معنیٰ شرم کرنا، خود کو کھینچا ہُوا رکھنا، ہراساں ظاہر کرنا اور غصّہ کرنا ہیں۔

(۱۹) بعض نسخوں میں کلباً بریاً (جنگلی کتّا) کی بجائے کلباً زیاً (زا کے ساتھ) ہے یعنی سُرین اٹھا کر بھاگنا، جیسا کہ کتّوں کی عادت ہوتی ہے

اَلْمَقَالَةُ الثَّامِنَةُ وَالثَّلٰثُوْنَ

قَالَ رض مَنْ عَامَلَ مَوْلَاهُ بِالصِّدْقِ وَالنَّصَاحِ اِسْتَوْحَشَ
مِمَّاسِوَاهُ فِی الْمَسَاءِ وَالصَّبَاحِ یَاقَوْمُ لَا تَدَّعُوْا مَا لَیْسَ لَکُمْ وَوَحِّدُوْا
وَلَا تُشْرِکُوْا وَتُهَدِّفُوْا سِهَامَ الْقَدْرِ یُصِیْبُکُمْ خَدْشًا لَا قَتْلًا وَمَنْ
کَانَ فِی اللّٰهِ تَلَفُهٗ کَانَ عَلَی اللّٰهِ خَلَفُهٗ۔

مقالہ ۳۸

صدق و نصیحت

حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے مولا کے ساتھ سچائی اور خلوص کے ساتھ معاملہ کرلیا(۱) وہ صبح و شام ماسوی اللہ سے نفرت کرتا ہے۔ اے قوم! اس چیز کا دعویٰ نہ کرو جو تمہارے پاس موجود نہیں ہے، خدا کی وحدانیت پر یقین رکھو، دنیا و آخرت اور نفس و خلق سے کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، قضا و قدر کے تیروں کا نشانہ نہ بنو جو تمہیں صرف

---

(۱) **صدق و خلوص** خلوص یعنی جس میں ریاکاری اور شرک نہ ہو۔ اور صدق اخلاص کا خلاصہ اور مغز ہے۔ یہ اخلاص کا اول مرتبہ ہے کہ اس میں دنیا یا آخرت کی کسی غرض و عوض کا، نفس کی قوت و حول اور نفس کی طرف حرکت و سکون کی نسبت کا شائبہ تک نہیں ہے، اور اس کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ ریاء و سمعہ اور دنیاوی اغراض سے خالی ہو۔ پہلا مقربین و احرار کا مقام ہے اور دوسرا معتقدین و ابرار کا۔

زخمی کرنے کے لیے پہنچتے ہیں ہلاک کرنے کے لیے نہیں، اور اگر ہلاک ہو بھی گئے تو جو شخص خدا کی یاد طلب محبت اور اس کے دین میں ہلاک ہو جائے تو اس کا اجر و بدل اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ذمے لازم ہے۔(۲)

---

(۲) ؎ غربتے از رہِ مقصود قدم باز مکش
گر درین راہ رود جان فہو المقصود
(تم مسافر آدمی ہو مقصود سے باہر قدم نہ رکھو۔ اگر اس راہ میں جان بھی چلی جائے تو یہی مقصود ہے)

اَلْمَقَالَةُ التَّاسِعَ وَالثَّلٰثُوْنَ

قَالَ رضی اللہ عنہ اَلْاَخْذُ مَعَ وُجُوْدِ الْهَوٰى مِنْ غَيْرِ
الْاَمْرِ عِنَادٌ وَّشِقَاقٌ وَّالْاَخْذُ مَعَ عَدَمِ
الْهَوٰى وِفَاقٌ وَّاتِّفَاقٌ وَّتَرْكُهٗ رِيَاءٌ
وَّنِفَاقٌ۔

مقالہ ۳۹

وفاق، شقاق، نفاق

حضرت سرکارِ بغداد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی چیز[1] حکمِ خداوندی کے بغیر لینا گمراہی اور حق تعالیٰ کی مخالفت ہے[2]، اور خواہشات کے بغیر لینا خدا کی موافقت اور سازگاری ہے[3]۔

---

(۱) یعنی مال اور رزق بلکہ ہر وہ مذکورہ راستہ قول اور فعل اور ہر پیشہ اور کام جس میں ہوائے نفس کا دخل ہو۔

(۲) جو کہ صفائیِ وقت، صحت حال اور نورانیتِ قلب سے باطن میں پیدا ہوتا ہے جیسا کہ اولیاءِ کرام کے لیے ہوتا ہے گویا کہ یہ مع وجود الہویٰ کی تفسیر ہے۔

(۳) بعض نسخوں میں اتفاق کی جگہ انفاق بمعنی خرچ کرنا، جاری اور رائج کرنا ہے یعنی بازارِ علم و دین کو گرم کرنا اور اس کے سامان کو خرچ کرنا، اور اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے۔

اور ایسی چیز کو چھوڑ دینا ریا، اور نفاق ہے[4]۔

---

(۴) حکمِ خداوندی اور عدمِ خواہش کے باوجود چیز نہ لینا مخلوق کو منظورِ نظر رکھنا اور دکھانا مقصود ہے کہ لوگ امرِ حق اور عدمِ خواہش پر مطلع نہیں ہیں شاید کہ یہ کہہ دیں اس کے امرِ حق کے بغیر اپنی خواہش سے یہ چیز لے لی ہے اور یہ نفاق بھی ہے اور صدق و اخلاص کا حلیہ بگاڑنا ہے۔ طالب صادق کو چاہیے کہ جب صحیح نیت کی دولت میسر آجائے تو لوگوں کی باتوں اور ملامتوں کا خیال کیے بغیر کام میں مصروف ہو جائے چہ جائیکہ اس کے ساتھ امر بھی ہو جائے۔

کارِ جامی عشقِ خوبانست ہر سو عالمی
میکنند انکار و او ہم چناں در کار خویش

(جامی کا کام حسینوں سے عشق بازی ہے جبکہ پورا جہان ہر طرف سے انکار کر رہا ہے اور یہ اس طرح اپنے کام کی دھن میں ہے)

المقالة الاربعون

قال رض لا تطمع ان تدخل في زمرة الروحانيين حتى تعادي
جملتك وتباين جميع الجوارح والاعضاء وتنفرد عن وجودك و
حركاتك وسكناتك وسمعك وبصرك وكلامك وبطشك و
سعيك وعملك وعقلك وجميع ما كان منك قبل وجود الروح
فيك وما اوجد فيك بعد نفخ الروح لان جميع ذلك حجابك
عن ربك فاذا صرت روحا منفردة سر السر وغيب الغيب
مباينا للاشياء في سرك جدا متخذا للكل عدوا وحجابا وظلمة كما
قال ابراهيم الخليل عليه السلام فانهم عدو لي الا
رب العلمين وقال ذلك للاصنام فاجعل انت جملتك واجزاءك
اصناما مع سائر الخلق ولا تطع شيئا من ذلك ولا تتبعه
جملة فح تؤمن على الاسرار والعلوم اللدنية وغرائبها و
يرد عليك التكوين وخرق العادات التي هي من قبيل القدرة
التي تكون للمؤمنين في الجنة فتكون في هذه الحالة كانك
احييت بعد الموت في الاخرة فتكون كليتك قدرة تسمع
بالله وتبصر بالله وتنطق بالله وتبطش بالله وتسعى بالله

وتعقل بالله وتطمئن وتسكن بالله فتعمى عما سواه وتصم
عنه فلا ترى لغيره وجودا مع حفظ الحدود ولزوم الاوامر
والنواهي فان انخرم فيك شيء من الحدود فاعلم انك مفتون
متلاعبة بك الشياطين فارجع الى حكم الشرع والزمه ودع
عنك الهوس كل حقيقة لا يشهد لها الشرع فهي زندقة -

مقالہ ۴۰

رُوحانی لوگوں میں داخلے کا طریقہ

حضرت شاہِ جیلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب تک سارے احکامِ بشریت اور صفاتِ جسمانیت کے مخالف، اپنے اعضاء و جوارح(۱) سے جُدا، اپنے وجود، حرکات و سکنات، سُننے دیکھنے، بولنے(۲)، پکڑنے، سعی(۳) اور عمل سے تنہا نہ ہو جاؤ۔

---

(۱) اپنے اعضاء کے معصیت کے ارتکاب اور مرضیِ مولیٰ کے خلاف کام کرنے میں ان سے جُدا رہو۔ اہلِ تصوف و طریقت کی زبان میں ان اعضاء آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں، پیٹ اور فرج کو ہفت اندام کہتے ہیں۔ ان کو معصیت سے بچانا اور اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اطاعت میں لگانا واجب ہے۔

(۲) یعنی جو سننے، دیکھنے اور بولنے کے قابل نہیں انہیں مت سُنو، مت دیکھو اور مت بولو۔

(۳) بطش کے لغوی معنی حملہ کرنا اور سختی سے پکڑنا۔ سعی کا معنی ہے دوڑنا اور تیز چلنا۔ لیکن یہاں مطلق پکڑنا اور چلنا مراد ہے۔ مگر بطش اور

روحانی(۴) لوگوں کی جماعت میں داخل ہونے کی امید نہ رکھو ان(۵) میں داخل ہونے کے لیے اپنی عقل(۶)، رُوح پھونکے جانے سے قبل کی اشیاء، اور نفخِ رُوح کے بعد

سعی کا ذکر اس لیے کیا کہ عموماً جس کام میں نفس کی ہوا اور خواہش کا دخل ہو اس میں شدتِ میلان اور رغبت کی وجہ سے سختی اور تیزی آجاتی ہے اور اطاعت میں نفس اپنی خاصیت کے پیشِ نظر سُست رہتا ہے۔ چنانچہ آیۂ کریمہ لها ماكسبت وعليها مااكتسبت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

(۴) روحانی حضرات وُہ ہیں جو بشری قیود اور جسمانی کدورتوں سے پاک و صاف ہو کر احکامِ روح اور صفاتِ ملکیت سے متصف ہو چکے ہیں بلکہ وہ تو رُوح کی صفات اور جمیع ماسوا سے فانی اور جُدا ہو کر مجرد رُوح بن چکے ہیں۔

(۵) اس سے پہلے تقویٰ کا بیان تھا کہ متقی کے لیے اپنے اعضا اور حواس کو نامناسب افعال سے محفوظ رکھتا ہے اور یہاں دوسرے مرتبے کا ذکر ہو رہا ہے جس میں اوامر کی بجاآوری اور منہیات سے پرہیز کے بعد دل کے خطروں کا راستہ اپنایا جاتا ہے اور ارادہ و اندیشہ حق تعالیٰ میں منحصر ہو جاتا ہے۔

(۶) عقل و دانش سے علیحدگی اس لیے ضروری ہے تاکہ حق تعالیٰ کا پسندیدہ اور ماسوا سے تعلق رکھنے کا کوئی خطرہ اور اندیشہ راہ نہ پا سکے اس کے بعد تعمیم اور حکمِ کلی ذکر کر رہے ہیں کہ نفخِ روح سے پہلے کی چیزوں یعنی اعضاء و جوارح اور بعد کی چیزوں یعنی عقل و حواس سے مجرد ہونا ہوگا کیونکہ ان تمام کا تعلق بشری تقاضوں کے ساتھ ہے۔

پیدا ہونے والی چیزوں سے علیحدہ ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ سب اشیاء ربِ کریم کے قرب سے حجاب بنتی ہیں۔ جب تم خالص رُوح بن گئے تو "سِرّ السّر اور غیب الغیب" بن جاؤ گے[8] اور اپنے اسرار میں ہر شے سے علیحدہ[9] ہو کر اس کو دشمن اور ظلمت و حجاب جاننے لگو گے"[10]۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ بت میرے دشمن ہیں

---

(۷) کہ صفاتِ رُوحانی و جسمانی سے مجرد علائق صوری و معنوی سے معرا ہو گئے کیونکہ جس طرح جسم اور جسمانیات حجاب ہیں اسی طرح رُوح اور صفاتِ رُوح بھی یہی حکم رکھتی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ پہلا حجاب ظلمانی اور جسمانی ہے اور دوسرا نورانی و روحانی ہے۔ حدیث پاک میں ہے: اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ ظُلْمَةٍ وَّنُوْرٍ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نور و ظلمت کے ستّر ہزار حجابات ہیں

(۸) یعنی اللہ تعالیٰ کے مراقبۂ حضور میں اغیار کی نظروں سے مکمل طور پر پنہاں ہو جاؤ گے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ مرتبۂ سِرّ السر یعنی خفی اور اخفی پر فائز ہو کر غیبِ ہویت و ذات میں فانی ہو جاؤ گے۔

(۹) البتہ ذاتِ حق تعالیٰ کے ساتھ اسرار اور مقربین کا اتصال دائمی ہے روح اگرچہ محبت کا محل ہے مگر کبھی کبھی قلب و نفس سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور صوفیاءِ کرام کا یہ اختلاف کہ نسبت میں دوام ہے یا نہیں اسی معنی پر محمول ہے۔

مقربین کے دائمی اتصال اور رُوح کا مرکزِ محبت ہونے کے باوجود ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ اتصالِ سِرّ کی بنا پر روح کبھی نفس و قلب سے جُدا ہو جاتی ہے۔ صوفیاءِ کرام کا نسبت کے دوام اور عدمِ دوام کا اختلاف اسی معنیٰ پر محمول ہے۔

(۱۰) کہ مطلوب کے چہرے پر پردہ جمالِ محبوب کی دید سے مانع ہے۔

مگر پروردگارِ عالم میرا دوست ہے۔ اسی طرح تم وجود کے تمام اجزاء اور تمام مخلوق کو بُت تصوّر کر کے ان میں سے ہرگز کسی کی اطاعت اور پیروی نہ کرو[11] تو اس وقت تمہیں علومِ لدنّی[12] اور اسرار و غرائب کا امین بنا دیا جائیگا تکوین اور خرقِ عادات کی طرح کے امور تمہیں سونپ دیے جائیں گے جو قدرتِ الٰہی کے قبیل سے ہیں اور وہ اہلِ ایمان کو جنت میں ملے گی"[13]، پھر تمھاری

---

(۱۱) ان کی اطاعت اور پیروی کا مطلب یہ ہے کہ ذاتِ باری تعالےٰ اور اس کی اطاعت و رضا کے بغیر ان کے ساتھ تعلق قائم کرنا۔

(۱۲) کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے کسب و تعلق کے بغیر کشف و الہام حاصل ہوں گے ؎

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند
گر نہ بینی سرِّ ہا بر ما بخند

(آنکھ، کان اور لب بند رکھنے کے بعد اسرار حاصل نہ ہوں تو
تمھیں ہماری ہنسی اڑانے کا حق حاصل ہے)

(۱۳) **عادت اور خرقِ عادت** عادت کا معنی ہے اشیاء کی اسباب کے توسط سے ایجاد کرنا جیسا کہ آدمی کھانے کے بغیر سیر نہیں ہوتا اور چلنے کے بغیر منزلِ مقصود تک نہیں پہنچتا۔ اور خرقِ عادت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی امر سبب کے بغیر وجود میں آ جائے۔ چونکہ اولیاءِ کرام نفس کی عادات اور مخلوقات کی رسومات سے چھُوٹ چکے ہیں اور بشری عجز کی تنگی سے نکل کر حق تعالیٰ کی قضا و قدرت تک رسائی حاصل کر چکے ہیں انھیں یہ مرتبہ و مقام حاصل ہوتا ہے کہ

یہ حالت ہو گی جیسے تمھیں مرنے کے بعد دوبارہ آخرت میں زندہ کیا گیا ہے[۱۴] اور تمھارا سارا وجود اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر بلکہ عین قدرت بن جائے گا۔ تم خدا کے ساتھ سُنو گے، اسی کے ساتھ دیکھو گے بولو گے، اسی کے ساتھ پکڑو گے، اسی کے ساتھ چلو گے، اسی کے ساتھ غور و فکر کرو گے اور اسی سے اطمینان اور سکون حاصل کرو گے۔[۱۵] خدا کے ماسوا ہر چیز سے اندھے

اسباب کے بغیر ان کے ہاتھوں یہ امور پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ خرقِ عادت کا تعلق اس قدرت کے ساتھ ہے جو بہشت میں تمام مومنوں کو حاصل ہو گی کیونکہ وہ عالم قدرت ہے اور ایجاد میں قدرت آشکارا ہوتی ہے اور حکمت پنہاں ہوتی اور اس جہان میں اس کا عکس ہے کہ قدرت حکمت میں پنہاں ہے۔ کاملین عادات و رسوم سے مکمل جُدا اور فانی ہونے کی وجہ سے آج ہی بہشت میں موجودگی کی قید سے آزاد ہو کر اسم "القدیر" کی تجلی کا مظہر بن چکے ہیں، اصطلاح میں ایسے شخص کو عبدالقادر کہتے ہیں۔

(۱۴) کہ تم موت ارادی اور اس جہان کے احکام و رسوم سے چھوٹ کر مُردہ بن کر عالم آخرت میں جا چکے ہو۔

(۱۵) یعنی تمام امور میں اور تمام چیزوں میں تمھاری نظرِ شہود میں اللہ تعالیٰ اور اس کی قیومیت کے سوا کوئی چیز موجود نہیں ہو گی اور تم خود فانی مطلق بن چکے ہو گے۔

بی یبصر بی یسمع بی یبطش بی یمشی
سر لیست لبسی غامض تدریہ ولا تغشی

(حدیث قدسی میں وارد کہ بندہ میرے ساتھ دیکھتا، سنتا، پکڑتا اور چلتا ہے یہ انتہائی مخفی راز ہے اسے معلوم کر لو اسے اوجھل نہ رہنے دو)

اور بہرے ہو جاؤ گے۔ حق تعالیٰ کے سوا کسی کا وجود دیکھ نہیں سکو گے۔[۱۶]

---

(۱۶) اور اپنی نظرِ شہود سے باقی سب کو ساقط کر دو گے

رفت او ز میان ہمیں خدا ماند خدا
الفقر اذا تم فہو اللہ اینست

(بندہ درمیان سے اُٹھ گیا تو بس خدا ہی خدا رہ گیا، فقر جب مکمل ہو گیا تو وہ اللہ ہے' کا یہی معنیٰ ہے)

تو او نشوی ولے اگر جہد کنی
جائے برسی کز تو توئی برخیزد

(تم بعینہٖ خدا تو نہیں بن سکتے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ کوشش کے ذریعے تم ایسے مقام پہ پہنچ سکتے ہو کہ تمھارا وجود درمیان سے اٹھ جائے گا)

مقامِ فنا فی التوحید

فنا فی التوحید کا مقام یہ ہے کہ بندے کی ذات اور اس کا وجود اور صفات فانی ہو جائیں اس کی نظرِ شہود میں اللہ تعالیٰ اور اس کی ذات و صفات کے سوا کچھ نہ رہے۔ یہ مراتب قُرب و توحید میں سب سے بلند اور اکمل و اعلیٰ مرتبہ ہے اور تمام مراتب اور اس کی اقسام کو شامل و جامع ہے۔ بعض متاخرین صوفیا نے مراتب قرب کی چار قسمیں بیان کی ہیں:

(۱) قربِ نوافل: کہتے ہیں کہ اس میں فاعل بندہ ہے اور حق آلہ۔ یعنی بندہ کا اس میں شہود اس طرح ہوتا ہے کہ انا کا اشارہ جوہر ذات کی طرف ہوتا ہے لیکن اپنی فاعلیت کا شہود نظروں سے ساقط ہوتا ہے

اس حالت کا صحیح طور پر اعتبار اس وقت ہوگا جب اس کے ساتھ حدود شرعیہ

یہ فناءِ صفات کا مرتبہ ہے جو نفلی عبادات اور حق تعالےٰ کی مرضیات پر مداومت و مواظبت سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جب بندہ نفلوں پر ہمیشگی کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے تو میں اسے اپنا دوست بنا لیتا ہوں پھر میں اس کے کان، آنکھ اور تمام اعضاء بن جاتا ہوں اور وہ بندہ میرے ساتھ سنتا اور دیکھتا ہے۔ صوفیاءِ کرام بی یسمع و بی تبصر کو اسی معنی پر حمل کرتے ہیں۔

(۱۱) مرتبہ قرب فرائض: کہ فرائض کی بجا آوری سے یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ یہ بھی اسی حدیث کے سباق سے معلوم ہوتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس مرتبہ میں حق تعالےٰ فاعل ہے اور بندہ آلہ، یہ فناءِ ذات کا مقام ہے، حدیث شریف:

اِنَّ الْحَقَّ یَنْطِقُ بِلِسَانِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔	بیشک عمر کی زبان پر حق بولتا ہے رضی اللہ عنہ۔

کے الفاظ کا اسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۲) اس سے اوپر کا مرتبہ ان دونوں مرتبوں کا جامع ہے اور آیہ کریمہ:

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللہَ رَمٰی۔

کا اسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔

کی حفاظت اور اوامر و نواہی کی پابندی بھی ہوگی اگر ان میں سے کوئی چیز

---

(۱۳) یہ مقاماتِ قرب میں سب سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس میں بندے کا شہود فاعلیت یا آلہ میں سے کسی کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ اس مقام کی نیابت و کمال سید السادات خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ خلافت و اتحاد کا مقام ہے آیہ کریمہ:

وَاِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللہَ۔

اور:

یَدُ اللہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔

اور:

وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللہَ۔

اسی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ یہ متاخرین صوفیاء کی جدید اصطلاح ہے اور حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا اجمالی طور پر مطلق مقامِ قرب کی طرف اشارہ ہے اس میں اس تقسیم کا لحاظ نہیں ہے اور کسی قسم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، جیسا کہ صوفیائے کرام نے اس کا قرب نوافل نام رکھا ہے جیسا کہ بی یبصر و بی یسمع کا مفہوم صریح ہے اور اس قسم میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس کا معنی حصول فنا اور توحید ہے اسی لیے فلا تری لغیرہ وجوداً کہ غیر کا وجود تک نہ دیکھو گے، کو اس پر مترتب کیا ہے اس سے بلند اور کون سا مقام ہو سکتا ہے۔ حدیث پاک کے الفاظ

گم ہوگئی تو جان لینا کہ تمھیں فتنے میں ڈال دیا گیا ہے(۱۷) اور شیاطین تمہارے ساتھ کھیل رہے ہیں(۱۸)۔ چنانچہ تم اسی وقت شرعی حکم کی طرف رجوع کرو اور کبھی اس سے جدا نہ ہو اور ہوا و ہوس(۱۹) کو چھوڑ دو۔ جس حقیقت پر شریعت گواہ نہ بنے اور اسے ثابت نہ کرے تو وہ حقیقت زندقہ ہے(۲۰)

عمل نوافل کے اختصاص پر نص نہیں ہیں بلکہ وہ تو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جب فرائض کی نوافل کے ساتھ تتمیم و تکمیل ہو گی تو یہ مقام عطا کیا جائے گا جیسا کہ حدیث کے سیاق و سباق سے ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا یہ وہم نہیں ہونا چاہیئے کہ حضرت سرکار بغداد کے کلام میں کل فنا کا ذکر نہیں ہے بلکہ مرتبہ فنا کا کچھ حصہ بیان ہوا ہے اور یہ ادنی مرتبہ ہے اسے سمجھ لو اور اللہ تعالٰی ہی سے توفیق ملتی ہے۔

(۱۷) تمھاری عقل زائل اور راستہ گم ہو چکا ہے۔

(۱۸) طرح طرح کے وہم و خیال پیدا کر کے معصیت کے بھنور میں گرا رہے ہیں اور شریعت کے پردے ہٹا کر نفس و طبیعت کے گڑھے میں پھینک رہے ہیں۔

(۱۹) لغات کی کتابوں میں ہوس کو جنون کی ایک کیفیت بتایا گیا ہے۔

(۲۰) جس حقیقت پر شریعت گواہ نہ بنے وہ زندقہ ہے

یعنی کفر و الحاد، دین و آخرت کا انکار اور احکام ربوبیت کی نفی ہے۔ واضح ہو کہ حقیقت شریعت کے مباین یا مخالف نہیں ہے بلکہ یہ شریعت کی حقیقت ہے کہ جس پر ایمان ہوتا ہے اصحاب حقیقت اسے سامنے

دیکھ لیتے ہیں اور اس کی حقیقت پر پہنچ جاتے ہیں۔ اگر کسی کو شریعت کے خلاف کسی چیز کا کشف ہو تو وہ جھوٹ اور باطل ہے، اس پر اعتقاد کرنے والا کافر ہو جائے گا۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بہت دفعہ مواجید کا کوئی نکتہ میرے سامنے آکر اپنے حسن و جمال کا جلوہ دکھاتا ہے تاکہ میں اسے قبول کر لوں، لیکن میں کہتا ہوں کہ اپنی سچائی پر دو گواہ پیش کرو گے تو قبول کروں گا ورنہ نہیں۔ وہ دو گواہ کتاب اللہ اور سنت رسول علیہ الصلاۃ والسلام ہے۔ جاننا چاہیے کہ حدود شریعت کی محافظت کے ساتھ توحید کا مشاہدہ اہل تحقیق صدیقین اور عارفین کا مقام ہے۔ بعض حضرات کو یہاں پہنچ کر فقط حیرانی اور سراسیمگی میسر آتی ہے اور بعض حضرات دائرہ اسلام سے نکل جاتے ہیں اور دین سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، اور کہتے یہ ہیں کہ جب توحید مل گئی تو شریعت کی کیا ضرورت ہے، اور بعض یوں کہتے ہیں کہ ہاں شریعت کی اس لیے ضرورت ہے مخلوق کی نگہبانی و پاسبانی ہوتی رہے اور یہ آباد کاری کا سلسلہ چلتا رہے اور بعض کے حال سے یہی معلوم ہوتا ہے مگر بظاہر وہ اپنے متبعین کو حدود شریعت کی حفاظت کی وصیت کرتے ہیں اس سے ان کا مقصود یہی ہوتا ہے اور داد اقتدا دیتے ہیں ورنہ ضروری نہیں جانتے اور اگر یہ بات نہ ہو تو وہ شریعت کو اس قدر بھی ضروری نہ سمجھتے۔ حاشا و کلا ہم ایسی زلت و ضلالت کی باتوں سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں۔ اور ایک جماعت خود کو لباس تحقیق میں پیش کرتے ہوئے حفظ مراتب شرط قرار دیتی ہے ؎

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

(اگر حفظِ مراتب نہ کرو گے تو زندیقی قرار پاؤ گے)

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ شریعت وجود کے شیونات و اعتبارات سے ہے۔ یہ بات وحدت الوجود والوں کی اصطلاح کے مطابق درست ہے۔ مگر یہ لوگ زبانِ شریعت اور عرفِ دین سے ناآشنا ہیں۔ جو دین شارع علیہ السلام سے ہم تک پہنچا ہے وہ یہ شریعت ہی ہے اس کے اوامر و نواہی اور ثبوت و حقانیت میں جب کسی قسم کے تردد کی گنجائش ہی نہیں تو اس قسم کی توجیہات و عادات کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شریعت مستقل بالذات اور اصل ہے۔ اگر بالفرض توحید نہ ہوگی تو کمال فوت ہو جائے گا، اور اگر شریعت نہ ہو تو ایمان زائل ہو جائے گا اور میں توحید کو ایک حال قرار دیتا ہوں۔ واقع کے اعتبار سے اس کا ایک وجود ہے۔ لیکن یہ جو عوام الناس یاوہ گوئی کرتے ہیں ایمان و عمل صالح کے زیور سے آراستہ ہوئے بغیر محض تقلید سے اعتقاد رکھتے ہیں یہ بجائے خود عین زندقہ و الحاد ہے ؎

(۱) در کسوت خاص آمد عامی چند
بدنام کنندۂ نکو نامی چند

(۲) سخنِ وحدت آنکہ از عامی
زان چہ خیزد بغیر بدنامی

(۱۔ خاصوں کے لباس میں چند عام آدمیوں نے آ کر کتنے ہی نیک نام لوگوں کو بدنام کیا۔

۲۔ اگر عام آدمی وحدت الوجود کی بات کرے گا تو اس سے بدنامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا)

توحید ایک حالت ہے جو شریعت پر عمل اور اس کی اتباع کی وجہ سے باطن میں ایک نورانیت پیدا ہوتی ہے جس کے ساتھ یہ چیز دکھائی دیتی ہے ایسا کام کرنا چاہئے جس میں مسلمانوں کا اعتقاد اور شریعت باہم یکجا ہوں۔ اور توحید کو اس طرح سمجھنا چاہئے کہ شریعت کے منافی نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ شریعت کو توحید کے تابع کرتے ہوئے تذبذب کے بھنور میں گر کر توجیہات کا سلسلہ شروع کر دے کیونکہ اصل کو فرع کے تابع کرنا وضع اور انصاف کے خلاف ہے۔ لہٰذا توحید میں توجیہ کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ شریعت میں۔ ایک شخص نے حضرت خواجہ چشت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں عرض کیا ہماری گردنوں پر شریعت کا بوجھ بڑا عجیب لگتا ہے۔ آپ نے فرمایا گردن پر بوجھ تو توحید کا ہے نہ کہ شریعت کا۔ کیونکہ شریعت اصلِ دین اور بالذات ہے۔

خلاصۂ کلام: دین ایک ہی ہے، شریعت طریقت اور حقیقت اس کی شاخیں، مرتبے اور درجے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور وہی سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

المقالة الحادية والاربعون

قَالَ رضـ نَضْرِبُ لَكَ مَثَلًا فِي الْغِنَى فَنَقُولُ اَلَا تَرَى الْمَلِكَ يُوَلِّي
رَجُلًا مِّنَ الْعَوَامِّ وَيُعْطِي لَهُ وِلَايَةً عَلَى بَلْدَةٍ مِّنَ الْبِلَادِ وَيَخْلَعُ
عَلَيْهِ وَيَعْقِدُ لَهُ اَلْوِيَةً وَرَايَاتٍ وَيُعْطِيهِ الْكُوسَ وَالطَّبْلَ وَالْجُنْدَ
فَيَكُونُ عَلَى ذٰلِكَ بُرْهَةً مِّنَ الزَّمَانِ حَتّٰى اِذَا اطْمَئَنَّ اِلٰى ذٰلِكَ وَ
اعْتَقَدَ بَقَاءَهُ وَثَبَاتَهُ وَعَجِبَ بِهٖ وَنَسِيَ حَالَتَهُ الْاُوْلٰى وَنُقْصَانَهُ
وَذُلَّهُ وَفَقْرَهُ وَخُمُولَهُ وَدَاخَلَتْهُ النَّخْوَةُ وَالْكِبْرِيَاءُ جَاءَهُ
الْعَزْلُ مِنَ الْمَلِكِ فِي اَسْرَعِ مَا كَانَ مِنْ اَمْرِهٖ ثُمَّ طَالَبَهُ الْمَلِكُ
بِجَرَائِمَ صَنَعَهَا وَتَعَدّٰى اَمْرَهُ وَنَهْيَهُ فِيهَا فَحَبَسَهُ فِي اَضْيَقِ
الْحُبُوسِ وَاَشَدِّهَا وَطَالَ حَبْسُهُ وَدَامَ ضُرُّهُ وَذُلُّهُ وَفَقْرُهُ وَ
ذَابَتْ نَخْوَتُهُ وَكِبْرِيَاؤُهُ وَانْكَسَرَتْ نَفْسُهُ وَخَمَدَتْ نَائِرَةُ هَوَاهُ
وَكُلُّ ذٰلِكَ بِعَيْنِ الْمَلِكِ وَعِلْمِهٖ ثُمَّ تَعَطَّفَ الْمَلِكُ عَلَيْهِ
فَنَظَرَهُ بِعَيْنِ الرَّأْفَةِ وَالرَّحْمَةِ فَاَمَرَ بِاِخْرَاجِهٖ مِنَ الْحَبْسِ
وَالْاِحْسَانِ اِلَيْهِ وَالْخِلْعَةِ عَلَيْهِ وَرَدِّ الْوِلَايَةِ اِلَيْهِ وَمِثْلِهَا مَعَهَا
وَجَعَلَهَا مَوْهِبَةً فَدَامَتْ لَهُ وَبَقِيَتْ مُصَفَّاةً مُكَفَّاةً مُهَنَّاةً
فَذٰلِكَ الْمُؤْمِنُ اِذَا قَرَّبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَيْهِ وَاجْتَبَاهُ فَتَحَ تُبَالَهُ

عَيْنَ قَلْبِهٖ وَبَابَ الرَّحْمَةِ وَالْمِنَّةِ وَالْاِنْعَامِ فَيَرٰى بِقَلْبِهٖ مَا لَا عَيْنٌ
رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ مِّنْ مُّطَالَعَةِ الْغُيُوبِ
مِنْ مَّلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَتَقْرِيبٍ وَكَلَامٍ لَذِيذٍ لَطِيفٍ وَ
وَعْدٍ جَمِيلٍ وَدَلَالٍ وَاِجَابَةِ دُعَاءٍ وَتَصْدِيقٍ وَوَعْدٍ وَفَائِهٖ وَكَلِمَاتِ
حِكْمَةٍ تُرْمٰى اِلٰى قَلْبِهٖ قَذْفًا مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ فَتَظْهَرُ عَلٰى
لِسَانِهٖ وَمَعَ ذٰلِكَ يُسْبِغُ عَلَيْهِ ظَاهِرًا عَلٰى جَسَدِهٖ وَ
جَوَارِحِهٖ فِي الْمَاكُوْلِ وَالْمَشْرُوْبِ وَالْمَلْبُوْسِ وَالْمَنْكُوْحِ الْحَلَالِ
وَالْمُبَاحِ وَحِفْظِ الْحُدُوْدِ وَالْعِبَادَاتِ الظَّاهِرَةِ فَيُدِيْمُ اللّٰهُ
ذٰلِكَ لِعَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ الْمَجْذُوْبِ بُرْهَةً مِّنَ الزَّمَانِ حَتّٰى
اِطْمَأَنَّ الْعَبْدُ اِلٰى ذٰلِكَ وَاغْتَرَّ بِهٖ وَاعْتَقَدَ دَوَامَهُ فَتَحَ اللّٰهُ
عَلَيْهِ اَبْوَابَ الْبَلَاءِ وَاَنْوَاعَ الْمِحَنِ فِي النَّفْسِ وَالْمَالِ وَالْاَهْلِ
وَالْوَلَدِ فَيَنْقَطِعُ عَنْهُ جَمِيعُ مَا كَانَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ مِنْ
قَبْلُ فَيَبْقٰى مُتَحَيِّرًا حَسِيرًا مُنْكَسِرًا مَقْطُوْعًا بِهٖ اِنْ نَظَرَ اِلٰى
ظَاهِرِهٖ رَاٰى بِهٖ مَا يَسُوْءُهُ وَاِنْ نَظَرَ اِلٰى قَلْبِهٖ وَبَاطِنِهٖ رَاٰى
مَا يُحْزِنُهُ وَاِنْ سَأَلَ اللّٰهَ كَشْفَ مَا بِهٖ مِنَ الضُّرِّ لَمْ يَرَ
اِجَابَةً وَاِنْ طَلَبَ وَعْدًا جَمِيْلًا ـ لَمْ يَجِدْهُ سَرِيْعًا وَاِنْ
وُعِدَ لَمْ بِشَيْءٍ يَعْثُرْ عَلَى الْوَفَاءِ وَاِنْ رَاٰى رُؤْيَا يَظْفَرْ بِتَعْبِيْرِهَا
وَتَصْدِيْقِهَا وَاِنْ رَامَ الرُّجُوْعَ اِلَى الْخَلْقِ لَمْ يَجِدْ اِلٰى
ذٰلِكَ سَبِيْلًا وَاِنْ ظَهَرَتْ لَهُ رُخْصَةٌ فِي ذٰلِكَ فَعَمِلَ بِهَا
تَسَارَعَتِ الْعُقُوْبَاتُ بِنَحْوِهٖ وَتَسَلَّطَتْ اَيْدِي الْخَلْقِ عَلٰى
جِسْمِهٖ وَاَلْسِنَتُهُمْ عَلٰى عِرْضِهٖ وَاِنْ طَلَبَ الْاِقَالَةَ مِمَّا قَدْ

ادخل فيه من الحالة الاولة قبل الاجتباء لم يقل وان
طلب الرضاء والطيبة والتنعم بما به من البلاء لم يعط فيه
تاخذ النفس في الذوبان والهوى في الزوال والارادة والاماني
في الرحيل والاكوان في التلاشي فيدام له ذلك بل يزاد
تشديدا وعسرا وتاكيدا حتى اذا فني العبد من اخلاق
الانسانية وصفات البشرية فبقي روحا فقط يسمع نداء في
باطنه اركض برجلك هذا مغتسل بارد وشراب كما قيل
لايوب عليه السلام فامطر الله على قلبه بحار رحمته و
رافته ولطفه ومنته فاحياه بروحه وطيب معرفته ودقائق
علومه وفتح عليه ابواب نعمه ودلاله واطلق الايدي
اليه بالبذل والعطاء والخدمة في سائر الاحوال والالسن
بالحمد والثناء والذكر الطيب في جميع المحال والارجل
بالرحال وذلل له الرقاب وسخر له الملوك والارباب
واسبغ عليه نعمه ظاهرة وباطنة وتولى تربية ظاهره
بخلقه ونعمه واستاثر تربية باطنه بلطفه وكرمه وادام
له ذلك الى اللقاء ثم يدخله فيما لا عين رأت ولا اذن سمعت
ولا خطر على قلب بشر كما قال فلا تعلم نفس ما اخفي لهم
من قرة اعين جزاء بما كانوا يعملون۔

مقالہ ۴۱

غنا اور اس کی کیفیت

حضرت شاہ جیلانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اے طالب! ہم تونگری کی ایک مثال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم نے اس بادشاہ کو نہیں دیکھا جس نے عوام الناس میں سے کسی آدمی کو شہر کی حکومت سونپی اس کو خلعت سے نوازا، اس کے لیے چھوٹے اور بڑے پرچم بلند کیے، نقارہ، طبل اور لشکر عطا کیا۔ ایک طویل مدت تک وہ اس منصب پر رہنے کے بعد سمجھا کہ یہ سب کچھ دائمی ہے۔ خود پسندی کا شکار ہو کر مفلسی، بے قدری، ذلت و فقر اور گمنامی کی پہلی حالت بھول بیٹھا۔ اس کے نفس میں کبر و نخوت آ گئی۔ اس خوش وقتی میں بادشاہ کی طرف سے معزولی کا حکم[1] آ گیا، پھر بادشاہی کا امر و نہی میں تجاوز کرنے پر اور دوسرے بڑوں کے ارتکاب پر محاسبہ کیا گیا، اس کی سزا میں انتہائی تنگ و تاریک قید خانے

---

(۱) جیسا کہ آیہ کریمہ کا مضمون ہے، حَتّٰی اِذَا فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوْا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً۔

میں طویل مدت کے لیے محبوس کر دیا۔ اس کی تکلیف[۲] اور ذلت و فقر نے دوام پکڑ لیا یہاں تک کہ اس کا کبر و نخوت جاتا رہا۔ اس کا نفس شکستہ اور خواہشات کی آگ سرد ہوگئی۔ یہ تمام معاملہ بادشاہ کے سامنے ہوا[۳]۔ پھر وہ اس پر رحمت رافت کی نظر کرتے ہوئے قید خانے سے نکالنے، اس کے ساتھ احسان کرنے، اسے خلعت عطا کرنے اور اسے پہلی حکومت اور اس کی مثل اور حکومت دینے کا حکم دیتا ہے اور یہ اسے ہبہ کر دیتا ہے[۴] اور یہ ولایت اس کے پاس دائمی طور پر صاف[۵] باکفایت اور خوشگوار[۶] انداز میں مل جائے۔ بالکل یہی حالت

---

(۲) بعض نسخوں میں ضُرُّ بمعنے گزند و زیان کی جگہ مَضَرُّہٗ ہے۔ مَاضِر کڑوے دودھ کو کہتے ہیں جو زبان پکڑ لیتا ہے بمعنے تلخیٔ عیش، اور بعض نسخوں میں صَبِرُہٗ ہے کہ اس کے صبر نے دوام پکڑ لیا۔

(۳) یعنی بادشاہ اس سارے معاملے کو دیکھتا تھا اور اس سے باخبر تھا لیکن اس کے وقت کی اصلاح اور حال کا علاج اس میں تھا اس لیے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

(۴) کہ سابقہ حقوق طلب نہیں کرتا گناہوں اور تقصیروں سے مکمل طور پر صرفِ نظر کرتا ہے اور دیگر نعمتوں سے بھی نوازتا ہے۔

(۵) کہ وہ نفس و ہوا اور نخوت و غرور کی کدورتوں اور رذائل سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔

(۶) مُهَنَّاۃ کا ایک معنیٰ ہے خوشگوار۔ اور اگر یہ تہنیت سے مشتق ہو تو اس کا معنیٰ ہوگا "مبارک باد" دیا گیا۔

(۷) مزید توضیح کے لیے اس مثال کو ممثل پر منطبق کر رہے ہیں۔

ایک مومن کی ہے اللہ تعالیٰ جب اسے اپنا مقرب اور نعمت و کرامت کے ساتھ برگزیدہ بنا لیتا ہے تو اس کے دل کی نگاہ پر اپنی رحمت اور فضل و احسان کے دروازے کھول دیتا ہے وہ ایسی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوتا ہے نہ کسی کان نے سنا ہوتا ہے اور نہ ہی کسی انسان نے اس کے متعلق تصور کیا ہوتا ہے[۸]۔ یہ انسان غیبی امور اور زمین و آسمان کی عجیب و غریب چیزوں کو دیکھتا ہے[۹]۔ اسے قربِ خداوندی کی منزل ملتی ہے لذیذ و لطیف کلام، وعدۂ جمیل، محبوبیت[۱۰]، اجابتِ دعا، تصدیق[۱۱]، ایفائے عہد[۱۲] اور کلماتِ حکمت اس کے دل پر

---

(۸) جیسا کہ جنتی نعمتوں کے متعلق یہ بات وارد ہے مگر جنت میں حسی نعمتیں کھانے پینے اور نکاح کا سامان اور معنوی نعمتیں دونوں ہوں گی اور یہاں عارف کے دل پر وارد ہونے والے اقوال و معارف اور معانی مراد ہیں۔

(۹) کیونکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے افعال کے آثار کا مظہر ہیں ملکوت مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی عظیم ملک۔

(۱۰) خدا کی طرف سے یا اس کی طرف سے۔

(۱۱) کہ جو کچھ یہ مومن کہتا ہے اللہ تعالیٰ پورا کر دیتا ہے یا کہ اللہ تعالیٰ اسے ایمان کی تصدیق و کمال کی حقیقت سے نواز دیتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے جو وارد ہوتا ہے یہ اس پر یقین کر لیتا ہے۔

(۱۲) کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ راہِ سلوک کی تکمیل کا وعدہ کرتا ہے اور پورا کر دکھاتا ہے۔ دوسرا معنیٰ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس وعدہ کی اور

القاء کیے جاتے ہیں۔ ان کلمات کو اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کے بلند مقام[13] سے لاکر اس کی زبان پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ ان نعمتوں کے علاوہ اس کے ظاہر پر انعامات کئے جاتے ہیں اس کے جسم اور اعضا اس کے کھانے پینے، پہننے، نکاح بطریقِ عزیمت و رخصت، احکامِ دین اور جوارح کے ساتھ تعلق رکھنے والے اعمال پر نعمتوں کی بارش ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مجذوب[14] بندہ کو ہمیشہ اسی حالت پر رکھتا ہے یہاں تک کہ وہ مطمئن ہوکر مغرور ہو جاتا ہے اور اسے ہمیشہ قائم رہنے والی اعتقاد کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر طرح طرح کی آزمائشوں جان[15] و مال اور اہل وعیال کی تکالیف کے دروازے کھول دیتا ہے پھر اس سے تمام نعمتیں منقطع ہو[16] جاتی ہیں تو وہ حیران، حسرت زدہ، دل شکستہ اور دوستوں سے کٹ کر رہ جاتا ہے۔ اگر اپنی ظاہری حالت دیکھتا ہے تو اُسے بُرا محسوس کرتا ہے اور اگر قلب و باطن کی طرف توجہ کرتا ہے تو وہ اندوہناک نظر آتی ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مصائب و آلام ختم کرنے کی دعا کرتا ہے تو شرفِ قبولیت

اس کے ایفاء کی توفیق مرحمت فرماتا ہے۔ تیسرا معنی کہ اللہ تعالیٰ بندے کے ساتھ مواہب و عطایا کا وعدہ فرماتا ہے۔

(۱۳) دوسرا معنی کہ مخلوق کی سمجھ اور ان کے وصول سے بہت بعید مکان سے۔

(۱۴) جیسے اللہ تعالیٰ کے لُطف و عنایت سے اس کی طرف کھینچا گیا ہے۔

(۱۵) کہ امراض و آلام اور غموم و ہموم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۱۶) کہ اولاد فوت ہونا شروع ہو جاتی ہے یا اخلاقِ بد کا شکار ہو جاتی ہے اور بندہ ان کی محبت میں گرفتار ہوکر رہ جاتا ہے۔

نہیں پاتا[17]، اور اگر وعدۂ جمیل کی طلب کرتا ہے تو اس کی جلد تکمیل نہیں ہوتی۔ اگر بالفرض کسی چیز کا وعدہ کیا جاتا ہے تو اس کے پُورا ہونے کے متعلق مطلع نہیں کیا جاتا۔ اگر کوئی خواب دیکھتا ہے تو اس کی تعبیر و تصدیق پر کامیابی نہیں پاتا۔ اگر اپنے درد کے علاج و تدبیر کی خاطر مخلوق کی طرف توجہ کرتا ہے تو اس کا راستہ نہیں پاتا[18]، اگر وہ حکمِ شریعت میں توفیق و اشارہ کے ساتھ رخصت ملنے پر عمل کرتا ہے تو اس کی سزا جلد ہی پالیتا ہے لوگوں کے ہاتھ اس کے جسم کی طرف اور زبانیں اس کی عزّت کی طرف بڑھتی ہیں اگر وہ قُرب و برگزیدگی اور ظاہر و باطن کی نعمتوں سے پہلے والی حالت کی طرف لوٹنا[19] چاہتا ہے تو اس کی یہ خواہش پُوری نہیں ہوتی۔ اور اگر موجودہ تکلیف اور بلا

---

(۱۷) ؎ من از سر زندہ گردم گر بامن یک سخن گوئی
تو میدانم نگوئی لیک من گفتار میگویم
(اگر آپ میرے ساتھ ایک مرتبہ گفتگو کریں گے تو مجھے تازہ روندگی مل جائے گی۔ میں جانتا ہُوں کہ آپ بات نہیں کریں گے لیکن میں بات کرتا رہوں گا)

(۱۸) یعنی شریعت کے فتوے کے مطابق ان کے پاس جانا درست نہیں ہوتا۔ دوسرا معنی قدرتِ خداوندی اس طرف جانے نہیں دیتی۔ تیسرا معنی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے متعلق کوئی اشارہ نہیں پاتا۔

(۱۹) یعنی وہ کہتے ہیں کاشکے کہ میں اس پہلی جہل و بعد اور افلاس والی حالت پہ ہوتا اور یہ دولت و نعمت نہ پاتا تاکہ اس کے زوال سے اس قدر آفات و بلیات میں مبتلا نہ ہوتا۔

کی حالت میں راضی اور خوش رہنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کی آرزو کرتا ہے تو یہ بھی پوری نہیں ہوتی[۲۰]۔ ایسے میں نفس پگھلنے لگتا اور ہوائے نفس زائل ہونے لگتی ہے ارادہ وخواہشات کوچ کرنا شروع اور ہستیاں[۲۱] نابود ہونے لگتی ہیں۔ پھر اس کے لیے[۲۲] مسلسل یہ حالت رہتی ہے بلکہ اس میں مزید

---

(۲۰) کیونکہ صابر شاکر اور قضا پر راضی لوگوں کا مرتبہ ہے اگر یہ حالت مل جائے تو یہ بجائے خود عین ذوق ونعمت اور سرور وحضور ہے جبکہ اس آدمی پر محض ابتلاء، وامتحان اور وحشت وخذلان کی حالت ہے اور اس حالت میں آدمی کو اپنی بشریت پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام شوق و طلب میں نو دن میں مدین پہنچے اس دوران آپ بغیر کھائے پیئے تازہ دم اور سیراب تھے اور جس سفر میں ابتلاء کی حالت میں حضرت خضر علیہ السلام کی طرف جا رہے تھے تو آپ کو پیچھے چھوڑ کر چند قدم آگے بڑھے تو بھوک لگ گئی اور کھانا طلب کر لیا۔

خلاصۂ کلام: جب آسائش ونشاط کا راستہ ہر طرف سے بند ہو جائے تو بھاگنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

(۲۱) مثلاً مقرب ہونا، متنعم ہونا، عفو وعافیت سے ہونا، ایسا ہونا اور ویسا ہونا

(۲۲) حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: فَيُدَامُ لَهُ اس کے لیے دائمی یہ حالت رہتی ہے، یہ نہیں فرمایا کہ فَيُدَامُ عَلَيْهِ کہ اس پر یہ حالت رہتی ہے۔ لَهُ اس لیے فرمایا کہ انجام کے اعتبار سے اس آدمی کا اس میں نفع ہے۔

شدت اور اضافہ کیا جاتا ہے[۲۳] یہاں تک کہ اس کی طبیعت کے لوازمات اور بشری تقاضے فنا ہو کر محض روح باقی رہ جاتی ہے[۲۴] اور اپنے باطن میں اس ندا کو سنتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو ندا کی گئی تھی[۲۵]: اپنے پاؤں کو حرکت دو اور زمین پر مارو یہ نہانے اور پینے کا ٹھنڈا پانی ہے

---

(۲۳) ؎ نور چشم من چہ واقع شد گناہ من چہ بود
کز نظر انداختی مارا بہ یکبار این چنین

(اے میرے نور چشم! مجھ سے کیا گناہ سرزد ہوا ہے کہ یکدم مجھے اس طرح نظروں سے گرا دیا ہے)

(۲۴) اور اس میں جسمانی ظلمت کا شائبہ اور جسم کے غبار کی آلودگی کا نشان تک مٹ جاتا ہے۔

(۲۵) حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ

حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش کا واقعہ مشہور ہے جب آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑائے تو آپ کو شفاء مل گئی۔ حکم ہوا کہ اپنا پاؤں زمین پر مارو۔ جب پاؤں مارا تو چشمہ جاری ہوگیا۔ پھر حکم ہوا کہ اس میں غسل کرو اور پانی پیو تا کہ ظاہر وباطن بہتر ہو جائے جب آپ نے پانی پیا اور غسل کیا تو تندرست ہو گئے۔ اسی طرح صاحب ابتلاء کو حکم ہوتا ہے کہ حرکت کرو اور توبہ ومغفرت کی زمین پر طلب کے پاؤں مارو اس طرح رحمت ومغفرت کا چشمہ جوش زن ہو گا تم اس کے پانی سے اپنا وجود دھوؤ گے اور اسے پیو گے تو ظاہری اور باطنی آلودگی سے پاک ہو جاؤ گے۔

پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل پر اپنی رحمت، توفیق، عصمت اور انعامات کے دریا بہا دیتا ہے[۲۶]، پھر اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف سے راحت، بادِ نسیم، معرفت کی خوشبو اور اپنے علوم کے دقائق سے زندہ فرمائے گا اور اس پر اپنی رحمتوں اور نعمتوں کے دروازے کھول دے گا اور عامۃ الناس کو اس کی طرف متوجہ کر دے گا وہ ہر حال میں مال و دولت خرچ کر کے اس کی خدمت کریں گے لوگوں کی زبانوں پر ہر جگہ اس کی تعریف اور ذکرِ خیر ہوگا۔ پاؤں ملاقات اور حصولِ برکت کے لیے اس کی طرف بڑھنا شروع ہو جائیں گے۔ لوگوں کی گردنیں اس کے سامنے جھک جائیں گی، بادشاہ اور ان کے مصاحب اس کے سامنے سرنگوں ہوں گے اور اسے ظاہری و باطنی نعمتوں سے کامل طور پر سرفراز کرتے ہوئے اس کے ظاہر کی تربیت مخلوق اور اس کی نعمتوں کے ذریعے کرے گا[۲۷] اور باطنی تربیت اپنے لطف وکرم سے کرے گا[۲۸]، اور اس کا یہ مرتبہ مقام موت تک برقرار رہتا ہے[۲۹] پھر اللہ تعالیٰ اسے وہ مقام عطا فرمائے گا جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی

(۲۶) بحار کی ان کے مجموعے کی طرف اضافت کا اعتبار کریں تو اس کے معنے یہ ہیں کہ ہر ایک سمندر ہے اور اگر ہر ایک کی طرف اضافت مانیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک بحار ہے اس میں زیادہ مبالغہ ہے۔

(۲۷) چونکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

(۲۸) یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے اگرچہ ظاہری نعمت کے حصول میں مخلوق کا دخل ہو سکتا ہے مگر باطن کی تربیت محض اس کے فضل وکرم سے ہوتی ہے اور یہ کام اس کے دستِ قدرت میں ہے۔

(۲۹) احوالِ برزخ بھی اس کے تابع اور اس میں داخل ہیں۔

کان نے سُنا اور نہ کسی آدمی کے دل پر اس کا احساس ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا: کسی کو اس بات کا علم نہیں کہ ان کے اعمال کی جزا کے طور پر ان کے لیے آخرت میں کیا چھپایا گیا ہے جس سے ان کی آنکھیں روشن ہوں گی[۳۰] اور دل خوش ہوں گے۔

(۳۰) اس آیہ کریمہ کی تفسیر گزشتہ مقالات میں گزر چکی ہے۔

المقالة الثانية والاربعون

قال رض النفس لها حالتان لا ثالث لهما حالة عافية وحالة بلاء
فاذا كانت في بلاء فالجزع والشكوى والتسخط والاعتراض
والتهمة للحق عز وجل لا صبر ولا رضاء ولا موافقة بل
سوء الادب والشرك بالخلق والاسباب والكفر فاذا كانت في
عافية فالاشر والبطر واتباع الشهوات واللذات كلما نالت
شهوة طلبت اخرى واستحقرت ما عندها من النعم فتخرج
من هذه النعم عيوبا ونقصا وتطلب اعلى منها واسنى مما لا يقسم
لها وتعرض عما قسم لها فتوقع الانسان في تعب طويل ولا
ترضى بما في يديها وما قسم لها فيرتكب الغمرات وتخوض
المهالك في تعب طويل لا غاية لها ولا منتهى في الدنيا ثم
في العقبى كما قيل ان من اشد العقوبات طلب ما لا يقسم
فاذا كانت في بلاء لا تتمنى سوى انكشافها وتنسى كل نعيم
وشهوة ولذة ولا تطلب شيئا منها فاذا اعوفيت منها رجعت
الى رعونتها واشرها وبطرها واعراضها عن طاعة ربها
وانهماكها في معاصيه وتنسى ما كانت فيه من البلية وما

حل بها من الويل فترد الى اشد ما كانت عليه من انواع البلاء
والضر عقوبة لها لما قد اجترحت وركبت من العظائم قطعا
لها وكفا عن المعاصي في المستقبل اذ لا تصلح لها العافية
والنعمة بل حفظها في البلاء والبوس فلو احسنت الادب
عند انكشاف البلية ولازمت الطاعة والشكر والرضاء
بالمقسوم لكان خير لها دنيا واخرى فكانت تجد زيادة في
النعيم والعافية والرضاء من الله والطيب والتوفيق و
اللطف فمن اراد السلامة في الدنيا والاخرة فعليه
بالصبر والرضى وترك الشكوى الى الخلق وانزال حوائجه
بربه عز وجل ولزوم طاعته وانتظار الفرج والانقطاع
اليه عز وجل اذ هو خير ممن غيره من جميع خلقه
غاليا حرمانه عطاء اذا عند المنكسرة قلوبهم
لعلهم يتضرعون عقوبته نعماء بلاؤه دواء وعده نقد
نسيته حالة قوله فعل انما قوله وامره اذا اراد شيئا ان
يقول له كن فيكون كل افعاله حسنة وحكمة ومصلحة
غير انه اطوى علم المصالح عن عباده وتفرد به فالاولى للعبد
واللائق بحاله الرضى والتسليم والاشتغال بالعبودية من اداء
الاوامر والنواهي والتسليم في القدر وترك الاشتغال بالربوبية
التي هي علة الاقدار ومجاريها واصولها والسكوت عن لم
وكيف ومتى والتهمة للحق في جميع حركاته وسكناته و
تستند هذه الجملة الى حديث عبد الله بن عباس رض وهو

مَا رُوِیَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ بَیْنَا اَنَا رَدِیْفُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذْ قَالَ لِیْ یَا غُلَامُ اِحْفَظِ اللّٰہَ یَحْفَظْکَ اللّٰہُ اِحْفَظِ اللّٰہَ تَجِدْہُ اَمَامَکَ فَاِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰہَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا ھُوَ کَائِنٌ وَلَوْ جَھِدَ الْعِبَادُ اَنْ یَّنْفَعُوْکَ بِشَیْءٍ لَمْ یَقْضِہِ اللّٰہُ لَکَ لَمْ یَقْدِرُوْا عَلَیْہِ وَلَوْ جَھِدَ الْعِبَادُ اَنْ یَّضُرُّوْکَ بِشَیْءٍ لَمْ یَقْضِہِ اللّٰہُ عَلَیْکَ لَمْ یَقْدِرُوْا فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَعْمَلَ اللّٰہَ بِالصِّدْقِ فِی الْیَقِیْنِ فَاعْمَلْ وَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَاِنَّ فِی الصَّبْرِ عَلٰی مَا تَکْرَہُ خَیْرًا کَثِیْرًا وَّاعْلَمْ اَنَّ النَّصْرَ بِالصَّبْرِ وَالْفَرَجَ مِنَ الْکَرْبِ وَاَنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا فَیَنْبَغِیْ لِکُلِّ مُؤْمِنٍ اَنْ یَّجْعَلَ ھٰذَا الْحَدِیْثَ مِرْاٰۃً لِقَلْبِہٖ وَشِعَارَہٗ دِثَارًا وَحَدِیْثَہٗ فَیَعْمَلُ بِہٖ فِیْ جَمِیْعِ حَرَکَاتِہٖ وَسَکَنَاتِہٖ حَتّٰی یَسْلَمَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَیَجِدُ الْعِزَّۃَ فِیْھِمَا بِرَحْمَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔

مقالہ ۴۲

نفس کی دو حالتیں

حضرت شاہِ جیلان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا: نفس کی دو حالتیں ہیں تیسری نہیں۔ ایک عافیت کی حالت ہے، دوسری بلا و تکلیف کی[1]۔ جب

---

(۱) **اللہ تعالیٰ سے سب سے بہتر چیز کی طلب عافیت ہے** عافیت کا معنی مصائب و آلام اور ہر ظاہری و باطنی مکروہ چیز سے سلامتی ہے۔ یہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کو جامع ہے، اس حدیث شریف سے بھی یہی مراد ہے کہ خداوند قدوس سے سب سے بہتر چیز کی طلب عافیت ہے۔ صوفیاءِ کرام کی اصطلاح میں عافیت سے مراد اللہ تعالےٰ کے ساتھ دل کا سکون و آرام ہے۔ اور یہ معنی اس شخص کے حق میں بلا کو بھی شامل ہے جو قضا پر راضی رہے اور اس میں شہود کا میلان موجود ہو۔ عرفِ عام میں عافیت سے مراد امراض و عوارض سے صحت و تندرستی اور آلام و مصائب سے سلامتی اور دنیاوی ساز و سامان میں آسائش و فراخی ہے اور یہاں یہی معنی مراد ہیں، اور عافیت کا جو معنیٰ بھی لیا جائے اس کے مقابل بلا ہے۔

نفس بلا کی حالت میں ہو تو گھبرا جاتا ہے شکایت کرتا ہے اور قضائے الٰہی سے ناخوش ہوتا ہے(۲)۔ اعتراض کرتا ہے(۳)۔ اور باری تعالیٰ پر اتہام تراشی کرتا ہے(۴)۔ اس میں صبر و رضا اور ارادۂ الٰہی سے موافقت نہیں ہے بلکہ وہ بے ادبی کرتا ہے، مخلوقات اور اسباب کو خدا تعالےٰ کا شریک ٹھہراتا(۵) اور کفر کرتا ہے(۶)۔ اور جب انتہائی مسرت و خوشی کرتا(۷) اور لذات و شہوات میں کھو جاتا ہے۔ ایک خواہش کی تکمیل کے بعد دوسری کی تمنا کرنے لگتا ہے۔ اپنے پاس موجود نعمتوں(۸) کو حقیر سمجھتا ہے ان میں عیوب و نقائص نکال کر(۹) ان سے اعلیٰ اور روشن تر نعمتوں کی

---

(۲) تسخط کا معنی تقدیراتِ الٰہیہ کو مکروہ جاننا، اور اس کا معنی عطیہ کو کم سمجھنا اور بجا نہ لانا کے بھی آتے ہیں۔

(۳) اور عیب نکالتا ہے۔

(۴) بارگاہِ ربِ قدوس پر نامناسب باتوں کی بدگمانی کرتا ہے مثلاً جہل وسہو، بخل و ظلم اور نسیان و سفاہت۔

(۵) کہ افعال و حوادث کی طرف بطریق اعتقاد نسبت کرتا ہے۔

(۶) کفر بمعنے کفرانِ نعمت بھی ہو سکتا ہے کہ ایک تکلیف کے ساتھ بے شمار نعمتیں بھی تو موجود ہیں مگر وہ انھیں نظر انداز کر دیتا ہے اور شکر بجا نہیں لاتا۔

(۷) تکبر کرنا اور حدود سے تجاوز کرتے ہوئے انعاماتِ خداوندی کو ناپسند کرنا ہوتا ہے۔

(۸) کھانے پینے، پہننے، رہنے اور سواری کی قسم کی نعمتیں اسے حقیر نظر آنا شروع ہو جاتی ہیں حالانکہ اس سے قبل ان پر فخر اور ناز کیا کرتا تھا۔

(۹) جبکہ تمام کائنات مل کر اس جیسی ایک نعمت بھی نہیں بنا سکتی۔ یہ محض اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے کسی سابقہ استحقاق کے بغیر انھیں عطا کر دیں۔

مطلب ظاہر کرتا ہے اپنی قسمت کی چیز سے اعراض کرتا ہے ایسی چیز کی خواہش کرتا ہے جو اس کی قسمت میں نہیں ہوتی(۱۰)۔ اس طرح نفس انسان کو بڑی لمبی مصیبت میں ڈال دیتا ہے اور جو چیز اس کے پاس ہے اور اس کی قسمت میں ہے اس پر راضی نہ ہو کر سختیوں کا مرتکب(۱۱) ہو جاتا ہے اور ہلاکتوں کی جگہوں میں جا گرتا ہے(۱۲) دنیا میں جن کی سختیوں کی انتہا نہیں(۱۳)، پھر آخرت کی مشقت(۱۴) میں مبتلا ہوگا جیسا کہ کہا گیا ہے کہ سب سے زیادہ سخت عذاب یہ ہے کہ آدمی وہ چیز طلب کرے جو اس کی قسمت میں نہیں ہے اور جب(۱۵) نفس مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے

---

(۱۰) **بندگی کی شرط اور نفس کی خاصیت** بندگی کی شرط تو یہ ہے کہ اگر قسمت میں زیادہ ہو اور اللہ تعالےٰ کم عنایت فرمائے تو بھی راضی رہے چہ جائیکہ قسمت کے مطابق پورا حصہ ملنے کے باوجود ناراض ہو اور زیادتی کا طمع کرے۔ یہ نفس کی خاصیت ہے کہ وہ اپنی قسمت پر راضی نہیں رہتا اور اس سے اعلیٰ کی خواہش کرتا ہے۔

(۱۱) **ارتکاب اور غمرات کی لغوی تحقیق** ارتکاب کے اصل معنی "سواری کرنا" ہے اور اس کا غالب استعمال گناہ کرنے اور شدائد اختیار کرنے میں ہوتا ہے۔ صراح میں ہے ارتکاب، گناہ کرنا۔ قاموس میں ہے: رَکِبَ الذَّنْبَ وَارْتَکَبَہٗ۔ اِقْتَرَفَہٗ گناہ کیا۔ غمرات غمرۃ کی جمع ہے، سختی۔ لوگوں کے ہجوم اور پانی کی کثرت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اکثر پانی کی سختی پر اطلاق کیا جاتا ہے۔

(۱۲) خوض کا معنی پانی میں داخل ہونا اور کسی کام میں مصروف ہو جانا۔

(۱۳) کہ اضافے کی طلب سے ہر روز مشقت بڑھتی رہے گی۔

(۱۴) جس کی تعبیر ممکن نہیں ہے۔

(۱۵) یہاں سے دوسری حالت بیان فرمائے ہیں جس میں جزع فزع اور نشاط و غرور نہیں ہوتا۔

تو اس مصیبت سے نجات کے سوا کوئی اور خواہش نہیں کرتا۔ تمام نعمتوں اور لذّات وشہوات کو بھول جاتا ہے ان میں سے کسی کی آرزو نہیں کرتا اور جب اسے عافیت مل جاتی ہے تو پھر اس رعونت، نشاط، تکبر، اطاعتِ مولیٰ سے اعراض اور گناہوں میں انہماک کی حالت کی طرف پھر جاتا ہے اور تمام گزشتہ مصیبتوں کو بھول جاتا ہے[16] اسی صورت میں اسے پہلی سے زیادہ سخت تکلیفوں اور مصیبتوں میں ڈال دیا جاتا ہے تاکہ اس کی سرکشی اور اتنے بڑے گناہوں کی[17] سزا دی جائے اور اسے آئندہ گناہوں سے روکا جائے کیونکہ یہ نفس نعمت وعافیت کے لائق ہی نہیں بلکہ اس کی حفاظت مصائب وآلام کے شکنجے میں ہی ہو سکتی ہے[18] پھر اگر تم نے مصیبتوں سے نجات کے وقت حُسنِ ادب سے کام لیتے ہوئے اطاعت وشکر اور اپنی قسمت پر رضا کو لازم کر لیا[19] تو یہ دُنیا وآخرت[20] میں بہتر ہوگا،

---

(۱۶) جیساکہ پہلے مصیبت کی حالت میں عطیات کو بھلا بیٹھا تھا۔

(۱۷) مثلاً کفرانِ نعمت، سرکشی اور معصیات میں انہماک ؎

چو قدر دولت وصل تر اندانستم
فرق ہرچہ بمن میکند سزاوار است

(میں جب تمہارے وصل کی دولت کی قدر نہیں کر سکا تو جدائی میرے ساتھ جو حال بھی کرے مناسب ہے)

(۱۸) اور اس میں مخفی طریقے سے تربیت بھی ہوتی رہے گی۔

(۱۹) قسمت سے زائد طلب نہ کیا اور اس سے بہتر کی توقع نہ کی۔

(۲۰) کہ دنیا میں مصائب وآلام میں مبتلا نہ ہوگا اور مہلکات میں نہیں گرے گا اور آخرت میں جنت میں صابرین وشاکرین کا درجہ پائے گا جیساکہ آگے ذکر ہوا ہے۔

نفس کے لیے نعمت وعافیت میں اضافہ ہوگا[21]، اللہ تعالےٰ کی رضا وخوشنودی[22] اور اسبابِ خیر کی توفیق کا مستحق بن جائے گا۔ لہٰذا جو شخص دنیا وآخرت کی سلامتی چاہتا ہے تو اسے صبر ورضا سے کام لینا ہوگا اور مخلوق کے سامنے حق تعالیٰ کا شکوہ ترک کرنا ہوگا اس کی بجائے اپنی حاجات کو اللہ تعالےٰ کے سامنے پیش کرنا طاعت وعبادت کا التزام کام کی کشادگی کا انتظار اور مخلوق سے انقطاع کرتے ہوئے مولیٰ تعالےٰ کی طرف رجوع ہوگا کیونکہ اللہ تعالےٰ باقی سب سے بہتر ہے[23] بالفعل نعمت کا نہ پانا

---

(۲۱) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر تم میرا شکر کروگے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔

(۲۲) خوش وقتی اور خوش زندگانی بھی ملی ہے کہ وعدۂ الٰہیہ کے مطابق عمل صالح پر حیاتِ طیبہ عطا ہوگی،

(۲۳) اور اس کے سامنے اپنی حاجات پیش کرنا دوسرے کے سامنے بیان کرنے سے بہتر ہے۔ غالباً بہتر (بہت اچھا) اس لیے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالےٰ کو مسبّب جانتے ہوئے اسباب ووسائط کی طرف ہاتھ بڑھائے اور اسی کی طرف سے وصولِ نعمت جانے تو یہ اچھا ہے مگر اسباب سے قطع نظر کرتے ہوئے بلاواسطہ رب الارباب کی بارگاہ میں حاجات طلب کرنا بہت اچھا ہے

؎ باوجود فیض دست تمنا مبر بغیر
بحرمی چنین محیط کجا حاجت بره

(فیض کے ہوتے ہوئے دستِ تمنا کسی اور کی طرف دراز نہ کرو اس طرح کے بحر محیط کے ہوتے ہوئے اپنی حاجت کہاں لے جاؤگے)

درحقیقت عطا ہے[۲۴] اس کا عذاب بندے کے لیے نعمت ہے[۲۵]، بلاؤں کا نزول نفس کا علاج ہے اور خدا کا وعدہ نقد ہے[۲۶]، اس کا ادھار بھی نقد ہے اور اس کا قول فعل ہے، وہ جب کسی شئے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے "ہو جا" تو

---

(۲۴) کیونکہ ممکن ہے کہ یہاں کئی حکمتیں اور مصلحتیں ہوں جن کے پیشِ نظر بندے کی منفعت کا لحاظ کرتے ہوئے نعمت کو روک لیا گیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کسی اور وقت میں اس سے بہتر اور زیادہ دینے کا ارادہ ہو اور اب نعمت روک لی ہے اور انکسارِ قلب کے حصول کی خاطر جو کہ اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ (میں ان لوگوں کے پاس ہوں جن کے دل میری وجہ سے ٹوٹے ہوئے ہیں) کے مطابق خدا تعالیٰ کے قرب کا محل ہے، اور لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ (تاکہ وہ گڑگڑائیں) کے بموجب تضرع اور احتیاج اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے جو چیز اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے اختیار کرتا ہے اس سے بہتر کون سی چیز ہو سکتی ہے خواہ منع ہو یا عطا، وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ کہ یقین والوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے بہتر حکم دینے والا کون ہو سکتا ہے

گر وصالِ تو نباشد بفراقِ تو خوشم
ہم فراقِ تو مرا بہ کہ وصالِ دگراں

(اگر آپ کا وصال میسر نہ ہو تو میں آپ کی جدائی پر ہی خوش ہوں کیونکہ آپ کی جدائی بھی دوسروں کے وصال سے بہتر ہے)

(۲۵) کہ اس کی وجہ سے آلائش سے پاک ہو کر دخولِ جنت کا مستحق بن جائیگا۔

(۲۶) کیونکہ اس کا وعدہ صادق ہے اس نے دینے کا وعدہ کر لیا تو لوگوں نے لے ہی دیا اور وعدہ بالفعل ایک عنایت ہے جو محب کے نزدیک موعود کے حصول سے زیادہ شیریں ہے۔

وہ چیز ہو جاتی ہے۔ تمام افعالِ خداوندی حسن اور حکمت و مصلحت کے عین مطابق ہیں لیکن ان حکمتوں اور مصلحتوں کو بندوں سے پوشیدہ رکھا ہے اور وہ انہیں جاننے میں یکتا ہے اس لیے بندے کے حال کے لیے لائق اور اس کے لیے اولیٰ یہی ہے کہ حق تعالیٰ کے کاموں پر راضی رہے اور قضاء و قدر کے سامنے اپنی گردن جھکا دے[۲۷]۔ اوامر و نواہی کی پابندی کرتے ہوئے حقِ عبودیت میں مشغول رہے[۲۸] احکامِ قضاء و قدر کو تسلیم کر لے[۲۹] اور لوازمِ ربوبیت کو ترک کر دے[۳۰] جو ربوبیت جہاں میں اقدار کے وجود، ان کے جاری ہونے کے مقامات اور ان کے اصول[۳۱] کی علت اور مقتضے ہے اپنی تمام حرکات و سکنات میں لِمَ (کیوں ہوگا)

---

(۲۷) جامی از یار پسندیدہ مبر بد حاشا
کان پسندیدہ بجز کار پسندی نکند

(اے جامی! اپنے محبوب کے متعلق برائی کا خیال نہ کر، کیونکہ وہ محبوب کوئی ناپسند کام کرتا ہی نہیں، مجھے وہی پسند ہے جو اسے پسند ہے)

(۲۸) یہ حکم تشریعی کے متعلق ہے۔

(۲۹) یہ حکم ارادی کے متعلق ہے۔

(۳۰) یعنی تکبر، ترکِ عبادت اور ترکِ تسلیم کا دعویٰ نہ کرے۔ دوسرا معنیٰ کہ افعالِ خداوندی میں اشتغال اور ان پر اعتراض ترک کر دے۔

(۳۱) بظاہر اس سے مراد اسماءِ الٰہیہ کے اصول ہیں جو کہ کائنات کے ہر فرد کی پیدائش اور تقدیرِ خاص کا مبدء و منشا ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجاریٔ اقدار سے مراد مسبّبات اور سفلی کائنات ہو اور اقدار کے اصول سے مراد اسبابِ علوی کائنات ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کَیْفَ (کیسے ہوگا) اور مَتٰی (کب ہوگا) قسم کے سوال کرنے سے اور اللہ تعالیٰ پر تہمت لگانے سے خاموشی اختیار کرے۔[۳۲] ہماری اس ساری گفتگو کا استناد حضرت عطا کے واسطے سے مروی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس روایت سے ہوتا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے اونٹنی پر سوار تھا آپ نے اچانک فرمایا: اے غلام! تم خدا کے حق کی حفاظت کرو[۳۳] اللہ تعالیٰ تمہارے حق کی حفاظت کرے گا،[۳۴]

---

(۳۲) **مسلمانی کا خلاصہ** مسلمانی کا حاصل یہی دو چیزیں ہیں؛ (۱) اشتغال یعنی عبادت وعبودیت کے متعلق جو حکم ہو وہ بجالائے۔

(۲) تسلیم کہ جس حال میں رکھے اسی طرح رہے ؎

زبان تازہ کردن باقرار تو
نہ انگیختن علت از کار تو

(ہم آپ کے کام میں علتیں نہیں ڈھونڈتے بلکہ تمہارے اقرار سے زبان تازہ کرتے ہیں)

؎ منزل ز چون وچرا کہ بندۂ مقبل
قبول کرد بجان ہر سخن کہ جانان گفت

(بندۂ مقبول محبوب کی ہر بات کو جان ودل سے قبول کرتا ہے لہٰذا تم بھی چون وچرا نہ کرو)

(۳۳) اوامر ونواہی کی پابندی کرو اور قضا وقدر کو تسلیم کرو۔

(۳۴) اپنی رحمت، مغفرت اور نصرت کے ساتھ۔

علم وحضور اور معیت باری تعالےٰ کے مراقبے کے ساتھ خدا کی حفاظت کرو تو اس کو امداد واعانت اور سعادت کے ساتھ سامنے پاؤ گے۔ اگر کسی حاجت کا سوال کرنا چاہتے ہو تو خدا سے سوال کرو۔ اور جب اپنے کاموں میں امداد چاہتے ہو تو خدا سے طلب کرو، تقدیرات اور احکامِ قضا وقدر لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے اگر ساری مخلوق احکامِ قضا وقدر کے خلاف تجھے کچھ نفع پہنچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکتی۔ اور اسی طرح اگر نقصان پہنچانے کی بھرپور کوشش کریں تو اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اگر تمہارے اندر یقین صادق کے ساتھ خدا کے لیے کام کرنے کی استطاعت ہے تو کام کرو اور اگر استطاعت نہیں[۳۵] تو مکروہات پر صبر میں بہت زیادہ بھلائی ہے۔[۳۶] یہ جان لینا چاہیے کہ نصرتِ حق مصیبت پر صبر وثبات سے حاصل ہوتی ہے اور دنیا وآخرت کے کام میں کشادگی غم واندوہ پر موقوف ہے[۳۷] اور یقیناً تنگی کے ساتھ آسانی ہے[۳۸] اس لیے ہر مومن کو

---

(۳۵) کہ کوئی عارضہ پیش آگیا ہو۔ لیکن ایمان ویقین میں خلل نہ پڑے تو ناامید نہیں ہونا چاہیے۔

(۳۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صابر شخص اگر بعض اعمالِ خیر اور نوافل میں کوتاہی کرتے ہوئے انہیں بجا نہ لائے تو صبر اس کا کفارہ بن جاتا ہے اور کبھی درجات کی بلندی کا باعث بھی بن جاتا ہے۔

(۳۷) کرب اس غم کو کہتے ہیں جس سے دم گھٹنے لگے۔

(۳۸) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قضاءِ الٰہی تو واقع ہو کر ہی رہے گا۔ آپ کے چاہنے یا نہ چاہنے کا اس میں دخل نہیں ہے۔ ہاں اگر صبر کرو گے تو اجر پاؤ گے اور اگر بے صبری کا مظاہرہ کرو گے تو گناہگار ہو گے۔

چاہیئے کہ اس حدیث کو اپنے دل کا آئینہ قرار دے لے (۳۹)۔ ہر مومن کو چاہیئے کہ اس

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ صبر ایک ایسی سواری ہے جو کبھی سرکشی نہیں کرتی اور ایک ایسی تلوار ہے جو کبھی کند اور زنگ آلود نہیں ہوتی۔
مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ مصیبت اسی صورت میں ہوتی ہے جب صبر نہ ہو سکے۔ اگر مصیبت پر صبر کر لیں تو مصیبت نہیں رہتی بلکہ اجر بن جاتی ہے ؎

(۱) وَاِذْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ فَاصْبِرْ لَهَا
عَظُمَتْ مُصِيْبَةُ مُبْتَلِىً لَّا يَصْبِرُ
(۲) عُوِّضْتَ اَجْرًا مِنْ فَقِيْدٍ لَا تَكُنْ
فَقِيْدُكَ لَا يَاْتِيْ وَاَجْرُكَ ذَاهِبٌ

(۱) جب تمہیں مصیبت پہنچے تو صبر کرو کیونکہ مصیبت میں مبتلا آدمی جب صبر نہیں کرتا تو اس کی تکلیف بڑھ جاتی ہے۔
(۲) گم شدہ چیز کے بدلے تمہیں اجر ملے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ چیز بھی ہاتھ نہ آئے اور اجر بھی جاتا رہے۔

؎

اگر ہمی خواہی کشاد دین و دنیا بے حرج
صبر کن صبر انّ الصبر مفتاح الفرج

(اگر دین و دنیا کے معاملات میں آسانی چاہتے ہو تو صبر اختیار کرو کیونکہ یہ کامیابی کی چابی ہے)

(۳۹) تاکہ اس کے مضمون کی روشنی میں اپنے دل کے احوال اور اس کی درستی و نادرستی اور خوبی و خرابی معلوم کر سکے۔

حدیث کو اپنے دل کا آئینہ اپنے حال کا شعار (۴۰) و لباس اور اپنا موضوعِ سخن بنالے (۴۱) اور اپنی تمام حرکات و سکنات میں اس پر عمل کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دُنیا و آخرت کی جمیع آفاقی اور انفسی آفات سے محفوظ ہو جائے اور جہانوں میں کامیابی حاصل کرے (۴۲)۔

---

(۴۰) جسم سے متصل کپڑے مثلاً چادر قمیص کو شعار اور اس سے اوپر اوڑھے جانے والے کپڑے کو دِثار کہتے ہیں۔
(۴۱) کہ ہر وقت اسی حدیث کے متعلق گفت گو کرتا رہے اور اسے سوچتا رہے اگر اسے حدّیث بمعنی کثیر الحدیث صدّیق کی طرح پڑھیں تو بہتر ہوگا، جیسے کہتے ہیں، رَجُلٌ حِدِّیْثٌ (بہت باتیں کرنے والا آدمی)
(۴۲) دنیا کی کامیابی یہ ہے کہ طاعت و حضور حاصل ہو طمع اور حرص جاتی رہے صبر و یقین اور ان کے اثرات سے سرفراز ہو اور آخرت کی کامیابی یہ ہے کہ ان احوال، اعمال اور اخلاق کا ثواب پالے۔

اَلْمَقَالَةُ الثَّالِثَةُ وَالْاَرْبَعُوْنَ

قَالَ رضی اللہ عنہ مَا سَاَلَ النَّاسَ مَنْ سَاَلَ اِلَّا لِجَهْلِهٖ بِاللّٰهِ وَضُعْفِ اِيْمَانِهٖ
وَمَعْرِفَتِهٖ وَيَقِيْنِهٖ وَقِلَّةِ صَبْرِهٖ وَمَا تَعَفَّفَ عَنْ ذٰلِكَ اِلَّا
لِوُفُوْرِ عِلْمِهٖ بِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقُوَّةِ اِيْمَانِهٖ وَيَقِيْنِهٖ وَ
تَزَائُدِ مَعْرِفَتِهٖ بِرَبِّهٖ فِيْ كُلِّ لَحْظَةٍ دَائِمٍ وَحَيَائِهٖ مِنْهُ
عَزَّ وَجَلَّ۔

مقالہ ۴۳

غیر اللہ سے سوال کی مذمّت

حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا، مخلوق سے وہی سوال کرتا ہے جو خدا تعالےٰ سے بے خبر ہو،(۱) اس کے ایمان، عرفان اور یقین میں ضعف ہو اور صبر کا مادہ کم ہو،(۲) اور غیر اللہ سے سوال کرنے سے وہی پرہیز کرے گا جسے اللہ تعالےٰ اور اس کی صفات کی کامل علم و معرفت حاصل

---

(۱) **مخلوق سے سوال کرنے کا سبب** طبیعت کے حکم اور غفلت کی بنا پر مخلوق سے مانگتا ہے۔

(۲) اگر اس کے ایمان، یقین اور عرفان میں قوت ہوتی اور صبر کرتا تو خدا تعالےٰ سے سوال کرتا، مخلوق سے سوال نہ کرتا، نہ ہی اضطراب و پریشانی کا اظہار کرتا۔ شیخ اجل عالم اکرم عارف باللہ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسائل میں فرماتے ہیں کہ طالب کو چاہیے کہ ان پانچ علوم کا تکرار کرتا رہے تاکہ ذہن میں راسخ ہو جائیں اور وہ حصول مطلوب کا موجب ہیں۔

(۱) کہ اللہ تعالےٰ کا علم تمام مخلوق کو وسیع ہے اور ان کے احوال کو

ہو گی اس کے ایمان ویقین میں قوت ہو گی ایسا شخص اپنے رب کی معرفت اور
یقین و ایمان کی اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ ایک لحہ بھر کے لیے بھی اس سے غافل نہیں ہوتا(۳) اور ماسوی اللہ سے سوال کرنے میں خدا و رسول جل جلالہ

محیط ہے جبکہ کوئی آدمی سخی ہونے کے باوجود اپنے ملک بلکہ شہر کے سارے فقراء سے واقف نہیں ہوتا، جب وہ انھیں پہچانتا نہیں تو دے گا کیسے؛

(۲) اللہ تعالےٰ قادرِ مطلق ہے فقیر دنیا کے کسی کونے میں بھی ہو وہ اسے رزق پہنچانے پر قادر ہے اور آدمی میں یہ قدرت نہیں ہے ۔

(۳) اللہ تعالیٰ نسیان اور فراموشی ایسے عیوب سے پاک ہے بخلاف آدمی کے کہ وہ بہت دفعہ بھول جاتا ہے بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ محتاج کو دروازے پر بٹھا کر اندر جاتا ہے تاکہ اسے کچھ لا کر دے مگر گھر جا کر بھول جاتا ہے۔

(۱) اللہ تعالےٰ کے لیے سستی اور ملال جائز نہیں ہے کہ کوئی کام شروع کرے اور پھر اکتا کر چھوڑ دے بخلاف ایک انسان کے کہ وہ مخلوقِ خدا کو عطیات سے نوازنا شروع کرتا ہے پھر تھک کر بیٹھ جاتا ہے اور تقسیم بند کر دیتا ہے۔

(۲) کہ خدا تعالیٰ کا خزانہ لامتناہی ہے کبھی ختم نہیں ہوگا جبکہ آدمی کا مال دینے سے کم ہو جاتا ہے ۔

(۳) ؎ یک چشم زدن غافل ازاں ماہ نباشم
ترسم کہ نگاہے کند آگاہ نباشم
(میں ایک پلک جھپکنے کی مقدار بھی اس مہ رو سے غافل نہیں ہوتا مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ توجہ کرے اور میں آگاہ نہ ہو سکوں)

وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حیا کرتا ہے(۴) ۔

؎

(۴) شرمت باد کہ من بسویت نگراں
باشم تو نہی چشم بسوئے دگراں
(تمھیں اس بات سے شرم آنی چاہیئے کہ میں تمھیں دیکھوں تو تم کسی اور کی طرف دیکھ رہے ہو)

المقالة الرابعة والاربعون

قَالَ رضي الله عنه: اِنَّمَا لَمْ يُسْتَجَبْ لِلْعَارِفِ كُلُّ مَا يَسْأَلُ رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَلَمْ
يُوْفَ لَهُ بِكُلِّ وَعْدٍ لِئَلَّا يَغْلِبَ عَلَيْهِ الرَّجَاءُ فَيَهْلِكُ لِاَنَّهُ مَا مِنْ
حَالَةٍ وَمَقَامٍ اِلَّا لِذٰلِكَ خَوْفٌ وَرَجَاءٌ هُمَا كَجَنَاحَيْ طَائِرٍ
لَا يَتِمُّ طَيَرَانُهُ اِلَّا بِهِمَا وَكَذَا الْحَالُ وَالْمَقَامُ غَيْرَ اَنَّ خَوْفَ
كُلِّ حَالَةٍ وَرَجَاءَهَا بِمَا يَلِيْقُ بِهَا فَالْعَارِفُ مُقَرَّبٌ وَحَالُهُ وَمَقَامُهُ
اَنْ لَّا يُرِيْدَ شَيْئًا سِوَى اللّٰهِ وَلَا يَرْكَنَ وَلَا يَطْمَئِنَّ اِلٰى غَيْرِهِ وَلَا
يَسْتَأْنِسَ بِغَيْرِهِ فَطَلَبُهُ لِاِجَابَةِ سُؤَالِهِ وَالْوَفَاءِ بِعَهْدِهِ غَيْرُ
مَا هُوَ بِصَدَدِهِ وَلَائِقٌ بِحَالِهِ فَفِيْ ذٰلِكَ اَمْرَانِ اِثْنَانِ اَحَدُهُمَا
لِئَلَّا يَغْلِبَ عَلَيْهِ الرَّجَاءُ وَالْعِزَّةُ بِمَكْرِ رَبِّهِ فَيَغْفُلُ عَنِ
الْقِيَامِ بِالْاَدَبِ فَيَهْلِكُ وَالْاٰخِرُ شِرْكُهُ بِرَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ بِشَيْءٍ
مِمَّا سِوَاهُ اِذْ لَا مَعْصُوْمَ فِي الْعَالَمِ بِالظَّاهِرِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاءِ فَلَا
يُجِيْبُهُ وَلَا يُوْفِيْ لَهُ كَيْلَا يَسْأَلَ عَادَةً لَا امْتِثَالًا
لِلْاَمْرِ لِمَا فِيْ ذٰلِكَ مِنَ الشِّرْكِ كَثِيْرٌ فِي الْاَحْوَالِ

كُلِّهَا وَالْاَقْدَامِ جَمِيْعِهَا وَالْمَقَامَاتِ بِاَسْرِهَا وَاِذَا كَانَ
السُّؤَالُ بِاَمْرٍ فَذٰلِكَ مِمَّا يَزِيْدُهُ قُرْبًا كَالصَّلٰوةِ وَالصَّوْمِ
وَغَيْرِهِمَا مِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ لِاَنَّهُ يَكُوْنُ فِيْ
ذٰلِكَ مُمْتَثِلًا لِلْاَمْرِ۔

مقالہ ۴۴

اہلِ معرفت کی دُعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں

حضرت شاہِ جیلان رضی اللہ عنہ نے فرمایا : اہلِ معرفت کی تمام دُعاؤں کی قبولیت اور ان سے کیے گئے تمام وعدوں کی تکمیل اس لیے نہیں ہوتی کہیں ان پر امید غالب نہ آجائے(۱) اور وُہ ہلاک نہ ہوجائے کیونکہ امید و بیم ہر حالت اور ہر مقام پر موجود ہیں(۲) اور یہ خوف و رجا پرندے کے دو پروں کی طرح ہیں جو ان کے بغیر کمال نہیں پاسکتا اس طرح کسی حال اور مقام میں خوف و رجا کے بغیر کمال و بقا نہیں آسکتا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ

---

(۱) اور مقامِ قرب کے کُھلنے میں اور بارگاہِ خداوندی کے آداب میں خلل واقع نہ ہو اور خوف جو کہ عبودیت و بندگی کو لازم ہے، کو چھوڑ کر غرور اور خودسری میں مبتلا نہ ہوجائے۔

(۲) پہلے مقام پر دوام یا اس سے بلند تر کی امید اور اس سے زوال کا خوف رہتا ہے۔

ہر حال کا خوف و رجاء اس کے مطابق ہوگا(۳)۔ چونکہ عارف اللہ تعالے کا

---

(۳) **خوف و رجاء کی تفصیل** چنانچہ اہلِ ایمان کو تصدیق کے زوال، اس کی شک و انکار کے ساتھ تبدیلی، دوزخ کے گڑھوں میں گرنے اور آگ کے طبقوں میں پڑنے کا خوف ہوتا ہے یا پھر مرتبہ کمال سے تنزّل اور معصیت و ضلال کی جگہوں میں گرنے کا خطرہ ہوتا ہے اور اہلِ ارادت کو طلبِ ترقی کی شرائط و آداب میں خلل سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ اہلِ قرب کا خوف یہ ہے کہ کہیں غلبۂ حال کی انتہائی سُکر واقع نہ ہو، انبساط کی بساط پر قدم نہ آجائے۔ آنکھ بھٹک نہ جائے اور ماسوا کی طرف کوئی معمولی سی توجہ نہ ہوجائے، اور منتہین کو نفس کی سیاست کی زنجیروں سے نکلنے، نگرانی سے آزاد ہونے، لذّت و شہوات میں وسعت اور نفلی عبادات میں کمی کا خوف ہوتا ہے۔ خوف کے ان تمام مراتب کے مقابلے میں رجاء ہے۔ تمام احوال و مقامات میں خوف و رجاء ساتھ ساتھ ہونے چاہئیں۔ ہاں بعض حضرات رجاء کو انس و محبت کا مشعر سمجھتے ہُوئے راجح قرار دیتے ہیں اور دامانِ رحمت سے تمسک کرتے ہیں اور بعض حضرات خوف کو اس بنا پر مقدم جانتے ہیں کہ خوف کے تازیانے کے پیشِ نظر طالب تیز چلتا ہے اور معمولات کو خوب بجالاتا ہے۔ بہرحال خوف و رجاء دونوں ہوں گے تو کام میں کشادگی پیدا ہوگی ؎

آنہا کہ خواص درگہ تکریم اند
وحشت زدگانِ عالم تسلیم اند
نا امید مشو کہ رحمتِ حق عام است
مغرور مشو کہ خاصگان در بیم اند

مقرب ہوتا ہے اس لیے اس کا حال اور مقام یہ ہونا چاہیئے کہ اس کے سوا کسی کا ارادہ و میلان نہ کرے ، نہ غیر کے ساتھ آرام و سکون ، نہ غیر سے انس رکھے۔ پس اپنے مدعا کے حصول اور وفائے عہد کی طلب کرنا طالب کا منصب نہیں ہے اور نہ ہی اس کے حال کے لائق ہے[۴] ، دُعا کی قبولیت

(۱۔ بارگاہ تکریم کے خاص لوگ عالمِ تسلیم سے وحشت زدہ ہیں۔
۲۔ اللہ تعالےٰ کی رحمت عام ہے اس لیے ناامید نہیں ہونا چاہیئے اور مغرور بھی نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ بارگاہِ رب العزت کے خاص حضرات بھی خوف زدہ ہیں)

بعض کہتے ہیں سعادت مندی کی نشانی یہ ہے کہ زندگی میں خوف غالب رہے اور مرنے کے بعد امید۔ اور بعض حضرات کا یہ کہنا کہ عارف امید و بیم کے تنگ دائرہ سے نکل جاتا ہے۔ یہ محض لفاظی ہے کیونکہ خوف و امید کی جگہ ہیبت و انس لے لیتے ہیں گویا کہ خوف و رجا میں محبوب و مکروہ شئے کا لحاظ ہوتا ہے اور اس مقام والا صفات کی تجلی میں ہوتا ہے اور یہ معنی انس و ہیبت میں نہیں ہے کیونکہ وُہ ذات ملحوظ ہوتی ہے۔ حضرت شاہِ جیلان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا یہ کہنا کہ "ہر حال کے مناسب امید و بیم ہے" اس معنی کو بھی شامل ہے۔

(۴) اس کے حال کے لائق یہ ہے کہ ماسوٰی کی نفی کرے ، مدعی کو قطع نظر کرے اور ذاتِ باری تعالیٰ کے غیر کی طرف التفات نہ کرے۔

اعتراض : ہو سکتا ہے کہ عارف کی دعا و مدعا اللہ تعالےٰ کا قرب و وصول ہو تو اس صورت میں غیر کے ساتھ آرام و سکون لازم نہیں آتا۔

اور ایفائے عہد نہ ہونے کی دو وجوہ ہیں : ایک یہ کہ اُمید کا غلبہ نہ ہو اللہ تعالےٰ کے استدراج سے غافل و مغرور نہ ہو، اور وُہ پاسِ ادب سے غافل نہ ہو جائے، اس طرح وہ ہلاک ہو جائیگا۔ دوسری وجہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا ہے کیونکہ جہان میں بظاہر انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے[۵]۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ اُس کی دُعا قبول نہیں کرتا اور وعدہ پورا نہیں کرتا تاکہ وُہ بطریقِ عادت اور بشری تقاضے کے مطابق سوال نہ کرے اور دعا کے متعلق امرِ الٰہی کی طرف اس کا خیال نہ آئے کیونکہ اس طرح سوال کرنا شرک ہے[۶]

جواب : (۱) یہاں ظاہر قسم کے مدعٰی یعنی شہوات و مباحات کی عام مراد ہے۔
(۲) مقامِ فنا میں ماسوا کی مطلقاً نفی ضروری ہے۔ وہاں قُرب و وصول کی دُعا بھی وبال اور معلول ہے۔ بعض عرفائے نے فرمایا ہے کہ ولی کے دل سے جب تک وصول کی خواہش نکل نہ جائے وہ واصل نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ مرتبہ بہت بلند ہے لیکن فنا اور مطلقاً خواہش ترک کر دینا اس سے بلند تر ہے اور اگر اللہ تعالےٰ کے ارادہ و امر سے دُعا و سوال کرتا ہے تو جو بھی مانگے وہ اس کے مقام کے منافی نہیں ہے جیسا کہ اسی مقالہ کے آخر میں آئے گا۔

(۵) یعنی ہمارے سامنے جن کی عصمت ظاہر ہے اور ہم قطع و یقین کے ساتھ حکم لگا سکتے ہیں وُہ فقط انبیاءِ کرام علیہم السلام ہیں کسی اور کے متعلق یقین کے ساتھ ہم یہ بات نہیں کہہ سکتے۔ یا بظاہر کا اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

(۶) عارف کی دُعا قبول کیوں نہیں ہوتی کہ اس میں طبیعت اور نفسانی خواہش کو اللہ تعالےٰ کا شریک ٹھہرایا گیا ہے۔ اگر عارف کی تمام دعائیں

اور شرک خفی طالبین و عارفین کی راہ میں قدم قدم پر اور ہر حال میں موجود ہے۔(۷)
البتہ جب سوال تعمیلِ حکم کے لیے ہو تو یہ نماز، روزہ اور دیگر فرائض و نوافل
کی طرح قُربِ حق میں اضافہ کا سبب ہے کیونکہ عارف کا حکم ہونے کی صورت
میں سوال کرنا تعمیلِ حکم ہے۔(۸)

مقبول و مستجاب ہوں تو ممکن ہے کہ کبھی کبھی بطور عادت و تقاضائے طبیعت
سوال کر دے۔ گو یہ عارف کی شان کے لائق نہیں، مگر وہ معصوم بھی نہیں،
وہ اس گناہ کا ارتکاب کر سکتا ہے جو کہ شرک کا حکم رکھتا ہے لہذا ورطۂ شرک
میں گرنے اور ماسوا کی طلب سے بچانے کے لیے عارف کی علی العموم دعائیں
قبول نہیں ہوتیں۔ یہ چیز بھی اسی کے خاص بندوں کے حکم میں لُطف و کرم
کا حکم رکھتی ہے۔ چونکہ یہ بات ایک عارف سے بہت بعید سمجھی جاتی ہے آئندہ
کلام میں اس استبعاد کو دفع کر رہے ہیں۔

(۷) جیسا کہ بزرگوں کا قول ہے:

حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ۔ ابرار کی نیکیاں مقربین کے نزدیک گناہ کا درجہ رکھتی ہیں۔

مقربین جس کو شرک و ریا کا حکم دیتے ہیں دوسرے اسے عین توحید و اخلاص
جانتے ہیں۔ اس ساری گفتگو کا تعلق اس صورت سے ہے کہ عارف
بے امرِ الٰہی اپنی طرف سے سوال کرے۔

(۸) فرق یہ ہے کہ نماز اور روزے میں احکام ظاہر کا تعلق ہے اور یہاں
احوال باطن کا۔

تنبیہ: اعتراض: بارگاہِ خداوندی سے عارف کے ساتھ
وعدہ ہونے کے باوجود دعا قبول اور وعدہ وفا نہ کرنا اللہ تعالیٰ کے وعدے

خلاف ہے جو کہ بالاتفاق ناجائز ہے۔

جواب: ممکن ہے کہ فی الواقع وُہ وعدہ دنیا یا آخرت کے کسی دوسرے
وقت پر موقوف ہو، اور اگر وقت معین بھی ہو تو ہو سکتا ہے کہ اس میں کچھ
ایسی شرائط و قیود ہوں جس پر بندے کو اطلاع نہ دی گئی ہو، اگرچہ یہی شرط ہو
کہ بندہ سوال نہ کرے اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں
ہے بندہ بھی اس سے واقف ہو ولا یحیطون بشیٍٔ من علمہٖ الّا
بما شاء۔ بہت دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے بندوں کی نظر میں سطوتِ ربوبیت
باقی رکھنے اور احکامِ عبودیت کی پابندی کے پیشِ نظر اللہ کی حکمتِ بالغہ
سرّ و کتمان کا تقاضا کرتی ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمان علیہ السلام
نے ادب کا مظاہرہ فرمایا رسولوں کو وعدۂ حق تعالیٰ پر جزم و وثوق ہوتا
ہے کہ انھیں خوف نہیں ہوگا اور دشمنانِ دین کے مقابلہ میں یقیناً ان کی
مدد کی گئی اس لیے فرمایا: ولا اخاف ما تشرکون۔ پھر علم باری تعالیٰ کی
وسعت اور بندے کی اس پر عدمِ اطلاع و احاطہ کے پیشِ نظر فرمایا:
الّا ان یشاء ربی۔ پھر وعدۂ صادقہ پر عدمِ وثوق کے توہم کو دفع کرتے ہُوئے
اور وسعتِ علمِ باری تعالیٰ کی طرف تحقیق کی نظر کرتے ہُوئے فرمایا: وسع ربی
کل شیٍٔ علما۔ اس لیے کہتے ہیں کہ انبیاء و مبشرین کا خوف وعدۂ حق
جل وعلا پر عدمِ وثوق کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ اس کی شانِ بے نیازی
کی وجہ سے ہوتا ہے اسے سمجھ لو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی توفیق ہے۔
اللہ تعالیٰ کی وُسعتِ علم کے پیشِ نظر ہی سید الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم غزوۂ بدر کے دن فرماتے تھے: "اے اللہ! اگر تُو نے مسلمانوں کی

اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو زمین پر تیری پرستش کون کرے گا!" اس دوران بارگاہِ نبوت کے مقرب و گاہ و بیگاہ کے محرم صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ عرض کرتے ہیں: "یا رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم! اپنے رب کو قسمیں دینا چھوڑ دیں، سوال موقوف فرما دیں اور جمع خاطر رکھیں کہ اللہ تعالےٰ دشمنوں پر آپ کی نصرت اور تمام ادیان پر آپ کے دین کے غلبہ کا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔ حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حال اتم و اکمل ہے یعنی یہ گمان نہ کرنا اور نہ ہی یہ گمان کا مقام ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت وعدہٴ ربانی پر زیادہ وثوق تھا، حاشا وکلا ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مناشدت "قسم دینا" مقامِ ادب، علمِ باری تعالےٰ کی وسعت اور اس کی شان بے نیازی کا خوف پیشِ نظر تھا اور صفاتِ حق کی معرفت، مقامِ معرفت کی حقیقت اور بارگاہِ ربّ العزت کے ملاحظہ میں یہ مقام ارفع و اعلیٰ اور اتم و اکمل ہے۔ اللہ تعالےٰ جو کرے اس کے متعلق سوال اور جو فرمائے اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس کا ارادہ فرماتا ہے حکم دیتا ہے، جیسا کہ محققین علماءِ صوفیاء نے ذکر فرمایا:

نوشتہ بر سرِ ما یفعل اللہ
چرا و چون کجا گنجد دریں راہ

(جب ہمارے سروں پر لکھا ہوا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہی

کرتا ہے تو اس راہ میں چون و چرا کی گنجائش کب ہو سکتی ہے۔ اس نکتہ کو ہم نے اپنے رسالے تسلیہ المصاب میں مزید شرح و بسط سے بیان کیا ہے اور یہ تحقیق بھی وہاں درج ہے، واللہ تعالےٰ اعلم۔

المقالة الخامسة والاربعون

قال رض اعلم ان الناس رجلان منعم عليه ومبتلى بما قضى
ربه عليه فالمنعم عليه لا يخلو عن المعصية والتكدر
فيما انعم عليه فهو في انعم ما يكون من ذلك اذا جاء القدر
بما يكدره عليه من انواع الرزايا والبلايا من الامراض و
الاوجاع والمصائب في النفس والمال والاهل والاولاد فيتنغص
بذلك فكانه لم ينعم عليه قط وينسى ذلك التنعيم وحلاوته وان
كان الغناء قائما بالمال والجاه والعبيد والاماء والامن من
الاعداء فهو في حال النعماء كان لا بلاء في الوجود وفي البلاء
كان لا نعيم في الوجود وكل ذلك لجهله بمولاه فلو علم ان
مولاه فعال لما يريد يغير ويبدل ويحلي ويمر ويغني و
يفقر ويرفع ويخفض ويعز ويذل ويحيي ويميت ويقدم
ويؤخر لما اطمان الى ما به من التنعيم ولما اغتر به ولما ايس
من الفرج في حالة البلاء ولجهله ايضا بالدنيا انها دار بلاء
وتنغيص وجهل وتكاليف وتكدير وان اصلها بلاء وطارفها
نعماء فهي كشجرة الصبر اول ثمرتها مر واخرها شهد
حلو لا يصل المرء الى حلاوتها حتى يتجرع مراراتها فلن يبلغ
الشهد الا بالصبر على المر فمن صبر على بلائها حل له نعيمها
انما يعطى الاجير اجره بعد عرق جبينه وتعب جسده وكرب
روحه وضيق صدره وذهاب قوته واذلال نفسه وكسر هواه

في خدمة مخلوق مثله فلما تجرع هذه المرائر كلها اعقبت
له طيب طعام وفاكهة ولباس وراحة وسرور ولو اقل
قليل فالدنيا اولها مرة كالصفحة العليا من عسل في ظرف
مشوبة بمرارة فلا يصل الآكل الى قرار الظرف وتناول
الخالص منه الا بعد تناول الصفحة العليا فاذا صبر العبد
على اداء اوامر الله عز وجل وانتهاء نواهيه وتسليم وتفويض
فيما يجري به القدر وتجرع مرائر ذلك وتحمل اثقاله و
خالف هواه وترك مراده عقبه الله بذلك طيب العيش في
آخر عمره والدلال والراحة والعزة ويتولاه يغذيه
كما يغذى الطفل الرضيع من غير تكلف منه وتحمل
مؤنة وتبعة في الدنيا والآخرة كما يتلذذ آكل المر
من الصفحة العليا من العسل باكله من قرار الظرف
فينبغي للعبد المنعم عليه ان لا يامن من مكر الله فيغتر
بالنعمة ويقطع بدوامها ويغفل عن شكرها ويرخي قيدها
بترك لشكرها قال النبي صلى الله عليه وسلم ان النعمة
وحشية فقيدوها بالشكر فشكر نعمة المال الاعتراف
بها للمنعم المتفضل هو الله والتحدث بها لنفسه في سائر الاحو
ورؤية فضله ومنته وان لا يتملك عليه ولا يتجاوز حده ني
ولا يترك امره فيه ثم باداء حقوقه من الزكوة والكفار
النذور والصدقة واغاثة الملهوف واقتضاء ارباب الحاج
واهلها في الشدائد عند تقلب الاحوال وتبدل الحسنات ا

ساعات النعيم والرجاء بالبأساء والضراء وشكر نعمة العافية
في الجوارح والأعضاء بالاستعانة بها في الطاعات والكف عن
المحارم والسيئات والمعاصي والآثام فذلك قيد النعماء
عن الرحلة والذهاب وسقي شجرتها وتنمية أغصانها وأوراقها
وتحسين ثمرتها وحلاوة طعمها وسلامة عاقبتها ولذاذة
مضغها وسهولة بلعها وتعقب عافيتها وريعها في الجسد
ثم ظهور بركتها على الجوارح من أنواع الطاعات والقربات
والأذكار ثم دخول العبد بعد ذلك في الآخرة في رحمة الله
عز وجل والخلود في الجنان مع النبيين والصديقين والشهداء
والصالحين وحسن أولئك رفيقا فإن لم يفعل واغتر بما
ظهر من زينتها وذاق من لذاتها واطمأن بريق سرابها وما لاح
من برقها وما هب من نسيم أول نهارها رقيقها ونعومة جلود
حياتها وعقاربها وغفل عن سمومها القاتلة المودعة
في أعماقها ومكائدها ومصائدها المنصوبة لأخذه وحبسه
وهلاكه فليهنأ بالرد وليبشر بالعطب والفقر العاجل مع
الذل والهوان في الدنيا والعذاب الآجل في النار ولظى وأما المبتلى
فتارة يبتلى عقوبة ومقابلة بجريمة ارتكبها ومعصية اقترفها
وأخرى يبتلى تكفيرا وتمحيصا وأخرى يبتلى لارتفاع الدرجات
وتبليغ المنازل العاليات ليلحق بأولي العلم من أهل الحالات
والمقامات ممن سبقت لهم عناية رب الخليقة والبريات وسيرهم

مولاهم في ميادين البليات على مطايا الرفق والألطاف وروحهم
بنسيم النظرات واللحظات في الحركات والسكنات إذ لم يكن
ابتلاهم للهلاك والإهواء في الدركات ولكن اختبرهم بها
للاصطفاء والاجتباء واستخرج بها منهم حقيقة الإيمان و
صفاها وميزها من الشرك والدعاوي والنفاق ونحلهم بها
أنواع العلوم والأسرار والأنوار فلما خلصوا في الظاهر والباطن
وتطهرت سرائرهم جعلهم من الخلص الخواص من أصحاب
السدة وجلساء الرحمن دنيا وأخرى في الدنيا بقلوبهم وفي
الآخرة بأجسامهم فكانت البلايا مطهرة لقلوبهم من درن الشرك و
التعلق بالخلق والأسباب والأماني والإرادة وذوابة وسباكة
من الدعاوي والهوسات وطلب الأعواض بالطاعات لطاعتها
وعبادتها من الدرجات والمنازل العاليات في الفردوس
والجنان فعلامة الابتلاء على وجه المقابلة والعقوبات
عدم الصبر عند وجودها والجزع والشكوى إلى الخلق و
البريات وعلامة الابتلاء تمحيصا وتكفيرا للخطيئات وجود
الصبر الجميل من غير شكوى وإظهار الجزع إلى الأصدقاء
والجيران والتضجر بأداء الأوامر والطاعات وعلامة
الابتلاء لارتفاع الدرجات وجود الرضاء والموافقة وطمأنينة
النفس والسكون بفعل الله إله الأرض والسموات والفناء
فيها إلى حين الانكشاف بمرور الأيام والساعات.

مقالہ ۴۵

نعمت وابتلاء

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، جان لو کہ لوگ[2] دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جنہیں نعمتیں عطا کی گئی ہیں، دوسرے وہ جنہیں خدا کے حکم سے مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے لیکن جنہیں نعمتیں ملتی ہیں وہ ان نعمتوں میں کدورت اور تیرگی سے خالی نہیں ہیں۔ وہ ان نعمتوں سے بہت آسائش کی حالت میں ہوتے ہیں کہ اچانک تقدیرِ خداوندی سے طرح طرح کی بلائیں، مصیبتیں، مرضیں، دردیں، مال وجان اور اہل وعیال کی تکالیف شروع ہو جاتی ہیں جس سے ان کی زندگی مکدر ہو جاتی ہے وہ اس طرح ہو جاتا ہے گویا کہ انہیں کوئی نعمت ملی ہی نہیں، پھر وہ نعمتوں اور ان کی حلاوتوں کو فراموش کر دیتے ہیں، اور اگر وہ مال وجاہ، لونڈیوں اور غلاموں کے ساتھ غنی ہوں اور دشمنوں سے بے خوف ہوں تو وہ نعمتوں کی حالت میں اس طرح مگن ہوتے ہیں گویا کہ مصیبت کا وجود ہی نہیں، اور مصیبت کی حالت میں اس طرح مگن ہو جاتے ہیں گویا کہ راحت بالکل ناپید ہے۔ یہ سب، مولا کریم سے بےخبری کی دلیل ہے۔ اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالےٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے

حالات واشیاء میں تغیر وتبدل کرنا، تلخ وشیریں اور غنی ومحتاج کرنا، بلندی و پستی، عزت وذلت، زندگی اور موت اور تقدیم وتاخیر سب اسی کے ہاتھ میں ہے تو موجودہ نعمتوں پر کبھی اطمینان اور غرور نہ کرتا،(1) اور مصائب و آلام کی حالت میں کبھی خوشحالی اور آرام سے مایوس نہ ہوتا،(2) نیز اس کی اس کیفیت میں دنیا کی حقیقت حال سے جہالت کا بڑا دخل ہے۔ دنیا کی حقیقت بلاؤں کا گھر ہے جو تلخیوں، جہالت، تکلیفوں اور کدورتوں کی جگہ ہے۔ دنیا کی اصل مصیبت ہے اور بخلاف نعمت کے وہ ایک عارضی حال ہے(3)۔ دنیا

---

(۱) اور ہر وقت ان میں تغیر وتبدل اور زوال وانفعال کا خدشہ پیشِ نظر رہتا۔

؎ بر مال وجمال خویشتن غرہ مشو
کانرا بشبی برند وین را بتبی

(مال اور جمال پر مغرور نہ ہو جا، کیونکہ ایک رات مال لے جاتے ہیں
تو دوسری رات جمال)

(۲) اس امید پر کہ کبھی تو تنگی ترشی ختم ہوگی اور مسرت وراحت کے دن آئینگے۔

؎ ہاں مشو نومید گر واقف نہ بر سرِ غیب
باشد اندر پردہ بازیہائے دوران غم مخور

(اگر تمھیں غیب کے راز پر واقفیت نہیں تو مانوس نہ ہو کیونکہ
پس پردہ زمانے کی بیشمار گردشیں ہیں لہذا غم نہ کر)

(۳) بعض نسخوں میں طارق (ق کے ساتھ) ہے بمعنی رات کو آنے والی چیز، اور بعض میں طارف (ف کے ساتھ) یعنی نیا پیدا ہونے والا مال۔ دونوں صورتوں میں اس کے معنیٰ ہیں خلاف اوّل اور عارض۔ فا کے ساتھ پڑھنا

مصبر کے درخت کی مانند ہے کہ ابتداءً سخت تلخ ہے اور انتہاءً منفعت اور خاصیت کے اعتبار سے میٹھا شہد ہے۔ کوئی آدمی اس کی شیرینی کو اس وقت تک نہیں پا سکتا جب تک اس کی تلخی کو خوش جان نہ کرلے۔ کوئی شخص زہراب پیئے بغیر شہد کو نہیں پا سکتا۔ جس شخص نے اس کی آفات پر صبر کیا اس کے لیے اس کی نعمتیں میسر ہوئیں، کیونکہ مزدور کی مزدوری اس وقت دی جاتی ہے جب اس کی پیشانی عرق آلود ہو، اس کا جسم تھک جائے، روح غمگین، سینہ تنگ اور قوت زائل ہو، اپنے جیسی مخلوق کی خدمت کرنے پر نفس خوار اور نفسانیت شکستہ ہو جائے[۴]۔ جب مزدور ان سب

زیادہ مناسب ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

دُنیا کی حقیقت دنیا کی حقیقت بلا ہے اور نعمت وصفِ عارض ہے اسی لیے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے لیے ایک قانون مقرر کیا ہے اور اس پر بہت خوش ہوں کہ دنیا کی اصل رنج و بلا ہے اور اگر مجھے کوئی تکلیف پہنچے تو غمگین نہیں ہوتا کیونکہ یہ اپنے اصل پر ہے، اور اگر نعمت و راحت ملے تو اسے مفت اور غنیمت شمار کرتا ہوں۔

(۴) جب مخلوق کا یہ معاملہ ہے تو مولیٰ کریم کی خدمت اور حسن عاقبت کی طلب میں کیوں نہ بڑھ چڑھ کر کوشش کی جائے ؎

نابردہ رنج گنج میسر نمی شود
مزد آن گرفت جانِ برادر کہ کار کرد

(جس نے مشقت برداشت نہ کی ہو اسے خزانہ میسر نہیں ہو سکتا
اے جانِ برادر! مزدوری وہی پاتا ہے جس نے کام کیا ہو)

کڑواہٹوں کو پی لے تو یہ تلخیاں اس کے لیے اچھے کھانوں، میووں، لباسوں اور راحتوں کی نوید لاتی ہیں اگرچہ بہت ہی کم ہوں۔ دنیا کی ابتداء تلخی ہے جس طرح کہ شہد سے بھرے ہوئے برتن کے کناروں پر کڑواہٹ لگی ہو تو برتن کے نچلے حصے اور خالص شہد تک پہنچنے کے لیے اوپر کی تلخیوں سے گزرنا ضروری ہے اسی طرح جب بندہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کی پابندی اور منہیات سے اجتناب پر صبر کرتے ہوئے تقدیرِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے اور خود کو خدا کے سپرد کر دے۔ ان تلخیوں کو برداشت کرے اور ان کے بوجھ اٹھائے، خواہش کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی مراد کو چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ اس کی آخری عمر پاکیزہ، ناز و نعمت اور آرائش والی بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے لطف و کرم کے ذمے لے لیتا ہے[۵]۔ دنیا و آخرت میں اس کی پرورش اس طرح کرتا ہے جیسے شیر خوار بچے کو ہر قسم کی تکلیف اور مشقت سے بچا کر اس کی پرورش کی جاتی ہے اور جس طرح کہ شہد کے اوپر لگی ہوئی تلخیوں کو برداشت کر کے اس کی تہہ میں میٹھے شہد تک پہنچ جاتا ہے لہٰذا انعام یافتہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر و استدراج سے بے خوف اور اس کی نعمت پر مغرور ہو کر ان کے ہمیشہ رہنے کا جزم نہیں

---

(۵) ؎ بفقر و نیستی یک دو روزہ خوش میباش
کہ یار خود ز کرم عذر خواہ ما گردد

(چند دنوں کا فقر و فاقہ خوشدلی سے قبول کرو کیونکہ آخرکار
وہ یارِ عزیز جو خود ہی اپنے کرم کا صدقہ ہمارا
عذر خواہ بن جائے گا)

کرنا چاہیے[6] اور نہ ہی نعمت کے شکر سے غافل ہو کر نعمت کی زنجیر کو ڈھیلا کرنا چاہیے[7] جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نعمت ایک وحشی جانور ہے اسے شکر کے ذریعے اسیر کر لو۔ چنانچہ مالی نعمتوں کے شکریہ میں اللہ تعالےٰ فضل و انعام والے کے سامنے ان کا اعتراف[8] اور ہر حال میں انھیں اپنے نفس سے بیان کرتے رہنا[9] اور اسے محض اس کا فضل و احسان جاننا چاہیے۔ نعمتِ مال[10] کا شکریہ ہے کہ بندوں کے سامنے اس پر اپنی ملکیت و فوقیت اور تکبر کا اظہار نہ کرے[11]، خداوندی حدود سے تجاوز نہ کرے اور مال کے بارے میں حکمِ خدا کو ترک نہ کرے[12]، پھر مالی حقوق[13] مثلاً زکوٰۃ[14]، کفارہ[15]،

---

(۶) کہ بطریقِ حال اور فنا و زوال کے تقاضے پورے نہ کرتے ہوئے۔

(۷) کیونکہ نعمت کے شکار کے لیے شکر پنجرہ ہے اور اسے چھوڑنا پنجرہ کھولنے کے مترادف ہے۔

(۸) قلّت و کثرت، قبض و بسط اور جمع و تفرقہ کی حالت میں۔

(۹) جیسا کہ آیہ کریمہ اس پر ناطق ہے واما بنعمة ربّك فحدّث۔

(۱۰) شکر کا پہلا مطلب تمام نعمتوں کو شامل تھا اب مال کے ساتھ مخصوص شکر کا بیان ہو رہا ہے۔

(۱۱) جیسا کہ طاغی اور سرکش لوگ کرتے ہیں۔ دوسرا معنی: کہ مال و دولت کی فراوانی اور خوشحالی میں حقوقِ بندگی ترک کرتے ہوئے خداوندِ کریم کے سامنے تکبر نہ کرے۔

(۱۲) مثلاً حلال طریقے سے روزی حاصل کرے، اس کی تحصیل میں افراط و تکثیر سے بچا رہے اور خرچ کرتے وقت اسراف و تبذیر سے گریز کرے۔

نذریں، صدقہ[16]، مظلوم کی فریاد رسی[17] محتاجوں کی مصیبت میں مبتلی حاجتمندوں کی امداد کرتا رہے، حالات کی تغییر اور نیکیوں کی بدلیوں کے ساتھ تبدیلی کے وقت یعنی نعمت و فراخی اور تنگ دستی و بیماری کی حالت میں یہ کام جاری رہے۔ اپنے اعضاء و جوارح میں عافیت کا شکریہ ہے کہ طاعات میں ان سے مدد لے، اور حرام، بُرے اور گناہ کے کاموں سے انہیں باز رکھے۔ یہ نعمت کو کوچ کرنے سے روکنے والی قید ہے، اور اس کے درخت کو سیراب کرنے والا پانی ہے اور شکر نعمت کے درخت کی شاخیں اور پتّے نکالتا ہے، پھل پکاتا ہے ذائقہ شیریں بناتا ہے۔ آخر تک درخت کو سلامت رکھتا ہے اور اس کے پھل کو چبانے اور نگلنے کو آسان اور لذیذ بناتا ہے۔ انجام کے اعتبار سے اسے خوشگوار اور جسم میں نشوو نما کا باعث بنتا ہے۔ پھر اس کی برکت کے آثار اعضاء پر بے شمار طاعات و قربات اور اذکار کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں[18]۔ پھر آخرت میں اسے انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین جیسے بہترین رفقا کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی رحمت اور ہمیشہ کی جنتوں میں ٹھہرایا جائے گا اور اگر آدمی شکر کرنے کی بجائے دنیا کی ظاہری زیب و زینت پر

---

(۱۳) یا مال کے متعلق خدائی حقوق۔

(۱۴) فقہ میں مذکور شرائط کے مطابق۔

(۱۵) کفارۂ ظہار، صوم، فضل، خطا و یمین۔

(۱۶) صدقۂ فطر یا مطلق صدقہ

(۱۷) ایک نسخے میں اغاثہ (فریاد رسی) کے بجائے اعانت (مدد کرنا) ہے۔

(۱۸) شکر کے یہ انوار و برکات اور آثار و خیرات دنیا میں ظاہر ہوئے۔

مغرور ہو جائے اس کی لذات اور ظاہری تروتازگی[19] پر ذوق واطمینان حاصل کرے۔ ظاہری چمک دمک[20] سے آرام پائے۔ چونکہ دنیا کی ابتدا ذوق وسرور اور انجام میں شدت ومحنت ہونے سخت موسمِ[21] گرما کی صبح کی بادِ نسیم کی طرح ہے اور یہ ظاہر میں نقش ونگار اور نرمی رکھنے اور باطن میں تکلیف دہ ہوتے ہیں سانپوں اور بچھوؤں کی طرح ہے تو وہ آدمی دنیا کے اندر پوشیدہ زہر ہائے قاتل اس کے مکروں، لذتوں اور شہوتوں سے دلِ مردم کو شکار کرنے والے جالوں سے بے خبر رہے گا جو کہ طالبِ دنیا کو گرفتار کر کے ہلاک کرنے کیلیے بچھائے گئے ہیں ایسے شخص کو کوہِ عظمت ورفعت سے چاہِ تنزل میں گرنے کی مبارکباد دی جانی چاہیئے اسے ہلاکت اور دنیا میں ذلت ورسوائی کے ساتھ جلد ہی محتاجی[22] اور آخرت میں بھڑکتی ہوئی آگ میں عذاب کی خوشخبری[23]

---

(19) یعنی بظاہر تروتازہ ہے اور اندرونِ خانہ سراب کی طرح تو بے بو ہے۔

(20) جو آسمان کی بجلی کی طرح ایک آن کے لیے چمک کر فوراً کافور ہو جاتی ہے۔

(21) قیظ کا معنی ہے سخت گرم دن اور موسم گرما۔

(22) اگر دولت جاتی رہی تو فقیر ہو جائے گا اور دولت پاس ہی رہی موت کے ساتھ ہی ذلّت ورسوائی پائیگا اور آخرت کا عذاب اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

(23) عذاب پر خوشخبری استہزاء اور تمسخر کے طور پر ہے جیسا کہ فبشرھم بعذاب الیم میں ہے کہ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔ اب تک منعم علیہ کے احوال بیان ہوئے ہیں کہ اگر شکر کرے گا تو درجات و مراتب پر فائز ہوگا، اگر ناشکری کرے گا تو مہالک ودرکات میں گرے گا۔

دی جانی چاہیئے۔ لیکن مصیبت میں مبتلا آدمی کی بھی کئی صورتیں ہیں، کبھی تو جرائم کی سزا کے طور پر مصیبتوں میں مبتلا کیا جاتا ہے، کبھی گناہوں کو مٹانے اور ان کے میل سے پاک وصاف کرنے کے لیے کفارے کے طور پر ایسا ہوتا ہے[24]، کبھی ارفع درجات اور علم دین ومعرفت وقرب الٰہی کے اعلیٰ مراتب تک پہنچانے کے لیے ابتلا میں ڈالا جاتا ہے تاکہ اس طرح وہ قرب ومعرفتِ الٰہی میں صاحبانِ احوال ومقامات علما کے زمرے میں شامل ہو جائے جن پر انواع واقسام کی مخلوقات کے رب نے کرم کیا اور آفات وبلیات کے میدانوں میں رفق اور الطاف خفیہ کی سواری عطا کی، اور ان کی حرکات وسکنات میں اپنی نظر لطف وکرم کی خنک ہواؤں سے آسائش بخشی[25]، کیونکہ ان کی اس ابتلاء سے زجر وقہر کے ساتھ ہلاک کرنا مقصود نہیں تھا، نہ انھیں جہنم کی پستیوں[26] کی نذر کرنا مطلوب تھا لیکن اس کے ساتھ برگزیدہ اور اعلیٰ مراتب پر فائز کیا۔ ان کے ایمان کی حقیقت کو آشکارا اور شرک خفی[27] توحید اور تجرید وخفا کے کھوکھلے دعووں اور نفاق[28] سے پاک کر دیا اور صفاتِ قہریہ جلالیہ نیز لطفیہ جمالیہ کے

---

(24) جیسا کہ سونے کو آمیزش سے خالص کرنے کے لیے پگھلایا جاتا ہے۔

(25) چونکہ امتحان وابتلاء اور لطف وکرم میں بظاہر منافات ہے اس لیے اس کا دفعیہ کر رہے ہیں۔

(26) درکات کا استعمال اکثر دوزخ کے لیے اور درجات کا استعمال اکثر جنّت کے لیے ہوتا ہے۔

(27) یعنی اسباب ونعم پر اعتماد اور ان سے استناد۔

(28) کہ باطن میں جو احوال اور معارف وحقائق موجود نہیں ان کا اظہار کرنا نفاق ہے۔

علوم اور اسرار اور انوار[29] سے آراستہ کر دیا[30]۔ پھر جب یہ لوگ ظاہر و باطن کے اعتبار سے خالص اور ان کے اسرار پاکیزہ[31] ہو گئے تو انھیں مخصوص مخلصوں میں شامل کر دیا جو کہ دنیا و آخرت کے اعتبار سے بارگاہِ رب العزت کے ملازم اور مجلس رحمت کے ہم نشین ہیں، دنیا میں اپنے قلوب کے ساتھ اور آخرت میں اپنے اجسام کے ساتھ[32]۔ پس یہ آفتیں ان کے دلوں کو شرکِ خفی، اسبابِ

---

(۲۹) جو کہ علم و انکشاف کو لازم ہیں۔

(۳۰) جن کا نعمتوں کی موجودگی سے انکشاف نہیں ہو سکتا۔

(۳۱) یعنی لطائف مدرکہ یا باطن اور اس کے اندرونی احوال۔

(۳۲) کاملین کو آخرت کے کمالات دنیا میں مل جاتے ہیں

درحقیقت کاملین کو جو کمالات ظاہری طور پر مثلاً جنت کی نعمتیں بدن کے ساتھ رؤیت باری تعالیٰ وغیرہ آخرت میں حاصل ہوں گے وہ ان کو دل اور باطن کے ساتھ حاصل ہو جاتے ہیں وہاں دیدار سر کی آنکھوں کے ساتھ ہوگا اور یہاں دیدۂ دل کے ساتھ یہاں روحانی کمالات ہیں وہاں جسمانی لذات بھی میسر ہوں گی، یہاں کانّک تراہ گویا کہ تُو دیکھ رہا ہے اور وہاں انّک تراہ یقیناً تُو دیکھ رہا ہے، کا نظارہ ہوگا۔ یہاں ظاہر و باطن علیحدہ علیحدہ ہیں، اس لیے کہ درمیان میں پردہ ہے اور وہاں یہ دونوں ایک ہو جائیں گے تو درمیان سے پردہ ہٹا دیا جائے گا اور بصر و بصیرت کا ایک ہی حکم ہوگا اور بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ؎

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است   درحیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

خلق کی آمیزش اور ارادہ و خواہشات[33] کی میل سے پاک کرتی ہیں۔ نفس و

(جب آج ہی آپ کا جمال بے پردہ ظاہر ہے تو میں حیران ہوں کہ کل کا وعدہ کس لیے ہے)

غلبہ و مستی اور بے تمیزی کی بنا پر ہے البتہ ہوش و تمیز کی صورت میں پردہ باقی ہے مگر وہ اپنی صفائی اور لطافت کی وجہ سے اس طرح معلوم ہوتا ہے گویا کہ پردہ ہے ہی نہیں ؎

حجاب چہرۂ جان مے شود غبارِ تنم
خوشا دمی کہ ازیں چہرہ پردہ برفگنم

بہجۃ الاسرار میں ہے کہ حضرت سرکارِ بغداد علیہ الرحمۃ کے ایک مرید نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کو چشمِ سر کے ساتھ دیکھتا ہوں، جب یہ بات آپ تک پہنچی تو آپ نے زجر و توبیخ فرمائی اور دوبارہ ایسی بات کرنے سے منع کر دیا۔ خدام نے عرض کیا: حضرت! زجر و نصیحت ایک علیحدہ چیز ہے بات دراصل کیا ہے کیا یہ اپنے دعویٰ میں حق پر ہے یا باطل پر؟ فرمایا: یہ حق پر ہے مگر اسے اشتباہ ہو گیا ہے اس نے حقیقت کو چشمِ بصیرت کے ساتھ دیکھا ہے اور اس کی بصیرت کو بصر کی جانب کھولا گیا تھا اور درحقیقت نظر بصر کے بصیرت پر پڑنے سے اس نے گمان کر لیا ہے کہ میں نے بصر کے ساتھ دیکھا ہے

مرج البحرین یلتقیان بینھما برزخ لا یبغیان۔

طبیعت کو سونے اور چاندی کی طرح پگھلا کر دعووں، ہوسوں، اطاعت کے عوض جنت الفردوس(۳۴) اور دیگر جنتوں میں درجات و منازل عالیہ کی طلب سے خالی کر دیتی ہیں(۳۵) جو ابتلا گناہوں کی سزا کے لیے ہوگی اس کی صورت میں ابتلا پر صبر کی بجائے مخلوقات کے سامنے شکوہ و شکایت کرے گا(۳۶) جو ابتلا معاصی اور جرائم کو مٹانے کے لیے کفارہ کے طور پر ہو اس میں دوستوں اور پڑوسیوں کے

عکسِ رُوئے تو در آئینۂ جام افتاد
عارف از خندہ مے در طمعِ خام افتاد

(۳۳) کہ یہ وجودِ نعمت کی صورت میں اچانک پیدا ہو جاتی ہیں اگرچہ عارف کو تصرف اور صفات کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے مگر خاصیتِ نفس و طبیعت کی وجہ سے ماسوا کی طرف التفات کا احتمال باقی ہے لیکن صورت بلا میں ماسوائے قطع تعلق صاف اور غیر کے علاقہ سے تجرد باطن خالص ہوتا ہے۔

(۳۴) جنت الفردوس جنت کے مراتب میں سب سے بلند مرتبہ ہے۔

(۳۵) کیونکہ اس نے جسمانی امراض و آلام کی وجہ سے طاعت و عبادت نہیں کی ہوتی جس کا اجر طلب کرے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس حالت میں فوت شدہ سے کئی گُنا بڑھ کر اسے ثواب و عرفان حاصل ہوگا۔

(۳۶) ابتلا کسی صورت میں بے فائدہ نہیں ہوتی ہر اپنے پرائے یار و اغیار کے سامنے اس کا اظہار کرے گا کیونکہ اس پر آزمائش آئی ہے

سامنے شکوہ و شکایت کی بجائے صبرِ جمیل سے کام لیتا ہے احکام کی پابندی اور اطاعت کی ادائی سے ملول نہیں ہوتا(۳۷)۔ اور جو ابتلا، بلندیٔ درجات اور حصولِ قُرب و مراتبِ عالیہ کے لیے ہو، اس کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فعل و ارادہ سے رضا و موافقت پائی جائے گی، اور نفس ذکرِ مولیٰ سے اطمینان اور زمین و آسمان کے خالق و مالک(۳۸) کے فعل پر سکون پائے گا اور ایام و ساعات(۴۰) کے گزرنے کے ساتھ مصائب کے دُور ہونے(۳۹) تک ان میں فنا ہو جائے گا۔

مگر صبر کی دولت عطا نہیں کی گئی بلکہ عذاب دیا ہے اور اجر نہیں بخشا، اور عذاب گناہ کے مقابلے میں ہوتا ہے۔ اس تقدیر پر بھی اگر صرف دنیا میں عذاب ہو اور آخرت میں بچ جائے تو غنیمت ہے کیونکہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کی نسبت آسان اور ہلکا ہے۔ بہر تقدیر ابتلاء فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

(۳۷) کیونکہ جب صبر کرے گا تو عبادت میں ذوق و حلاوت پائے گا۔ اس کی نورانیت سے آدمی کا باطن پاک اور معصیت کی ظلمت محو ہو جائے گی۔

(۳۸) جو کہ قادر و قوی اور علیم و حکیم ہے وہ جو کرے اس پر راضی رہنا چاہیئے۔

(۳۹) الیٰ حین الانکشاف کا ایک معنی ہے کہ بلاؤں کے دُور ہونے تک، اور دوسرا معنی ہے حقیقت کے چہرے سے نقاب اُٹھنے اور مقامِ لقا حاصل ہونے تک جو کہ مقامِ بقا سے بالاتر ہے۔

(۴۰) **رِضا کی تعریف** بعض کے نزدیک تقدیراتِ الٰہیہ پر سکون و آرام کا نام رضا ہے اور بعض کے نزدیک فعلِ حق پر وجدانِ حلاوت کا نام رضا ہے مقامِ رضا مقاماتِ سلوک میں سب سے ارفع و اعلیٰ ہے اس سے بلند تر کوئی مقام نہیں ہے جیسا کہ احوال میں محبت کا حال اشرف و انفس ہے

رضا محبت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ جس قدر محبت زیادہ اور مضبوط ہو گی اسی قدر رضا صاف تر اور کامل تر ہو گی۔ رضا کی دو تفسیروں کا اختلاف بھی اسی پر مبنی ہے۔

صبر و رضا مقاماتِ قلب سے متعلق ہیں واضح ہو کہ صبر و رضا کا تعلق مقاماتِ قلب سے ہے۔ جب قلب برقرار اور تقلب سے محفوظ ہو گا تو رضا حاصل ہو گی اگرچہ نفس طبیعت اپنی خاصیت کی وجہ سے اس پر قلق و کراہت کا اظہار کرتا ہو۔ مگر اس کا غم نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ محبوب اپنے ہاتھ سے تلوار مارے تو طبیعت پر اس کا درد باقی ہو گا مگر محبوب کی طرف سے ہونے کی وجہ سے محبوب ہو گا کیونکہ كُلُّ شَيْءٍ مِّنَ الْمَلِيْحِ مَلِيْحٌ محبوب کی ہر شئے محبوب ہوتی ہے۔

المقالة السادسة والاربعون

قال رضـ في قول النبي صلى الله عليه وسلم عن ربه من شغله ذكري عن مسئلتي اعطيته افضل ما اعطي السائلين و ذلك ان المؤمن اذ اراد الله اصطفاءه واجتباءه سلك به في الاحوال وامتحنه بانواع المحن والبلايا والمصائب فيفقره بعد الغناء ويضطره الى مسئلة الخلق في الرزق عند سد جهاته عليه ثم يصونه عن مسئلتهم فيضطره الى القرض منهم ثم يصونه عن القرض فيضطره الى الكسب ويسهله عليه فياكل بالكسب الذي هو السنة ثم يعسره عليه فيلهمه السؤال للخلق ويامره بامر باطن يعلمه ويعرفه ويجعل عبادته فيه ومعصيته في تركه ليزول بذلك هواه وتنكسر نفسه وهي حالة الرياضة فيكون سواله على وجه الاجبار لا على وجه الشرك بالجبار ثم يصونه عن ذلك ويامره بالقرض منهم امرا جزما لا يمكن تركه كالسوال من قبل ثم ينقله من ذلك ويقطعه عن الخلق فيجعل رزقه في السوال له فيسأله جميع ما يحتاج اليه فيعطيه ولا

يُعْطِيهِ إِنْ سَكَتَ وَأَعْرَضَ عَنِ السُّؤَالِ ثُمَّ يَنْقُلُهُ مِنَ السُّؤَالِ
بِاللِّسَانِ إِلَى السُّؤَالِ بِالْقَلْبِ فَيَسْأَلُهُ بِقَلْبِهِ جَمِيعَ مَا يَحْتَاجُ
إِلَيْهِ فَيُعْطِيهِ حَتَّى لَوْ سَأَلَهُ بِلِسَانِهِ لَمْ يُعْطِهِ أَوْ سَأَلَ الْخَلْقَ
لَمْ يُعْطُوهُ ثُمَّ يُغْنِيهِ عَنْهُ وَعَنِ السُّؤَالِ جُمْلَةً ظَاهِرًا وَبَاطِنًا
فَيُبَادِئُهُ بِجَمِيعِ مَا يُصْلِحُهُ وَيَقُومُ بِهِ أَوَدُهُ مِنَ الْمَأْكُولِ وَ
الْمَشْرُوبِ وَالْمَلْبُوسِ وَجَمِيعِ مَصَالِحِ الْبَشَرِ مِنْ غَيْرِ أَنْ
يَكُونَ هُوَ فِيهَا أَوْ يَخْطُرَ بِبَالِهِ فَيَتَوَلَّاهُ وَهُوَ قَوْلُهُ إِنَّ وَلِيِّيَ
اللّٰهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِينَ فَيَتَحَقَّقُ ح قَوْلُهُ
عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ رَبِّهِ مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِي عَنْ مَسْئَلَتِي
أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِينَ وَهِيَ حَالَةُ الْفَنَاءِ الَّتِي
عَلَيْهِ أَحْوَالُ الْأَوْلِيَاءِ وَالْأَبْدَالِ ثُمَّ قَدْ يُرَدُّ إِلَيْهِ التَّكْوِينُ
فَيَكُونُ جَمِيعُ مَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ بِإِذْنِ اللّٰهِ وَهُوَ قَوْلُهُ فِي بَعْضِ
كُتُبِهِ يَا ابْنَ آدَمَ أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا أَقُولُ لِلشَّيْءِ كُنْ
فَيَكُونُ أَطِعْنِي تَقُولُ لِلشَّيْءِ كُنْ فَيَكُونُ۔

مقالہ ۴۶

حدیثِ قدسی سے ذکرو شغل کی فضیلت

حضرت شہنشاہِ بغداد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا حدیث قدسی میں ہے: جس شخص کو میرا ذکر(۱) مجھ سے سوال کرنے(۲) سے روک دے تو میں اُسے سوال کرنے والوں سے زیادہ دوں گا۔ یہ اس لیے کہ جب اللہ تعالٰی کسی مومن کو مقبول و برگزیدہ بنانا چاہتا ہے تو اُسے مختلف احوال کی راہ پر چلاتا ہے اور طرح طرح کی بلا و مصیبت(۳) کے ذریعے اس کا امتحان لیتا ہے اور اسے تونگری کے بعد فقیر بنا دیتا ہے، اس پہ روزی کی راہیں بند کر کے مخلوق سے سوال کرنے پر مجبور کر دیتا ہے پھر اسے سوال سے بچا کر(۴)

---

(۱) دل کے ساتھ ہو یا زبان کے ساتھ۔
(۲) کہ دل یا زبان کے ساتھ سوال اور دُعا نہ کر سکا۔
(۳) مثلاً حوادثِ زمانہ، امراض و آلام اور تنگدستی وغیرہ۔
(۴) کہ اسے لوگوں سے مایوس کر دیتا ہے یا کسب کی ہمت عطا کرتا ہے وغیر ذلک۔

مخلوق سے قرض لینے پر مجبور کر دیتا ہے۔ پھر قرض لینے سے محفوظ کر کے کسب[6] کی طرف مضطر کر کے اس پر کسب آسان کر دیتا ہے تو وہ سنّت[7] کے مطابق اپنے کسب سے کھاتا ہے پھر یہ بھی اس پر دشوار کر دیتا ہے[8] پھر اس کے بعد لوگوں سے سوال کرنے کا الہام[9] کرتا ہے۔ اس کا حکم امر باطن سے ہوتا ہے جسے مومن پہچان لیتا ہے[10]۔ یہ حکم بجالانا اس کے لیے عبادت اور اسے چھوڑ دینا گناہ بنا دیتا ہے تاکہ اس طرح اس کی خواہش زائل اور نفس شکستہ ہو جائے[11]۔ یہ ریاضت کی ایک حالت ہے[12] اس وقت اس کا سوال کرنا امر اور جبر کی وجہ سے ہوگا نہ کہ

---

(۵) مذکورہ اسباب کے ذریعے۔

(۶) یعنی روزی حاصل کرنے کے اسباب تلاش کرنا۔

(۷) سنّتِ الٰہیہ اس طرح جاری ہے یا سنّت سے مراد سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے حدیثِ پاک میں ہے کہ ہر نبی کا ایک پیشہ تھا اور میرا پیشہ جہاد ہے۔

(۸) کہ اس میں طاقت نہیں رہتی یا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ جس طرح سوال قرض کسب سے اضطراراً محفوظ ہوتا ہے اسی طرح بندہ یہ تینوں کام امر وجوب کی وجہ سے مجبوراً کرتا ہے۔

(۹) جیسا کہ اولیاءِ کرام کے دل میں پیدا ہوتا ہے، جیسا کہ مکرر گزر چکا ہے یہ یا تو صراحۃً اِفْعَلْ کے صیغے سے حکم ہوتا ہے یا قلبِ مومن میں ایک یقینی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ آئندہ عبارت کے زیادہ مطابق ہے۔

(۱۰) یا اللہ تعالیٰ اسے جتوا دیتا ہے۔ یہ معنیٰ زیادہ ظاہر ہے۔

(۱۱) کہ مخلوق سے سوال کرنے سے ذلت و انکسار حاصل ہوگا اور نفس شکست کھا جائیگا۔

(۱۲) یہ امر انتہائی بھوک و اضطرار کی حالت میں ہوگا ورنہ سوال کرنا حرام ہے اس کا حکم نہیں ہو سکتا۔

جبار کے ساتھ مشرک کے طریقے پر[13]، پھر اس کو سوال سے محفوظ کر کے پہلے کی طرح قرض مانگنے کا حتمی[14] حکم دیتا ہے پھر اسے قرض مانگنے سے ہٹا کر مخلوق سے بالکل لاتعلق کر دیتا ہے اور صرف اللہ ہی سے سوال کرنے میں لگا دیتا ہے تو وہ اپنی تمام ضرورتیں اسی سے مانگتا ہے[15] جو اس کو عطا کی جاتی ہیں اور اگر سوال کرنے سے اجتناب کرے اور چپ رہے تو اسے نہیں دیا جاتا پھر اسے زبان سے سوال کرنے کی بجائے دل سے سوال کرنے کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تو وہ دل میں اپنی ہر حاجت طلب کرتا ہے جو اسے مل جاتا ہے اور اگر زبان سے سوال کرے یا مخلوق سے طلب کرے تو نہیں ملتی، پھر اسے اپنی ذات اور زبان و دل سے کسی قسم کا سوال کرنے سے غائب کر دیا جاتا ہے اس کے بعد سوال، قرض کسب کے بغیر اور دل پر اس کا خطرہ آئے بغیر اس کو کھانے پینے اور پہننے کی اور انسانی زندگی کے لیے تمام ضروری چیزیں اس کو دی جاتی ہیں جس سے اس کی حالت بہتر اور کام درست ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کے کاموں کو اپنے ذمے لے لیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میرا دوست اللہ ہے[17] جس نے قرآن نازل کیا اور وہ نیکوکاروں کے کام کا

---

(۱۳) جیسا کہ گزر چکا ہے کہ نفس و طبیعت کے پیشِ نظر مخلوق سے سوال کرنا شرک ہے۔

(۱۴) جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔

(۱۵) یہاں تک کہ آٹے میں ڈالنے کے لیے نمک وغیرہ بھی۔

(۱۶) اگر یُغْنِیْهٗ کی بجائے یُعِیْنُهٗ پڑھا جائے تو بھی درست ہے ہر قسم کے سوال سے بچنے میں مدد کرتا ہے۔

(۱۷) اور تمام کاموں کا متولی۔

(۱۸) جو تمام مہمات میں کافی ہے اور اس میں ہر قسم کے آداب و مصالح اور احکام کی تعلیم ہے۔

اپنے لطف وکرم سے والی ہے، اس وقت مقالہ[19] کے شروع میں مذکور حدیثِ قدسی بھی محقق ہو جاتی ہے۔ یہی وُہ حالتِ فنا ہے جو اولیاء و ابدال کے حال کی انتہا ہے[20]، پھر کبھی اسے تکوینِ اشیاء[21] کی قوت دی جاتی ہے، تو تمام ضرورت کی چیزیں اللہ تعالیٰ کے اذن سے پیدا ہو جاتی ہیں[22]

---

(۱۹) جب بندہ مکمل طور پر سوال وطلب سے چھوٹ جائے، تمام اسباب و علل منقطع ہو جائیں اس کے تمام کاموں کا خود مولیٰ تعالیٰ والی بن جائے اور طلب و سوال کے بغیر تمام حاجات پوری ہوں۔

(۲۰) **نہایت حال سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ** صوفیاء کے نزدیک انتہا یہ ہے کہ سالک بشری صفات کے اضمحلال اور خلقتی رسوم کے محو ہونے کے بعد فنا فی اللہ سے گزر جائے اور سیر الی اللہ تک اس کی انتہا ہو۔ جب سالک اس مرتبے پر پہنچے گا تو دروازۂ ولایت میں داخل ہوگا اور منتہی ہو کر کامل ہو جائے گا اور جمع بعد الفرق کے مقام سے مشرف ہوگا اس کے بعد سیر فی اللہ کی ابتدا ہے یہاں تجلیات صفاتِ حق سے تربیت پا کر سیر من اللہ تک رسائی حاصل کرتا ہے اور مقامِ فرق بعد الجمع پر فائز ہو کر دوسروں کی تکمیل کرتا ہے، جیسا کہ اس کی کچھ تفصیل سابقہ مقالات میں گزر چکی ہے۔

(۲۱) عالم میں تصرف جیسا کہ بطور کرامت وخرقِ عادت ہوتا ہے۔

(۲۲) **کرامت ولایت کے لیے شرط نہیں ہے** کرامت درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ معجزہ نبی

اور ایسے[23] اللہ تعالیٰ نے پہلی نازل کردہ کتابوں میں فرمایا: اے فرزندِ آدم! میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں کسی شئے کو کہتا ہوں "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے، تو میری فرمانبرداری کر جس چیز کو کُن (ہو جا) کہے گا تو وہ چیز ہو جائے گی۔[24]

علیہ السلام کے ہاتھ پر۔ لفظ قد میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ظہورِ کرامات اور خرقِ عادات واقعات کا ہونا مقامِ ولایت کے لیے شرط اور لازم نہیں ہے۔ کبھی کرامات ہوتی ہیں اور کبھی نہیں، اگر ظاہر ہوں تو اس میں مریدین کے یقین کی تحصیل اور مصلحت پیشِ نظر ہوتی ہے نیز ولی کی ترقی اور یقین و تثبیت کو زیادہ کرنے کے لیے بھی کرامات کا ظہور ہو سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں تفصیلاً گفتگو ہمارے رسالہ "انوار جلیہ" میں موجود ہے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

(۲۳) یعنی ردِ تکوین اور کائنات میں تصرف کو۔

(۲۴) **بندے کو مقامِ تکوین کیوں ملتا ہے** اس میں راز یہ ہے کہ بندہ اطاعت کے ذریعے اپنے اختیار اور بشری صفات کی ظلمات سے خالی اور فانی ہو جاتا ہے تو ہر فنا کو بقا ہے اور "ہر خلا کو ملا لازم ہے" کے مطابق صفاتِ ربوبیت کے انوار سے باقی اور بھر جاتا ہے اور آثارِ قدرت اسباب و عادات کے پردہ سے باہر جلوہ گر ہو جاتے ہیں۔ جب بندہ اپنی عادت ترک کر دیتا ہے تو مولا کریم بھی اپنی عادت کو چھوڑ دیتا ہے۔ جب تک بندہ اپنی عادت کی تنگ وتاریک قید میں بند رہتا ہے تو عادتِ الٰہی بھی برقرار جاری رہتی ہے،

شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری شاذلی "کتاب الحکم" میں فرماتے ہیں :

کَیْفَ یَنْخَرِقُ لَکَ الْعَوَائِدَ
وَاَنْتَ مَا خَرَقْتَ مِنْ نَفْسِكَ الْعَوَائِدَ

(تم نے اپنی نفسانی عادات کو خیر باد نہیں کہا تو تمہیں خرقِ عادات کی دولت کب مل سکتی ہے)

تو کز سرای طبیعت نمی روی بیروں
کجا بکوئے حقیقت گزر توانی کرد

(تو تم اپنی طبیعت کے سرائے سے باہر نہیں نکلے حقیقت کے کوچے میں تمہاری گزر کیسے ہو سکتی ہے)

مذکورہ حدیث کا معنی شروع مقالہ میں درج حدیث کا ظاہری معنی یہ ہے کہ ایک شخص دُعا کر کے ربِ کریم سے اپنی حاجات طلب کرتا ہے اور دُوسرا ذکرِ حق میں مشغول رہتا ہے اور دُعا نہیں کرتا' تو ذکر اور رضائے حق کی فضیلت اس حد تک ہے کہ ذاکر کو جس قدر ملے گا سائل کو اتنا نہیں ملے گا۔ اور اس مقالہ میں مذکورہ اس تفصیل کے ساتھ تصویر و تمثیل بطن حدیث کی ہے اس کا حقیقی معنی اور فرد کامل ہے اور کاملین کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ طلب و سوال کا راستہ ان کے لیے بند ہو جاتا ہے اور فیوض و فتوح کے ابواب کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالٰے ہر شئے پر قدرت رکھتا ہے۔

اَلْمَقَالَةُ السَّابِعَةُ وَالْاَرْبَعُوْنَ

قَالَ رضی اللہ عنہ سَاَلَنِیْ رَجُلٌ شَیْخٌ فِی الْمَنَامِ فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ یَتَقَرَّبُ بِهِ الْعَبْدُ اِلَی اللّٰهِ فَقُلْتُ وَلِذٰلِكَ اِبْتِدَاءٌ وَاِنْتِهَاءٌ فَابْتِدَاءُهُ اَلْوَرَعُ وَاِنْتِهَاءُهُ الرِّضَاءُ وَالتَّسْلِیْمُ وَالتَّوَكُّلُ۔

مقالہ ۴۷

تقرب الی اللہ

حضرت شاہِ جیلان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے خواب میں ایک بوڑھے شخص نے سوال کیا کہ کس طریقے سے بندہ اپنے رب کا قرب حاصل کر سکتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ تقرب حاصل کرنے کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی۔ اس کی ابتدا ورع و تقوٰی ہے یعنی حتی الوسع محرمات و مکروہات سے پرہیز کرنا، اور اس کی انتہا رضا، تسلیم اور توکّل ہے۔[1]

---

(۱) ؎ رضا بہ قضا دہ و از چنین گرہ بکش
کہ بر من و تو درِ اختیار نکشادہ است
(قضا پر راضی رہو اور یہ گرہ اس طرح کھلے گی کہ تم یہ خیال کرو کہ مجھ پر اور آپ پر اختیار کا دروازہ بند ہے)
؎ ما سرِ تسلیم بنہادیم تا تقدیر چیست
(ہم نے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے تا کہ پتا چلے کہ تقدیر کیا ہے)

الْمَقَالَةُ الثَّامِنَةُ وَالْأَرْبَعُونَ

قَالَ رضي يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَشْتَغِلَ أَوَّلًا بِالْفَرَائِضِ فَإِذَا فَرَغَ
مِنْهَا اشْتَغَلَ بِالسُّنَنِ ثُمَّ يَشْتَغِلُ بِالنَّوَافِلِ وَالْفَضَائِلِ
فَمَا لَمْ يَفْرُغْ مِنَ الْفَرَائِضِ فَالِاشْتِغَالُ بِالسُّنَنِ حُمْقٌ وَ
رُعُونَةٌ فَإِنِ اشْتَغَلَ بِالسُّنَنِ وَالنَّوَافِلِ قَبْلَ الْفَرَائِضِ لَمْ
يُقْبَلْ مِنْهُ وَأُهِينَ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ رَجُلٍ يَدْعُوهُ الْمَلِكُ إِلَى
خِدْمَتِهِ فَلَا يَأْتِي إِلَيْهِ وَيَقِفُ بِخِدْمَةِ الْأَمِيرِ الَّذِي هُوَ
غُلَامُ الْمَلِكِ وَخَادِمُهُ وَتَحْتَ يَدِهِ وَوِلَايَتِهِ عَنْ عَلِيِّ ابْنِ
أَبِي طَالِبٍ رض قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مَثَلَ
مُصَلِّي النَّوَافِلِ وَعَلَيْهِ فَرِيضَةٌ كَمَثَلِ حُبْلَى حَمَلَتْ فَلَمَّا
دَنَا نِفَاسُهَا أَسْقَطَتْ فَلَا هِيَ ذَاتُ حَمْلٍ وَلَا هِيَ ذَاتُ وِلَادَةٍ
كَذٰلِكَ الْمُصَلِّي لَا يَقْبَلُ اللهُ لَهُ نَافِلَةً حَتّٰى يُؤَدِّيَ الْفَرِيضَةَ
وَمَثَلُ الْمُصَلِّي كَمَثَلِ التَّاجِرِ لَا يَحْصُلُ لَهُ رِبْحُهُ
حَتّٰى يَأْخُذَ رَأْسَ مَالِهِ فَكَذٰلِكَ الْمُصَلِّي بِالنَّوَافِلِ
لَا يُقْبَلُ لَهُ نَافِلَةٌ حَتّٰى يُؤَدِّيَ الْفَرِيضَةَ وَ
كَذٰلِكَ مَنْ تَرَكَ السُّنَّةَ وَاشْتَغَلَ بِالنَّوَافِلِ الَّذِي

لَمْ تُرَتَّبْ مَعَ الْفَرَائِضِ وَلَمْ يُنَصَّ عَلَيْهِ وَلَا يُؤَكَّدُ اَمْرُهَا فَمِنَ الْفَرَائِضِ تَرْكُ الْحَرَامِ وَالشِّرْكِ بِاللّٰهِ وَالْاِعْتِرَاضُ عَلَيْهِ فِيْ قَدْرِهٖ وَقَضَائِهٖ وَاِجَابَةُ الْخَلْقِ وَطَاعَتِهِمْ وَالْاِعْرَاضُ عَنْ اَمْرِ اللّٰهِ وَطَاعَتِهٖ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ۔

مقالہ ۴۸

مومن کے لائق اعمال

حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ مومن کو چاہیے کہ پہلے فرائض و واجبات ادا کرے(۱)، فرائض کے بعد سُننِ مؤکدہ میں مشغول ہو(۲)، پھر ان کے بعد نوافل و فضائل میں مشغول ہو(۳)۔ لیکن فرائض ادا کئے بغیر سُنن و نوافل میں مصروف رہنا حماقت اور رعونت ہے(۴)۔ اگر فرائض سے پہلے سُنن و نوافل میں مصروف ہوگا تو نامقبول ہوں گے بلکہ اُسے

---

(۱) تاکہ ان کے ترک پر عقاب و گناہ نہ ہو۔

(۲) ان کا چھوڑنا اساءت اور عتاب کا سبب ہے۔

(۳) انھیں ادا کرنے پر ثواب ہے اور ترک پر اساءت یا گناہ نہیں ہے۔

(۴) کہ ضروری کو چھوڑ کر غیر ضروری کا اہتمام کرنا عقل و خرد کے دستور سے دُور ہے کیونکہ عقل مند کے سامنے فائدہ حاصل کرنے کی بجائے نقصان سے بچنا زیادہ اہم ہے بلکہ در حقیقت یہاں تو نفع بھی منتفی ہے اور اس اعتبار سے ترک فرض کی صورت میں نوافل باطل اور نامقبول ہوں گے جیسا کہ آگے ذکر ہو رہا ہے۔

ذلیل کیا جائے گا۔(۵) اس آدمی کی مثال اس شخص کی ہے جسے بادشاہ اپنی خدمت پر مامور کرے(۶) اور وہ اس کی بجائے اس امیر کی خدمت پر مستعد ہو جائے جو خود بادشاہ کا غلام ہے اور اس کے حکم و ولایت کے زیر نگین ہے۔(۷) حضرت

---

(۵) نوافل فرائض کی کمی کو دور کرتے ہیں بزرگوں کا قول ہے کہ ”نوافل فرائض کا جبر نقصان کرتے ہیں“۔ یہ اس صورت میں ہے کہ پہلے فرائض بجا لائے اور اس کے حقوق سے واجبات کے علاوہ کوئی سببِ کمال چیز رہ گئی ہو تو یہ اس نقصان کو پورا کر دیں گے، یہ نہیں کہ فرض فوت ہو جائے تو نفل اس کے قائم مقام ہو جائیں۔ یہ اس طرح کہ ایک شخص نے کسی کا قرض دینا ہو تو وہ قرض نہ دے بلکہ اسے کچھ چیز ہدیہ کرے وہ اس ہدیے کو قبول نہیں کرے گا ہاں اگر قرض کی صفات و حقوق میں کچھ کمی رہ گئی ہو اور یہ ہدیے کے ذریعے پوری کرے تو ایسا ہو سکتا ہے۔

مشائخ کرام نے یہ بھی فرمایا کہ جس شخص کے نزدیک فرائض کی بجائے نوافل زیادہ اہم ہوں وہ مکر اور فریب خوردہ ہے۔

یہ بھی کہا ہے کہ بندہ کی ہلاکت دو چیزوں میں ہے:

(۱) فرائض کو ضائع کرتے ہوئے نوافل کی ادائی۔

(۲) دل کی موافقت کے بغیر عمل جوارح۔

(۶) یہ اللہ تعالیٰ کے فرائض ادا کرنے سے کنایہ ہے وہ حاکم اور بادشاہ مطلق ہے جس نے فرائض کا امر دیا ہے۔

(۷) یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر سنن و نوافل ادا کرنے کی

علی کرم اللہ وجہہ، سے روایت ہے حضرت رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فرائض سے قبل نفل ادا کرنے والا اس حاملہ عورت کی مثل ہے جو بچہ ہونے کے قریب زمانے میں اسقاطِ حمل کرا دے(۸)، وہ عورت

مثال ہے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر امیر اور اس کی بارگاہ کے خاص وزیر ہیں اسی طرح علمائے کے مستحسن و پسندیدہ قرار دادہ افعال ادا کرنا جو کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور غلام ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم و تشریع سے ہے۔ فرائض میں التزام و ایجاب کی وجہ سے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے اور سنن و نوافل کا وہ مرتبہ نہیں، انہیں رسول اللہ، صحابہ کرام اور تابعین کی خدمت سے تعبیر کیا ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(۸) وجہ تشبیہ فرائض کی ادائی کے بغیر نوافل قبول نہیں ہوں گے ان کی بے فائدہ مشقت حمل کی بے فائدہ مشقت کی طرح ہے کہ اس عورت نے ایک لمبی مدت تکلیف برداشت کی اس کا نتیجہ بچے کی صورت میں ظاہر ہونا تھا جو کہ مرتب نہیں ہوا۔

شیخ محمد فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے حاشیہ میں مثال کی توضیح میں ذکر فرمایا ہے کہ فرض بمنزلہ ولد ہے کیونکہ یہ دونوں مقصود بالاصالۃ ہیں اور نفل حمل کی طرح ہے کہ دونوں مقصود بالتبع ہیں کیونکہ نفل سے مقصود فرض کی تکمیل ہے جیسا کہ حمل سے مقصود حصولِ ولد ہے۔ اور جو شخص فرائض بروقت ادا نہ کرے نوافل میں مشغول رہے تو بمنزلہ حمل ہے جس کا بوجھ اٹھایا جائے، ولادت کے وقت کے قریب اسے ضائع کر دیا جائے۔ اس

نہ حاملہ ہے(9) نہ ہی صاحبِ اولاد۔(10) یہی حال ایسے نمازی کا ہے جس کے فرض ادا کئے بغیر نوافل قبول نہیں ہوتے۔ اسی طرح فرائض چھوڑ کر نفل پڑھنے والا تاجر کی طرح ہے جب تک وہ راس المال حاصل نہ کرے اسے نفع نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب تک فرائض ادا نہ کرے اس کے نوافل قبول نہیں ہوں گے۔(11) یہی حال اس شخص کا ہے جو سنّت(12) چھوڑ کر ان نوافل میں شروع ہو جائے جو فرائض کے لیے وظیفۂ دائمی نہیں۔ نہ شارع علیہ السلام کی طرف سے ان

صورت میں وجہ تشبیہ مقصود بالذات و مقصود بالتبع دونوں کو ضائع کر دینا ہے یہ اس لیے کہ فرائض کی ادائی کے بغیر نوافل بے فائدہ اور نامقبول ہیں تو دونوں نہ ہوئے فرض حقیقۃً نہیں اور نفل حکماً نہیں جیسا کہ حمل مذکور میں نہ حمل ہے نہ بچہ۔ بچہ حقیقتاً نہیں اور حمل حکماً نہیں۔ یہ معنی بھی درست ہے۔

(9) کہ مقصود اصلی مفقود ہے۔

(10) کیونکہ اس نے اسقاطِ حمل کرا دیا ہے۔

(11) نفلی عبادت نفع کی مانند ہے اور فرضی عبادت راس المال کی طرح ؎

حافظ آنکہ عشق نور دید و وصل خواست
احرام طوافِ کعبۂ دل بے وضو بہ بست

(12) جس طرح کا معاملہ فرائض و نوافل میں تھا وہی معاملہ سنن و نوافل کا ہے کیونکہ سنّت نفل کی نسبت اصل اور عمدہ ہے۔

پر نص کی گئی ہے اور نہ ہی انھیں ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔(13) مسلمان پر فرض ہے حرام(14) اور شرک(15) سے مکمل اجتناب کرے۔ اللہ تعالےٰ کی قضا و قدر پر اعتراض معصیات میں مخلوق کی فرمانبرداری اور اللہ تعالیٰ کی بندگی سے روگردانی مکمل طور پر ترک کر دے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالےٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔(16)

---

(13) پہلے فرائض کے علاوہ سب کو نفل کہتے تھے لیکن یہاں نفل سے مراد ہے جو سنن راتبہ کے علاوہ ہو۔ اور کبھی نوافل کو سنن زوائد کہہ لیتے ہیں۔

(14) اگرچہ ضروری کام کو بجا لانا بھی فرض ہے مگر اس کی نسبت حرام ترک کرنے کا اہتمام اشدہ اقوی اور جانب اجتناب کی رعایت اہم و اقدم ہے کیونکہ نفع حاصل کرنے کی بجائے نقصان دُور کرنا زیادہ اہم ہے جیسا کہ مقالہ نمبر ۲ میں حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے قول مبارک تَرْكُ الذُّنُوْبِ اَجْمَعُ وَ اَعْظَمُ کی تشریح میں بیان ہوا۔ اس لیے تخصیص کے ساتھ ترکِ حرام کا ذکر کیا اور خود فعلِ واجب ترکِ حرام کو مستلزم ہے اور اس کی ضد ترکِ حرام فعلِ واجب کو مستلزم ہے۔

(15) کہ بروجہ استقلال و استبداد مخلوق کی طرف افعال کی نسبت نہ کرے اور نہ ہی اسباب و وسائط پر اعتماد کرے۔

(16) ایک مسلمان کی شان کے لائق یہی ہے او امر تشریعی کو بجا لائے اور احکام ارادی کے سامنے گردن جھکا دے جو حکم ہو وہ کرے، اور جس حال میں رکھا جائے اسی حال میں رہے۔

المقالة التاسعة والاربعون

قال من اختار النوم على السهر الذي هو سبب اليقظة فقد
اختار الانقص والادنى واللحوق بالموتى والغفلة عن
جميع المصالح لان النوم اخ الموت ولهذا لا يجوز النوم
على الله لما انتفى عنه النقائص اجمع وكذلك الملئكة لما
قربوا منه عز وجل نفى عنهم النوم وكذلك اهل الجنة لما
كانوا في ارفع المواضع واطهرها وانفسها واكرمها نفى
عنهم النوم لكونه نقصانا في حالتهم فالخير كل
الخير في اليقظة والشر كل الشر في النوم و
الغفلة من المصالح فمن اكل بهواه اكل كثيرا و
شرب كثيرا فنام كثيرا وفاته الخير كثيرا ومن اكل
قليلا من الحرام كان كمن اكل كثيرا من المباح
بهواه لان الحرام يغطي الايمان ويظلمه
كالخمر يظلم العقل ويغطيه فاذا اظلم الايمان
فلا صلوة ولا عبادة ولا اخلاص ومن اكل
كثيرا من الحلال بالامر كان كمن اكل منه

قليلا في النشاط في العبادة والقوة فالحلال نور في
نور والحرام ظلمة في ظلمة لا خير فيه فاكل الحلال
بهواه بغير الامر كاكل الحرام في الجملة مستجلب
للنوم فلا خير فيه -

مقالہ ۴۹

نیند کی بُرائی

حضرت شاہِ جیلان رضی اللہ عنہ نے فرمایا : جو شخص آگاہی کے سبب بھی بیداری کی بجائے نیند کو اختیار کرے وہ نہایت ادنیٰ اور ناقص چیز کو پسند کرتا ہے ۔ اور نیند چونکہ موت کی بہن ہے اس لیے وہ تمام مصلحتوں سے بے خبر ہو کر مُردوں سے پیوستگی چاہتا ہے اس لیے خداوند قدوس نیند سے ماوراء ہے[۱] کیونکہ وُہ تمام نقائص[۲] سے پاک ہے ۔ ملائکہ بھی بارگاہِ رب العزت کے قریب ہونے کی وجہ سے نیند سے دُور ہیں[۳]، اور اسی طرح جنتی بہت بلند، پاکیزہ، نفیس اور اعلیٰ مقام پر فائز ہوں گے تو ان پر نیند طاری نہیں ہوگی کیونکہ یہ ان کی حالت میں نقصان دِہ ہے[۴] ۔ سب بھلائیاں بیداری میں اور

(۱) کیونکہ وہ ہر آن کسی کام میں ہے ۔

(۲) اس کی تمام صفات کاملہ ہیں ۔

(۳) وہ صفاتِ بشریت و اسباب فرت سے تجرد میں خدا تعالیٰ کے قریب ہیں ۔

(۴) جنتیوں کو نیند کیوں نہیں آتی جوفِ معدہ سے غلیظ بخارات

سب برائیاں اور مصلحتوں سے بے خبری نیند میں ہے جو شخص[۵] اپنی خواہش کے مطابق ضرورت سے زیادہ خورد و نوش اور نیند میں مصروف رہے گا تو اس کے ہاتھ سے بہت سی بھلائیاں نکل جائیں گی[۶] جس نے تھوڑا سا بھی حرام کھایا تو وہ غفلت و ظلمت میں اپنی خواہش کے زیرِ اثر بہت سا حلال کھانے کی طرح ہے[۷]، کیونکہ حرام ایمان کے حُسن و جمال کو ڈھانپ لیتا ہے جس طرح کہ شراب عقل کو لپیٹ کر تاریک کر دیتی ہے[۸]، اور جب ایمان میں بے نُور ہو گیا

اُٹھ کر دماغ کی طرف جاتے ہیں جس سے قویٰ و آلات میں تعطّل اور سُستی پیدا ہوتی ہے ۔ یہ ایک نقص ہے کیونکہ یہ غالباً بے حضوری اور بے شوقی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جبکہ جنتی لوگ ہمیشہ صفات کے مطالعہ اور ذات کے شہود کی وجہ سے ہمیشہ حضور و آگہی میں رہیں گے تو ان پر نیند کیسے غالب آسکتی ہے ع

ایں سخن بیگانہ را گو آشنا را خواب نیست

(یہ بات بیگانے سے کہے آشنا تو سوتا نہیں ہے)

(۵) چونکہ نیند کا غالب سبب کھانے پینے کی کثرت ہے اس لیے اس میں کمی کی ترغیب دلائی جا رہی ہے ۔

(۶) مثلاً عبادت و طاعت اور عبرت و تفکر وغیرہ ۔

(۷) یعنی حرام کھانے میں کمی بے فائدہ ہے کیونکہ یہ زیادہ کھانے کا حکم رکھتا ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ، لہٰذا حلال کھانا چاہیئے اور کم کھانا چاہیے چہ جائیکہ حرام اور زیادہ کھایا جائے ۔

(۸) اور شراب خور مجانین و بہائم کے حکم میں ہوتا ہے ۔ خمر کے معنی ہیں

تو نہ نماز ہے نہ کوئی عبادت[9] اور نہ ہی اخلاص[10]، اور جو شخص امرِ خداوندی سے بہت زیادہ کھالے[11]۔ گویا اس نے عبادت و قوت کی خوشی میں بہت تھوڑا کھایا۔ پس حلال نورٌ علیٰ نور ہے[12] اور حرام سراسر ظلمت ہے[13]۔ اس میں ذرّہ بھر بھلائی نہیں ہے۔ امرِ الٰہی کے بغیر اپنی خواہش سے حلال کھانا فی الجملہ حرام کھانے کی طرح ہی ہے جو نیند لاتا ہے لہٰذا اس میں خیر نہیں ہو سکتی۔[14]

پوشیدہ کرنا۔ شراب کو اس لیے خمر کہتے ہیں کہ یہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔

(9) جو کہ عبادات و احکام میں سب سے افضل ہے۔

(10) جب عقل و ادراک نہ ہو تو یہ چیزیں کیسے پائی جا سکتی ہیں۔

(11) نہ کہ خواہشِ نفسانی سے، جیسا کہ بعض منتہی اہل اللہ کا نفس جب اسیر ہو جاتا ہے تو ان کے لیے بعض مباحات میں وسعت اور آسانی پیدا کر دی جاتی ہے۔

(12) اگرچہ زیادہ کھایا جائے بشرطیکہ امرِ باطن سے زیادہ کھائے۔ طبیعت اور نفس کا اس میں دخل نہ ہو۔ اس طرح یہ سب نور بن جائے گا اور عبادات میں قوت آئے گی تو تمام نورٌ علیٰ نور ہو جائے گا۔

(13) اگرچہ قلیل ہو کیونکہ یہ ایمان کی تاریکی اور معصیت و گناہ پیدا ہونے کا سبب ہے اور یہ سب ظلمتیں ہیں۔

(14) یہاں چار قسموں کا ذکر ہوا ہے: (1) حلال کم کھانا اگرچہ خواہش کا دخل ہو، یہ امرِ خداوندی سے زیادہ کھانے کے حکم میں داخل ہے۔ (2) اپنی خواہش سے حلال زیادہ کھانا، یہ اور حرام کم کھانا ایک حکم رکھتے ہیں (3) اور حرام زیادہ کھانا سب سے بدتر ہے۔ (4) اور اللہ تعالےٰ کے حکم سے کم کھانا سب سے اعلیٰ اور اصفا ہے۔

اَلْمَقَالَةُ الْخَمْسُوْنَ

قَالَ رض لَا يَخْلُوْ اَمْرُكَ مِنْ قِسْمَيْنِ اِمَّا اَنْ تَكُوْنَ غَائِبًا مِّنَ
الْقُرْبِ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اَوْ قَرِيْبًا مِّنْهُ وَ وَاصِلًا اِلَيْهِ فَاِنْ
كُنْتَ غَائِبًا عَنْهُ فَمَا قُعُوْدُكَ وَ تَوَانِيْكَ عَنِ الْحَظِّ الْوَافِرِ وَ
النَّعِيْمِ وَ الْعِزِّ الدَّائِمِ وَ الْكِفَايَةِ الْكُبْرٰى وَ السَّلَامَةِ وَ الْغِنَا
وَ الدَّلَالِ فِي الدُّنْيَا وَ الْاُخْرٰى فَقُمْ وَ اَسْرِعْ فِي الطَّيَرَانِ
اِلَيْهِ بِجَنَاحَيْكَ اَحَدُهُمَا تَرْكُ اللَّذَّاتِ وَ الشَّهَوَاتِ الْحَرَامِ
مِنْهَا وَ الْمُبَاحِ وَ الرَّاحَاتِ اَجْمَعَ وَ الْاٰخِرُ اِحْتِمَالُ الْاَذٰى وَ
الْمَكَارِهِ وَ رُكُوْبُ الْعَزِيْمَةِ وَ الْاَشَدِّ وَ الْخُرُوْجُ مِنَ الْخَلْقِ وَ
الْهَوٰى وَ الْاِرَادَةِ وَ الْمُنٰى دُنْيَا وَّ اُخْرٰى حَتّٰى تَظْفَرَ بِالْوُصُوْلِ
وَ الْقُرْبِ فَتَجِدَ عِنْدَ ذٰلِكَ جَمِيْعَ مَا تَتَمَنّٰى وَ يَحْصُلُ لَكَ
الْكَرَامَةُ الْعُظْمٰى وَ الْعِزَّةُ الْكُبْرٰى وَ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ
الْوَاصِلِيْنَ اِلَيْهِ مِمَّنْ اَدْرَكَتْهُمُ الْعِنَايَةُ وَ شَمَلَتْهُمُ
الرِّعَايَةُ وَ جَذَبَتْهُمُ الْمَحَبَّةُ وَ نَالَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَ الرَّأْفَةُ
فَاَحْسِنِ الْاَدَبَ وَ لَا تَغْتَرَّ بِمَا اَنْتَ فِيْهِ فَتُقَصِّرَ فِي الْخِدْمَةِ
وَ لَا تُخْلِدْ فِي الرُّعُوْنَةِ الْاَصْلِيَّةِ مِنَ الْجَهْلِ وَ الظُّلْمِ وَ

الْعُجْلَةِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا
وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا وَاحْفَظْ قَلْبَكَ مِنَ الْإِلْتِفَاتِ إِلَى مَا تَرَكْتَهُ
مِنَ الْخَلْقِ وَالْهَوَى وَالْإِرَادَةِ التَّخْيِيرِ وَالتَّدْبِيرِ وَتَرْكِ الصَّبْرِ
وَالْمُوَافَقَةِ وَالرِّضَا عِنْدَ نُزُولِ الْبَلَاءِ بَلْ اسْتَطْرِحْ بَيْنَ يَدَيْهِ
كَالْكُرَةِ بَيْنَ يَدِي الْفَارِسِ يُقَلِّبُهَا بِصَوْلَجَانِهِ وَالْمَيِّتِ بَيْنَ
يَدِي الْغَاسِلِ وَالطِّفْلِ الرَّضِيعِ فِي حِجْرِ أُمِّهِ وَظِئْرِهِ تَعَامَى
عَمَّنْ سِوَاهُ فَلَا تَرَى لِغَيْرِهِ وُجُودًا وَلَا ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا عَطَاءً
وَلَا مَنْعًا اجْعَلِ الْخَلِيقَةَ وَالْأَسْبَابَ عِنْدَ الْأَذِيَّةِ وَالْبَلِيَّةِ
كَسَوْطِهِ عَزَّ وَجَلَّ يَضْرِبُكَ بِهِ وَعِنْدَ النِّعْمَةِ وَالْعَطِيَّةِ كَيَدِهِ
يُلْقِمُكَ بِهَا۔

مقالہ ۵۰

بُعد دُور کرنے کا طریقہ

حضرت غوثِ صمدانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارا معاملہ دو قسموں سے خالی نہیں ہے یا اللہ عزّ و جل کا قُرب نہیں ہوگا یا قُرب و وصال حاصل ہوگا۔ اگر قُرب حاصل نہیں حظ وافر، دائمی عزّت و نعمت، کفایتِ عظمیٰ، سلامتی و تونگری اور دُنیا و آخرت کی محبوبی حاصل کرنے میں اس قدر کوتاہی اور سُستی کیوں کرتے ہو؟ اُٹھو اور اپنے دونوں بازوؤں کے ساتھ قربِ خداوندی کی منزل کی طرف تیزی سے پرواز کرو۔ تمہارا ایک بازو حرام و مباح تمام لذّات و شہوات اور ہر طرح کی آسائشوں سے کنارہ کش ہونا ہے۔ اور دُوسرا بازو اذیتوں، سختیوں کو برداشت کرنا، عزیمت اور مشکل تر کام بجالانا اور مخلوق، خواہشاتِ نفس اور دنیا و آخرت کے ارادوں سے نکل جانا ہے۔ اس پرواز کے ساتھ تمہیں قُرب و وصالِ خداوندی حاصل ہوگا اور اس وقت تمہاری تمام تمنّائیں پُوری ہوں گی کرامتوں اور عزت و عظمت سے سرفراز ہوگے۔ اور اگر تم مقربین اور واصلین سے ہو جنہیں عنایت و رعایت خداوندی حاصل ہے اور انہیں محبتِ الٰہی نے اپنی طرف کھینچ رکھا ہے

اور انہیں رحمت و رافت نے لپیٹا ہوا ہے۔ بارگاہِ رب العزت کے آداب بجالاؤ اس حالت پر مغرور نہ ہو جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خدمت اور آداب میں تقصیر ہو جائے اور تم اپنی اصلی رعونت یعنی انجام کار سے بے خبری اپنی جان پر ظلم اور بے تامل امور میں عجلت کی طرف لوٹ آؤ۔ قرآنِ حکیم میں ہے، بارِ امانت[1] کو انسان نے اٹھا لیا بے شک وہ بڑا ظالم[2] جاہل[3] ہے۔ نیز ارشاد ہوتا ہے، اور انسان جلد باز ہے۔ اور اپنے[4] دل کو ترک شدہ چیزوں یعنی گرفتاریٔ خلق، خواہشِ نفس، ماسوا کا ارادہ، کسی فعل کا اپنے نفس کے لیے اختیار و تفکر، اور نزولِ بلا کے وقت صبر و رضا اور موافقت کو ترک کرنا، ایسے کاموں کی طرف مائل ہونے سے بچاؤ[5]، بلکہ خداوند قدوس کے سامنے اس طرح

---

(۱) یعنی امر و نہی میں اللہ تعالےٰ کی اطاعت۔

(۲) کہ امانت کی حفاظت اور عہد کے ایفا نہ کرنے پر وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔

(۳) کہ انجام کار سے ناواقف ہے جنس پر یہ حکم اکثریت کی بناء پر ہے ورنہ بہت سے آدمی رہے ہیں جن میں اس وصف کا اظہار نہیں ہوا۔ لیکن آدمی کی جبلت میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں۔ اور بعض حضرات توفیق ہدایت کے نور اور قوتِ غضبیہ و شہویہ پر قوتِ عقلیہ کے غلبہ کی وجہ سے اس وصف سے نکل چکے ہیں۔

(۴) اگرچہ بشری تعلقات و قیودات ارادہ و خواہش اور مخلوق سے جدا ہو کر بارگاہِ رب العزت کے مقرب و واصل بن چکے ہیں لیکن اب بھی غافل نہیں ہونا چاہیئے۔

(۵) منتہی حضرات کو بھی راہِ سلوک میں غفلت نہیں چاہیئے یہ مذموم رذیل

ہو جاؤ[6] جیسے گھوڑ سوار کے سامنے گیند، کہ وہ ہاکی کے ساتھ جس طرف چاہے

اشیاء اگرچہ مجاہدہ و ریاضت کی وجہ سے زائل ہو چکی ہیں اور دل ان سے نجات پا چکا ہے۔ چونکہ یہ چیزیں جبلتِ بشری میں داخل ہیں اس لیے نفس کے مکر سے آگاہ رہنا چاہیئے تاکہ ان کی طرف میلان و التفات نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منتہیوں کو سیر و سلوک کے مکمل ہونے کے باوجود نفس کی سیاست و حفاظت سے غافل نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ نفس ان کے ہاتھ میں قیدی ضرور ہے مگر مردہ اور بالکل معدوم نہیں ہے اور قیدی کی نگہبانی نہ کی جائے تو از خود یا غیر کی معاونت سے قید سے نکل جانے کا امکان ہوتا ہے ؎

نفسے دارم کہ ہر نفس مہ گردد
گریم کہ ریاضت و ہمتش بہ گردد
ہر چند بجہد لاغرش گردانم
از یک سخن فضول فربہ گردد

نیز اگرچہ منتہی نفلی عبادات و خیرات میں کمی کرنے کی وجہ سے اپنے حال اور مقام سے نیچے نہیں آتا، مگر مقاماتِ قرب کے بے حد و بے حساب مراتب میں ترقی سے محروم ہو جاتا ہے ؎

اے برادر بے نہایت درگہی ست
بر ہر آنچہ یافتے باللہ مایست

پھینک سکتا ہے یا جس طرح غسل دینے والے کے سامنے مُردہ یا ماں کی آغوش میں طفلِ شیر خوار[7]۔ اور چاہیئے کہ غیرِ حق تعالےٰ سے آنکھیں موند لو کہ تمھاری بصیرت کے مشاہدہ میں اللہ تعالےٰ کی ذات وصفات کے سوا کوئی اور نظر نہ آئے اور یہ یقین کر لو کہ غیرِ حق کا نفع ونقصان اور عطا ومنع قطعاً داخل نہیں ہے۔ تکلیف اور اذیت کے وقت اسبابِ دنیا اور مخلوق کو خدا تعالےٰ کا تازیانہ سمجھو جس سے تمھیں مار پڑتی ہے[8]، اور نعمت وعطا کے وقت اسبابِ دُنیا اور مخلوق کو اس

(اے بھائی! اس بارگاہ کی کوئی انتہا نہیں ہے جو کچھ بھی
حاصل کر چکے ہو وہ بہت کم ہے)

لہذا سلامتی اور مقامِ تمکین پر فائز ہونے کا راستہ یہی ہے کہ جب تک ہستی اور خود پرستی کا وجود باقی ہے اور مطلقاً فنا حاصل نہیں مسلسل کوشش جاری رہنی چاہیئے۔ اس کا طریقہ آگے ذکر ہو رہا ہے۔

(۶) کہ کوئی فعل واختیار باقی نہ رہے۔

(۷) اس مقام پر یہ مثالیں اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف بر سبیل تنزل بیان کی ہیں کہ گیند کی طرح ہو جاؤ، اگر گیند نہیں بن سکتے مُردہ بدستِ غاسل کی خُو بنا لو۔ اگر یہ بھی نہیں تو طفلِ شیر خوار کی مثل ہو جاؤ، اور بعض مقامات پر یہ مثالیں بر سبیل ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ بیان ہوتی ہیں۔

(۸) اس سے تمھیں طلب وتقرب کے راستے میں چُست وچالاک بناتے ہیں لیکن یہ معاملہ اس شخص کے ساتھ ہوتا ہے جسے یقین ہو کہ مبتلا کرنے والا خود خداوند تعالےٰ ہے کہ وہ میری صلاح اس میں جانتا ہے اور یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے، جیسا کہ صحت مند گھوڑے کو تازیانہ لگے تو تیز

طرح جانو گویا خدا تعالےٰ نے خود اپنے دستِ قدرت سے تمھیں کھلا دیا ہے[9]۔

دوڑتا ہے اور جو شخص ان صفات کا حامل نہیں وہ مصائب میں سست تر ہو جاتا ہے جیسا کہ سرکش گھوڑا تازیانہ لگنے سے اور بپھر جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: وان اصابته فتنة انقلب علیٰ وجهه۔

(۹) یعنی بلاء ونعمت میں فاعلِ حقیقی اللہ تعالےٰ کو جانو اور وسائل واسباب کا وجود تسلیم نہ کرو۔

المقالة الاحدى والخمسون

قَالَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ الزَّاهِدُ يُثَابُ بِسَبَبِ الْأَقْسَامِ مَرَّتَيْنِ فِي تَرْكِهَا أَوَّلًا فَلَا يَأْخُذُ بِهَوَاهُ وَمُوَافَقَةِ النَّفْسِ بَلْ بِمُجَرَّدِ الْأَمْرِ يَأْخُذُهَا فَإِذَا تَحَقَّقَتْ عَدَاوَتُهُ لِنَفْسِهِ وَمُخَالَفَتُهُ لِهَوَاهُ وَعُدَّ مِنَ الْمُحَقِّقِينَ وَأَهْلِ الْوِلَايَةِ وَأُدْخِلَ فِي زُمْرَةِ الْأَبْدَالِ وَالْعَارِفِينَ لَهُ أُمِرَ حِينَئِذٍ بِتَنَاوُلِهَا وَالتَّلَبُّسِ بِهَا إِذْ هِيَ قِسْمَةٌ لَا بُدَّ لَهُ مِنْهَا لَمْ يُخْلَقْ لِغَيْرِهِ وَجَفَّ بِهَا الْقَلَمُ وَسَبَقَ بِهَا الْعِلْمُ فَإِذَا امْتَثَلَ الْأَمْرَ فَتَنَاوَلَ أَوْ أُطْلِعَ بِالْعِلْمِ فَتَلَبَّسَ بِهَا لِجَرَيَانِ الْقَدَرِ وَالْفِعْلِ فِيهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُونَ هُوَ فِيهِ لَا هَوًى وَلَا إِرَادَةَ وَلَا هِمَّةَ أُثِيبَ بِذٰلِكَ ثَانِيًا إِذْ هُوَ مُمْتَثِلٌ لِلْأَمْرِ بِذٰلِكَ أَوْ مُوَافِقٌ لِفِعْلِ الْحَقِّ فِيهِ فَإِنْ قِيلَ كَيْفَ أَطْلَقْتَ الْقَوْلَ بِالثَّوَابِ لِمَنْ هُوَ فِي الْمَقَامِ الْأَكْبَرِ الَّذِي ذَكَرْتَهُ مِنْ أَنَّهُ أُدْخِلَ فِي زُمْرَةِ الْأَبْدَالِ وَالْعَارِفِينَ الْمَقْبُولِ مِنْهُمْ وَهُمُ الْفَانِينَ عَنِ الْخَلْقِ وَالْأَنْفُسِ وَالْأَهْوِيَةِ وَالْإِرَادَةِ وَالْحُظُوظِ وَالْأَمَانِي وَالْأَعْوَاضِ عَلَى الْأَعْمَالِ الَّذِينَ يَرَوْنَ جَمِيعَ طَاعَاتِهِمْ وَعِبَادَاتِهِمْ فِعْلًا مِنَ اللهِ وَرَحْمَةً وَنِعْمَةً وَتَوْفِيقًا وَ

تَيْسِيرًا مِنْهُ وَيَعْتَقِدُونَ أَنَّهُمْ عَبِيدُ اللهِ وَالْعَبْدُ لَا يَسْتَحِقُّ عَلَى مَوْلَاهُ حَقًّا إِذْ هُوَ بِرَقَبَتِهِ وَحَرَكَاتِهِ وَسَكَنَاتِهِ وَاكْتِسَابِهِ مِلْكٌ لِمَوْلَاهُ فَكَيْفَ يُقَالُ فِي حَقِّهِ يُثَابُ وَهُوَ لَا يَطْلُبُ ثَوَابًا وَلَا عِوَضًا عَلَى فِعْلِهِ وَلَا يَرَى لَهُ عَمَلًا بَلْ يَرَى نَفْسَهُ مِنَ الْبَطَّالِينَ وَأَفْلَسِ الْمُفْلِسِينَ مِنَ الْأَعْمَالِ فَقِيلَ صَدَقْتَ غَيْرَ أَنَّ اللهَ يُوَاصِلُهُ بِفَضْلِهِ وَيُدَلِّلُهُ بِنِعَمِهِ وَيُرَبِّيهِ بِلُطْفِهِ وَرَأْفَتِهِ وَرَحْمَتِهِ وَبِرِّهِ وَكَرَمِهِ إِذْ كَفَّ يَدَهُ مِنْ مَصَالِحِ نَفْسِهِ وَطَلَبِ الْحُظُوظِ لَهَا الْبَاقِيَةِ الْمُدَّخَرَةِ وَجَلْبِ النَّفْعِ إِلَيْهَا وَدَفْعِ الضُّرِّ عَنْهَا فَهُوَ كَالطِّفْلِ الرَّضِيعِ الَّذِي لَا حَرَاكَ بِهِ فِي مَصَالِحِ نَفْسِهِ وَهُوَ مُدَلَّلٌ بِفَضْلِ اللهِ وَرِزْقِهِ الدَّانِي عَلَى يَدَيْ وَالِدَيْهِ الْوَكِيلَيْنِ الْكَفِيلَيْنِ فَلَمَّا سَلَبَ عَنْهُ مَصَالِحَ نَفْسِهِ أَعْطَفَ قُلُوبَ الْخَلْقِ عَلَيْهِ وَأَوْجَدَ رَحْمَتَهُ وَشَفَقَتَهُ فِي الْقُلُوبِ حَتّٰى كُلٌّ وَاحِدٍ يَرْحَمُهُ وَيَتَعَطَّفُ عَلَيْهِ وَيَبَرُّهُ فَهٰكَذَا الْكُلُّ فَانٍ عَمَّا سِوَى اللهِ الَّذِي لَا يُحَرِّكُهُ غَيْرُ أَمْرِهِ أَوْ فِعْلِهِ مُوَاصَلٌ بِفَضْلِ اللهِ دُنْيَا وَأُخْرٰى مُدَلَّلٌ فِيهِمَا مَدْفُوعٌ عَنْهُ الْأَذَى قَالَ إِنَّ وَلِيِّيَ اللهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِينَ ۔

مقالہ ۱۵

زُہد کی حقیقت

حضرت شاہِ جیلان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زاہد کو اقسام کے سبب دو ثواب ملتے ہیں(۱)، پہلا ترکِ اسباب پر، کیونکہ وہ اپنی خواہش اور موافقتِ نفس سے کچھ نہیں لیتا بلکہ محض امر(۲) کی تعمیل کرتا ہے۔ جب نفس سے اس کی مخالفت اور دشمنی ثابت ہو جاتی ہے۔ اس کو محققین اہلِ ولایت میں شمار کرتے ہوئے ابدال و عرفاء کی صف میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ اس وقت اسے حکم(۳) ہوتا ہے کہ اپنی قسمت کی چیزیں پکڑ لو، کیونکہ وہ اس کے لیے تخلیق ہوئی ہیں اور خامۂ قدرت سے اس لیے تحریر ہو چکی ہے اور روشنائی خشک

---

(۱) **زاہد کا معنی** جو دنیا اور اس کی لذات کو خیر باد کہتے ہوئے اس سے نفرت کرے، پھر اپنا نصیب حاصل کرے تو اسے ترک کرنے پر بھی اجر ملتا ہے اور اخذ پر بھی۔

(۲) امر ارادی ہو یا امر تشریعی۔

(۳) ظاہراً یا باطناً۔

ہو چکی ہے اور علمِ ازلی میں ایسا ہی تھا۔ زاہد جب حکم کی تعمیل کرے یا باطنی علوم سے واقف ہو جائے تو اپنی قسمت کی چیز لے لیتا ہے(۴) کیونکہ تقدیر اور حکمِ الٰہی اسی طرح ہے اور اس میں اس کی ذات اور خواہش و طلب کا دخل نہیں ہے پھر اسے حکمِ الٰہی کی تعمیل یا اپنے علم کے مطابق لینے میں حق تعالےٰ کے ساتھ موافقت پر ثواب کا دُوسرا حصّہ بھی مل جاتا ہے(۵)۔

---

(۴) جیسا کہ مخصوص اربابِ کشف کو حکم ہوتا ہے۔

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے احوال شریفہ

حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے احوال میں مذکور ہے کہ آپ نے کسی شہری کو لکھا کہ ہمارا کچھ حصہ تمہارے پاس ہے وہ آج دے دو ورنہ کل دینا پڑے گا۔ اس شخص نے مطلوبہ رقم پیش نہ کی۔ یہ کسی اور آدمی کا وکیل و امین تھا۔ دوسرے دن اس مؤکل کا خط آیا کہ میری رقم میں سے اتنی رقم حضرتِ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے لیے روانہ ہے، وہ فوراً آپ کی خدمت میں پہنچا دو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بندہ جب مامور ہو جائے یا علم باری تعالیٰ پر مطلع ہو جائے تو اسباب سے تعلق درست ہے۔

(۵) خلاصۂ کلام یہ کہ جب وہ ترک و اخذ میں اپنے ارادے کو دخل نہیں دیتے اور یہ دونوں چیزیں حق تعالیٰ کے امر و فعل سے ہوتی ہیں تو وہ دونوں حالتوں میں اجر و ثواب پاتے ہیں۔ کسی عارف کے اس قول کا یہ مطلب بیان کیا ہے: "اگر ہو تو غم نہیں اور نہ ہو تو بھی غم نہیں" یعنی جب ارادہ و خواہش ہی نہ ہوتی غم و اندوہ کس بات کا۔ یہ غم نفس

اعتراض: جو شخص تمہارے ذکر کردہ بلند تر مقام پر فائز ہو ابدالوں، عرفاء اور مقبولوں میں شمار ہو اور نفس اور مخلوق سے دُور ہو گیا ہو۔ ارادوں، خواہشات ولذات کو تج دے کر اعمال پر ملنے والے صلے سے خالی ہو چکا ہو اور اپنی تمام عبادات وطاعات کو اللہ تعالیٰ کا فعل، اس کی نعمت و رحمت اور توفیق وتیسیر جانتا ہو (۶) اور اپنے آپ کو خدا کا غلام تسلیم کرتے ہو، اور غلام کا آقا پر کسی قسم کا حق نہیں ہوتا اور غلام کی ہر حرکت وسکون اور ہر کسب صرف آقا ہی کے لیے ہوتا ہے (۷) اور وُہ آقا کی ملک ہوتا ہے اس پر تم ثواب کا حکم کس طرح لگا سکتے ہو۔ جبکہ وہ خود ثواب طلب نہیں کرتا (۸) اور اپنے اعمال کا معاوضہ نہیں چاہتا اور کسی عمل کو اپنی طرف سے نہیں دیکھتا بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ وُہ ناکارہ ہے اور اعمال سے بالکل خالی ہے (۹)۔

کی مزاحمت سے پیدا ہوتا ہے اس آیۂ کریمہ کا بھی یہی معنیٰ ہے الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون۔

(۶) **اسباب و آلات خدا کی مخلوق ہیں** یعنی وہ یہ یقین کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے انعام واکرام فرمایا ہے، اور یہ تمام آلات و اسباب اور قصد وقدرت اسی کی مخلوق ہیں۔ ان میں ذاتی طور پر ذرہ بھر بھی قدرت وتاثیر نہیں ہے۔

(۷) چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے واللہ خلقکم وما تعملون۔

(۸) اور اپنی ذاتی کوئی چیز بھی نہیں۔

(۹) اخلاص کا معنیٰ ہے کسی چیز کا پاس نہ ہونا یہاں تک کہ لوگ کہیں ایک پائی بھی اس کے پاس نہیں ہے۔

جواب: تم ٹھیک کہتے ہو۔ حقیقت یہی ہے (۱۰)۔ مگر اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس کو ثواب عطا کرتا ہے (۱۱)، نازونعمت سے رکھتا ہے اور اپنے لُطف وکرم اور کمالِ مہربانی سے اس کی تربیت فرماتا ہے (۱۲) یہ اس لئے ہے کہ وُہ اپنے نفسی مصالح اور دُنیاوی تدابیر چھوڑ چکا ہے آخرت میں رکھے ہوئے حظِ نفس کے سامان لذت ومنفعت کے حصول اور ضرر ونقصان کے دفعیے سے اس طرح جدا ہے جس طرح کہ طفلِ شیرخوار اپنی مصلحتوں کے لیے کچھ نہیں کرسکتا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کے والدین کو اس کا رزق عطا کرکے انہیں اس کی کفالت کا ذمہ دار بنا دیتا ہے (۱۳)۔ جب بندہ ذاتی مصلحتوں

---

(۱۰) کہ یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے بندہ کسی چیز پر استحقاق نہیں رکھتا

(۱۱) کسی قسم کے استحقاق اور لزوم کے بغیر۔

(۱۲) **مثال** اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی باغ لگائے، کنواں کھدوائے اور تمام آلات واسباب تیار کرکے ایک باغبان مقرر کرے جو ماہانہ وظیفہ لے کر باغبانی کرتا رہے اور جب پھل پکے تو پھل لے کر مالک کی خدمت میں حاضر ہو اور انعام پائے، اس میں باغبان کسی انعام کا مستحق ہے؟ باغ اور اس کی دیگر ضروری اشیاء سب مالک کی ہیں اور یہ وظیفہ خوار ہے پھر بھی انعام پاتا ہے، تو یہ محض مالک کا فضل وکرم ہے۔

ہمہ آن تو آن با ہمہ ہیچ

(۱۳) چنانچہ طفلِ شیرخوار اپنی تدبیر واختیار نہیں کرسکتا اللہ تعالیٰ نے اس کے والدین کو اس پر مہربان اور اس کے رزق کا کفیل بنا دیا ہے،

سے بالکل فانی ہو جاتا ہے۔ اس پر مخلوقِ خدا کی رغبت دلائی جاتی ہے اور لوگوں کے دلوں میں اس کے لیے رحمت و رأفت پیدا کر دی جاتی ہے اور تمام لوگ اس کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرتے ہیں اور رغبت و احسان کے ساتھ پیش آتے ہیں، اور یہ عطائیں ہر اس شخص کے لیے ہیں جو فعلِ خداوندی اور امرِ الٰہی کے سوا کسی اور کی طرف متوجہ نہیں ہوتا[14] اور دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل ہو[15]، اسے اذیتوں سے بچا کر ناز و نعمت کے ساتھ رکھا جاتا ہو اور اللہ تعالیٰ خود اس کے امور کا متولی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ یوں کہئے: "بے شک میرا دوست اللہ ہے جس نے کتاب اتاری[17]۔ اور وہ صالحین کو دوست رکھتا ہے۔"

اسی طرح فانی شخص جب اپنی نفسانی خواہش اور طلبِ حظوظ سے نکل جائے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی تربیت فرماتا ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

(۱۴) جب وہ اتباعِ شرع اور تقویٰ کی منزل میں ہوتا ہے۔

(۱۵) جبکہ وُہ حقیقت پر اطلاع اور ولایت کے مرتبہ پر فائز ہو۔

(۱۶) جس نے میرے تمام کام اپنے لُطف و کرم کے ذمّے لے رکھے ہیں۔

(۱۷) جس میں دنیا و آخرت کے ہر ہر کام کے متعلق مجھے تعلیم و نصیحت فرمائی ہے۔

اَلْمَقَالَةُ الثَّانِيَةُ وَالْخَمْسُوْنَ

قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: اِنَّمَا يَبْتَلِي اللّٰهُ طَائِفَةً مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الْاَحْبَابَ مِنْ اَهْلِ الْوِلَايَةِ وَالْمَعْرِفَةِ لِيَرُدَّهُمْ بِالْبَلَاءِ اِلَى السُّؤَالِ فَيُحِبُّ سُؤَالَهُمْ فَاِذَا سَاَلُوْا يُحِبُّ اِجَابَتَهُمْ لِيُعْطِيَ الْكَرَمَ وَالْجُوْدَ حَقَّهُمَا لِاَنَّهُمَا يُطَالِبَانِهِ عَزَّ وَجَلَّ عِنْدَ سُؤَالِ الْمُؤْمِنِ بِالْاِجَابَةِ وَقَدْ تَحْصُلُ الْاِجَابَةُ وَلَمْ يَحْصُلِ النَّقْدُ وَالتَّعَادُ لِتَعْوِيْقِ الْقَدْرِ لَا لِوَجْهِ عَدَمِ الْاِجَابَةِ وَالْحِرْمَانِ فَلْيَتَاَدَّبِ الْعَبْدُ عِنْدَ نُزُوْلِ الْبَلَاءِ وَلْيُفَتِّشْ عَنْ ذُنُوْبِهٖ فِيْ تَرْكِ الْاَوَامِرِ وَارْتِكَابِ الْمَنَاهِيْ وَمَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْمُنَازَعَةِ فِي الْقَدْرِ اِذِ الْغَالِبُ عَلَيْهِ اِنَّمَا يُبْتَلٰى بِذٰلِكَ مُقَابَلَةً فَاِنِ انْكَشَفَ الْبَلَاءُ وَاِلَّا فَلْيَخْلُدْ اِلَى الدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ وَالْاِعْتِذَارِ فَيُدِيْمُ السُّؤَالَ لِجَوَازِ اَنْ يَّكُوْنَ ابْتِلَاؤُهٗ لِيَسْئَلَهٗ وَلَا يَتَّهِمُهٗ لِتَاَخُّرِ الْاِجَابَةِ كَمَا بَيَّنَّاهُ۔

مقالہ ۵۲

ابتلاءِ مومنین

حضرت سرکار بغداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مومنین کے ایک گروہ کو جو محبوبانِ الٰہی اور صاحبانِ ولایت و معرفت ہیں اس لیے ابتلاء میں ڈالتا ہے تاکہ وہ بلا کے وسیلہ سے دعا و سوال میں مشغول ہوں اللہ تعالیٰ ان کے سوال کو پسند کرتا ہے[۱]۔ جب وہ سوال کرتے ہیں تو قبولیت کو پسند کرتا ہے تاکہ اپنی صفتِ جود و کرم[۲] کو ان کے حق یعنی اجابت و عطا سے نوازے

---

(۱) کیونکہ وہ انہیں دوست رکھتا ہے اور دوست چاہتا ہے کہ میرے دوست کی توجہ اور اقبال اس جانب رہے اور مجھ سے ہی راز و نیاز ہوں، نیز وہ رحیم و کریم ہے اور کریم ذات کا تقاضا ہوتا ہے کہ محتاج مجھ سے سوال کریں تاکہ میں ان کی حاجات پوری کروں۔

رحمٰن و رحیم میں فرق علماء فرماتے ہیں رحمٰن وہ ہے جس سے سوال کریں تو عطا کرے۔ اور رحیم وہ ہوتا ہے کہ اگر اس سے سوال نہ کریں تو ناراض ہو۔

(۲) جود و کرم حقیقۃً اللہ تعالیٰ کامل الصفات کے ساتھ مخصوص ہیں۔

کیونکہ یہ دونوں صفتیں (جود و کرم) اللہ تعالیٰ سے بندے کی قبولیت کا مطالبہ کرتی ہیں[۳] اور کبھی اجابت حاصل ہو جاتی ہے لیکن فوری طور پر نہیں ہوتی

---

(۳) یعنی جود و کرم کا تقاضا یہ ہے کہ گدا سوال کریں تاکہ ان کا اثر ظہور پذیر ہو۔

(i) جود می‌جوید گدایان ضعاف
ہمچو خوباں کا آئینہ جویند صاف

(ii) روئے خوباں ز آئینہ زیبا شود
روئے احسان از گدا پیدا شود

(iii) بانگ می آید کہ اے طالب بیا
جود محتاج گدایاں چون گدا

(iv) پس گدایانِ آئینۂ جودِ حقند
وانکہ با حقند نورِ مطلق اند

(i) اللہ تعالیٰ کی جود محتاج و بیکس گداؤں کی تلاش میں ہے جس طرح کہ خوبرو صاف آئینہ کے طالب ہوتے ہیں۔

(ii) گلرخوں کا چہرہ آئینے میں زیبا نظر آتا ہے اور روئے احسان گدا کی وجہ سے جلوہ گر ہوتا ہے۔

(iii) آوازیں آتی ہیں کہ اے طالب! آ گداؤں کی طرح صفتِ جود گدا کو دیکھ رہی ہے۔

(iv) محتاج و فقیر اللہ تعالیٰ کی صفتِ جود کا آئینہ ہیں اور جو حق تعالیٰ کے ساتھ واصل ہیں وہ نورِ مطلق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات و کلام کو اس کی بارگاہ میں گفتگو اور شفاعت کرنے

کیونکہ تقدیرِ الٰہی میں اس کا حصول کسی اور وقت پر موقوف ہے اسے محرومی

کی اجازت ہے، درحقیقت وہ سراپا سخن ہے اور اپنی ذات سے آپ ہی شفاعت کرتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: سورۂ ملک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گنہگاروں کے حق میں شفاعت کرے گی اور عرض کرے گی: "اے بارالٰہ! اس کو بخش دے ورنہ مجھے اپنی کلام سے خارج کر دے۔" اللہ تعالیٰ اپنے بندۂ خاص کے سوال کو ایک حد تک پسند فرماتا ہے کبھی اجابت میں توقف فرماتا اور فوراً مطلب برآری نہیں فرماتا تاکہ اس سے زیادہ سے زیادہ دعا و سوال سُنے۔

(i) نالم او را نالہا خوش آیدش
و از دو عالم نالہ و غم بایدش

(ii) ناخوش او خوش بود بر جانِ من
دل فدائے یار دل رنجانِ من

(i) میں نالہ کناں ہوں کیونکہ میرے یار کو یہ اچھا لگتا ہے اور دو جہاں سے اسے نالہ و غم درکار ہے۔

(ii) اس کی ناخوشی بھی میری جان کو پسند ہے اس دل رنجیدہ کرنے والے یار پر میرا دل فدا ہے۔

ایک حدیث پاک میں ہے کہ جبرئیل امین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں: یا اللہ! تیرا فلاں بندہ حاجت طلب کرتا ہے اس کی حاجت کو پورا فرما۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میرے بندے کو سوال کرنے دے، مجھے یہ پسند ہے کہ اس کی آواز سُنتا رہوں۔ درحقیقت یہ اجابت میں توقف

یا عدمِ قبولیت نہیں کہا جا سکتا(۴)، اس لیے ضروری ہے کہ نزولِ بلا کے وقت

نہیں ہے۔ اجابت دراصل حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اس کا مسؤل پورا کر دیا۔ طالب کے مقصود کا حصول کسی اور وقت پر موقوف ہے جس میں بندے کی مصلحت ہے۔ آئندہ کلام میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔

اجابتِ دُعا میں تاخیر کا سبب

کبھی اجابتِ دعا میں تاخیر میں صلاحِ وقت پیشِ نظر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں کہنے سُننے کی لذت اور تضرع و تذلل اور نیاز و مناجات کے ذوق و سرور کا حصول مقصود سے کہیں بڑھ کر ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے روزِ آخرت کے لیے جبکہ افتقار و احتیاج زیادہ ہو گی ذخیرہ کرنا بہتر ہے، نیز اُدْعُونِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ میں اجابتِ دُعا کا وعدہ مطلق ہے، بندے کی خواہش یا وقتِ دُعا کے ساتھ مقیّد نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اجابتِ دعا کا ضامن ہے

اللہ تعالیٰ اجابتِ دعا کا ضامن ہے جب چاہے جیسے چاہے قبول فرمائے، بندے کی مرضی پر موقوف نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کے اختیار کے خلاف اپنے اختیار سے دُعا قبول نہ کرنا عین صلاح ہے، بندہ نادان ہے اسے کیا معلوم کہ صلاح کیا ہے اور اس بات میں ہے؛ کبھی مسؤل کی نسبت اس کی مثل عطا کرنا سائل کے حال کے زیادہ مناسب ہوتا ہے جیسا کہ کوئی دیہاتی بادشاہ سے عربی گھوڑا مانگے اور بادشاہ گھوڑے کی بجائے زراعت کے لیے بیل عطا کر دے، تو ہم یہ

ادب کا لحاظ رکھے اور اوامر و نواہی کے سلسلے میں جتنے ظاہری و باطنی گناہ اس سے

نہیں کہیں گے کہ بادشاہ نے اس کا سوال مسترد کر دیا ہے بلکہ یہی کہیں گے کہ طلب سے بڑھ کر عطا کیا ہے اور کبھی اجابتِ دعا کی بجائے اس کی مثل برائی دُور کر دی جاتی ہے۔ یہ تمام معانی احادیث میں مذکور ہیں۔ اگر بالفرض دُعا قبول نہ بھی ہو تو بندے کو راضی رہنا چاہیئے ؎

بس دُعا ہا کان زیانست و وبال
از کرم می نشنود شاہِ ذوالجلال

(بہت سی دعائیں بندے کے حق میں وبال و نقصان ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے انہیں قبول نہیں کرتا)

اس سلسلہ میں تحقیق یہ ہے کہ دُعا ایک عبادت ہے۔ نزولِ بلا و خوف کے وقت بندہ اس کا مامور ہے، جیسا کہ دخولِ وقت پر نماز روزہ وغیرہ نئے امر کے بغیر ہی واجب ہو جاتے ہیں مگر اس کی قبولیت اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے، اللہ تعالیٰ کا اس کے متعلق وعدہ کریمہ ہے وہ اپنے وعدے میں سچا ہے لیکن وہ جس طرح چاہے قبول فرمائے۔ صلاحِ بندہ اس میں ہے کہ دعا میں مشغول رہے اور اس کی قبولیت و اجابت اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے ؎

اے اخی دست از دعا کردن مدار
از اجابت یا ردادیت چہ کار

(اے بھائی! تم دُعا کرتے رہو، رد و قبول سے تمہیں کیا سروکار)

اگر بندہ دُعا کرنے کی بجائے اس کے علم و تقدیر کے حوالے کرتے ہوئے خاموش رہے تو یہ بھی بہت بلند مقام ہے ؎

سرزد ہوئے ہیں۔ ان پر غور کرے، اور یہ بھی سوچے کہ کہیں اس نے تقدیر سے نزاع تو نہیں کیا (۵)، کیونکہ غالب یہی ہے کہ گناہ کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا کیا جاتا ہے (۶)، اس کے بعد ابتلاء و آزمائش کی یہ کیفیت ہو جائے تو بہتر،

اے دل صبور باش کہ در بارگاہِ دوست
خاموشیٔ تو عرض تمنائے دیگر است

(اے دل! صبر سے کام لے کیونکہ دوست کی بارگاہ میں خاموشی تمنا کے اظہار کی دُوسری صورت ہے)

اگر دُعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کی بجائے ذکرِ حق میں مشغول رہے تو یہ بلند ترین مقام ہے۔ مقربانِ بارگاہ جو کہ مزاج شناسانِ وقت ہیں، کے احوال مختلف ہوتے ہیں وہ وقت اور حال کے مطابق ہوتا ہے وہ بجا لاتے ہیں۔ بزرگ فرماتے ہیں، وقت کی پہچان بروقت ہو جاتی ہے۔ اس کی مزید شرح ہمارے رسالے تسلیۃ المصاب میں ملاحظہ ہو۔

(۵) کہ یہ کام کیوں اور کیسے ہوا؟ ایسا کہنا بہت بڑا گناہ ہے اور بطریق اعتراض ایسا کہے گا تو کفر ہو گا، اور اگر عدمِ احتیاط اور عادت و سُستی کی بنا پر کہے گا تو یہ بھی صوفیہ کرام کے نزدیک گناہ دعوی ہستی اور شرک ہے

؎ مزن دم بچون و چرا کہ بندۂ مقبل
قبول کرد بجاں ہر سخن کہ جاناں گفت

(بارگاہِ محبوب میں چون و چرا نہ کرو کیونکہ بندۂ مقبول محبوب کی ہر بات کو جان و دل سے قبول کرتا ہے)

(۶) لہذا مصیبت سے نجات کے لیے توبہ و استغفار کرنا چاہیئے۔

ورنہ مسلسل تضرع، دُعا اور معذرت میں مصروف رہنا چاہیے[7]، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ابتلا اس لیے ہو کہ وُہ خدا سے سوال کرے اور اجابتِ دعا میں تاخیر پر خدا پر تہمت[8] نہ لگائے، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں[9]۔

---

(۷) یعنی دُعا کو عبودیت اور امتثالِ امر سمجھتے ہوئے، نہ کہ مصیبت سے فرار، اور دُعا کو اجابت کی علّت جان کر۔

(۸) جہل و نسیان اور بخل و سفہ کی۔

(۹) قبولیتِ دُعا میں تاخیر کی بے شمار حکمتیں ہوتی ہیں۔

المقالة الثالثة والخمسون

قَالَ رض اُطْلُبُوا مِنَ اللهِ الرِّضَاءَ بِالْقَضَاءِ اَوِ الْفَنَاءَ فِیْ فِعْلِ الْمَوْلٰی لِاَنَّهٗ
هُوَ الرَّاحَةُ الْکُبْرٰی وَالْجَنَّةُ الْعَالِیَةُ الْمُنْفَرِدَةُ فِی الدُّنْیَا وَهُوَ بَابُ
اللهِ الْاَکْبَرُ وَعِلَّةُ مَحَبَّةِ اللهِ لِعَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ فَمَنْ اَحَبَّهُ اللهُ لَمْ
یُعَذِّبْهُ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ فِیْهِ اللُّحُوْقُ بِاللهِ وَالْوُصُوْلُ اِلَیْهِ
وَالْاُنْسُ بِهٖ وَلَا تَشْتَغِلُوْا بِطَلَبِ حُظُوْظٍ وَاَقْسَامٍ لَمْ تُقْسَمْ اَوْ قُسِمَتْ
فَاِنْ کَانَتْ لَمْ تُقْسَمْ فَالْاِشْتِغَالُ بِطَلَبِهَا حُمْقٌ وَرُعُوْنَةٌ وَجَهَالَةٌ وَ
هُوَ اَشَدُّ الْعُقُوْبَاتِ کَمَا قِیْلَ مِنْ اَشَدِّ الْعُقُوْبَاتِ طَلَبُ مَا لَا یُقْسَمُ
وَاِنْ کَانَتْ مَقْسُوْمًا فَالْاِشْتِغَالُ بِهَا شَرَهٌ وَحِرْصٌ وَشِرْكٌ فِیْ بَابِ
الْعُبُوْدِیَّةِ وَالْمَحَبَّةِ وَالْحَقِیْقَةِ لِاَنَّ الْاِشْتِغَالَ لِغَیْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ
شِرْكٌ وَطَالِبُ الْحَظِّ لَیْسَ بِصَادِقٍ فِیْ مَحَبَّتِهٖ وَوِلَایَتِهٖ فَمَنِ اخْتَارَ
مَعَ اللهِ غَیْرَهٗ فَهُوَ کَذَّابٌ وَطَالِبُ الْعِوَضِ عَلٰی عَمَلِهٖ غَیْرُ مُخْلِصٍ وَ
اِنَّمَا الْمُخْلِصُ مَنْ عَبَدَ اللهَ لِیُعْطِیَ الرَّبُوْبِیَّةَ حَقَّهَا لِعَبْدِهٖ لِلْمِلْکِیَّةِ
وَالْحَقِیَّةِ لِاَنَّ الْحَقَّ عَزَّ وَجَلَّ یَمْلِکُهٗ وَیَسْتَحِقُّ عَلَیْهِ الْعَمَلَ
وَالطَّاعَةَ لَهٗ اِذْ جَمِیْعُهٗ بِحَرَکَاتِهٖ وَسَکَنَاتِهٖ وَسَائِرِ اَکْسَابِهٖ وَالْعَبْدُ
وَمَا مَلَكَ لِمَوْلَاهُ کَیْفَ وَقَدْ بَیَّنَّا فِیْ غَیْرِ مَوْضِعٍ اَنَّ الْعِبَادَاتِ بِاَسْرِهَا

نِعْمَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٌ مِّنْهُ عَلٰى عَبْدِهٖ إِذْ وَفَّقَهُ لَهَا وَأَقْدَرَهُ
عَلَيْهَا فَاشْتِغَالُهُ بِالشُّكْرِ بِهٖ خَيْرٌ وَّأَوْلٰى مِنْ طَلَبِهٖ مِنْهُ الْأَعْوَاضَ
وَالْجَزَاءَ عَلَيْهَا ثُمَّ كَيْفَ تَشْتَغِلُ بِطَلَبِ الْحُظُوْظِ وَقَدْ تَرٰى
خَلْقًا كَثِيْرًا كُلَّمَا كَثُرَتِ الْحُظُوْظُ عِنْدَهُمْ وَتَوَاتَرَتْ وَ
تَتَابَعَتِ اللَّذَّاتُ وَالنِّعَمُ وَالْأَقْسَامُ إِلَيْهِمْ زَادَ سَخَطُهُمْ عَلٰى
رَبِّهِمْ وَتَضَجُّرُهُمْ وَكُفْرُهُمْ بِالنِّعَمِ وَكَثُرَتْ هُمُوْمُهُمْ وَغُمُوْمُهُمْ
وَفَقْرُهُمْ إِلٰى أَقْسَامٍ لَمْ تُقْسَمْ غَيْرَ مَا عِنْدَهُمْ وَحَقُرَتْ وَصَغُرَتْ
وَقَبُحَتْ أَقْسَامُهُمْ عِنْدَهُمْ وَعَظُمَتْ وَكَبُرَتْ وَحَسُنَتْ أَقْسَامُ
غَيْرِهِمْ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَأَعْيُنِهِمْ فَشَرَعُوْا فِيْ طَلَبِهَا وَهِيَ غَيْرُ مَقْسُوْمَةٍ
لَهُمْ فَذَهَبَتْ أَعْمَارُهُمْ وَخَلَتْ قُوَاهُمْ وَكَبُرَتْ سِنُّهُمْ وَفَنِيَتْ
أَمْوَالُهُمْ وَتَعِبَتْ أَجْسَادُهُمْ وَعَرِقَتْ جِبَاهُهُمْ وَاسْوَدَّتْ
صَحَائِفُهُمْ بِكَثْرَةِ آثَامِهِمْ وَارْتِكَابِ عَظَائِمِ الذُّنُوْبِ فِيْ
طَلَبِهَا وَتَرْكِ أَوَامِرِ رَبِّهِمْ فَلَمْ يَنَالُوْهَا وَخَرَجُوْا مِنَ الدُّنْيَا
مَفَالِيْسَ لَا إِلٰى هٰؤُلَاءِ وَلَا إِلٰى هٰؤُلَاءِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ
الْآخِرَةَ لَا شَكَرُوْا رَبَّهُمْ فِيْمَا قَسَمَ لَهُمْ مِنْ أَقْسَامِهِمْ
فَاسْتَعَانُوْا بِهَا عَلٰى طَاعَةٍ وَمَا نَالُوْا وَمَا طَلَبُوْا مِنْ أَقْسَامِ غَيْرِهِمْ
بَلْ ضَيَّعُوْا دُنْيَاهُمْ وَآخِرَتَهُمْ فَهُمْ أَشَرُّ الْخَلِيْقَةِ
وَأَجْهَلُهُمْ وَأَحْمَقُهُمْ وَأَخَسُّهُمْ عُقُوْلًا وَّبَصِيْرَةً فَلَوْ
أَنَّهُمْ رَضُوْا بِالْقَضَاءِ وَقَنَعُوْا بِالْعَطَاءِ وَأَحْسَنُوْا طَاعَةَ
الْمَوْلٰى لَأَتَتْهُمْ أَقْسَامُهُمْ مِنَ الدُّنْيَا مِنْ غَيْرِ تَعَبٍ وَلَا عَنَا

ثُمَّ نُقِلُوْا إِلٰى جِوَارِ الْعَلِيِّ الْأَعْلٰى فَوَجَدُوْا عِنْدَهٗ كُلَّ مُرَادٍ
وَمُنًى جَعَلَنَا اللّٰهُ وَإِيَّاكُمْ مِمَّنْ رَضِيَ بِالْقَضَاءِ وَجَعَلَ سُؤَالَهٗ
ذٰلِكَ وَالْفَنَاءَ وَحِفْظَ الْحَالِ وَالتَّوْفِيْقَ لِمَا يُحِبُّهٗ وَ
يَرْضَاهُ -

مقالہ ۵۳

رضائے الٰہی کی طلب

حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: خدا سے اس کی قضا پر رضا(۱) یا فعلِ الٰہی میں فنا ہونے(۲) کا مقام طلب کرو، کیونکہ یہی سب سے بڑی آسائش ہے(۳) اور یہ

---

(۱) تاکہ قضا پر اعتراض، نزاع اور ناراضگی نہ ہو۔

(۲) یہ مقام رضا سے بلند تر مقام ہے کیونکہ رضا میں اپنے وجود ہستی کا شائبہ باقی ہے اور فنا میں نہیں۔ رضا میں بشری صفات اور تدبیر و اختیار کی فنا ہے اور اس میں فنائے ذات محض عدم اور خالص نیتی ہے۔

(۳) اس کا خلاف کرنے میں راحت نہیں ہے ؎

عمرے پی کامِ دل شتاباں بودم
اندر راہ جستجوے فا فرسودم
دیدم کہ دران بجز پریشان نیست
دست از ہمہ باز داشتم آسودم

دنیا میں بہشت برین ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے قُرب کا سب سے بڑا دروازہ اور بندے کو خدا کا محبوب بنا دینے والا سبب ہے اور اللہ تعالیٰ جسے اپنا محبوب بنالے اس پر دُنیا و آخرت میں عذاب نہیں ہوتا(۴)، اس سے آدمی کو

کیونکہ بندے کی مولیٰ کریم سے رضا اور اس کے فعل میں فنا انتہائی محبت کا نتیجہ ہے۔ اس کی جزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے ساتھ محبت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے کیونکہ جو اسے دوست رکھے گا یہ بھی اپنے دوستوں سے دوستی رکھے گا، جیسا کہ آیۂ کریمہ ھل جزاء الاحسان الّا الاحسان میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ علما فرماتے ہیں: ذکر و محبت کے سوا بندے کی کسی صفت کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں ہے جب بندہ خدا کو یاد کرتا ہے تو خدا اسے یاد کرتا ہے اور جب بندہ خدا کو دوست رکھتا ہے تو خدا اسے دوست رکھتا ہے۔ اس کی دلیل یہ آیاتِ کریمہ ہیں: فاذکرونی اذکرکم اور وَيُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ۔

اور یہ محبت کا کمال ہے کہ جذبِ آدمی کا سبب ہے جب بندہ منجذب ہوتا ہے تو محب بن جاتا ہے، جب محب بن جائے تو ذاکر ہو جاتا ہے اور جب ذاکر بن جائے تو مذکور بن جاتا ہے۔

(۴) یہود و نصاریٰ کے دعویٰ محبت کی حقیقت

متن میں مذکور دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے محبت کا دعویٰ کرتے ہوئے کہا نحن

خداتک رسائی ہوتی ہے اور وصل اور انسِ الٰہی کی منزل ملتی ہے(۵) اس لیے
نفس کے حصوں اور قسموں کی طلب، اگرچہ وہ تمہاری قسمت میں ہوں یا نہ ہوں(۶)
جو چیز تمہاری قسمت میں نہیں اس کی تلاش کرنا حماقت، رعونت اور جہالت ہے(۷)

ابناء اللہ واحباءہ (ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں) اللہ تعالیٰ
نے ان کے دعوے کو باطل قرار دیتے ہوئے فرمایا: فلم یعذبکم اللہ
بذنوبکم یعنی اگر یہی بات ہے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کے بدلے
تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوستی اور عذاب
اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ پس جب قضائے حق پر راضی رہنے والا بندہ محبوبِ حق
ہے تو اسے عذاب نہیں ہوگا، نیز عذاب الم و آزار ہے جب بندے نے سب کچھ
تسلیم کر لیا تو الم و آزار کیسے ہوگا ؎

قادری بر ہر چہ مے خواہی
گر شمشیر بر فرق نہی آزار نیست

(۵) کیونکہ رضا و فنا میں دو چیزوں کا باہمی اتحاد و اتفاق اور پیوستگی ہوتی ہے
اور موانست اس کو لازم ہے جب مخالفت سے وحشت و دوری اور
دوئی اٹھ جائے تو یقیناً خدا تعالیٰ کے ساتھ مشغولی حاصل ہو جاتی ہے۔
(۶) اس کا خلاصہ یہ ہے اپنی قسمت کی طلب میں بھی مشغول نہ ہو کیونکہ یہ طلب
خدا تعالیٰ سے مشغولیت سے روک دیتی ہے۔
(۷) کیونکہ اس کا حصول ناممکن ہے اس کی طلب طلبِ محال قرار پائے گی۔

اور یہ سخت ترین عذاب ہے جیسا کہ کہا گیا ہے عذاب میں سخت عذاب اس
چیز کی خواہش ہے جو تقسیمِ ازلی میں اس کے حصے کی نہیں۔ اور جو چیز
تمہاری قسمت میں ہے اس کی تلاش لالچ اور حرص ہے(۸) اور عبودیت، محبت
اور حقیقت کے باب میں شرک ہے(۹) اس لیے خدا کے سوا کسی اور شے میں
مشغول ہونا شرک ہے اپنے مقسوم کی تلاش کرنے والا خدا تعالیٰ کی محبت و
دوستی میں صادق نہیں ہے اور جس نے ماسوی اللہ کو اختیار کیا وہ کذاب
ہے اور مخلص تو محض اس لیے عبادت کرتا ہے کہ وہ اپنے ذمے لازم حقِ
ربوبیت ادا کر رہا ہے(۱۰) اور اسے اپنا مالک، عبادت اور ہر عمل و اطاعت کا
مستحق جانتا ہے۔ کیونکہ بندہ اور اس کی تمام حرکات و سکنات اس کی
تمام چیزیں اور سب کمائیاں اور ملکیتیں درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں۔
ایسا کیوں نہ ہو، ہم کئی جگہ بیان کر چکے ہیں کہ ساری عبادتیں بندے پر
اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہیں کہ اس نے عبادت کرنے کی توفیق بخشی اور
اس کے لائق کیا اس پر قادر بنایا(۱۱)۔ پس تمہارے لیے عبادت پر معاوضہ

---

(۸) شرہٗ اور حرصٗ دونوں ہم معنی ہیں تاکید کے لیے دونوں کو ذکر کر دیا گیا ہے
(۹) اپنی قسمت کا طالب گویا دعویٰ کرتا ہے کہ میں اس کو پیدا کروں گا۔
یہ عبودیت کے خلاف ربوبیت میں شرک ہے کیونکہ مطلوب محبوب ہوتا ہے
اور کسی سے محبت شہود کا تقاضا کرتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ماسوا کی
طلب نہ کی جائے اور کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔
(۱۰) کیونکہ ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ مربوب رب کی عبادت کرے۔
(۱۱) لہٰذا ان عبادات پر معاوضہ طلب کرنا معقول بات ہے۔

اور اجر طلب کرنے کی بجائے شکر میں مشغول ہونا زیادہ مناسب ہے،(۱۲) پھر تم (۱۳)
دنیا میں اپنے نفس کی طلب میں کیوں مشغول ہوتے ہو جبکہ خلقِ کثیر کو دیکھتے ہو جن
کو مسلسل دنیا کی لذتیں، نعمتیں اور دُنیا کے حصے ملے مگر ان کی خدا سے ناراضی

---

(۱۲) شکر ایک غیر متناہی سلسلہ ہے

وظیفہ شکر ابھی تمام نہیں ہوا بلکہ یہ تو ایک نہ رُکنے والا سلسلہ ہے۔ کیونکہ ہماری عبادتیں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور ہر نعمت پر شکر واجب ہے تو ان دوسری عبادتوں پر شکر بھی واجب ہوا اسی طرح بعد والی نعمتوں کا بھی یہی حکم ہے جیسا کہ مشہور ہے۔ مزید برآں وجودِ بندہ خود ایک نعمت ہے کیونکہ باقی تمام نعمتیں اس پر متفرع ہوتی ہیں۔ لہٰذا پہلے اس کے شکر سے عہدہ برآ ہونا چاہیے پھر کسی اور شکر میں مشغول ہونا چاہیے ؎

من شکر چوں کنم کہ ہمہ نعمت توام
نعمت چگونہ شکر کند بر زبان خویش
(میرا سارا وجود آپ کی نعمت ہے تو نعمت اپنی زبان سے
کس طرح شکر کر سکتی ہے)

(۱۳) اخلاص کی حقیقت

اگرچہ حقیقتِ اخلاص اور رعایتِ صدق میں دنیا و آخرت کے معاوضہ و اجر کا ترک کرنا معتبر ہے مگر اصل اخلاص اور اس کا بلند ترین مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اغراض و اغراض ترک کرنے کے ساتھ ساتھ ریا و سُمعہ سے بھی بچے جبکہ اس کی طلب سب سے زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہے اس لیے اس سے بچنے کا حکم دیتے ہیں۔

(۱۴) اندوہ و غم کی وجہ سے چیخنے چلانے اور کفرانِ نعمت میں اضافہ ہُوا ان کے ہم و غم پہلے سے بڑھ گئے اور جو چیزیں ان کی قسمت میں نہیں ان کی احتیاج محسوس کرنے لگے اور جو پاس ہیں انہیں حقیر، قلیل اور قبیح جاننے لگے، اور جو دوسروں کو حاصل ہیں وُہ ان کی آنکھوں اور دلوں میں زیادہ، حسین اور معظم نظر آنے لگیں اور ان چیزوں کی طلب میں جو ان کی قسمت میں نہیں عمریں گزار دیں، ان کی قوتیں مجروح ہوگئیں۔ حوادثاتِ زمانہ اور فسق و فجور میں مال ضائع ہوگئے، بڑھاپا آگیا، جسم تھک گئے، پیشانیاں عرق آلود ہوگئیں اور ان حصوں کی طلب میں بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرنے اور اللہ تعالیٰ کے احکام چھوڑنے کے باعث اپنے نامہ ہائے اعمال سیاہ کر بیٹھے اور حاصل بھی کچھ نہ ہُوا۔ انجام یہ کہ مفلس اور خالی ہاتھ ہوگئے نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے۔(۱۵) اللہ تعالیٰ نے انھیں جو کچھ ان کے حصے کا دیا تھا اس کا انھوں نے شکر ادا نہ کیا۔ انھیں چاہیے تھا کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مدد حاصل کرتے

---

(۱۴) ھم اور غم میں فرق

یہ دونوں ہم معنی مستعمل ہیں۔ ان میں فرق یہ ہے کہ مستقبل میں پیدا ہونے والے کام میں اور اس کی طلب تردد میں جو فکر لاحق ہو اسے ھم کہتے ہیں اور غم غمام بمعنی بادل سے مشتق ہے بمعنی ماضی میں ہونے والا واقعہ دل پر آکر اثر انداز ہو اور دل پر پردہ بن جائے۔

(۱۵) نہ اغنیاء کی طرح دُنیاوی نعمتوں اور آسائشوں سے متمتع ہوئے۔ نہ آخرت کے لیے کچھ جمع کیا اور نہ ہی فقراء کی طرح صبر و سکون کے ساتھ زندگی گزاری کہ عبادت و طاعت سے اطمینان و راحت پاتے انہیں کو کہتے ہیں خسر الدنیا والاخرۃ۔

انہوں نے دُوسروں کی قسمت کی چیزیں طلب کیں وہ بھی انہیں نہ ملیں[16] بلکہ دنیا و آخرت کو ضائع کر بیٹھے یہی لوگ مخلوق میں بدترین احمق، اجہل، عقل و بصیرت سے عاری ہیں[17]۔ اگر یہ لوگ قضا پر راضی رہتے، رب کی عطا پر قناعت کرتے اور احسن طریقے سے اطاعتِ خداوندی کرتے تو دنیا کی نعمتیں بآسانی میسر آجاتیں پھر انہیں بلند تر ذات کے جوارِ رحمت میں منتقل کیا جاتا جہاں ان کی ہر مراد اور آرزو پوری ہوتی[18]۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قضا پر راضی ہونے والوں میں داخل کرے جنہوں نے رضا و فنا، حفاظتِ حال[19] اور خدا کی محبوب و مرضی چیز کی توفیق کو اپنا سوال بنا لیا۔

---

(۱۶) یعنی جو ملا اس کی قدر نہ کی اور جو طلب کیا وہ حاصل نہ ہوا۔

(۱۷) کہ حقیقتِ کار معلوم نہ کر سکے اور دُنیا و دین دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

(۱۸) دین بھی ملتا اور دُنیا بھی۔

(۱۹) کہ شرک کے عیب، نفس و ہوا کی مداخلت اور اغیار کی مزاحمت سے محفوظ رہیں۔

اَلْمَقَالَةُ الرَّابِعَةُ وَالْخَمْسُوْنَ

قَالَ رض مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ فَعَلَيْهِ بِالزُّهْدِ فِي الدُّنْيَا وَمَنْ اَرَادَ
اللّٰهَ فَعَلَيْهِ بِالزُّهْدِ فِي الْاٰخِرَةِ فَيَتْرُكُ دُنْيَاهُ لِاٰخِرَتِهٖ وَاٰخِرَتَهٗ
لِرَبِّهٖ فَمَا دَامَ فِيْ قَلْبِهٖ شَهْوَةٌ مِّنْ شَهَوَاتِ الدُّنْيَا وَلَذَّةٌ
مِّنْ لَذَّاتِهَا اَوْ طَلَبُ رَاحَةٍ مِّنْ رَاحَتِهَا مِنْ سَائِرِ الْاَشْيَاءِ
مِنْ مَاكُوْلٍ وَمَشْرُوْبٍ وَمَلْبُوْسٍ وَمَنْكُوْحٍ وَمَسْكُوْنٍ وَ
مَرْكُوْبٍ وَوِلَايَةٍ وَرِيَاسَةٍ وَطَبَقَةٍ فِيْ عِلْمٍ مِّنْ فُنُوْنِ الْعِلْمِ مِنَ
الْفِقْهِ فَوْقَ الْعِبَادَةِ الْخَمْسِ وَرِوَايَةِ الْحَدِيْثِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ
بِرِوَايَاتٍ وَالنَّحْوِ وَاللُّغَةِ وَالْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ وَزَوَالِ الْفَقْرِ
وَوُجُوْدِ الْغِنَاءِ وَذَهَابِ الْبَلِيَّةِ وَمَجِيْءِ الْعَافِيَةِ وَفِي الْجُمْلَةِ اِنْكِشَافُ
الضُّرِّ وَمَجِيْءُ النَّفْعِ فَلَيْسَ بِزَاهِدٍ حَقًّا لِاَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْ
هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ فِيْهِ لَذَّاتُ النَّفْسِ وَمُوَافَقَةُ الْهَوٰى وَ
رَاحَةُ الطَّبْعِ وَحُبٌّ لَّهٗ وَكُلُّ ذٰلِكَ مِنَ الدُّنْيَا وَمِمَّا يُحِبُّ
الْبَقَاءَ فِيْهَا وَيَحْصُلُ بِهِ السُّكُوْنُ وَالطُّمَانِيْنَةُ اِلَيْهَا فَيَنْبَغِيْ اَنْ
يُّجَاهِدَ فِيْ اِخْرَاجِ جَمِيْعِ ذٰلِكَ عَنِ الْقَلْبِ وَيَاْخُذُ نَفْسَهٗ بِاِزَالَةِ
ذٰلِكَ وَقَلْعِهٖ وَالرِّضَا بِالْعَدَمِ وَالْاِفْلَاسِ وَالْفَقْرِ الدَّائِمِ فَلَا

يَبْقَى فِي قَلْبِهٖ مِنْ ذٰلِكَ مِقْدَارُ مَصِّ نَوَاةٍ لِيَخْلُصَ زُهْدُهٗ فِي الدُّنْيَا فَإِذَا تَمَّ لَهٗ ذٰلِكَ زَالَتِ الْغُمُوْمُ وَالْاَحْزَانُ مِنَ الْقَلْبِ وَالْكَرْبُ عَنِ الْحَشَا وَجَاءَتِ الرَّاحَاتُ وَالطِّيْبُ وَالْاُنْسُ بِاللّٰهِ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا يُرِيْحُ الْقَلْبَ وَالْجَسَدَ فَمَا دَامَ فِي قَلْبِهٖ شَيْءٌ مِنْ ذٰلِكَ فَالْهُمُوْمُ وَالْخَوْفُ وَالْوَجَلُ قَائِمٌ فِي الْقَلْبِ وَالْخِذْلَانُ لَازِمٌ لَهٗ وَالْحِجَابُ عَنِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقُرْبِهٖ مُتَكَاثِفٌ فَلَا يَنْكَشِفُ جَمِيْعُ ذٰلِكَ اِلَّا بِزَوَالِ حُبِّ الدُّنْيَا عَلَى الْكَمَالِ وَقَطْعِ الْعَلَائِقِ بِاَسْرِهَا ثُمَّ يَزْهَدُ فِي الْاٰخِرَةِ فَلَا يَطْلُبُ الدَّرَجَاتِ وَالْمَنَازِلَ الْعَالِيَاتِ وَالْحُوْرَ وَالْوِلْدَانَ وَالدُّوْرَ وَالْقُصُوْرَ وَالْبَسَاتِيْنَ وَالْمَرَاكِبَ وَالْحُلَلَ وَالْحُلِيَّ وَالْمَاٰكِلَ وَالْمَشَارِبَ وَغَيْرَ ذٰلِكَ مِمَّا اَعَدَّهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِعِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَا يَطْلُبُ عَلٰى عَمَلِهٖ جَزَاءً وَّاَجْرًا مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اَلْبَتَّةَ دُنْيَا وَّاُخْرٰى فَحِيْنَئِذٍ يَجِدُ اللّٰهَ اَنْ يُّوَفِّيَهٗ حِسَابَهٗ تَفَضُّلًا مِّنْهُ وَرَحْمَةً فَيُقَرِّبُهٗ مِنْهُ وَيُدْنِيْهِ وَيَلْطُفُ بِهٖ وَيَتَعَرَّفُ اِلَيْهِ بِاَنْوَاعِ اَلْطَافِهٖ وَبِرِّهٖ كَمَا هُوَ دَاْبُهٗ مَعَ رُسُلِهٖ وَاَنْبِيَائِهٖ وَاَوْلِيَائِهٖ وَخَوَاصِّهٖ وَاَحْبَابِهٖ اُولِي الْعِلْمِ بِهٖ فَيَكُوْنُ الْعَبْدُ كُلَّ يَوْمٍ فِي مَزِيْدٍ مِّنْ اَمْرِهٖ مُدَّةَ حَيَاتِهٖ ثُمَّ يُنْقَلُ اِلٰى دَارِ الْاٰخِرَةِ اِلٰى مَا لَا عَيْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ مِمَّا يَضِيْقُ عَنْهُ الْاَفْهَامُ وَتَقْصُرُ عَنْ وَصْفِهِ الْعِبَارَاتُ -

مقالہ ۵۴

خدا تک رسائی کیسے حاصل ہو

حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آخرت کے طلبگار کے لیے ضروری ہے کہ دُنیا کو چھوڑ دے[1] اور خدا کے طلب گار کے لیے لازم ہے کہ آخرت کو چھوڑ دے، پس وُہ آخرت کے لیے دنیا کو اور خدا کے لیے آخرت کو ترک کردے[2] جب تک دنیا کی لذتوں اور راحتوں میں سے کوئی لذّت یا راحت مثلاً کھانے پینے، پہننے، نکاح، سواری، حکومت وولایت کی آرزو

---

(۱) اس کی شہوات اور ساز وسامان سے نفرت وبے رغبتی کا اظہار کرے۔

(۲) بطریقِ خواہشِ نفس آخرت اور اس کی لذات کا خیال دل سے نکال دے۔

(۳) تاکہ اس کا دل اللہ تعالےٰ کی یاد اور محبت میں مستغرق رہے۔ کسی اور کی طرف میلان نہ ہو۔ اسی لیے کہتے ہیں: اَلْعَابِدُ غَرِيْبٌ فِي الدُّنْيَا وَالْعَارِفُ غَرِيْبٌ فِي الْاٰخِرَةِ کہ عابد دنیا کے معاملات سے ناواقف ہے اور عارف آخرت کے معاملات سے بے خبر ہے، کیونکہ آدمی کی روحانیت کا

میں[4] سے کوئی یا علوم وفنون میں سے کوئی ایک علم مثلاً عباداتِ خمسہ[5] سے زائد
علم فقہ، روایتِ حدیث[6] قرآن پاک کی روایتوں[7] اور نحو، لغت، فصاحت و

مرکز وہی چیز ہوتی ہے جہاں آدمی کا دل ہوتا ہے، جیسا کہ کوئی شخص ایک جماعت میں بیٹھا ہو مگر دل کسی اور جگہ ہو۔ پس عابد اگرچہ دنیا میں ہو مگر اس کا دل آخرت کے ساتھ معلق رہتا ہے اور درحقیقت اہلِ دنیا میں موجود نہیں ہے اور اگر ہے تو وہ اجنبیوں کی طرح ہے۔ اسی طرح عارف کا دل ذاتِ حق سے متعلق اور ذکرِ حق میں مستغرق رہتا ہے تو وہ آخرت اور اہلِ آخرت میں رہ کر بھی غریب و بیگانہ ہے ؎

ہرگز وجود حاضر و غائب شنیدۂ
من درمیان جمع و دلم جائے دیگر است

(تم نے سنا ہوگا کہ ایک میں وجود حاضر بھی ہے اور غائب بھی۔ یہی میرا معاملہ ہے کہ جسم کے ساتھ جماعت میں بیٹھا ہوں لیکن میرا دل کسی اور مقام پر ہے)

(۴) یہ چیزیں نفسانی اور جسمانی لذتوں کے اصول ہیں۔

(۵) جوکہ اسلام کا رکن ہیں یا عباداتِ خمسہ سے نماز پنجگانہ مراد ہے اس قدر علم ہر فقیر کے لیے ضروری ہے، اتنی مقدار دنیا کی محبت و آمیزش کا دخل نہیں ہوتا لیکن یہ فقیر متجرد کے بارے میں ہے جس کے لیے تجارت وعیال اور دیگر تعلقات کے متعلق حرام و حلال کا علم ضروری نہیں ہے۔

(۶) یعنی حدیث کو بطریق محدثین با سند بیان کرنا۔

(۷) جیسا کہ قراء کا طریقہ ہے۔

بلاغت[8] میں سے کچھ یا محتاجی کے ختم ہونے یا تونگری کی خواہش اور بلاؤں کے جانے اور عافیت کے آنے کی خواہش بالجملہ نقصان سے بچنے اور نفع حاصل ہونے کی تمنا[9]۔ ان سب میں سے کسی کی خواہش دل میں موجود ہو تو آدمی صحیح معنوں میں زاہد نہیں ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں نفس کی لذت، خواہش کی موافقت اور طبیعت کی راحت و محبت موجود ہے، یہ سب چیزیں دنیا ہیں وہ جن میں رہنا پسند کرتا ہے اور ان میں سکون و اطمینان پاتا ہے، اس لیے مومن کو چاہیئے کہ ان کو دل سے نکالنے کے لیے کوشش کرے ان کی بیخ کنی کے لیے اپنے نفس کا مواخذہ کرے[10]۔ نیستی، تنگدستی اور احتیاجِ مسلسل پر راضی رہے۔ پس اس کے دل میں کسی شے کی چھوہارے کی گٹھلی چوسنے جتنی محبت نہ رہے تاکہ اس دنیا سے اس کا زہد خالص ہو[11]۔ جب اسے یہ کیفیت مکمل طور پر حاصل ہو جائے گی تو اس کے دل سے پریشانیاں اور

---

(۸) علمِ کلام کا ذکر غالباً اس لیے نہیں کیا کہ عقائد ضروریاتِ دین سے ہیں اور فقہ کی عبادات خمسہ کا حکم رکھتے ہیں اور متاخرین کے کلام میں دیگر زائد چیزیں بدعات سے ہیں ان سے اجتناب واجب ہے۔

(۹) یعنی محبتِ دنیا اور خواہشِ نفس کے پیشِ نظر جس چیز کی تمنا بھی باقی ہو خواہ علمِ دین ہی کیوں نہ ہو زہد کے منافی ہے۔

(۱۰) تاکہ اُن کی مشغولی سے ذکرِ حق سے غافل نہ ہو اور نفس اور دنیا کی محبت میں گرفتار نہ ہو۔

(۱۱) ؎ دعوی زہد تو آنروز مسلم دارند
کہ روی بر سر آن کوچہ ہشیار آئی

دُکھ اور اس کے باطن[12] کی سختی زائل ہو جائے گی اور اسے مسرت، آرام اور اللہ تعالیٰ کے ذکر و قُرب سے انس نصیب ہوگا، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دُنیا میں زُہد جسم و جان اور دل کو راحت پہنچاتا ہے[13]، اس لیے جب تک اس کے دل میں مذکورہ بالا چیزوں میں سے کوئی باقی ہے اس کے دل میں خوف و غم[14] اور پریشانیاں رہیں گی اور ذلت ان کو لازم ہو جائے گی اور قربِ خداوندی کی راہ میں تہہ بہ تہہ حجابات حائل رہیں گے مگر یہ کہ دُنیا کی محبت مکمل طور پر زائل ہو جائے اور علائق سے پُوری طرح انقطاع ہو جائے۔ دنیا کے زہد کے بعد آخرت میں زُہد اختیار کرے یعنی آخرت کے بلند مدارج حور و غلمان، محلات و اعلیٰ رہائش گاہیں، باغات، سواریاں، لباس، زیور، اکل و شرب اور دوسری وہ تمام

(تمہارے زُہد کا دعویٰ اُس دن تسلیم کیا جائے گا جب اس کوچہ میں
داخل ہو کر ہشیاری سے اس سے نکل آؤ گے۔

کُوچۂ دُنیا سے ہشیاری کے ساتھ نکلنے سے مراد یہ ہے کہ دُنیا کی محبت میں گرفتار اور آلودہ نہ ہو۔

(۱۲) بعض نسخوں میں والکرب عن الحشا کی بجائے والکرب عن الاحشا جمع کے صیغے کے ساتھ ہے۔

(۱۳) یعنی ظاہر و باطن کو آسائش پہنچاتا ہے اور آسودہ کرتا ہے۔

(۱۴) خوف اور وجل دونوں ہم معنی ہیں فرق کرنے کے لیے ایک کو اندرونی اور دوسرے کو بیرونی خوف پر محمول کر لیتے ہیں۔ دوسرا فرق ایک سے مراد مالی خوف اور دوسرے سے جانی، یا کہ ایک یقینی خوف اور دوسرا ظنی، یا ایک مترقب (جس کی امید ہے) دُوسرا غیر مترقب۔

چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جنت میں تیار کر رکھی ہیں ان ہی سے کچھ طلب نہ کرے اور اپنے کسی عمل کا اجر دنیا و آخرت میں نہ چاہے، اس وقت وہ خدا کو پالے گا وہ اپنے فضل و کرم سے پورا اجر عطا فرمائیگا اور اسے منزلِ قُرب[15] پر پہنچائے گا اپنے لُطفِ خاص سے توفیق و عصمت سے نوازے گا۔ اللہ تعالیٰ جس طرح اپنے رسولوں، نبیوں، ولیوں، بارگاہِ خداوندی کے خاص لوگوں اور دیگر اہلِ علم دوستوں کے ساتھ الطاف اور تجلیات صفات سے شناسا کراتا ہے۔ اس طرح اس بندے کو بھی اپنے الطاف و احسان سے واقف کر دے گا اور وہ اپنی زندگی کے آخری دم تک ترقی پاتا رہے گا پھر آخرت میں ایسی نعمتیں ملیں گی جنھیں نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی کے دل پر ان کا خیال گزرا، جن کو سمجھنے سے عقلیں عاجز ہیں اور جن کے اظہار و بیان سے عبارات قاصر ہیں[16]۔

(۱۵) قُرب و دنو دونوں ہم معنی ہیں۔ اس کتاب شریف میں دو مترادف الفاظ کا استعمال بکثرت ہے ہر ایک کا علیحدہ محمل و متعلق بھی بنایا جا سکتا ہے، اکثر مواضع پر ذکر ہوا ہے اور تاکید و مبالغہ پر حمل بھی کیا جا سکتا ہے واللہ اعلم۔

(۱۶) یہ جنت کی نعمتوں اور سب سے بڑی نعمت اور مقصود اعظم دیدارِ باری تعالیٰ سے کنایہ ہے۔

تحصیلِ علم سے ممانعت کی وجہ

اس بات کی طرف کئی دفعہ اشارہ ہو چکا ہے ہوائے نفس اور محبتِ دنیا کی آمیزش اور ماسوائے تعلق و اشتغال کی بنا پر

تحصیلِ علوم ممنوع ہے اور رضائے مولیٰ تعالیٰ کے لیے تحصیلِ علوم سعادت اور خیر و برکت کا موجب اور دین و شریعت کی ترویج کا سبب ہے، اس صورت میں اعمالِ خیر و قرب میں سے افضل و اعلیٰ ہے اور علوم عربیہ جو کہ علوم دینیہ کے مبادی آلات ہیں ان میں اشتغال اللہ جل جلالہٗ و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خیر خواہی میں داخل اور دین کی تقویت و تکمیل کا باعث ہے بلکہ تمام حرفتیں اور صنعتیں جو نظامِ عالم اور صلاحِ بنی آدم کا سبب بنیں وہ اس حکم میں شامل ہیں۔ درحقیقت ان سے ممانعت اس لیے کی گئی ہے تاکہ ماسوا کے نقوش دل سے محو ہو جائیں اور جب دل کو دنیا کی محبت و خواہش سے سلامتی یکسر آجائے گی اور توحید کا نقش دل میں ثابت و راسخ اور مقامِ تمکین پر استقرار حاصل ہو جائے گا تو پھر کوئی ضرر اور مضائقہ نہیں ہے۔

کاملین مشائخ و اولیاء اس میں مصروف رہے ہیں۔ خود حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ علومِ الٰہیہ اور دیگر علوم کا درس دیا کرتے تھے۔ جنت اور اس کے درجات و نعمتوں کی طلب سے ممانعت بھی اسی وجہ سے ہے کہ بطریقِ خواہش نفس و طلب لذات ہو، جیسا کہ صدق و اخلاص کی تحقیق میں بیان ہونا چاہیے۔ لیکن اس حیثیت سے کہ ان کی طلب کے لیے امرِ شریعت وارد ہے اور ان کی ترغیب دلائی گئی۔ جنت کی مطلوب و مستحسن ہے۔

خلاصۂ کلام: جو چیز ہوائے نفس اور محبتِ دنیا کے پیشِ نظر ہے وہ مذموم ہے اور جو چیز امتثالِ امر اور طلبِ رضائے حق کے پیشِ نظر ہو وہ محمود ہے۔

وطن برائے تو گیرم سفر برائے تو جویم
خمش برائے تو باشم سخن برائے تو گویم

(میری اقامت، میرا سفر، میری خاموشی اور میری گفتگو آپ کی وجہ سے ہے)

اس سے اوپر مرتبۂ فنا ہے کہ بندہ اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے فعل و ارادہ میں گم کر دے۔ تمام اشیاء کو اللہ تعالیٰ کے قوالب و مظاہر جانے اور اس کی نگاہِ بصیرت و شہود میں فقط فعلِ باری تعالیٰ نظر آئے اپنی ذات کے لیے کوئی تدبیر و اختیار باقی نہ رہنے دے۔ اپنے ارادہ و خواہش سے خود کو خالی کر دے۔ اپنے آپ کو اس طرح تقدیرِ الٰہی کے حوالے کر دے جس طرح کہ مُردہ بدست زندہ، یا ہاکی کے آگے گیند۔ جیسا کہ آئندہ مقالے میں ذکر ہوگا۔ اس مرتبہ کے حصول کی شرط یہ ہے کہ تمام ماسوا اللہ سے تعلق و وابستگی یکسر ختم کر دے، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

المقالة الخامسة والخمسون

قال رض تترك الحظوظ ثلث مرات الأولى يكون العبد ماراً في
عشواه متخبطاً فيه متصرفاً بطبعه في جميع أحواله من غير
تعبد لربه ولا زمام في الشرع يرده ولا حد من حدود
ينتهي إليه من حكمه فبينما هو على ذلك ينظر الله إليه
بعين الرحمة فيبعث إليه واعظاً من خلقه من عباده
الصالحين وينبهه بواعظ من نفسه فيتظافر الواعظان
على نفسه وطبعه فتعمل الموعظة فيها عملها فتتبين عندها
عيب ما فيه من ركوب مطية الطبع والمخالفة فتميل إلى
الشرع في جميع تصرفاتها فيصير العبد مسلماً قائماً مع
الشرع فانياً عن الطبع فيترك حرام الدنيا وشبهتها ومنن
الخلق فيأخذ مباح الحق وحلال الشرع في مأكله ومشربه
وملبسه ومنكحه ومسكنه وجميع أحواله وما لا بد منه
ليتحفظ البنية ويتقوى على طاعة الرب وليستوفي قسمة

المقسوم له الذي لا يتجاوزه ولا سبيل إلى الخروج من الدنيا
قبل تناوله والتلبس به واستيفائه فيسير على مطية
المباح والحلال بالشرع في جميع أحواله إلى أن تنتهي به
هذه المطية إلى عتبة الولاية والدخول في زمرة المحققين
والخواص أهل العزيمة مريد الحق فيأكل بالأمر فح
يسمع النداء من قبل الحق من باطنه أترك نفسك وتعال
أترك الحظوظ والخلق إن أردت الخالق واخلع نعليك دنياك
وأخراك وتجرد عن الأكوان والموجودات وما سيوجد
والأماني بأسرها وتعر عن الجميع وافن عن الكل وتطيب
بالتوحيد وترك الشرك وصدق الإرادة ثم ادخل
وطاء البساط بالأدب مطرقاً لا تنظر يميناً إلى الآخرة
ولا شمالاً إلى الدنيا ولا إلى الخلق ولا إلى الحظوظ فإذا دخل في
هذه المقام وتحقق الوصول جاءته الخلع من قبل الحق
وغشيته أنوار المعارف والعلوم وأنواع الفضل فيقال
له تلبس بالنعم والفضل ولا تسيء الأدب بالرد وترك التلبس
لأن في رد نعم الملك افتياتاً على الملك واستخفافاً لحضرته
حينئذ يتلبس بالفضل والقسمة بالله من غير أن يكون هو
فيه ومن قبل كان يتلبس بهواه ونفسه فيقال له تلبس
بالنعم والفضل فله أربع حالات في تناول الحظوظ والأقسام
الأولى بالطبع وهو الحرام والثانية بالشرع وهو المباح

وَالْحَلَالُ وَالثَّالِثَةُ بِالْأَمْرِ وَهِيَ حَالَةُ الْوِلَايَةِ وَتَرْكُ الْهَوٰى وَالرَّابِعَةُ بِالْفَضْلِ وَهِيَ حَالَةُ زَوَالِ الْإِرَادَةِ وَحُصُوْلِ الْبَدَلِيَّةِ وَكَوْنِهٖ مُرَادًا قَائِمًا مَعَ الْقَدْرِ الَّذِيْ هُوَ فِعْلُ الْحَقِّ وَهِيَ حَالَةُ الْعِلْمِ وَالْإِتِّصَافِ بِالصَّلَاحِ فَلَا يُسَمّٰى صَالِحًا عَلَى الْحَقِيْقَةِ إِلَّا مَنْ وَصَلَ إِلٰى هٰذَا الْمَقَامِ وَهُوَ قَوْلُهٗ إِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ فَهُوَ الْعَبْدُ الَّذِيْ كُفَّتْ يَدُهٗ عَنْ جَلْبِ مَصَالِحِهٖ وَمَنَافِعِهٖ وَعَنْ رَدِّ مَضَارِّهٖ وَمَفَاسِدِهٖ كَالطِّفْلِ الرَّضِيْعِ مَعَ الظِّئْرِ وَالْمَيِّتِ الْغَسِيْلِ مَعَ الْغَاسِلِ فَيَتَوَلّٰى يَدُ الْقَدْرِ تَرْبِيَتَهٗ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُوْنَ لَهٗ إِخْتِيَارٌ وَتَدْبِيْرٌ فَانٍ عَنْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ لَا حَالَ وَلَا مَقَامَ وَلَا إِرَادَةَ بَلِ الْقِيَامُ مَعَ الْقَدْرِ تَارَةً تَبْسُطُهٗ وَأُخْرٰى يَقْبِضُهٗ وَتَارَةً يُغْنِيْ وَتَارَةً يُفْقِرُ وَلَا يَخْتَارُ وَلَا يَتَمَنّٰى زَوَالَ ذٰلِكَ وَتَغَيُّرَهٗ بَلِ الرِّضٰى الدَّائِمُ وَالْمُوَافَقَةُ الْأَبَدِيَّةُ فَهُوَ اٰخِرُ مَا يَنْتَهِيْ إِلَيْهِ أَحْوَالُ الْأَوْلِيَاءِ وَالْأَبْدَالِ۔

مقالہ ۵۵

نفسی لذّات سے کنارہ کشی

حضرت رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا: حظوظِ نفس چھوڑنے کے تین مرتبے ہیں[1]؛ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ جہالتِ طبع کی تاریکی میں سرگردان مخبوط الحواس رہے۔ اور تمام احوال[2] میں اپنے طبعی تقاضوں کے مطابق تصرف کرے اور ربِّ کریم کی عبادت سے گریزاں رہے، اسے اپنے طبعی تصرفات سے نہ شریعت کی مہار روکے نہ اس کے لیے حدودِ شرع میں سے کوئی حد ہو جہاں جا کر وہ ٹھہر جائے[3]۔ اسی دوران اللہ تعالےٰ اس پر نظرِ رحمت فرمائے اور

---

(۱) پہلا مرتبہ حکمِ شریعت کے مطابق حرام، مشتبہ اور مباح چیز کو ترک کرنا ہے اس کا بیان ہو رہا ہے۔

(۲) ترک و اخذ منع و عطا وغیرہ میں۔

(۳) اور طبعی و نفسی تقاضوں کے مطابق تصرف کرنے سے رُک جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدِ شرع مراد نہ ہو یعنی تصرفِ طبع بے حد ہو جانے اور کسی مقام پر جا کر نہ رُکے اس صورت میں احکامِ طبیعت کے غلبہ میں مبالغہ مقصود

اپنی مخلوق کے نیک بندوں میں سے کسی ایک کو اس کے لیے واعظ بنا دے، اور اس کے اپنے واعظ کا ساتھی بنا دے[۴]، اور یہ دونوں واعظ مل کر اس کے نفس اور خلافِ شرع کام کرنے والی طبیعت پر اثر کرنے میں اس طرح کامیاب ہو جائیں کہ طبیعت نصیحت کو قبول کرنے لگے اور اس پر وہ تمام برائیاں اور گناہ ظاہر ہو جائیں، جن کی وجہ سے وہ طبع اور حکم شرع کی مخالفت کی سواری پر سوار تھا۔ پھر وہ بندہ اپنے تمام تصرفات میں شریعت کی طرف مائل ہو جائے تو وہ بندہ سچا مسلمان[۵] شریعت پر کاربند ہو کر طبیعت کی خواہش کو فنا کر دیتا ہے۔ دنیا کی حرام اور مشتبہ چیزیں اور مخلوق کا احسان چھوڑ دیتا ہے[۶] اور کھانے پینے، پہننے، نکاح، قیام گاہ اور سب ضروریات کی چیزیں جو شرعاً حلال و مباح ہیں ان کو اختیار کرتا ہے تاکہ اپنے جسم کو

ہے۔ صراح میں ہے حد کا معنیٰ ہے روکنا، روکنے والا، ہر چیز کی انتہا، اندازہ کرنا اور خدا کی طرف سے مقرر کردہ چیز۔

(۴) یعنی ایک واعظ وہ عبد صالح ہے اور دوسرا واعظ بندے کے اندر پیدا شدہ لمۂ ملک ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بندے کی ذات میں پیدا کیا ہے تاکہ اسے بھلائی کا حکم دے اس کے ساتھ لمۂ شیطان کو بھی پیدا کیا ہے جو برائی کا حکم دیتا ہے لمۂ ملک کو واعظ الحق اور زاجر الحق کہتے ہیں۔ واعظین کی نصیحت اس صورت میں مؤثر ہوتی ہے جبکہ واعظ الحق بھی اس کی موافقت کرے۔ بعض نسخوں میں فینبہہ ہے کہ اسے آگاہ کر دیتا ہے۔

(۵) مُسلِمٌ ہو تو معنے ہونگے مسلمان صادق، اگر مُسَلِّمٌ ہو تو معنے ہونگے تسلیم کرنیوالا۔

(۶) یعنی مخلوق کے سو احسانات برداشت کر کے جو حرام و مشتبہ اشیاء حاصل کرتا ہے اور اس سلسلہ میں ان کے احسانات کا بوجھ اتار پھینکتا ہے۔

مضبوط کرے اور اپنے رب کی عبادت کی طاقت حاصل کرے[۷] اور اپنی قسمت کا پورا پورا حصہ لے، وہ مقسوم اپنی حد سے تجاوز نہیں کر سکتی، اور اسے حاصل کئے اور پوری طرح اس سے مستفید ہوئے بغیر دنیا سے نکل جانے کی کوئی راہ نہیں ہے[۸]۔ پس بندہ تمام احوال میں شریعت کی حلال و مباح کردہ چیزوں کی سواری کرتا ہوا[۹] سفر جاری رکھتا ہے یہاں تک یہ سواری اسے آستانِ ولایت تک پہنچا دیتی ہے اور وہ بندہ محققین خواص کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے جو کہ عزیمت اور افضل پر عمل کرنے اور اپنے تمام کاموں میں خدا کی رضا کے طالب ہیں۔ پھر جب وہ مرتبۂ ولایت پر فائز ہو جاتا ہے تو امر باطن سے کھاتا ہے[۱۰] اور وہ اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ندا سنتا ہے کہ اپنے نفس کو چھوڑ دو اور قریب ہو جاؤ۔ اگر اپنے خالق کو چاہتے ہو تو نفس کی خواہشوں اور مخلوق کو

---

(۷) یعنی حکم شرع کے مطابق حرام و مشتبہ چھوڑ چکا ہے اب اگر حلال و مباح بھی ترک کرے تو جسم جواب دے دے گا اور عبادت نہیں کر سکے گا۔

(۸) حفاظت جسم سے قطع نظر جو چیز اس کی قسمت میں ہے وہ مل کر رہے گی اگرچہ اس کی قوت اور روزی سے زائد ہو۔

(۹) کہ وہ حدود شرع میں رہ کر مولا تعالیٰ کی عبادت و طاعت میں مصروف رہتا ہے۔

(۱۰) **مرتبۂ ثانیہ**: یہ ترکِ حظوظِ نفس کا دوسرا مرتبہ ہے، اس مرتبہ میں جن چیزوں کی شریعت میں رخصت تھی وہ متروک ہو جاتی ہیں اتباعِ ہوا بالکل ناپید ہو جاتی ہے اور اس کے تمام کام امرِ باطن کی اتباع میں ہوتے ہیں۔

چھوڑ دو اور اپنے جوتوں کو اتار دو یعنی دنیا و آخرت[11] تمام موجودات اور آئندہ پیدا ہونے والی اشیا اپنی تمام آرزوؤں سے آزاد ہو جاؤ اور تمام کائنات سے بیگانہ اور ہر چیز سے فانی ہو جاؤ، توحید سے خوش ہو کر شرک کو ترک کر کے اور ارادوں میں صادق ہو کر[12] گردن جھکائے ہوئے خاموشی اور ادب کے ساتھ بساطِ قُرب میں داخل ہو جاؤ۔ دائیں طرف یعنی آخرت اور بائیں طرف۔ یعنی دنیا، مخلوق اور نفس کی لذتوں کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھو۔ جب بندہ اس مقام[13] میں داخل ہو جائے اور وصول الی اللہ کی منزل متحقق ہو جائے تو اسے خدا کی طرف سے خلعت عطا ہو گی اور طرح طرح کے علوم و معارف اور فضل و کرم کے انوار اس کا احاطہ کر لیں گے پھر اسے کہا جائے گا فضل و نعمت سے استفادہ کرو، اسے چھوڑنے اور رد کرنے سے بے ادبی نہ کرو کیونکہ شاہی نعمت کو چھوڑنا بادشاہ پہ دباؤ[14] ڈالنے اور اس کی توہین کے مترادف ہے اس وقت بندے کی مداخلت کے بغیر[15] جب کہ پہلے وہ تمام کام نفس و خواہش کے

---

(۱۱) یہ اس آیہ کریمہ کی طرف اشارہ ہے فاخلع نعلیکَ انکَ بالواد المقدس طوی۔

(۱۲) کہ ظاہر و باطن اور عمل و حال میں مطلوب فقط ذاتِ باری تعالیٰ ہو۔

(۱۳) یعنی توحید، صدقِ ارادہ اور فنا کے مقام میں۔

(۱۴) اقتیات کے معنی ہیں اقتدار و توانائی، اللہ تعالے کا اسم گرامی مُقیت ہے بمعنے ایک ایک کو روزی پہنچانے پر قدرت رکھنے والا، اس کے معنی نگہبان، گواہ، حاضر بھی بیان کرتے ہیں بعض نسخوں میں اقتیاناً ہے قین سے مشتق بمعنی انقباض و انتزاع، اور یہ افتتاناً (فتنہ) سے بھی ہو سکتا ہے بمعنی اعجاب، اختیار اور گناہ۔ واللہ اعلم

(۱۵) کیونکہ وہ اپنی ذات سے فانی اور ذاتِ خدا سے باقی ہو چکا ہے۔

مطابق کرتا تھا فضلِ خداوندی اور اس کی تقسیم سے اس کا اختلاط ہوتا ہے پس اسے کہا جاتا ہے کہ فضل و نعمت سے تلبس کرو،[16] قسمتوں اور لذتوں کو حاصل کرنے میں بندے کی چار حالتیں ہیں:

(۱) اپنی طبع کے مطابق لینا اور کرنا[17]، یہ حرام ہے[18]۔

(۲) شریعت کے مطابق لینا، یہ حلال اور مباح ہے

(۳) امرِ باطن سے کچھ حاصل کرنا، یہ ولایت اور ترکِ خواہش والی حالت ہے[19]۔

---

(۱۶) پہلے مرتبہ میں نفس و ہوا کا دخل تھا دوسرے مرتبہ میں نفس و ہوا کا دخل نہ تھا معاملہ امر پہ موقوف تھا لیکن محض فضل پہ کہ بندہ درمیان میں نہ رہے، سلسلہ موقوف نہ تھا۔ تیسرے مرتبے کا دار و مدار فضل و کرم پہ ہے اس میں اشکال یہ ہے کیا اس میں بھی امر ہو گا یا نہیں؟ جیسا کہ فرمایا گیا ہے فیقال لہ تلبّس بالنعم والفضل۔

جواب یہ ہے کہ یہاں تلبّس سے مراد یہ نہیں کہ اسے امر ہو گا بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کی قسمت کی چیز کا اسے علم دے دیا جائے گا گویا اسے حکم ہی مل گیا اس فضل و نعمت سے تلبس کرو بالجملہ ترک حظوظ کے تین مرتبے ہیں اور اس سے مفاد حاصل کرنے کی چار حالتیں ہیں۔

(۱۷) جیسا کہ شریف کی حد اور لگام میں مقید ہونے سے قبل ہوتا ہے۔

(۱۸) یا اس کے مشابہ ہے۔

(۱۹) اس حالت میں مطلق فنا حاصل نہیں ہوئی ابھی ارادہ و خواست باقی ہے۔

(۴) محض فضلِ خداوندی سے تناول کرنا یہ زوالِ ارادہ[20] اور مقامِ ولایت سے بلند مقام بدلیت، خدا تعالیٰ کی مراد بننے[21] اور قدرت یعنی فعلِ خداوندی کے ساتھ قائم ہونے کی حالت ہے[22]۔ یہ تقدیرِ الٰہی کے علم کے حصول[23] اور

---

(۲۰) کہ اس میں کوئی خواہش نہیں رہتی اور خدا کے فعل و ارادہ میں مکمل فنا حاصل ہو جاتی ہے۔

(۲۱) یعنی ارادۂ حق اس کے فعل کے ساتھ متعلق ہے نہ کہ اس کا ارادہ فعلِ حق کے ساتھ۔

(۲۲) حالتِ ولایت میں ہوائے نفس زائل ہوتی ہے مگر ارادے کا وجود باقی ہوتا ہے

پس حکمِ شریعت کے مطابق تناول کرنے میں ہوائے نفس و ارادہ دونوں کی بقا متصور ہے۔ حالتِ ولایت میں ہوائے نفس زائل ہوتی ہے مگر ارادہ اور فعل کا وجود باقی ہوتا ہے اور حالتِ بدلیت میں ارادہ و فعل بھی زائل ہو جاتے ہیں ارادہ فقط ارادۂ الٰہی ہوتا ہے اور فعل محض فعلِ خدا ہوتا ہے۔

(۲۳) اس حالت میں اللہ تعالیٰ کے فعل و تقدیر کا انکشاف ہوتا ہے کہ تقدیر میں کیا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔ حالتِ ولایت میں ارادہ اور امر وارد ہوتے ہیں لیکن تقدیر اور ارواح کا انکشاف ہوتا ہے اور کبھی خلافِ ارادہ بھی امر وارد ہو جاتا ہے، جیسا کہ امرِ تشریعی میں ہوتا ہے غایۃ الباب یہ کہ امرِ باطنی ایجاب مؤکد ہے

اصلاح کی صفت سے متصف ہونے کی حالت ہے[24]۔ جو شخص اس مقام پر پہنچے گا وہی حقیقۃً صالح ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مقصود ہے بے شک اللہ تعالیٰ میرا دوست ہے جس نے قرآن نازل کیا اور وہ صالحین کے امور کا متولی ہے[25]، چنانچہ یہ وہ آدمی ہے جس نے اپنے مصالح و منافع حاصل کرنے اور ضرر و فساد سے بچنے سے اپنے ہاتھ روک لیے ہیں یہ دایہ کے سامنے طفلِ شیرخوار یا غسّال کے سامنے مُردے کی طرح ہے، قدرت کا ہاتھ اس کی تربیت کا ذمہ دار ہے[26]، کسی فعل میں اس بندے کی تدبیر و اختیار کا دخل نہیں ہے یہ مذکورہ تمام امور سے فانی ہے نہ اس کا کوئی حال و مقام ہوتا ہے نہ ہی ارادہ[27]، بلکہ اس کی تقدیرِ الٰہی کے ساتھ اس طرح

---

(۲۴) اس مقام پر فساد کا قطعاً دخل نہیں ہے۔

(۲۵) قرآن حکیم میں انبیاء و رسل کو صالحین کے مبارک اسم سے ملقب فرمایا گیا اور معراج کی رات انبیاء کرام نے سید الانبیاء کو مرحبا کہتے ہوئے وصف صالح ذکر کیا صلوات اللہ وسلامہ وعلیہم اجمعین۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلاح بہت بلند مقام ہے جو کہ مرتبۂ ولایت سے اوپر ہے۔

(۲۶) تدبیر کا معنی انجام کار پر نظر رکھنا اور بات کی فکر کرنا کہ کیا ہونا چاہیے۔

(۲۷) یعنی کسی چیز کی اپنی طرف نسبت نہیں کرتے، کہ نہ اسے جانتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں ؎

در مسافت ز مسافت بیروں

در اضافت ز اضافت بیروں

(جو مسافت و اضافت میں ہوتے ہوئے مسافت و اضافت سے باہر ہو)

موافقت ہوتی ہے کہ کبھی اس پر بسط[28] کی اور کبھی قبض کی حالت ہوتی ہے کبھی اسے غنی و بے نیاز کر دیتے ہیں کبھی محتاج[29]۔ وہ ان چیزوں کے زوال و تضییر کی آرزو نہیں کرتا بلکہ وہ قضائے الٰہی سے ہمیشہ خوش رہتا ہے اور فعلِ الٰہی سے موافقت کی کیفیت میں رہتا ہے[30]، اور اولیاء و ابدال

آن را کہ فنا شیوۂ و فقر آئین ست
نے علم و یقین نے معرفت نے دین ست
رفت او زمیان ہمیں خدا ماند و خدا
الفقر اذا تم لہو اللہ این ست

(جس کا شیوہ فنا اور آئین فقر ہو اس کی نظر میں علم و یقین ہے نہ معرفت و دین۔
وہ درمیان سے اٹھ جاتا ہے اس وقت خدا ہی خدا رہ جاتا ہے
"فقر جب تمام ہو جاتا ہے تو وہ خدا ہوتا ہے" کا یہی معنی ہے)

(۲۸) فراخ اور خوش دل کر دینے والی حالت۔

(۲۹) غمگینی لاحق ہوتی ہے۔

(۳۰) یعنی تقدیرِ الٰہی سے اس پر یہ احوال گزرتے رہتے ہیں مگر وہ ہمیشہ ان سے بے تعلق و فانی ہو کر حق تعالیٰ کے ساتھ باقی و مشغول رہتا ہے۔ شیخ فارس قدس سرہٗ کے اس قول سے یہی مراد ہے کہ شروع میں قبض ہوتی ہے بعد میں بسط، پھر نہ قبض نہ بسط، کیونکہ قبض و بسط کا تعلق تو وجود کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ فنا و بقا کے ساتھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کے احوال کی انتہا یہی ہے[31]۔

---

(۳۱) **قبض و بسط کی تشریح** قبض و بسط دو مشہور لفظ ہیں قبض کے معنی گرفتگی (پکڑ)، بسط اس کی ضد ہے۔ صوفیاءِ کرام انھیں احوالِ قلب میں شمار کرتے ہیں جو بواسطہ محبت قلب کو عارض ہوتے ہیں کہ محبوب مل جائے تو دل خوش ہو جاتا ہے اور اگر ملاقات نہ ہو تو دل منقبض ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

واللہ یقبض ویبسط

قبض و بسط در حقیقت خوف و رجاء اور ہیبت و انس پر متفرع ہوتی ہیں۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ جب تک قلب حجابِ نورانی کے نیچے مغلوب ہے تو قبض و بسط کی حالت طاری ہوتی رہتی ہے اور جب اس سے ترقی کرتے ہوئے اس حجاب سے نکل جائے اور وجود سے نکل کر مقامِ فنا و بقا پر فائز ہو جائے تو نہ قبض رہتی ہے نہ بسط۔ جیسا کہ شیخ فارس کے قول سے معلوم ہوتا ہے۔

شیخ علی متقی رضی اللہ عنہ کا کلام کاتب الحروف (شیخ محقق علیہ الرحمۃ) فرماتے ہیں کہ میں نے امامِ اجل شیخ علی متقی، اللہ تعالیٰ آپ کی اور آپ کے علوم کی برکات سے ہماری دستگیری فرمائے، کا کلام دیکھا جو آپ شیخ ابن عباد کی "شرح الحکم" سے نقل کرتے ہیں وہ کلام اگرچہ طویل ہے مگر اس کے فائدہ تمام کے پیشِ نظر اس کا عربی سے فارسی میں ترجمہ نقل کیا جاتا ہے،

فرماتے ہیں، بسط ایک ایسی حالت ہے جس سے نفس اپنا حظ فرحت کی صورت میں پاتا ہے اور قبض کا کوئی حظ نہیں ہے۔ لیکن قبض و بسط کے آداب مجھے معلوم نہیں ہو سکے۔ علماء، صوفیاء، اور مصنفین میں سے کسی کا اسے بالتفصیل ذکر کرنا مجھے کہیں نہیں ملا۔ ہاں اس سلسلہ میں بڑے احسن انداز میں اشارات ملتے ہیں۔ شیخ ابوالقاسم قشیری رضی اللہ عنہ قبض و بسط کی لغوی تحقیق ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ کبھی قبض کی حالت پیدا ہوتی ہے مگر اس کا سبب معلوم نہیں ہوتا، تو ایسے شخص کو قبض کے دُور ہونے تک حالتِ تسلیم میں رہنا ہوگا اور اگر اپنے اختیار سے اس کی نفی کرنے میں تکلف سے کام لے گا یا قبل از وقت اس کو دُور کرنے کی کوشش کرے گا تو یہ اور زیادہ ہو گی نیز ممکن ہے کہ اسے سوءِ ادبی شمار کریں اور اگر حکمِ وقت کو تسلیم کرے گا تو عین ممکن ہے کہ قبض رفع ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واللہ یقبض و یبسط۔

اور کبھی یکایک بسط کی کیفیت وارد ہو جاتی ہے اور اس کا سبب معلوم نہیں ہوتا اور یہ کیفیت صاحبِ بسط کو حرکت دے کر سُبک کر دیتی ہے، ایسے شخص کے لیے سکون و آرام اور رعایتِ ادب لازم ہے، کیونکہ اس صورت میں اس کے لیے عظیم خطرہ ہے لہٰذا اسے اندر ہی اندر ڈرتے رہنا چاہیے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے مدتِ دراز تک بسط کی کیفیت رہی اور مجھ سے ایک لغزش واقع ہوگئی جس کی وجہ سے میں اپنے مقام سے محجوب ہو گیا۔ امام ابوالقاسم قشیری کا کلام ختم ہوا۔

شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندہ قبض و بسط

کی کیفیت سے بہت کم خالی رہتا ہے۔ یہ رات اور دن کی طرح یکے بعد دیگرے وارد ہوتی رہتی ہیں۔ ان دونوں کیفیتوں میں اللہ تعالیٰ کا تم سے مطلوب مقامِ عبودیت کا پاس ہے۔ اگر قبض واقع ہو تو اس میں دو صورتیں ہیں:

(ا) سبب معلوم نہ ہو۔

(اا) سبب معلوم ہو۔

تین چیزیں قبض کا سبب بن سکتی ہیں:

(ا) کوئی نیا گناہ سرزد ہو گیا۔

(اا) کوئی دنیاوی مال ضائع ہو جائے یا کم ہو جائے۔

(ااا) یا کوئی ظالم تمہاری جان یا عزت پر حملہ آور ہو یا تمہاری طرف بے دینی کی نسبت کرے وغیرہ۔

اگر قبض کا سبب ان مذکورہ صورتوں میں سے کوئی ہو تو بندے کے ذمہ لازم ہے کہ اپنے علم کی طرف رجوع کرے اور جو حکم ہو اس کے مطابق عمل کرے لیکن گناہ کی صورت میں توبہ و انابت اور گناہ سے چھٹکارا ضروری ہے دنیاوی مال ضائع یا کم ہونے کی صورت میں صبر و رضا اور طلبِ ثواب لازم ہے اور اور کسی کے ظلم کی صبر اور طلبِ ثواب کے ساتھ اپنی جان پر ظلم کرنے سے بچنا ضروری ہے یعنی بے صبری و جزع فزع نہ کرے ورنہ اس پر دو ظلم اکٹھے ہو جائیں گے:

ایک ظالم کا ظلم اور دوسرا بے صبری کا ظلم۔

اور اگر صبر و تحمل کا التزام کرے گا تو اس کے بدلے میں تمہیں کشادگیِ سینہ کی دولت ملے گی، یہاں تک کہ تم اسے معاف کر دو گے اور اس کے گناہ سے

درگزر کرو گے اور کبھی اس کے بدلے تمہیں نورِ رضا سے سرفراز کیا جائے گا یہاں تک کہ تم ظالم کے حق میں دُعا کرو گے جو کہ قبول ہو جائے گی۔ کتنی عجیب بات کہ ایک شخص تم پر ظلم کرے اور تم اس کے حق میں دعائے خیر کرو اور اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے اس پر رحمت فرما دے۔ یہ صدیقین و رحماء کا مقام ہے۔

وتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین۔

اور جب قبض کی کیفیت طاری ہو اور سبب معلوم ہو سکے تو دن کا وقت ہو گا یا رات، قبض رات کے زیادہ مشابہ ہے اور بسط دن کے۔ اگر قبض بلا سبب وارد ہو تو تمہیں تین[3] چیزوں اقوال[1]، حرکات[2] اور ارادے[3] سے سکون لازم ہے۔ اگر سکون کو لازم کرو گے تو بعید نہیں کہ رات طلوع فجر کے ساتھ ختم ہو جائے گی یا راہِ راست بتانے والا ستارہ چمک اُٹھے گا یا چاند سے روشنی پاؤ گے یا آفتاب کو دیکھو گے۔ ستارہ ستارۂ علم ہے۔ ماہ ماہِ توحید اور آفتاب آفتابِ معرفت۔ اور اگر رات کی تاریکی میں سکون لازم نہیں کرو گے تو سلامتی پانے کی اُمید کم رہتی ہے۔ اسے اس قولِ خداوندی پر قیاس کر لو۔

ومن رحمتہ جعل لکم الیل والنہار لتسکنوا فیہ
ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون۔

قبض بے سبب اور قبض با سبب دونوں میں یہی ہے جو مذکور ہوا۔ اسی طرح بسط کی کیفیت میں سبب معلوم ہو گا یا نہیں، اس کے بھی تین[3] اسباب ہیں:

(ا) طاعت میں زیادتی یا کسی کی خدمت کرنے پر علم و معرفت کی خیرات حاصل ہو۔

(اا) دنیا کا کچھ مال حاصل ہو، کسب یا کرامت کے ذریعے حاصل ہو یا صلہ کے طور پر۔

(ااا) لوگ تمہارے پاس آکر تمہاری تعریف و توصیف کریں، ہاتھ چومیں اور دُعا کی درخواست کریں۔

اگر ان مذکورہ اسباب میں سے کسی سے بسط ہو تو مقامِ عبودیت یہ تقاضا نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت و احسان کا اثر ہے۔ ایسی صورت میں نفس کی نگہداشت لازم ہے اور کسی چیز کو اپنے نفس کے لیے خیال کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے اور اس کی نگہداشت کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے زوال و سلب سے ڈرتا رہے کہ جس طرح طاعت و بخشش کے ساتھ انعام ہوا ہے ہو سکتا ہے کہ اس طاعت و بخشش میں خدا کی ناراضگی ہو جائے۔ دنیا کا اضافہ بھی پہلے کی طرح نعمت ہے لیکن اس میں پنہاں آفات سے ڈرنا چاہیے۔ لوگوں کے حاضر ہو کر تعریف و توصیف کرنے میں عبودیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کیا جائے کہ اس نے آفات کو پوشیدہ رکھا اور ان کے ظاہر ہونے سے ڈرتے رہنا چاہیئے کہ اگر وہ آفات ظاہر ہو گئیں تو تمہارے قریبی لوگ تمہارے دشمن بن جائیں گے، اور جس بسط کا سبب معلوم نہ ہو تو اس صورت میں حقِ عبودیت اس چیز کا متقاضی ہے کہ سوال و ناز ترک کر دے، بندوں پر حملے کرنا چھوڑ دے

اور ہر وقت ربِّ سَلِّمْ سَلِّمْ (خداوندا! آخر دم تک مکمل سلامتی سے رکھ) کہتا رہے۔ قبض وبسط میں عبودیت کے آداب یہی ہیں اگر سمجھ چکے ہو تو ۔ شیخ علی متقی رحمہ اللہ تعالےٰ کی عربی عبارات کا بلفظہٖ ترجمہ مکمل ہو گیا ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام خواص و عوام سب کے احوال کو شامل ہے جو کہ اربابِ نفس اور اربابِ قلب ہیں۔ اور عوارف المعارف میں اربابِ نفس کے احوال کو ہمّ ونشاط کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے اور قبض و بسط کو اربابِ قلوب کے ساتھ مخصوص قرار دیا گیا ہے وہاں ملاحظہ ہو۔

المَقَالَةُ السَّادِسَةُ وَالخَمْسُوْنَ

قَالَ رض إِذَا فَنِيَ العَبْدُ عَنِ الْخَلْقِ وَالْهَوٰى وَالنَّفْسِ وَالْإِرَادَةِ
وَالْأَمَانِيْ دُنْيَا وَّأُخْرٰى فَلَمْ يُرِدْ إِلَّا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَخَرَجَ الْكُلُّ
عَنْ قَلْبِهٖ وَصَلَ إِلَى الْحَقِّ وَاصْطَفَاهُ وَاجْتَبَاهُ وَأَحَبَّهٗ وَحَبَّبَهٗ
إِلٰى خَلْقِهٖ وَجَعَلَهٗ يُحِبُّهٗ وَيُحِبُّ قُرْبَهٗ وَيَتَنَعَّمُ بِفَضْلِهٖ وَ
وَيَتَقَلَّبُ فِيْ نِعَمِهٖ وَفَتَحَ عَلَيْهِ أَبْوَابَ رَحْمَتِهٖ وَوَعَدَهٗ أَنْ
لَّا يُغْلِقَهَا عَنْهُ أَبَدًا فَيَخْتَارُ الْعَبْدُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَ
يُرِيْدُ بِإِرَادَتِهٖ عَزَّوَجَلَّ وَيُدَبِّرُ بِتَدْبِيْرِهٖ وَيَشَاءُ بِمَشِيْئَتِهٖ
وَيَرْضٰى بِرِضَاهُ وَيَمْتَثِلُ أَمْرَهٗ دُوْنَ غَيْرِهٖ وَلَا يَرٰى لِغَيْرِهٖ
عَزَّوَجَلَّ وُجُوْدًا وَّلَا فِعْلًا فَحِ يَجُوْزُ أَنْ يَّعِدَهُ اللّٰهُ بِوَعْدٍ ثُمَّ
لَا يُظْهِرُ لِلْعَبْدِ وَفَاءً بِذٰلِكَ وَلَا يَبْلُغُهٗ مَا قَدْ تَوَهَّمَهٗ مِنْ ذٰلِكَ
لِأَنَّ الْغَيْرِيَّةَ قَدْ زَالَتْ بِزَوَالِ الْهَوٰى وَالْإِرَادَةِ وَطَلَبِ
الْحُظُوْظِ فَصَارَ فِيْ نَفْسِهٖ فِعْلَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَإِرَادَتَهٗ وَمُرَادًا
لَهٗ عَزَّوَجَلَّ فَلَا يُضَافُ إِلَيْهِ وَعْدٌ وَّلَا خُلْفٌ لِأَنَّ هٰذِهٖ صِفَةُ
مَنْ لَّهٗ هَوًى وَّإِرَادَةٌ فَيَصِيْرُ الْوَعْدُ حِيْنَئِذٍ فِيْ حَقِّهٖ مَعَ اللّٰهِ
عَزَّوَجَلَّ كَرَجُلٍ عَزَمَ عَلٰى فِعْلِ شَيْءٍ فِيْ نَفْسِهٖ وَنَوَاهُ ثُمَّ

صَرَفَهُ إِلَىٰ غَيْرِهٖ كَالنَّاسِخِ وَالْمَنْسُوْخِ فِيْمَا أَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَىٰ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَمَّا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْزُوْعَ الْهَوٰى وَالْإِرَادَةِ سِوَى الْمَوَاضِعِ الَّتِيْ ذَكَرَهَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي الْقُرْاٰنِ مِنَ الْأَسْرِ يَوْمَ بَدْرٍ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ٥ وَهُوَ مُرَادُ الْحَقِّ لَمْ يَتْرُكْهُ عَلٰى حَالَةٍ وَّاحِدَةٍ وَّعَلٰى شَيْءٍ وَّاحِدٍ وَّوَعْدٍ وَّاحِدٍ بَلْ نَقَلَهُ إِلَى الْقَدْرِ فَأَطْلَقَ عِنَانَ الْقَدْرِ إِلَيْهِ فَصَرَّفَهُ فِي الْقَدْرِ وَقَلَّبَهُ فِيْهَا وَنَبَّهَهُ بِقَوْلِهٖ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ يَعْنِيْ إِنَّكَ فِيْ بَحْرِ الْقَدْرِ تُقَلِّبُكَ أَمْوَاجُهُ تَارَةً كَذَا وَتَارَةً كَذَا فَمُنْتَهٰى أَمْرِ الْوَلِيِّ اِبْتِدَاءُ أَمْرِ النَّبِيِّ مَا بَعْدَ الْوِلَايَةِ وَالْبَدَلِيَّةِ إِلَّا النُّبُوَّةُ۔

مقالہ ۵۶

مخلوق سے فنائیت

حضرت شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، جب بندہ مخلوق، ہویٰ نفس کے تمام احکام اور دُنیا و آخرت کی خواہشات اور ارادوں سے فانی ہوجاتا ہے[1] اور اس کا دل ماسوا سے خالی ہوجاتا ہے اور صرف مولیٰ کریم کی رضا و قُرب کا ارادہ باقی رہ جاتا ہے تو وہ واصل باللہ ہوجاتا ہے اللہ تعالےٰ اُسے ظاہر و باطن میں ولایت و بدلیت پر فائز کردیتا ہے اور اسے برگزیدہ بندہ اور محبوب بنا لیتا ہے اور مخلوق کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کردیتا ہے[2] اور اللہ اس میں یہ وصف پیدا فرما دیتا ہے کہ وہ صرف اللہ اور

---

(۱) کہ وُہ خواہشِ نفس کے پیشِ نظر کسی چیز کی آرزو نہیں کرتا۔ نہ دنیا کی لذات و شہوات کی اور نہ ہی جنت کے ناز و نعمت کی۔

(۲) کہ ملک و ملکوت کی ہر مخلوق اس سے محبت کرتی ہے، جیسا کہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں وارد ہے: ان الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت سَیَجْعَلُ لھم الرحمٰن وُدًّا

اس کے قرب سے محبت کرتا ہے[۳] اور اللہ کے فضل وکرم سے ملنے والی نعمتوں سے متمتع ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے اور کبھی بند نہ کرنے کا وعدہ بھی فرما دیتا ہے[۴] پھر بندہ صرف خدا کو اختیار کرتا ہے[۵]، وہ خدا کے ارادہ وتدبیر سے ارادہ اور تدبیر کرتا ہے۔ مشیتِ خداوندی میں اس کی مشیت ہوتی ہے[۷]، اس کی رضا پر راضی رہتا ہے اس کے احکام مانتا ہے، نفس وخلق سے کسی کی متابعت نہیں کرتا اور وہ نظر شہود سے

---

(۳) تاکہ یحبھم ویحبونہ کا مصداق بن جائے۔

(۴) کیونکہ جنت کی نعمتیں دائمی ہیں۔ ممکن ہے کہ دنیا میں دوام نعمت مراد ہو کہ اسے زوالِ نعمت دنیا سے مامون قرار دے دیا جائے گا، اگر اولیاء کرام کے حق میں رد وعزل جائز ہے، لیکن ممکن ہے کہ بعض خاص محبوبانِ خدا کو رد وعزل سے محفوظ قرار دیا جائے، جیسا کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے آپ کو ارشاد ہوا: قد امنتك یا عبدالقادر من الرد (اے عبدالقادر! آپ رد وعزل سے مامون ومحفوظ ہیں)

(۵) کہ جب محبت غالب ہو اور محب ومحبوب اللہ تعالیٰ کی ذات ہو تو اس کی محبت تمام چیزوں پر غالب آجائیگی جیسا کہ محبت کا تقاضا ہے اور خصوصاً جبکہ دونوں طرف سے محبت اور محبوبیت ہو۔

(۶) کیونکہ بندے کا اپنا ارادہ نہیں رہتا۔

(۷) مشیت اور ارادہ دونوں ہم معنی ہیں، تاکید کے لیے دونوں کو ذکر کر دیا ہے یا ارادہ سے مراد اپنے اقوال وافعال کا ارادہ، اور مشیت سے مراد کسی دوسرے آدمی کے احوال وافعال کی مشیت۔

صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے فعل کو دیکھتا ہے۔ ایسے میں جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کا وعدہ فرمائے اور بندے کے سامنے اس کے ایفاء کا اظہار نہ ہو[۸] اور جس کا بندے نے خیال کیا ہو وہ نہ ملے کیونکہ خواہشوں ارادوں حظوظِ نفس کے زوال کے ساتھ ہی غیریت زائل ہو چکی ہے[۹] اور بندہ بذاتِ خود اللہ تعالیٰ کا فعل وارادہ اور اس کی مراد بن چکا ہے[۱۰] تو بندے کی طرف کسی وعدے یا خلافِ وعدہ کی نسبت نہیں کی جا سکتی کیونکہ وعدہ یا خلافِ وعدہ کا تصور ایسے آدمی کے حق میں ہوتا ہے۔ جس کی اپنی خواہش و آرزو باقی ہو۔ اس طرح بندے کے حق میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات سے وعدہ کیا ہو[۱۱]، یہ اس طرح کہ ایک بندہ اپنی ذات کے لیے کسی فعل کا ارادہ کرے پھر کسی اور فعل کا ارادہ کرلے یہ وعدہ اور وفا کا عدمِ ظہور ناسخ ومنسوخ کی طرح ہو جائے گا جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف وحی کی گئی کہ ہم جو آیت منسوخ کر دیتے ہیں یا فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر[۱۲] یا اسی کی مثل لے آتے ہیں۔ کیا

---

(۸) اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایفائے عہد کا اظہار منتفی ہوتا ہے نہ کہ اول وعدہ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ میں خلف جائز نہیں ہے۔

(۹) کہ حصولِ فنا کے بعد بندے کا اپنا کوئی ارادہ نہیں رہا۔

(۱۰) اور بندے کا کوئی ارادہ اور مراد باقی نہیں۔

(۱۱) نظر شہود میں اثنینیت وغیریت کے زوال کا اعتبار کرتے ہوئے ایسا ہوتا ہے۔

(۱۲) لوگوں کی اصلاح ومنفعت کے اعتبار سے۔

آپ نہیں جانتے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جب رسول اللہ[13] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خواہش اور ارادہ ختم کر دیا گیا سوائے ان چند مقامات کے جن کا قرآن حکیم میں ذکر ہوا، مثلاً اسیرانِ بدر کے متعلق حکم ہوتا ہے[14]: تم دنیا کے سامان کا ارادہ کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت[15] کا، اگر پہلے سے[16] حکم

---

(۱۳) یہاں سے مثال کی ممثل لہ سے مطابقت ذکر فرما رہے ہیں۔

(۱۴) روایت میں ہے کہ جب اسیرانِ بدر کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ ان کے متعلق کیا ہونا چاہیئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ آپ کی قوم سے تعلق رکھتے ہیں ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہیئے، اس طرح ممکن ہے کہ توبہ کرلیں اور فدیے کے ذریعے مسلمانوں کو قوت حاصل ہوگی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یہ کفار کے سردار ہیں انھیں قتل کرنا چاہیئے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے اموال سے بے نیاز کر دیا ہے، اور اپنے قریبی رشتہ دار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ اس کو میرے حوالے کریں میں اسے قتل کرتا ہوں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمائیں کہ وہ اپنے بھائی عقیل کو قتل کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات پسند نہ آئی۔ آپ نے اس بارہ میں صحابہ کرام کو اختیار دے دیا تو تمام نے فدیہ لینا پسند کیا، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(۱۵) آخرت کا ثواب اعزاز دین اور دشمنوں کی سرکوبی پسند کرتا ہے۔

(۱۶) حکم سے مراد حکمِ ازلی یا یہ کہ اہلِ بدر کو عذاب نہیں ہوگا۔

اس طرح نہ ہوتا تو تمھیں اس فدیہ لینے کے بدلے بڑا عذاب ہوتا[17]، اور آپ اللہ کے محبوب و مراد تھے[18] آپ کو ایک حالت، ایک شئ اور ایک وعدے پر نہیں چھوڑا بلکہ اپنی تقدیر کی طرف لے گیا اور اس کی لگام آپ کی طرف چھوڑ دی اور آپ کو احوال و احکام میں پھرایا، پلٹایا[19] اور احوال کے تغیر اور احکام کے تبدل پر آگاہ فرمایا کہ اے میرے مراد، محبوب، مطلوب اور مقصود! کیا

---

(۱۷) **اسیرانِ بدر کے متعلق فدیہ لینے کا حکم اجتہادی تھا** حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو حضرت عمر فاروق کے سوا کوئی نہ بچتا۔ علماء فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسیرانِ بدر کو فدیہ لے کر چھوڑنا اجتہاد پر مبنی تھا نہ کہ وحی۔ انبیاءِ کرام اجتہاد فرماتے ہیں کبھی ان میں خطا بھی ہو جاتی ہے مگر خطا پر مقرر نہیں رکھے جاتے بلکہ تنبیہ کر دی جاتی ہے اور بتا دیا جاتا ہے کہ یہ اجتہاد درست نہیں تھا۔ اسی طرح شہد اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو حرام کرنا بھی اجتہاد و رائے کی بنا پر تھا نہ کہ وحی سے۔

(۱۸) اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہرگز نفس کی مراد اور ہوا پر نہ چھوڑا۔

(۱۹) ایک حال اور طرز پر نہ چھوڑا۔ ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

(دوست نے اپنی محبت کا پھندا میرے گلے میں ڈالا ہوا ہے وہ جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے)

آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالٰے ہر شئے پر قادر ہے[20]، یعنی آپ تقدیرِ خداوندی کے سمندر میں ہیں اور اس کی موجیں آپ کو اِدھر سے اُدھر سیر کرانے کے لیے لے جاتی ہیں[21]۔ پس ولی کے مقام کی انتہا نبی کے مقام کی ابتدا ہے اور ولایت و ابدالیت کے آخری مقام کے بعد نبوت کے علاوہ کوئی مقام نہیں[22]۔

---

(۲۰) کہ وُہ آپ کی تربیت و ترقی کے لیے ایک حال اور حکم سے دوسرے حال اور حکم کی طرف منتقل کر سکتا ہے۔

(۲۱) اسی طرح اللہ تعالٰے آپ کو اپنی قدرت کے عجائبات اور احوال کے غرائبات کا مشاہدہ کراتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالٰے اپنے حبیب مکرم کو احکام میں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل فرماتا ہے اسی طرح بعض اولیاء کرام کے لیے مواعید میں تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ جو چیز نبی کو حاصل ہو اس کی اتباع میں وہ چیز ولی کو بھی حاصل ہو جاتی ہے اگرچہ اس درجہ پر رسائی حاصل نہ ہو۔

(۲۲) مقاماتِ ولایت کی انتہا مقاماتِ نبوت کا آغاز ہے

جب ولایت کے مراتب و درجات کی انتہا ہو جاتی ہے تو مقامِ نبوت کا آغاز ہوتا ہے۔ گویا مقامِ نبوت کی ابتدا تمام مقامات و کمالاتِ ولایت تک پہنچا دیتی ہے، اور ان سے متصف کر دیتی ہے بعد میں مقامِ نبوت عطا ہوتا ہے جو کہ محض اصطفاء و اِجتباء ہے، اس میں اولیاء کے لیے کوئی راستہ نہیں ہے۔ نبوت کا کمال اور اس کی قوت ولایت کی قوت اور کمال سے ہوتی ہے۔ پس ولایتِ محمدیہ

علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کی ولایات سے اتم واکمل ہوگی، جس طرح کہ آپ کی نبوت تمام کی نبوتوں سے اکمل و افضل ہے۔

(۱) کسے بحسنِ ملاحت بیارِ ما نرسد
ترا درین سخن انکار کارِ ما نرسد
(۲) ہزار نقد ببازار کائنات آرند
یکے سکّہ صاحب عیار ما نرسد
(۳) ہزار نقش برآید ز کلک صنع و لیک
بدل پذیری نقش نگار ما نرسد

(۱) کوئی شخص حسنِ ملاحت میں ہمارے دوست کا ہم پلّہ نہیں ہو سکتا اور تمہیں ہماری بات کے انکار کی گنجائش بھی نہیں ہے۔

(۲) بازارِ کائنات میں ہزار نقدی لے آئیں ان میں کا ایک بھی ہمارے سکّے کی آواز پیدا نہیں کر سکتا۔

(۳) صناعت کا قلم ہزاروں نقش بنالے لیکن تمہیں دل سے تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہمارے نگار کے نقش جیسا نہیں ہو سکتا۔

سبحان اللہ! اللہ تعالٰے نے ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر حسن و جمال اور فضل و کمال سے نوازا ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ نیابتِ اولیاء ابتداءِ انبیاء کس طرح ہے۔

ایک وہم کا ازالہ

یہاں ایک خلافِ حق بات کا وہم ہوتا ہے جو بعض لوگوں نے بیان کی، نہ معلوم ان کی اس بات کا ماخذ کیا ہے، وُہ کہتے ہیں: نہایتِ انبیاء بدایتِ اولیاء ہے۔ علیہم السلام والتحیۃ۔ اس کی توجیہ یُوں کرتے ہیں انبیاء کرام علیہم السلام پہلے واصل ہوتے ہیں۔ اس کے بعد مخلوق کی تعلیم و ارشاد کے لیے سلوک کی منزل طے کرتے ہیں اور جن چیزوں کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ان درجات و مواعید کی تفاصیل تک پہنچتے ہیں لہٰذا سلوکِ انبیاء کرام کی انتہا قرار پایا جو کہ اولیا کی ابتدا ہے۔ اس کی مثال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی دریا پر آکر شنا کر کے کنارے پر پہنچے اور دوسرا پہلے ساحل پر آئے پھر شنا کرے۔ اس تاویل سے کہتے ہیں کہ ایک ہی چیز ایک کی انتہا ہوتی ہے اور دوسرے کی ابتداء۔ وُہ اپنا مطلب ایک اور طریقے سے بیان کرتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا کام احکام و شرائع وضع کرنا ہے جو کہ آخر عمر میں مکمل کرتے ہیں اور ولی کی ابتداء ہی ان کاموں سے ہوتی ہے۔ اس توجیہ و تاویل کے باوجود یہ بات ناگفتہ بہ ہے کیونکہ یہ باطل کی موہم ہے اور اہلِ بطلان سے جا ملاتی ہے۔ ایک اور بات مشہور ہے:

اَلْوِلَایَۃُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّۃِ (ولایت نبوت سے افضل ہے)

اگرچہ اس کی توجیہ روشن تر ہے۔ مگر یہ بات بھی نہ کہتے تو بہتر تھا۔ پہلے ایمان کا درجہ ہے اس کے بعد علم کا اور اس کے بعد ولایت، بدلیت اور صدیقیت کا۔ لوگ جو کچھ بھی کہتے رہیں حقیقت یہی ہے کہ ولایت کے درجات و مراتب سے بلند نبوت و رسالت اور اولوالعزمیت ہے اور اس کے بعد خلیت و محبیت۔

ولیس وراء العبادان کمال بشری کی انتہا یہاں تک ہے اس کے بعد مرتبۂ الوہیت ہے۔ اللہ یکتا ہے اور محمد بھی یکتا ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ بس دو ہی چیزیں ہیں خدا ہے اور بندۂ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ باقی سب آپ کے طفیل ہیں ؂

مخواں او را خدا از بہرِ امرِ شرع و حفظِ دین
دگر ہر وصف کش میخواہی اندر مدحش انشا کن

(حکمِ شرع کی رعایت اور حفاظتِ دین کے پیشِ نظر آپ کو خدا نہ کہو اس کے علاوہ جس طرح بھی تعریف کرو تو بجا اور بالکل درست ہے)

امام بوصیری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ؂

(ا) دَعْ مَا ادَّعَتِ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّہِمْ
وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْہِ وَاحْتَکِمِ

(اا) فَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِہٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ
وَانْسُبْ اِلٰی قَدْرِہٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمٍ

(ا) وہ نعت چھوڑ جو عیسائیوں نے اپنے نبی کی شان میں کہی کہ ابن اللہ بنا ڈالا، اور اس کے سوا جو کچھ نعت میں کہنا چاہے حکم لگا کر اور فیصلہ کر کے کہہ۔

(اا) پس نسبت کر اس ذاتِ والا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جتنا تو چاہے اور نسبت کر ان کے مرتبہ کی طرف جتنا تُو چاہے عظمتوں سے۔

آپ کے سب سے بلند مرتبہ ہونے کی وجہ سے ہی معراج کی رات عرش کے
اوپر لے گئے جو کہ اجسام کے مراتب و مقامات کی انتہا ہے۔ جس طرح آپ
کا جسمِ اطہر تمام صوری اجرام و اجسام سے بلند لے گئے اسی طرح آپ کی
روحِ اعظم کو معنوی درجات و مراتب میں سب سے اوپر لے گئے یہاں تک کہ
کوئی انسان اور فرشتہ آپ کا شریک نہ رہا ؎

چنان گرم در تیہ قربت براند
کہ در سدرہ جبرئیل ازو باز ماند
اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغِ تجلّی بسوزد پرم

میدانِ قربِ خداوندی میں اس قدر گرم جوشی سے تشریف
لے گئے کہ جبریل سدرۃ المنتہیٰ پر کھڑے عرض کرتے ہیں کہ اگر
بال برابر بھی آگے بڑھا تو میرے پر جل جائیں گے۔

اس سے بلند مرتبہ فقط اُلوہیت کا ہے اور خدا کے ساتھ نصیب ہوئی سب
اس سے باہر رہے ہے ؎

تسامی الی نیل المعانی من العلیٰ
فاسرع به الباری لادفع رتبته
تدانی فادناہ الی العرش ربه
ونادی تقدم یا وحید مجتبیٰ
تعال الینا مرحبًا بحبیبنا
جز الحجب خل الخلق وادلعزتی

تانس بنا هذا الوصال و ذا تلقا

کیا عجب نظارہ ہوگا جب خلوت میں محب کے ساتھ محبوب پیارا ہوگا ؎

(۱) شاہِ رسل شفیعِ اُمم خواجۂ دو کون
نورِ ہُدیٰ حبیبِ خدا سیدِ انام
(۲) مقصود ذاتِ اوست ذکرہا ہمہ طفیل
منظورِ نظر اوست دگر جملگی ظلام
(۳) ہر رتبۂ کہ بود در امکان بروست ختم
ہر نعمتے کہ داشت خدا شد برو تمام
(۴) برداشت از طبیعت امکانِ قدم کہ آن
اسریٰ بعبدہٖ ست من المسجد الحرام
(۵) تا عرصۂ وجوب کہ اقصائے عالم است
کانجا نہ جاست ونے جہت ونے نشان نہ نام
(۶) سرلیست بس شگرف در آنجا ہیچ ہاں
از آشنای عالم جان پرس ازیں مقام
(۷) جزوے دراں مقام نگنجید ہیچکس
او بود و ذات پاک خداوند والسلام

(۱) آپ شاہِ رسل، شفیعِ اُمم، خواجۂ کونین، نورِ ہدیٰ، حبیبِ خدا
اور سیدِ انام ہیں۔
(۲) مقصود بالذات آپ ہی ہیں باقی سب کا ذکر آپ کے طفیل
ہے، آپ کا نور ہی منظور رہے اور باقی سب اندھیرے ہیں۔

(۳) کائنات کے تمام مراتب آپ پر ختم اور خدا کی تمام نعمتیں
آپ پر تمام ہیں۔
(۴) آپ نے امکان کی طبیعت سے قدم اٹھایا کیونکہ آپ
اس شان والے ہیں کہ اللہ نے آپ کو مسجدِ حرام سے سیر کرائی۔
(۵) کہ اقصائے عالم عرصۂ وجوب میں تشریف فرما ہوئے۔
وہاں نہ جگہ ہے نہ جہت نہ نام و نشان۔
(۶) یہ ایک انتہائی شگرف راز ہے اس میں نہ پڑو
اس مقام کے متعلق اس عالم جان کے آشنا سے ہی پوچھو۔
(۷) اس مقام پر آپ کے سوا کوئی نہیں سما سکتا جہاں آپ ہوں
اور خداوند پاک ہو، والسلام۔

المَقَالَةُ السَّابِعَةُ وَالْخَمْسُوْنَ

قَالَ رض اَلْاَحْوَالُ قَبْضٌ كُلُّهَا لِاَنَّهٗ يُؤْمَرُ الْوَلِيُّ بِحِفْظِهَا وَ
كُلَّمَا يُؤْمَرُ بِحِفْظِهٖ فَهُوَ قَبْضٌ وَالْقِيَامُ مَعَ الْقَدْرِ بَسْطٌ كُلُّهٗ
لِاَنَّهٗ لَيْسَ هُنَاكَ شَيْءٌ يُؤْمَرُ بِحِفْظِهٖ سِوٰى كَوْنِهٖ مَوْجُوْدًا فِي
الْقَدْرِ فَعَلَيْهِ اَنْ لَا يُنَازِعَ فِي الْقَدْرِ بَلْ يُوَافِقُ وَ لَا يُنَازِعُ فِي
جَمِيْعِ مَا يَجْرِيْ عَلَيْهِ مِمَّا يَحْلُوْ اَوْ يَمُرُّ الْاَحْوَالُ مَحْدُوْدَةٌ
فَاُمِرَ بِحِفْظِ حُدُوْدِهَا وَالْفِعْلُ الَّذِيْ هُوَ الْقَدْرُ غَيْرُ مَحْدُوْدٍ
فَيُحْفَظُ وَعَلَامَتُهٗ اَنَّ الْعَبْدَ دَخَلَ فِي مَقَامِ الْقَدْرِ وَ الْفِعْلِ وَ
الْبَسْطِ اَنَّهٗ يُؤْمَرُ بِالسُّؤَالِ فِي الْحُظُوْظِ بَعْدَ اَنْ اُمِرَ بِتَرْكِهَا وَالزُّهْدِ
فِيْهَا لِاَنَّهٗ لَمَّا خَلَا بَاطِنُهٗ مِنَ الْحُظُوْظِ وَلَمْ يَبْقَ فِيْهِ غَيْرُ الرَّبِّ
بُوْسِطَ فَاُمِرَ بِالسُّؤَالِ وَالتَّشَهِّيْ وَطَلَبِ الْاَشْيَاءِ الَّتِيْ هِيَ
قِسْمُهٗ وَلَا بُدَّ مِنْ تَنَاوُلِهَا وَالتَّوَصُّلِ اِلَيْهِ بِسُؤَالِهٖ لِيَتَحَقَّقَ
كَرَامَتُهٗ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَنْزِلَتُهٗ وَ امْتِنَانُ الْحَقِّ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِ
بِاِجَابَتِهٖ اِلٰى ذٰلِكَ وَالْاِطْلَاقُ بِالسُّؤَالِ فِيْ اِعْطَاءِ الْحُظُوْظِ مِنْ
اَكْثَرِ عَلَامَاتِ الْبَسْطِ بَعْدَ الْقَبْضِ وَالْاِخْرَاجِ مِنَ الْاَحْوَالِ وَ
الْمَقَامَاتِ وَ التَّكَلُّفِ فِيْ حِفْظِ الْحُدُوْدِ فَاِنْ قِيْلَ هٰذَا يَدُلُّ

عَلٰى زَوَالِ التَّكْلِيْفِ وَالْقَوْلِ بِالزَّنْدَقَةِ وَالْخُرُوْجِ مِنَ الْاِسْلَامِ
وَرَدِّ قَوْلِهٖ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ قِيْلَ لَا يَدُلُّ عَلٰى
ذٰلِكَ وَلَا يُؤَدِّيْ اِلَيْهِ بَلِ اللّٰهُ اَكْرَمُ وَوَلِيُّهٗ اَعَزُّ عَلَيْهِ مِنْ اَنْ
يَدْخُلَهٗ فِيْ مَقَامِ النَّقْصِ وَالْقَبِيْحِ فِيْ شَرْعِهٖ وَدِيْنِهٖ بَلْ
يَعْصِمُهٗ مِنْ جَمِيْعِ مَا ذُكِرَ وَيَصْرِفُهٗ عَنْهُ وَيَحْفَظُهٗ وَيُثَبِّتُهٗ
وَيُسَدِّدُهٗ لِحِفْظِ الْحُدُوْدِ مِنْ غَيْرِ تَكَلُّفٍ مِّنْهُ وَمَشَقَّةٍ وَهُوَ عَنْ
ذٰلِكَ فِيْ غَيْبَةٍ فِي الْقُرْبِ مِنْ رَّبِّهٖ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ كَذٰلِكَ
لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ وَقَالَ
اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ اِلَّا عِبَادَ
اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ يَا مِسْكِيْنُ هُوَ مَحْمُوْلُ الرَّبِّ وَهُوَ مُرَادُهٗ وَهُوَ
يُرَبِّيْهِ فِيْ حِجْرِ قُرْبِهٖ وَلُطْفِهٖ اَنّٰى يَصِلُ الشَّيْطَانُ اِلَيْهِ وَ
وَيَتَطَرَّقُ الْقَبَائِحُ وَالْمَكَارِهُ فِي الشَّرْعِ نَحْوَهٗ وَاَبْعَدْتَ
النُّجْعَةَ وَاَعْظَمْتَ الْفِرْيَةَ وَقُلْتَ قَوْلًا قَطِيْعًا تَبًّا لِهٰذِهِ الْهِمَمِ
الْخَسِيْسَةِ الدَّنِيَّةِ وَالْعُقُوْلِ النَّاقِصَةِ الْبَعِيْدَةِ وَالْاٰرَاءِ الْفَاسِدَةِ
الْمُخْتَلَّةِ بِقُدْرَتِهِ الشَّامِلَةِ وَاَلْطَافِهِ الْكَامِلَةِ وَرَحْمَتِهِ الْوَاسِعَةِ
وَسَتَرَنَا بِاَسْتَارِهِ التَّامَّةِ الْمَانِعَةِ الْحَامِيَةِ وَرَبَّانَا بِنِعْمَتِهِ السَّابِغَةِ
وَفَضَائِلِهِ الدَّائِمَةِ بِمَنِّهٖ۔

مقالہ ۵۷

تقدیر سے عدمِ منازعت

حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے فرمایا: احوال[1] میں ہر چیز

---

(۱) **احوال ومقامات کی تعریف اور ان میں فرق** احوال ان حالات و معانی کو کہتے ہیں جو اہلِ ولایت وصفوت کے قلوب پر وارد ہوتے ہیں۔ جیسے محبت وشوق، انس وہیبت، حیاء وحشمت اور اس طرح کے دیگر مواہب ربّانی اور نفحاتِ رحمانی، خواہ انہیں دوام ہو، جیساکہ بعض اولیاء فرماتے ہیں۔ یا دوام نہ ہو جیساکہ دیگر حضرات کا قول ہے، اور جہاں سالک اقامت کرے اور وہاں ہمیشہ باقی رہے انھیں مقامات کہتے ہیں۔ مثلاً توبہ وتوکّل اور صبر ورضا وغیرہ۔ مقامات دس چیزوں میں منحصر ہیں، اور بعض حضرات نے سو مقامات بیان کیے ہیں۔ نیز مقامات کا تعلق کسب سے ہے اور احوال مواہب ہیں۔ اس سلسلہ میں تحقیق صوفیاء کی کتابوں میں درج ہے وہاں دیکھنا چاہیے۔

قبض ہے[۲]۔ کیونکہ صاحبِ احوال ولی کو اس کی حفاظت[۳] کا حکم دیا جاتا ہے اور جس چیز کی حفاظت کا حکم دیا جائے وہ قبض ہوتی ہے[۴] اور تقدیر کے ساتھ قائم[۵] رہنا تمام "بسط" ہے کیونکہ یہاں کوئی ایسی چیز نہیں ہے[۶]۔ بندے کو جس

---

(۲) اور بندے کی اس میں گرفتاری ہے اور بندہ اپنی جگہ بندگی اور عبودیت میں مقید و محدود ہے۔ اگر وہاں سے تجاوز کرے گا تو افراط کا شکار ہوگا، ممکن ہے کہ دائرۂ سلامتی سے باہر جا گرے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

واسالك شوقاً الیٰ

اسی طرح اگر محبت غلبہ کر جائے تو دائرۂ سلامتی سے باہر نکلنے کا احتمال ہوتا ہے اور اس میں ضلالت کا خوف بھی۔

بالجملہ احوال میں قبض و قید ہے فنائے مطلق نہیں۔

(۳) اور رعایتِ احتیاط و نگہداشت کا۔

(۴) یعنی وہ متضمنِ قبض ہوتی ہے اس کو مطلق العنان قرار نہیں دیا جاتا۔ اور مقامات میں اس کی تحدید و تقیید اور حفاظت کا اہتمام زیادہ ظاہر ہوتا ہے کیونکہ طالب راہِ سلوک میں ہے اور ولایت، کے پہلے درجے فنا پر نہیں پہنچا۔ چونکہ ولایت کے بعد بھی احوال عارض ہوتے ہیں اس لیے اس معنی سے تعرض نہیں فرمایا اور آخر مقالہ میں مقامات کا ذکر ہوگا۔

(۵) اور اپنے فعل و ارادے اور قوت و حول سے نکل کر تقدیر میں فانی ہونا۔

(۶) کیونکہ بندہ اپنی ذات سے مطلق نکل چکا ہے اور اس کے اندر اپنی کوئی چیز نہیں رہی۔

کی حفاظت کا حکم دیا جائے سوائے اس بات کے کہ تقدیر اور احکامِ تقدیر میں بندہ موجود ہے[۷]، چنانچہ ولی پر لازم ہے[۸] کہ تقدیر سے منازعت نہ کرے بلکہ تمام احوال تلخ و شیریں اور لطف و قہر میں تقدیر سے موافقت کرے[۹]۔ احوال مخصوص حدود و قیود کے ساتھ محدود ہیں[۱۰] اس لیے ان کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے[۱۱] اور فعلِ الٰہی یعنی تقدیر کی کوئی حد نہیں ہے[۱۲]۔ اور بندے کے مقام قدر و فعل میں داخل ہونے اور اسے بسط حاصل ہونے کی علامت یہ ہے کہ پہلے جن حظوظِ نفس کو ترک کرنے اور زہد اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تھا اب ان سے بعض کو طلب کرنے کا حکم دیا جاتا ہے کیونکہ جب اس کا باطن ہر قسم کی نفسانی خواہش

---

(۷) جس کی بنا پر بندے کے فعل و ارادے کے بغیر اس میں تصرف کیا جاتا ہے۔

(۸) اگر وہ فنائے مطلق کے مقام پر فائز نہیں تو اس نسبت کی تحصیل اور اس کام کی مشق کے طور پر، اور اگر فنائے مطلق حاصل ہو چکی ہے تو اس کے دوام و بقا کی خاطر تقدیر سے جھگڑا ختم کرنا ضروری ہے۔

(۹) جیسا کہ وارد ہے اٰمنت باللہ وقدرہٖ وخیرہٖ وشرّہٖ وحلوٖہٖ ومُرّہٖ (میں ایمان لاتا ہوں اللہ پر اور اس کی تقدیر پر، خیر و شر اور تلخ و شیریں پر)

؎ سرِّ ارادت ما آستان حضرت دوست
کہ ہر چہ بر سرِ ما میرود ارادت اوست

(محبوب کی بارگاہ کے ساتھ ہماری ارادت کا راز یہ ہے کہ محبوب
کی مرضی سے ہمارے سروں پر جو گزرتا ہے گزر جائے)

(۱۰) اگر بندہ ان سے تجاوز کرے تو ادب و سلامتی کی حد کو توڑ دے گا۔

(۱۱) تاکہ حد سے تجاوز کر کے دائرۂ اعتدال سے نکل نہ جائے۔

(۱۲) جس کی حفاظت اور رعایتِ اعتدال کا حکم دیا جائے۔

سے خالی ہوگا اور اس میں خداوندِ قدوس کے سوا کچھ نہ رہا اور مقامِ بسط مل گیا تو بعض خواہشات طلب کرنے کا حکم دے دیا گیا تو اس نے اپنی قسمت کی چیزیں طلب کی ہیں جن کا لینا اور ان تک پہنچنے کے لیے سوال کرنا ضروری تھا[۱۳] تاکہ[۱۴] اللہ تعالےٰ کے حضور اس کا مقام و مرتبہ اور دُعا قبول کرنے سے بارگاہِ خداوندی کا فضل و احسان متحقق ہو جائے اور قبض کے بعد بسط کی بیشتر علامتوں میں سے ایک نشانی لذّتیں عطا کرنے کے لیے سوال کرنے کی اجازت ہے[۱۵] اور دُوسری علامت احوال و مقامات کی قید اور نگہداشتِ حدود کے تکلّف سے باہر آتا ہے۔[۱۶]

---

(۱۳) یعنی یہ چیزیں اس کی قسمت میں تھیں لیکن مصلحتِ تربیت کے لیے ان سے روک دیا گیا تاکہ ان کی وجہ سے قُربِ باری تعالیٰ سے محروم نہ رہ جائے اور جب باطن خالص اور صاف ہو گیا اور دل کو سلامتی مل گئی تو رحمتِ باری تعالےٰ نے اس کا تقاضا کیا اور اسے حکم دے دیا کہ ان اشیاء کا سوال کرو تاکہ تمہاری خواہش کے موافق تمہیں ملیں جیسا کہ طبیب مریض کو صحت یاب ہونے کے بعد ممنوع اشیاء کی اجازت دے دیتا ہے۔

(۱۴) اور اگر بندہ اپنے نصیب کی چیز طلب نہ بھی کرے تو بے طلب دے دی جاتی ہے لیکن سوال کا حکم اس لیے ہے۔

(۱۵) یعنی بسط کی بے شمار علامتیں ہیں ان میں سے سب سے قوی اور ظاہر علامت یہ ہے۔

(۱۶) **حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی حکایت** اس کلام کا مصداق حضرت غوثِ اعظم

اعتراض[۱۷]: تمہاری یہ بات تو ولی سے تکلیفِ شرعی کے زوال

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ واقعہ ہے کہ ایک بوڑھی عورت جناب کی خدمت میں تربیت کے لیے اپنا لڑکا پیش کر گئی آپ نے ریاضت و سلوک کے مطابق جَو کی خشک روٹی کھانے کا حکم دیا۔ ایک روز وُہ بڑھیا حاضر ہُوئی، دیکھا کہ اس کا بیٹا کمزور و نزار ہو چکا ہے اور حضرت رضی اللہ تعالےٰ عنہ مُرغ تناول فرما رہے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر اس کا دل جل اُٹھا اور آپ اس کی کیفیت پر مطلع ہو کر فرمانے لگے: اے بُڑھیا! تمہارا لڑکا بیمار ہے اور بیمار کے لیے پرہیز ضروری ہے جب صحت یاب ہو جائیگا تو مرضی کے کھانے کھانے کی اجازت ہوگی۔ پھر آپ نے مُرغ کی ہڈیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: قم باذن اللّٰہ (اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا) ان ہڈیوں پر بال اُگ آئے اور اس نے اڑنا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا: اے مائی! تمہارا لڑکا جب اس مقام پر پہنچ جائے گا تو اسے بھی مُرغ کھانے کی اجازت ہوگی۔

قلب و رُوح کا باہمی تعاون بعض اربابِ ذوق و وجد نے اس مقام پر انتہائی بلند کلام کیا ہے، فرماتے ہیں: قلب و جوارح کا آپس میں تعاون ہے کہ قلب کی غفلت سے انتباہ، اور توبہ نصوح سے جوارح کا عمل وجود میں آتا ہے اور عمل جوارح سے دل میں نورانیت پیدا ہوتی ہے اور دل جس حال میں ہو اس سے منتفع ہوتا ہے کیونکہ احوال اعمال کی وراثت ہیں۔ آدمی جس قدر اعضاء سے زیادہ عمل کرے گا اسی قدر قلب کو احوال کا وجدان زیادہ ہوگا۔ احوال و

اور زندقہ و الحاد[18]، اسلام سے خروج اور اللہ تعالیٰ کے

اعمال کا قرب و زیادتی کے حوالے سے آپس میں ایک دوسرے پر عکس پڑتا ہے، مثلاً احوال زیادتیِ اعمال کا سبب ہیں اور اعمال زیادتیِ احوال کا۔ اسی طرح یہ تعاون قلب و نفس میں بھی موجود ہے قلب نفس کا مددگار بنتا ہے اور نفس قلب کا۔ اس معاونت کو اربابِ احوال و اصحابِ نوال ہی پہچان سکتے ہیں کیونکہ یہ علوم ذوقیہ سے متعلق ہیں اس لیے ان کا ادراک اربابِ وجدان ہی کر سکتے ہیں۔ دل نفس کی اس طرح مدد کرتا ہے کہ دل کا ایک چہرہ روح کی جانب ہے اور دُوسرا نفس کی طرف، دل و روح سے انوار صفا و ذکا لے کر نفس کی مدد کرتا ہے اور نفس مطمئن و مطیع ہو جاتا ہے اور جب نفس اس صفت سے متصف ہو جاتا ہے تو علاقۂ ہمسائگی کے پیشِ نظر قلب اس طرح مدد کرتا ہے کہ جو حظوظ نفس کو ملتے ہیں دل ان سے لذتِ وجدانی پاتا ہے۔ جیسا کہ دل رُوح سے عطیات و مواہب پا کر ان کا نفس پر اضافہ فرماتا ہے اور نفس کی ذکاء و طمانیت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور جس قدر نفس اپنے حظ پاتا ہے ان کا دل پر اضافہ کرتا ہے۔ لیکن یہ حال انتہائی لطیف اور نازک ہے اور بہت سے مدعیوں کے پھسلنے کا مقام ہے جو نفس کی مخفی خواہشات اور اس کے مکائد سے بے خبر ہو کر ادراک و عرفان کے بغیر نفس کو لذات و شہوات میں چھوڑ دیتے ہیں خود بھی ہلاک ہو جاتے ہیں اور دُوسروں کو بھی ہلاک کر دیتے ہیں۔ اس تعاون کا مستحق اور اہل وہی ہو سکتا ہے جس کا نفس مطمئنہ بن کر سیاستِ قلب کا اسیر و مامور بن چکا ہو۔ اور یہ فانی اور منتہی حضرات کا حال ہے نہ کہ مبتدی کا۔ کیونکہ

اس قول کے رد و انکار پر دلالت کرتی ہے، ارشاد ہوتا ہے: اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے یقین یعنی موت آ جائے۔[19]

جواب: تمہارا یہ وہم درست نہیں ہے اور نہ ہمارے کلام میں اس پر دلالت ہے، نہ اس سے یہ بات لازم آتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ بہت عزت و کرامت والا ہے اور اس نے ولی کو اپنا دوست

ان کا نفس لوامہ ہے یا امارہ۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و عنایت پر موقوف ہے اور اسی سے توفیق ہے (انتہی کلام لبعض ارباب الذوق)

شیخ روزبہان نقلی اپنی تفسیر عرائس میں سورۂ کہف میں واقع لفظ وَلْيَتَلَطَّفْ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ صرف لطیف کھانا لاؤ۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جب عارف کے سامنے لطیف کھانا لے جاؤ گے تو اس کے احوال میں لذیذ لطافت و صفائی کا سبب بنے گا اور زہاد و عباد کے سامنے غلیظ و کثیف کھانے لے جاؤ کیونکہ وہ نفس کے ساتھ معاملہ رکھتے ہیں اس طرح اس میں خلل نہیں پڑے گا ہر ایک کے ساتھ اس کے حال اور وقت کے موافق معاملہ کرنا چاہیئے۔

(۱۷) کلام سابق میں لذات و خواہشات کے تناول کرنے، حدود کی تکلیف کو ساقط کرنے اور زہد و ریاضت ترک کرنے کا وہم پیدا ہوتا تھا، اس کا ازالہ فرما رہے ہیں۔

(۱۸) دین میں الحاد، شریعت کی نفی اور آخرت کے انکار پر دلالت کرتی ہے۔

(۱۹) اسی طرح دیگر آیات و احادیث بھی مدت عمر تک طاعت و عبادت کے التزام اور معصیت و عطلت سے اجتناب پر دلالت کرتی ہیں۔

بنا لیا ہے[۲۰] اس لیے اسے معصیت اور نقص کی جگہ گرنے نہیں دیتا اور نہ شریعت و دین کے معاملہ میں قبیح کام کرنے دیتا ہے بلکہ وہ ان قبائح سے اس کے دل کو محفوظ و مامون[۲۱] رکھتا ہے اور اسے ان قبائح سے پھیر دیتا ہے اور اسے ورطۂ ضلالت و غفلت میں گرنے سے آگاہ فرما دیتا ہے ۔ حدود شرعیہ کی حفاظت کے لیے اس کا کردار اور گفتار درست[۲۲] کر دیتا ہے ۔ پھر بندے کو گناہوں سے عصمت حاوی ہو جاتی ہے اور وہ تکلف و مشقت کے بغیر حدود شرعیہ سے محفوظ رہتا ہے اور وہ ولی حصولِ عصمت اور حفظ حدود کی وجہ سے قربِ باری تعالےٰ میں غائب ہو جاتا[۲۳] ہے ۔ اللہ تعالےٰ

---

(۲۰) اور اس کے امور اپنے لطف و کرم کے ذمے لے لیے ہیں اس پر بہت مہربان و کرم فرما ہے ۔

(۲۱) عصمت و حفاظت میں فرق

یحفظہ یعصمہ کی تفسیر ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء محفوظ ۔ عصمت کی صورت میں گناہ ہو ہی نہیں سکتا اور حفاظت کی صورت میں گناہ ہوتا نہیں اور رہتا نہیں ۔ اور بندہ گناہ کے ضرر سے محفوظ ہو جاتا ہے ۔ عصمت کا تعلق گناہ سے پہلے ہے اور حفاظت کا گناہ کے بعد ۔ اگر عصمت کے لغوی معنی لیے جائیں تو عصمت و حفاظت ایک ہی چیز ہوں گی ۔

(۲۲) سداد کی ایک تفسیر استقامت اور افراط و تفریط میں توسط سے بھی کرتے ہیں ۔

(۲۳) یعنی جب اللہ تعالےٰ کا لطف و کرم اس کے امور کا متولی بن جاتا ہے تو اس کی ناپسندیدہ امور سے نگہداشت فرماتا ہے اور اسے اپنے قرب و

یوسف علیہ السلام کی عصمت و حفاظت[۲۴] کے متعلق فرماتا ہے ہم نے یوسف علیہ السلام کو ہم و قصد سے دُور رکھنے کے لیے اس طرح اپنی مہربانی دکھائی تاکہ آپ کو بُرائی[۲۵] اور بدکاری[۲۶] سے باز رکھیں ، بے شک وہ ہمارے مخلص[۲۷] بندوں

شہود میں اس طرح گُم کر دیتا ہے کہ اسے ان کی خبر نہیں رہتی ۔ اس کے اندر ایک ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ جن امور میں تکلف اور مشقت و مجاہدہ کی ضرورت ہوتی تھی اب یہ ضرورت نہیں رہتی ۔ چنانچہ مشہور ہے اذا حصلت المشاھدۃ ارتفعت المجاھدۃ (جب مشاہدے کی منزل مل جائے تو مجاہدہ ختم ہو جاتا ہے) اس کا معنیٰ یہی ہے نہ کہ اس سے تکلیف اُٹھ جائے اور اس کے لیے ہر چیز مباح ہو جائے ۔

(۲۴) جس کی طرف عزیزِ مصر کی بیوی بلاتی تھی ۔

(۲۵) یعنی زنا کے مقدمات و دواعی ۔

(۲۶) فحشا سے مراد زنا ہے ۔

(۲۷) کہ انھیں قربِ حق طاعت اور طلب مرضیات کے لیے خالص کر دیا گیا ہے ۔ مُخلَص بفتح لام کے معنیٰ مراد و محبوب ہیں ، اور مُخلِص بکسر لام محب و مرید کے معنی میں ہے یعنی خود کو خالص کرنے والے اور اس کی تحصیل میں مشقت برداشت کرنے والے ۔ ان دونوں معنوں میں نمایاں فرق ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو ان کی بے تکلف کوشش کے بغیر محفوظ رکھتا ہے تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کا یہی حکم ہے اولیاء بھی ان کی متابعت میں اس صفت سے متصف ہوتے ہیں لیکن انبیاء میں عصمت ہوتی ہے اور اولیاء میں حفاظت ۔

سے ہیں۔ نیز فرماتا ہے[۲۸] بیشک جو ہمارے خاص بندے ہیں تیرا ان پر غلبہ نہیں ہوگا۔ ایک مقام پر ارشاد فرمایا: اے شیطان! تو تمام لوگوں کو گمراہ کرے گا مگر میرے مخلص بندوں کو۔ اے مسکین[۲۹]! وہ ولی رب العزت کا بلند کیا ہوا ہے[۳۰] خدا کی محبوب و مراد ہے[۳۱] اور اسے اپنے قرب و لطف کی آغوش میں ان کو پالتا ہے اس لیے وہاں شیطان کی رسائی کیسے ہوسکتی ہے؟ اور جو باتیں شریعت میں قبیح اور مکروہ ہیں وہ اس بندے کی طرف کیسے راہ پاسکتی ہیں، گویا تو نے طعام و شراب کو چھوڑ دیا اور مرتبہ و قرب کی بہت تعظیم کی۔[۳۲] تو نے بہت بُری بات کہی ایسی ذلیل، خسیس،

---

(۲۸) شیطان کو اپنے مخصوص بندوں کو گمراہ کرنے سے ناامید کرتے ہوئے خطاب فرماتا ہے۔

(۲۹) حقیقتِ حال کے ادراک اور علم و فہم سے عاری تو یہ وہم کرتا ہے کہ جب دل خود تقدیرِ الٰہی پر چھوڑ دے کسی قسم کا نزاع نہ کرے اور کلی طور پر تقدیر کے تابع ہو جائے تو نیک و بد، پسندیدہ و ناپسندیدہ جو کام چاہے اسے اجازت ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

(۳۰) کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے تمام کام اپنے لطف و کرم کے ذمے لے لئے ہیں اسے اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیا ہے جیسے کوئی کسی بچے کو آغوش میں لے اور گرنے نہ دے۔

(۳۱) کہ اسے اپنے ساتھ وابستہ رکھتا ہے اپنے حال پر نہیں چھوڑتا۔

(۳۲) یہ ضرب المثل ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب ایک شخص دوسرے کی تعظیم و تکریم تو بہت کرے لیکن اس کے حقوق ادا نہ کرے اور اس تعظیم کے

کمینی ہمتوں، ناقص، دُور از کار عقلوں اور فاسدو کاسد آرا پر تف ہے۔[۳۳] اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو اپنی قدرت مشاملہ، الطافِ کاملہ اور رحمتِ واسعہ سے ایسی باہم مخالف گمراہیوں سے محفوظ فرمائے، اپنے کامل حجابات کرم میں چھپائے جو گناہوں سے روکنے اور حفاظت کرنیوالے ہیں، اور اپنی کامل نعمتوں اور دائمی فضیلتوں سے اپنے احسان و کرم سے ہماری تربیت فرمائے۔[۳۴]

مناسب سلوک و محبت اختیار نہ کرے۔ نُجْعَہ بضم النون وسکون الجیم گھوڑے کے لیے دانہ پانی محفوظ کرنا۔ نَجْعٌ کے معنی گوارا کرنا۔ نجیع آٹا اور بھوسہ ملا کر پانی کے ساتھ اونٹ کو دینا۔ اس جملے سے مقصود یہ ہے کہ پہلے تو ایک شخص کو ولی قرار دے چکا ہے اب اس کی طرف معصیت اور نامشروع افعال کے ارتکاب کی نسبت کرنا نامناسب ہے۔

(۳۳) جنہوں نے ایسا اعتقاد کرلیا۔

(۳۴) یہ آپ کے دینی بھائیوں کے لیے بشارت ہے کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے انھیں اس دُعا اور طلبِ خیر میں شریک فرمالیا اور آپ کی دُعا درجۂ اجابت و قبول تک پہنچی ہوئی ہے جیسا کہ مشہور ہے جب مہمان عزیز ہو تو طفیلی بھی عزیز ہوتے ہیں۔

اَلْمَقَالَةُ الثَّامِنَةُ وَالْخَمْسُوْنَ

قَالَ رض تَعَامَ عَنِ الْجِهَاتِ كُلِّهَا وَلَا تُبَصِّصْ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْهَا
فَمَا دُمْتَ تَنْظُرُ اِلٰى وَاحِدَةٍ مِّنْهَا لَا يُفْتَحُ لَكَ جِهَةُ اِلٰى فَضْلِ
اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقُرْبِهٖ فَسُدِّ الْجِهَاتِ جَمِيْعًا بِتَوْحِيْدِكَ
وَاِمْحَاءِ نَفْسِكَ ثُمَّ فَنَاءِكَ وَمَحْوِكَ وَعِلْمِكَ فَحِ يُفْتَحُ
فِيْ عَيْنِ قَلْبِكَ جِهَةُ فَضْلِ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ فَتَرَاهَا بِعَيْنَيْ رَاسِكَ
اِذْ ذَاكَ بِشُعَاعِ نُوْرِ قَلْبِكَ وَاِيْمَانِكَ وَيَقِيْنِكَ فَيَظْهَرُ عِنْدَ
ذٰلِكَ النُّوْرُ مِنْ بَاطِنِكَ عَلٰى ظَاهِرِكَ كَنُوْرِ الشَّمْعَةِ الَّتِيْ
فِي الْبَيْتِ الْمُظْلِمِ فِي اللَّيْلَةِ الظَّلْمَاءِ تَظْهَرُ مِنْ كُوَى الْبَيْتِ
وَمَنَافِذِهٖ فَيَشْرُقُ ظَاهِرُ الْبَيْتِ بِنُوْرِ بَاطِنِهٖ فَتَسْكُنُ النَّفْسُ وَ
الْجَوَارِحُ اِلٰى وَعْدِ اللّٰهِ وَعَطَائِهٖ عَنْ عَطَاءِ غَيْرِهٖ وَوَعْدِ غَيْرِهٖ
وَارْحَمْ نَفْسَكَ وَلَا تَظْلِمْهَا وَلَا تُلْقِهَا فِيْ ظُلُمَاتِ جَهْلِكَ وَرُعُوْنَتِكَ
فَتَنْظُرَ اِلَى الْجِهَاتِ اِلَى الْخَلْقِ وَالْحَوْلِ وَالْقُوَّةِ وَالْكَسْبِ وَ
الْاَسْبَابِ فَتَتَّكِلَ عَلَيْهَا فَيُسَدُّ عَنْكَ الْجِهَاتُ وَلَمْ يُفْتَحْ لَكَ
جِهَةُ فَضْلِ اللّٰهِ عُقُوْبَةً وَمُقَابَلَةً بِشِرْكِكَ بِالنَّظَرِ اِلٰى
غَيْرِهٖ فَاِذَا وَحَّدْتَّهٗ وَنَظَرْتَ اِلٰى فَضْلِهٖ وَرَجَوْتَهٗ

دُوْنَ غَيْرِهٖ وَتَعَامَيْتَ عَمَّا سِوَاهُ قَرَّبَكَ وَاَدْنَاكَ وَ
رَحِمَكَ وَرَبَّاكَ وَاَطْعَمَكَ وَسَقَاكَ وَدَاوَاكَ وَعَافَاكَ وَاَعْطَاكَ
وَاَغْنَاكَ وَنَصَرَكَ وَوَلَّاكَ ثُمَّ مَحَاكَ عَنِ الْخَلْقِ وَعَنْ نَفْسِكَ
وَاَفْنَاكَ فَلَا تَرٰى بَعْدَ ذٰلِكَ لَا فَقْرَكَ لَا غِنَاكَ ـ

مقالہ ۵۸

ہر جہت سے نظریں پھیرلو

حضرت شیخ السمٰوٰت والارضین علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ہر طرف سے آنکھیں موند لو۔ کسی کی طرف آنکھ کھول کر نہ دیکھو(۱)، جب تک تم کسی جہت کی طرف دیکھتے رہو گے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور قرب کی طرف راستہ نہیں کھلے گا اس لیے توحیدِ خداوندی اور اپنے نفس کے مٹانے پھر اپنی فنا اور محو وعلم مٹا دینے کے ذریعے تمام اطراف بند کردو(۲)، تو تمہاری چشمِ قلب میں خدائے عظیم کے فضل کی جہت کھل جائے گی تم اس جہت کو اپنے سر کی آنکھوں سے قلب وایمان اور یقین کے انوار کی روشنی میں دیکھو گے(۳) اس وقت تمہارے باطن کا یہ نور تمہارے ظاہر کو منور کردے گا جیسا کہ اندھیری

---

(۱) تبصیص کے معنیٰ ہیں کُتیا کے نوزائیدہ بچے کا آنکھ کھولنا۔ (صراح)

(۲) تاکہ تمہیں مرتبۂ فناء الفنا حاصل ہوجائے۔

(۳) یعنی جب ہر طرف سے آنکھیں بند کرکے فانی ومحو ہوجاؤ گے تو تمہیں اس طرح یقین حاصل ہوگا گویا سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔

رات میں اندھیرے گھر میں شمع کا اُجالا ہوتا ہے(۴) تو وہ روشنی گھر کے روزن اور سوراخوں سے ظاہر ہوتی ہے تو اس گھر کے اندر کے نور سے گھر کا بیرونی حصہ روشن ہوجاتا ہے(۵) تو دنیا وسفلیات سے تعلق رکھنے والے نفس وجوارح غیر کے وعدہ وعطا پر سکون کی بجائے اللہ تعالیٰ کے وعدہ وعطا پر سکون وآرام کی دولت پائیں گے۔

---

(۴) یہ روشنی کی کثرت کی طرف اشارہ ہے جس قدر اندھیرا زیادہ ہوگا اسی قدر روشنی بھی زیادہ ہوگی، نیز غفلتِ دنیا اور نفس وطبیعت کی تاریکی میں اس گھر کی تاریکی کے ساتھ رات کی تاریکی بھی ذکر فرما دی۔

(۵) اس طرح تمہارے دل کا نور جو کہ ایمان ویقین کا نور ہے جو حواس اور تمام جسم پر چمکے گا تو اندرون وبیرون کو گھیر لے گا ؎

از درونم نمیروی بیرون
ور گرفتی درون و بیرون را

(اگر تم ظاہر وباطن کو بھی اپنی گرفت میں لے لو تو میرے اندرون سے باہر نہیں نکل سکتے)

المقالة التاسعة والخمسون

قال رضي الله عنه لا تخلو حالتك إما أن تكون بلية أو نعمة فإن كانت
بلية فتطالب فيها بالتصبر وهو الأدنى والصبر وهو أعلى
منه ثم الرضى والموافقة ثم الفناء وهو للأبدال و
العارفين أهل العلم بالله عز وجل وإن كانت نعمة
فتطالب فيها بالشكر عليها والشكر باللسان والقلب والجوارح
أما باللسان فبالاعتراف بالنعمة أنها من الله وترك الإضافة
إلى الخلق لا إلى نفسك وحولك وقوتك وحركتك وكسبك
ولا إلى غيرك من الذين جرت على أيديهم لأنك وإياهم
أسباب وآلات وأدوات لها قاسمها ومجريها وموجدها
والفاعل فيها والمسبب لها هو الله عز وجل والقاسم
هو الله والمجري هو الله والموجد هو الله فهو أحق بالشكر
من غيره لا نظر إلى الغلام الحمال للهدية منه إنما النظر
إلى الأستاذ المنفذ المنعم بها قال الله تعالى في حق من
عدم هذا النظر يعلمون ظاهرا من الحيوة الدنيا وهم
عن الآخرة غفلون فمن نظر إلى الظاهر والسبب ولم

يجاوز علمه ومعرفته فهو الجاهل الناقص قاصر العقل
إنما سمي العاقل عاقلا لنظره في العواقب وأما الشكر بالقلب
فبالاعتقاد الدائم العقد الوثيق الشديد المتبرم أن
جميع ما بك من النعيم والمنافع واللذات في الظاهر و
الباطن في حركاتك وسكناتك من الله عز وجل لا من غيره
ويكون شكرك بلسانك معبرا عما في قلبك وقد قال وما بكم
من نعمة فمن الله وقال وأسبغ عليكم نعمه ظاهرة وباطنة
وقال وإن تعدوا نعمة الله لا تحصوها فمع هذا لا يبقى
لمؤمن منعم سوى الله وأما الجوارح فبأن تحركها
وتستعملها في طاعته دون غيره من الخلق فلا تجيب أحدا
من الخلق فيما فيه إعراض عن الله وهذا يعم النفس
والهوى والإرادات والأماني وسائر الخليقة تجعل
طاعة الله أصلا ومتبوعا وإماما وما سواها فرعا وتابعا
ومأموما فإن فعلت غير ذلك كنت جائرا ظالما حاكما
بغير حكم الله الموضوع لعباده المؤمنين وسالكا
غير سبيل الصالحين قال الله عز وجل ومن لم يحكم
بما أنزل الله فأولئك هم الكافرون وفي آية ومن لم
يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الظالمون وفي الأخرى
هم الفسقون فيكون انتهاؤك إلى النار التي وقودها
الناس والحجارة وأنت لا تصبر على حمى ساعة في

الدنيا واقل شظية وشرارة من النار فيها فكيف صبرك
على الخلود في الهاوية مع اهلها - النجا النجا - الوحا الوحا
الله الله احفظ الحالتين وشروطهما فانك لا تخلو في
جميع عمرك احدهما اما البلية واما النعمة واعط كل
حالة حظها وحقها من الصبر والشكر على ما بينت لك
فلا تشكون في حالة البلية الى احد من خلق الله ولا تظهرن
الضجر لاحد ولا تتهمن ربك في باطنك ولا تشكن في
حكمته واختيار الاصلح لك في دنياك واخرتك فلا
تذهبن بهمتك الى احد من خلقه في معافاتك فذاك
اشراك منك به لا يملك معه في ملكه احد شيئا لا ضار
ولا نافع ولا رافع ولا جالب ولا مسقم ولا مبلي ولا معافي
ولا مبري غيره فلا تشتغل بالخلق لا في الظاهر ولا في الباطن
فانهم لن يغنوا عنك من الله شيئا بل الزم الصبر و
الرضاء والموافقة والفناء في فعله عز وجل فان حرمت
ذلك كله فعليك بالاستغاثة اليه والتضرع والاعتراف
بالذنوب والتظلم من شوم النفس وتزاهة الحق و
الاعتراف له بالتوحيد بالنعم والتبري من الشرك
وطلب الصبر والرضى والموافقة الى حين يبلغ الكتاب
اجله فتزول البلية فتنكشف الكربة وتاتي النعمة و
والسعة والفرجة والسرور كما كان في حق نبي الله

ايوب كما يذهب سواد الليل ويأتي بياض النهار ويذهب
برد الشتاء ويأتي نسيم الصيف وطيبه لان لكل شيء ضدا
وخلافا وغاية ومنتهى وامدا فالصبر مفتاحه وابتداؤه و
انتهاؤه وباله كما جاء في الخبر الصبر من الايمان كالرأس
من الجسد وفي لفظ الصبر الايمان كله وقد يكون الشكر
هو التلبس بالنعم وهي اقسامه المقسومة لك فشكرك
التلبس بها في حال فنائك وزوال الهوى والحمية والحفظ
وهذه حالة الابدال وهي المنتهى اعتبر ما ذكرت لك ترشد
ان شاء الله تعالى -

مقالہ ۵۹

نعمتوں پر شکر اور بلاؤں پر صبر اختیار کرو

حضرت شاہِ جیلان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمھاری حالتوں میں سے ایک ضرور ہوگی، یا تو نعمت والی ہوگی یا بلا والی۔ اگر آزمائش والی حالت ہے تو تجھ سے تصبّر کا مطالبہ کیا جائے گا،(۱) اور یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ پھر صبر(۲) کا مطالبہ کیا جائیگا جو کہ اعلیٰ مرتبہ ہے۔ اس کے بعد فعلِ باری تعالیٰ پر رضا و

---

(۱) کہ بزور تکلف صبر اختیار کرو اور اس کی تحصیل میں نفس سے جہاد کرو۔

(۲) یعنی بے تکلف صبر کرنا اگرچہ صبر میں بھی تصبر والی تلخی باقی ہے مگر صبر داعیۂ حق کو داعیۂ ہوا پر ترجیح دیتا ہے اور جزع و فزع کا احتمال نہیں ہوتا۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صبر کے معنی ہیں حق تعالیٰ کی طرف سے کشادِ کار کا انتظار کرنا۔ دیگر حضرات نے صبر کے معنی کیے ہیں نفس کو رام اور مطیع کرنے کے لیے مسلنا۔

موافقت کا درجہ ہے(۳) پھر فنا کا مقام ہے(۴) جو ابدال(۵) اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم شہودی رکھنے والے عرفا کا مقام ہے۔ اگر تم حالتِ شکر میں ہو تو تم سے شکر کا مطالبہ کیا جائے گا اور شکر زبان کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور دل و اعضا کے ساتھ بھی(۶)، زبانی شکر کرنا نعمتوں کے اعتراف کے طور پر ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں(۷) اور مخلوق یا نفس یا اپنی قوت و طاقت اور حرکت وکسب کی طرف ان کی نسبت ترک کرنا ہے(۸) نہ کہ اور کی

---

(۳) رضا کی حقیقت جریانِ حکم کے تحت سکونِ قلب کو رضا کہتے ہیں۔ ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے فرمایا: قضا کی تلخی پر سرورِ قلب کا نام رضا ہے۔

(۴) فنا کے معنی فعلِ حق میں گم ہونا اور اپنے ارادہ و اختیار سے نابود ہونا۔ اگرچہ رضا میں بھی فنا ہوتی ہے مگر اس میں اختیار و وجود کا شائبہ ہوتا ہے تو یقیناً مرتبۂ فنا مرتبۂ رضا سے بلند ہوگا۔

(۵) جو اپنے ارادوں اور افعال سے مطلقاً نکل کر فانی ہو چکے ہیں۔ رضا اولیاء کا مقام ہے اور صبر مومنین کا۔

(۶) اگرچہ زبان اعضاء میں شامل ہے مگر دل کی ترجمانی اور شکر گزاری میں اس کا کردار عمدہ ہوتا ہے اس لیے اسے علیحدہ ذکر کیا گیا۔ اسی لیے یہ اقرار باللسان جزوِ ایمان ہے نہ کہ اعمال۔

(۷) چونکہ زبان دل کی ترجمان ہے تو یقیناً اس طرح شکر قلبی بھی ادا ہو جائے گا۔

(۸) یعنی بطریقِ حقیقت وحکم واقعہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف نسبت ہوگی، لیکن بطور واسطہ مجازاً غیر کی طرف نسبت کی جائے تو حقیقت شکر کے

طرف نسبت کی جائے جس کے ہاتھوں پر نعمت ظاہر ہوئی ہو۔ کیونکہ تم اور یہ مذکورہ اشیاء، سب اسبابِ آلات و وسائل ہیں ان کا قاسم، جاری کنندہ، موجد، فاعل اور مسبّب اللہ تعالیٰ ہے۔ لہٰذا جو قاسم، جاری کنندہ اور موجد ہو تو غیر کی نسبت وہی شکر کا حقدار ہوگا(۹)۔ جیسا کہ تحائف لانے والے غلام کی بجائے تحفے بھیجنے والے آقا کی طرف نظر کی جاتی ہے اور جو لوگ یہ نظر نہیں رکھتے اور حقیقتِ حال کو نہیں پہچانتے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وُہ دنیا کی ظاہری زندگی (اور عالم مجاز) کو جانتے ہیں اور وہ آخرت کی زندگی (اور حقیقتِ حال) سے غافل ہیں۔ چنانچہ جو لوگ ظاہر اور سبب کی طرف متوجہ رہیں ان کا علم و عرفان حقیقت حال اور مسبب الاسباب تک نہ پہنچ سکیں۔ ایسے لوگ جاہل، ناقص اور عقل سے کورے ہیں، عاقل کو عاقل اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ انجام کار پر نظر رکھتا ہے(۱۰)۔ قلبی شکر یہ ہے کہ بندے کا ہمیشہ کے لیے محکم اور مضبوط عقیدہ ہو کہ تمام نعمتیں ظاہر و باطن

منافی نہیں ہے اور کبھی بعض مقربین کو اس پر مواخذہ اور عتاب بھی ہوتا ہے اس مقام پر خلق نفس اور اغیار سب کو شامل ہے اسی لیے اس کی تفصیل لا الیٰ نفسك سے فرما رہے ہیں۔

(۹) یعنی حقیقت اور حکمِ واقعہ کی رعایت کرتے ہوئے، اگرچہ واسطہ کے طور پر غیر کا بھی کچھ حق رکھتا ہے۔

(۱۰) اور حقائق امور کی فکر کرتا ہے اور معلوم کر لیتا۔ اگر وہ اس حقیقت کو نہ پا سکے کہ تمام نعمتوں کا موجد اور فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے تو وُہ عاقل نہیں ہے۔

کی تمام لذتیں اور منفعتیں تمام حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں نہ کہ غیر کی طرف سے۔ اور تمہارا زبان کے ساتھ شکر ادا کرنا دل کی شکر گزاری سے تعبیر ہوگا(۱۱)۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وُہ اللہ عزوجل کی طرف سے ہے۔ پھر فرمایا: اس نے تمہارے اوپر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا اتمام کر دیا۔ مزید فرماتا ہے: اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ ان دلائل کی موجودگی میں ایک عبد مومن کے لیے نعمت دہندہ اللہ تعالیٰ ہی ہے(۱۲)۔ لیکن اعضا کے ساتھ شکر گزاری یہ ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استعمال کیا جائے نہ کہ کسی مخلوق کی فرمانبرداری میں۔ لہٰذا تم مخلوق کی ایسی کوئی بات نہ مانو جس میں باری تعالیٰ سے اعراض پایا جاتا ہو۔ مخلوق نفس و ہوا اور ارادہ و خواہشات اور تمام مخلوقات کو

---

(۱۱) یعنی وجود حقیقت کے بغیر محض زبانی شکر گزاری نہیں ہوگی تاکہ نفاق نہ بنے۔

(۱۲) یعنی مومن کے لیے اس بات پر اعتقاد اور زبانی اعتراف لازم ہے۔

لفظ شُکر کی تحقیق

شُکر (بفتح شین) پستان کا دُودھ سے پُر ہو جانا اور درخت کی جڑ سے شاخ کا نکلنا۔ اس کی شُکر کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے گویا دل اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی پہچان سے پُر ہو جاتا ہے اور زبان کے ذریعے باہر آتا ہے۔ عوارف میں ہے: شُکر کے معنی کشف و اظہار ہیں۔ اور یہ معنی شکر لسانی کے زیادہ مناسب ہے اور شکر قلبی کو بھی مستلزم ہے۔

شامل ہے[13]۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم خدا تعالےٰ کی اطاعت اصل، متبوع اور پیشوا بنا لو۔ باقی سب کو فرع، تابع اور پس رَو یقین کرو اور اگر اس کے خلاف کرو گے تو راہِ راست سے رُوگردانی، نفس پر ظلم، اور ایمان دار بندوں کے لیے اللہ تعالےٰ کے وضع کردہ حکم کے خلاف حکم دینے والے بن جاؤ گے اور تمہارا شمار صالحین کی راہ سے ہٹنے والوں میں سے ہوگا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: جو لوگ خدا کی نازل کردہ چیز کے ساتھ (نفس و خلق پر) حکم نہ دیں وُہ کافر ہیں۔ دوسری آیت میں ہے: جو لوگ خدا کی نازل کردہ چیز کے ساتھ حکم نہ دیں وہ ظالم ہیں۔ تیسری آیت میں ہے: وہ فاسق ہیں[14]۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں[15]۔ دنیا میں تیرے لیے تو ایک لمحے کے لیے بخار اور چھوٹی سی چنگاری برداشت کرنا ممکن نہیں پھر جہنم کے طبقے ہاویہ میں دوسرے جہنمیوں کے ساتھ ہمیشہ رہنے پر کیسے صبر کر سکو گے اس لیے خبردار ہو جاؤ[16]۔ متوجہ

---

(۱۳) لہٰذا ان کی اجابت و فرمانبرداری کو چھوڑ کر صرف خدا کی اطاعت کرنا چاہیئے جس کا بیان آگے آرہا ہے۔

(۱۴) اگر ظلم و فسق سے مراد کفر ہے تو تینوں آیتوں کا مدلول ایک ہی ہے اگر ان سے کفر مراد نہیں تو کفر کے معنیٰ ہوں گے حرام کو حلال اور ہلکا جاننا، اور ظلم و فسق کا درجہ اس کے نیچے ہوگا۔

(۱۵) پتھر سے مراد یا تو وہ پتھر ہیں جن کی کفار پُوجا کرتے ہیں یا پہاڑ مراد ہیں، مقصود آتشِ دوزخ کی تیزی اور سختی ہے۔

(۱۶) النجا النجا، الوحا الوحا کا اطلاق اس وقت کرتے ہیں۔

ہو جاؤ اللہ تعالےٰ کی پناہ میں آجاؤ۔ دونوں حالتوں کی ان شرائط سمیت حفاظت کرو کیونکہ تمام عمر میں ان دونوں حالتوں (بلا و نعمت) میں سے ایک ضرور رہو گی کبھی بلا کی اور کبھی نعمت، اس لیے ہمارے بیان کردہ طریقے کے مطابق ہر حالت کو صبر و شکر اس کا حصّہ عطا کرو[17]۔ بلا کی حالت میں کسی مخلوق کی طرف شکایت نہ لے جاؤ اور اپنی بے قراری ظاہر نہ کرو اور اپنے باطن میں ربِ کریم پر تہمت نہ لگاؤ اور اس کی حکمت پر شک و شبہ نہ کرو[18] اور اس میں بھی شک نہ کرو کہ اس نے دنیا و آخرت میں تمہارے

جب کوئی لشکر تاخت و تاراج کرنے کے لیے سر پر آپہنچے تو قوم کو خبردار کرنے کے لیے یہ الفاظ بتکرار اور بلا تکرار استعمال کرتے ہیں لیکن تکرار سے زیادہ بولتے ہیں۔ اگر بلا تکرار ذکر کریں تو مد نہیں کرتے اور اگر تکرار سے ذکر کریں تو مد اور قصر دونوں درست ہیں۔ ان کے معنیٰ ہیں جلدی کرو، بھاگو اور اس مصیبت سے خلاصی حاصل کرو۔ بعض حضرات التجا کو نجات سے ماخوذ مانتے ہیں۔

(۱۷) بزرگ فرماتے ہیں کہ حقیقت کی طرف نظر کریں تو بلا کا وظیفہ بھی شکر ہے کیونکہ وہ الطاف خفیہ اور باطنی نعمتوں کو متضمن ہے چونکہ طبیعت بشریہ یہ وظیفہ ادا کرنے سے عاجز ہے اس لیے اس کی جگہ صبر کو رکھ دیا گیا ہے اور یہ بھی ادا ہوتا رہے تو زہے غنیمت۔ اور اس پر رضا و موافقت کا حکم بھی دیا گیا ہے اس بنا پر اس کے ضمن میں شکر کے معنی بھی پائے جائیں گے۔

(۱۸) یعنی تجھے مصیبت میں مبتلا کیا گیا ہے تو ضرور اس میں حکمت پنہاں

لیے زیادہ مفید چیز اختیار کی ہے[19] اور بلا سے بچنے کے لیے مخلوق کی طرف

ہوگی، اور اللہ تعالیٰ امور کے حقائق، مصالح اور منافع کو خوب جانتا ہے تم اس میں شک نہ کرو۔

(19) مشائخ عظام کے کلام میں یہ بات بکثرت مذکور ہے قضا و قدر کے بندے پر جو کچھ گزرتا ہے وہی بندے کے لیے زیادہ مناسب ہے ع

صلاح ما ہمہ آنست کان تراست صلاح

(ہماری اصلاح اس بات میں ہے جو تمہارے نزدیک
اصلاح ہے)

اس سلسلہ میں حضرت عطا سے منقول ہے انہوں نے رضا کے معنی کیے ہیں اللہ تعالیٰ کے قدیم اختیار پر سکونِ قلب۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندے کے لیے افضل ہی کو اختیار کیا ہے۔ یہ وہم نہ کیا جائے کہ یہ بات مذہب اہلسنت کے خلاف ہے کہ یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اصلح کام واجب نہیں ہے۔ کیونکہ واجب علیحدہ چیز ہے اور فضل و کرم کو اختیار کرنا الگ بات ہے، جس طرح کہ رزق، قبولِ توبہ اور ثواب وغیرہ کچھ بھی اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں۔ لیکن وہ محض تفضلاً و تکرماً ایسا کرتا ہے اور یہ بات اولیاء اور بارگاہِ خدا کے اربابِ التجا کے ساتھ مخصوص ہے۔ جن کے معاملہ اور صلاحِ حال کا خود اللہ تعالیٰ متولی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے،

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ (وہ صالحین کا والی ہے)

وہ ان کے ساتھ بلا و عطا سے جو کچھ بھی کرے اس میں ان کے حال کی

رُخ نہ کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو تمہارا یہ عمل شرک ہوگا۔ خدا کے ملک میں اس کے سوا کوئی مالک نہیں، اس کے سوا نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے، نہ کوئی مصیبت ٹال سکتا ہے نہ عطا کر سکتا ہے نہ کوئی بیماری و تکلیف دے سکتا ہے نہ کوئی تندرست و بے نیاز بنا سکتا ہے اس لیے ظاہری[20] و باطنی[21] طور پر مخلوق کے ساتھ مشغول نہ ہونا، کیونکہ مخلوق تمہیں کسی چیز میں بھی خدا سے بے نیاز نہیں کر سکتی[22]۔ بلکہ

اصلاح اور کام کی بہبودی ہے۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے جس کو حدیث اولی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے کچھ بندے ایسے ہیں جن کے ایمان کو غنا ہی درست رکھ سکتا ہے اگر انہیں فقیر بنا دوں تو ان کے ایمان میں فساد آجائے اور کچھ ایمان دار ایسے ہیں جن کا ایمان حالتِ فقر میں ہی برقرار رہ سکتا ہے حالتِ غنا میں ان کے ایمان میں خلل آجائے گا، اور کچھ لوگوں کا ایمان صحت مندی کی حالت میں قائم رہ سکتا ہے بیماری کی صورت میں وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور کچھ لوگ وہ ہیں جو بیماری میں صالح الایمان رہتے ہیں اگر تندرست ہو جائیں تو ایمان سے محروم ہو جائیں، یقیناً میں بندوں کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں جو میرے علم میں ان کے قلوب کے احوال کے موافق ہے بیشک میں اپنے بندوں کے احوال جانتا ہوں اور ان سے خبردار ہوں۔

(20) بلا ضرورت اور رضائے خدا کے علاوہ ان سے اختلاط و صحبت اختیار نہ کرنا۔

(21) ان کے ساتھ دوستی اور دلی لگاؤ سے پرہیز کرنا۔

(22) اور اس کی قضا کو رد بھی نہیں کر سکتی۔

فعلِ خداوندی میں صبر و رضا اور موافقت و فنا کو لازمی سمجھو اور اگر تمہیں (ان کے صبر و رضا وغیرہ سے) محروم کر دیا جائے تو خدا سے مدد طلب کرو، اس سے فریاد کرو۔ اپنے گناہوں کا اعتراف کرو[23]۔ شرکِ خفی سے بیزاری ظاہر کرو۔ صبر و رضا اور موافقتِ حق کے خواہاں رہو، یہاں تک کہ نوشتۂ تقدیر اپنے وقت کو پہنچ جائے[24]، مصائب و آلام ختم کر دئے جائیں، ان کی جگہ نعمت و فراخی اور فرحت و سرور آجائے جیسا کہ نبی اللہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ و السلام کے ساتھ ہوا[25]۔ جس طرح کہ رات کی تاریکی کے بعد دن کی روشنی اور موسم سرما کے بعد موسم بہار کی نسیم اور خوشی آتی ہے کیونکہ ہر چیز کی ضد و خلاف، غایت و انتہا اور مدت ہوتی ہے[26]۔ پس صبر کشائش کار کی کنجی اور آغاز ہے اور اس کی انتہا اور جمال ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے جس طرح جسم میں سر کا مقام ہے اس طرح ایمان میں صبر کا درجہ ہے[27]۔ ایک حدیث میں ہے صبر ہی پورا ایمان ہے[28]۔ اور کبھی ان نعمتوں کے ساتھ

---

(۲۳) جن کی وجہ سے ان سعادات و انوار سے محروم کر دئے گئے ہو۔

(۲۴) یعنی یہ مقامات اگر تمہارے نصیب میں ہیں تو تمہیں مل جائیں گے۔

(۲۵) کہ آپ ایک عرصہ تنگدستی، بیماری اور غم میں مبتلا رہے۔ جب صبر سے کام لیا تو یہی چیزیں نعمت و فرحت سے تبدیل ہو گئیں۔

(۲۶) اسی طرح غم و اندوہ کی بھی مدت معین اور انتہا ہے یعنی نعمت و خوشی۔

(۲۷) جس طرح سر کے بغیر جسم کی بقا نہیں اسی طرح ایمان صبر کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔

(۲۸) یہ مبالغۃً فرمایا گیا ہے درحقیقت ہر نیکی اور بھلائی کا تعلق صبر کے

تلبس و اختلاط ہی شکر بن جاتا ہے[29] یہ تمہاری قسمت کی نعمتیں ہیں۔ فنا، زوال ہوا، پرہیز اور شریعت کے احکام و حدود کی حفاظت کی حالت میں ان نعمتوں سے تلبس و اختلاط ہی شکر ہے اور یہ ابدالوں کی حالت ہے[30]۔ یہی سلوک طریق ولایت کی انتہا ہے جو راہ میں نے تمہارے لیے بیان کر دی ہے اس سے نصیحت حاصل کرو ان شاء اللہ تعالیٰ راہِ راست کے راہرو بن جاؤ گے[31]۔

ساتھ ہے کہ ان نیکوں کی ضربوں پر جب تک صبر نہیں کرے گا ان صفات سے متصف نہیں ہو گا۔

(۲۹) یعنی اگرچہ حقیقتِ شکر یہی ہے کہ نعمت پر زبان، دل اور اعضائے ساتھ شکر ادا کیا جائے۔ لیکن بعض عرفاء کے حق میں جو ہوائے نفس سے فانی ہو چکے ہیں نعمتوں میں پھرنا ہی شکر ہے اور ان کے لیے نعمت لینا، اور منعم و فعلِ منعم کا مشاہدہ ہی عینِ شکر بن جاتا ہے۔

(۳۰) جو نفسانی ارادوں اور خواہشوں سے فانی مطلق ہو چکے ہیں۔

(۳۱) ترغیب و تبرک کے لیے ان شاء اللہ تعالیٰ کے مبارک الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

المقالة الستون

قال رضي الله عنه البداية هي الخروج من المعهود إلى المشروع ثم المقدور ثم الرجوع إلى المعهود بشرط حفظ الحدود فتخرج من معهودك من المأكول والمشروب والملبوس والمنكوح والمسكون والطبع والعادة إلى أمر الشرع ونهيه تتبع كتاب الله وسنة رسوله صلى الله عليه وسلم كما قال الله تعالى وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا وقال قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله فتفنى عن هواك ونفسك ورعونتها في ظاهرك وباطنك فلا يكون في باطنك غير توحيد الله وفي ظاهرك غير طاعة الله وعبادته مما أمر ونهى فيكون هذا دابك وشعارك ودثارك في حركتك وسكونك في ليلك ونهارك وسفرك وحضرك وشدتك ورخائك وصحتك وسقمك وأحوالك كلها ثم تحمل إلى وادي القدر فيتصرف فيك القدر فتفنى عن جدك واجتهادك وحولك وقوتك فتساق إليك الأقسام التي جفت بها القلم وسبق بها العلم فتلبس بها وتعطى

فيها الحفظ والسلامة فتحفظ فيها الحدود وتحصل فيها الموافقة لفعل المولى ولا تخرق قاعدة الشرع إلى الزندقة وإباحة المحرم والاستهانة بالمأمور قال الله تعالى إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون وقال كذلك لنصرف عنه السوء والفحشاء إنه من عبادنا المخلصين فيستصحب الحفظ والحمية إلى حين اللقاء برحمة الله وإنما هي أقسامك معدة لك فحبست عنك في حال سيرك في طريقك وسلوكك فيافي الطبع ومفاوز الهوى والمعهود لأنها أثقال وأحمال فأزيحت عنك لئلا يثقلك فتضعفك وتثبطك عن مقصدك ومطلوبك إلى حين الوصول إلى عتبة الفناء وهو الوصول إلى قرب الحق والمعرفة به والاختصاص بالأسرار والعلوم والدخول في بحار الأنوار حيث لا تضر ظلمة الطبائع الأنوار فالطبع باق إلى أن تفارق الروح الجسد لاستيفاء الأقسام إذ لو زال الطبع من الآدمي لالتحق بالملئكة وانخرم النظام وبطلت الحكمة فيبقى الطبع فيك لتستوفي الأقسام والحظوظ فيكون ذلك وظائف لا أصليا كما قال النبي صلى الله عليه وسلم حبب إلي من دنياكم ثلث الطيب والنساء وجعلت قرة عيني في الصلوة فلما فني النبي صلى الله عليه وسلم عن الدنيا وما فيها ردت إليه

اَقْسَامُهُ الْمَحْبُوْسَةُ عَنْهُ فِیْ حَالِ مَسِیْرِهٖ اِلٰی رَبِّهٖ فَاسْتَوْفَکَ
مُوَافَقَةً لِّرَبِّهٖ وَرِضًا بِفِعْلِهٖ مُمْتَثِلًا لِاَمْرِهٖ تَقَدَّسَتْ اَسْمَائُهٗ
وَعَمَّتْ رَحْمَتُهٗ وَشَمَلَ فَضْلُهٗ لِاَوْلِیَائِهٖ وَاَنْبِیَائِهٖ فَهٰکَذَا
الْوَلِیُّ فِیْ هٰذَا الْبَابِ تُرَدُّ اِلَیْهِ اَقْسَامُهٗ وَحُظُوْظُهٗ بَعْدَ الْفَنَاءِ
مَعَ حِفْظِ الْحُدُوْدِ فَهُوَ الرُّجُوْعُ مِنَ النِّهَایَةِ اِلَی الْبِدَایَةِ -

مقالہ ۶۰

ابتداء وانتہا

حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے فرمایا، سلوک کی ابتدا یہ ہے کہ بندہ عادات اور طبعی تقاضوں سے نکل کر شریعت کی طرف آجائے پھر قضا و قدر کی طرف آجائے، اس کے بعد پھر حدودِ شرعی کی نگہداشت کرتے ہوئے عادات کی طرف پلٹ آئے۔ اس طرح تم کھانے پینے، لباس، نکاح، مکان، طبع اور عاداتِ طبع سے نکل کر شریعت کے حکم و نہی کی طرف آجاؤ گے اور کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو گے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: رسول جو چیز تمھیں دیں اس کو لے لو (اس کی پیروی کرو) اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔ اور فرمایا: اے حبیب! اپنی اُمت سے کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تاکہ خدا تمھیں اپنا محبوب بنالے[1]۔ پس تم ظاہر و باطن میں نفس، اس کی خواہشات اور غیر مشروع امور میں نفس کی رعونت سے اس طرح

(۱) اس طرح سالک درجہ محبیت سے مرتبہ محبوبیت پر پہنچ جائے گا۔

فانی کر دئے جاؤ گے کہ تمہارے باطن میں توحیدِ خداوندی اور ظاہر میں اللہ تعالےٰ کی طاعت وعبادت کے سوا کچھ نہ رہے گا۔(۲) یہ حرکت وسکون، سفر و حضر، خوشی وغم، مرض وصحت میں شبانہ روز تمہاری یہی حالت ہونی چاہیئے اور شعار ودثار ہونا چاہیئے۔(۳) پھر تمہیں قضاء وقدر پر بلند کیا جائے گا(۴) اور تقدیر تم میں تصرف کرے گی اور تم اپنی کوشش اور مشقت اور حول وقوت سے فانی کر دیئے جاؤ گے۔(۵) اور جو کچھ تمہارے مقدر میں لکھا ہوا ہے وہ اللہ تعالےٰ کے علم میں ہے اور اس کے متعلق قلم لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔ اس کی طرف تمہیں لے جایا جائے گا۔ اس سے تمہارا تلبس واختلاط ہوگا اور اس میں تمہیں تحفظ وسلامتی عطا کی جائے گی اور شریعت کے احکام و حدود کی حفاظت کی جائے گی۔ فعلِ خداوندی سے تمہیں موافقت حاصل ہوگی۔ قاعدۂ شرعی کو توڑ کر زندقہ اور اباحتِ حرام اور مامورات کی توہین کی طرف نہیں کھینچا جائے گا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: بے شک

---

(۲) انبیاءِ کرام علیہم السلام کی دعوت کا خلاصہ دو چیزیں ہیں، (۱) یادِ الٰہی (۲) فرمودۂ خدا کے مطابق اس کی خدمت۔

(۳) جسم سے ملصق کپڑے کو شعار اور اس کے اوپر پہننے والے کپڑے کو دثار کہتے ہیں۔

(۴) وادی دراصل کھائی رود کو کہتے ہیں یہاں اس سے مراد مقام و مرتبہ ہے۔

(۵) یعنی تمہاری نظر سے ان کا عمل دخل اور ان کی ہیبت ختم ہو جائے گی۔

ہم نے قرآن(۶) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے(۷)۔ ایک مقام پر فرمایا: اسی طرح ہم نے کہا تاکہ (حضرت) یوسف (علیہ السلام) سے برائی اور بے حیائی پھیر دیں یقیناً وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں(۸)۔ پھر حمیت وحفاظت(۹) رحمتِ خداوندی سے قیامت تک اس کے حال کو لازم رہے گی۔ یہ مذکورہ اشیاء تیرے لیے ہی تیار کی گئی ہیں۔ طلبِ حق کی راہ پر طبیعت کے صحرا اور خواہش ومرغوب کے بیابانوں میں چلتے وقت(۱۰) تجھ سے روک دی گئی ہیں کیونکہ یہ راستے میں دشواری پیدا کرنے والا

---

(۶) جو کہ خلق کے لیے یادِ الٰہی کرنے اور یاد کرانے کا سبب ہے۔

(۷) کہ ہم نے اسے نازل کیا ہے اور ہم اس کے حدود واحکام کو تغیر و تبدل سے اور اس کی نظم کو تحریف وتصحیف سے اور اس میں کمی بیشی سے محفوظ رکھیں گے۔ اس سے ہر اس چیز کی حفاظت لازم آتی ہے جو از خود تو فانی ہے مگر احکامِ شرع کی رعایت میں مولیٰ تعالیٰ اس کا متکفل و متولی ہوگا۔ علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے تورات وانجیل کی حفاظت کی ذمہ داری ان کے علماء واحبار پر ڈال دی ان میں تحریف وتبدیلی ہو گئی جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے بما استحفظوا من کتاب اللہ۔ اور قرآن حکیم کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی تو اس میں تغیر وتبدل نہ ہوا جیسا کہ فرمانِ باری تعالےٰ ہے وانا لہ لحافظون۔

(۸) اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ جس کو دوست بنا لے اسے ناپسندیدہ افعال سے بچا کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ (۹) زندقہ اور خلافِ شرع امور سے۔

(۱۰) تاکہ تم حق کو پا سکو اور سیر وسلوک کے وقت انہیں روکنے میں تمہاری ہی مصلحت پیشِ نظر ہے۔

بارِ گراں ہے جسے دُور کیا گیا ہے کہ کہیں یہ اپنے ثقل کی وجہ سے تمھیں کمزور کرکے اپنے مقصود و مطلوب سے مشغول نہ کردے۔ فنا کی چوکھٹ تک رسائی تک یہ کیفیت رہے گی اور یہ فنا ہی قربِ حق تک رسائی، معرفتِ الٰہی، اسرار و علومِ لدنیہ[۱۱] سے اختصاص اور بحرِ انوار میں غوطہ زن ہونے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے، اس طرح طبائع کی ظلمت انوار کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی جب تک جسم میں رُوح موجود ہے طبیعت اپنے ان حصّوں[۱۲] کو پورا کرنے کے لیے باقی رہتی ہے کیونکہ اگر آدمی کی طبیعت زائل ہو جائے تو وہ فرشتوں سے جا ملے اور نظامِ عالم برقرار نہ رہے[۱۳] اور حکمتِ خداوندی باطل ہو جائے[۱۴]۔ تمھاری

(۱۱) جو کہ اللہ تعالٰی کی طرف سے نظر و فکر اور تعلم و کسب کے بغیر الہام کے ذریعے سکھائے جاتے ہیں۔

(۱۲) جو تمہاری قسمت میں لکھ دئے گئے ہیں اور جسم ان کے ساتھ قائم رہتا ہے اگرچہ اللہ تعالٰی طبیعت اور اس کے تقاضے کے بغیر جسم کو برقرار رکھ سکتا ہے لیکن یہ حکمتِ الٰہی کا تقاضا نہیں ہے۔

(۱۳) نظامِ عالم کی ترتیب وجودِ آدم پر موقوف ہے۔

(۱۴) حضرت آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کو پیدا کرنے کی مصلحت خلافت سے نوازنا ہے جس کی طرف اللہ تعالٰی نے انی اعلم ما لا تعلمون سے اشارہ فرمایا اس کا دارومدار جبلت بشری اور طبیعتِ انسانی پر ہے اور مرتبۂ کمال تک وصول اور کثرت ثواب جس کی بنا پر انسان ملائکہ پر فضیلت رکھتا ہے اور قوتِ عقلی کے مطابق قوتِ عظیمہ اور قوتِ شہوانیہ کی تعدیل و تقویم ہے اس پر موقوف ہے۔

طبیعت اسی لیے باقی[۱۵] ہے کہ یہ اپنی قسمت اور حصّے کی چیزیں پوری پوری لے اس کا باقی رہنا اصلی طور پر نہیں فقط وظیفے کے طور پر ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری دنیا سے تین چیزیں مجھے محبوب بنادی گئی ہیں خوشبو، عورتیں اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے[۱۶]۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دنیا و مافیہا سے فنا حاصل ہو گئی تو جو اشیا سیر الی اللہ کے وقت روک دی گئی تھیں انھیں واپس لوٹا دیا گیا جنھیں آپ نے اپنے رب کی موافقت[۱۷]، اس کے فعل پر رضا اور تعمیلِ علم[۱۸] کے لیے پورا پورا حاصل کیا۔ اسمائے باری تعالٰی مقدس (نقص زوال کے وہم سے پاک) ہیں اس کی رحمت عام[۱۹] ہے اور اس کا فضل

(۱۵) یعنی حق تعالٰی کی طرف سے روزمرہ کے لیے متعین کردہ اشیاء تناول کرتے ہوئے زندگی بسر کرنے اور عبادت میں مشغول رہنے کے لیے طبائع کو باقی رکھا گیا ہے۔

(۱۶) اس حدیث شریف کی تشریح مقالہ ۶ میں گزر چکی ہے۔

(۱۷) تقدیرِ خداوندی میں اس کا حصول آپ کے لیے لکھا جا چکا تھا وہ آپ تک پہنچا دیں۔

(۱۸) کہ آپ کی امرارادی کی تعمیل کی نیز امر شرعی بھی وجوب یا استحباب یا اباحت کی صورت میں باقی ہے۔

(۱۹) رحمت خواص و عوام کے لیے ہے فضل خصوصاً اولیاء پر ہے، اور اخص خصوص انبیاء علیہم السلام کے لیے ہے جن پر کمال بشر کی انتہا ہو جاتی ہے۔

انبیاء و اولیاء کے شاملِ حال ہے پس اسی طرح[20] ولی کو فنا کے بعد اس کا مقسوم اور مقتضیاتِ طبع حدودِ شرع کی حفاظت کے ساتھ لوٹا دئے جاتے ہیں اور انتہا سے ابتدا کی طرف رجوع کے یہی معنیٰ ہیں[21]

---

(۲۱) انتہا سے ابتدا کی طرف رجوع یعنی جس طرح ابتدا حال میں اپنی مقسومات اور مقتضیاتِ طبع حاصل کرتا ہے انتہا کار میں یہ چیزیں لیتا ہے مگر پہلی صورت میں طبیعت اور خواہشِ نفس کے مطابق تھا اور دوسری صورت میں عبودیت اور فعل باری تعالیٰ کی موافقت کے طریق پر ؎

این آن سر کوے بذکر اول
ازینجا بہمہ جہان سفر کرد

فی حال مسیرہ الی ربہ کی تشریح حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ کلامِ مبارک "فی حال مسیرہ الی ربہ" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے مقاماتِ قرب، بعض معانی و کمالات کے حصول اور پروردگارِ عالم کی طرف سے تہذیب و تادیب کے ساتھ قوت سے فعل کی طرف لانے کے لیے قرآن و شریعت کے اوامر سے سیر و سلوک اور ترقی و تقرب ہوتا تھا۔ یہ بات نہیں کہ آپ کے تمام افعال و اعمال اور طاعات و عبادات مجرد تعلیم اور محض تشریع کے لیے تھے بغیر اس کے کہ آپ کے نفس شریف میں اس کے

انوار و آثار پیدا ہوں۔ ہاں نبوت اور مقاماتِ نبوت محض اصطفا اور موہبت سے تعلق رکھتے ہیں کسب اور ریاضتوں کا ان میں دخل نہیں ہے لیکن اذکار میں انوار و اسرار کا ظہور رات دن مسلسل و متواتر تھا۔

عوارف المعارف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن کی شرح میں لکھا ہے کہ صفاتِ بہیمیہ، سبعیہ اور شیطانیہ جو کہ طبیعت بشری کے لوازمات و ضروریات سے ہیں یہ طبائع اور غرائز نفس کی جبلت میں داخل ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے شیطان کے نصیب کو نکال دیا اور آپ کے قلب مقدس کو اس سے مطہر و منور فرما دیا۔ لیکن آپ کے نفس زکیہ نبویہ کو نفوس بشریہ کی حد تک یا لطافت و نورانیت کی صفت سے متصف بعض جزوی صفات و اخلاق جبلیہ کو باقی رکھا۔ یہ صفات نہ کلی تھیں اور نہ ایسی جزوی کہ ان میں ظلمت و کثافت ہو تاکہ ان کا ظہور تنزیلِ آیات اور تشریع احکام کا باعث بنے اور نفوس امت جن کی خلقت اور جبلت میں بہت سی ظلمت و کثافت ہے اس کا ازالہ فرمائیں یہ رحمت خصوصاً حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تھی اور عموماً آپ کی امت کے لیے اس کا اثبات اس آیہ کریمہ سے ہوتا ہے،

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وما ارسلنك الا رحمة للعلمين۔

اور آپ کی ذاتِ مقدسہ میں ان صفات کی موجودگی کی دلیل یہ آیہ کریمہ ہے:

وكذلك لنثبت به فؤادك۔

اور ظاہر ہے کہ تثبیت تزلزل کے بعد ہی ہوتی ہے۔ یومِ احد کو جب آپ کے دندانِ مبارک شہید کئے گئے تو آپ کے حال میں تغیر واقع ہوا اور آپ نے فرمایا:

قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِیِّھِمْ۔ — یہ کیسی قوم ہے جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا۔

تو یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی:

لیس لك من الامر شئ اما یعذ بھم او یتوب علیھم۔

حضور اکرم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

انما اُنسی لاُسنن بہ۔ — میں بھلا دیا جاتا ہوں تا کہ میری سنت جاری ہو۔

یہ آپ کے نفس شریف کی صفات کا ظہور جو کہ نزول آیات کا باعث ہے درحقیقت نفوس امت کی تہذیب و تادیب اور تزکیے کے لیے ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھی اس میں حصہ ہے۔

یہ تنقیح و انتصار کے ساتھ عوارف کے کلام کا خلاصہ ہے۔

شیخ محقق کی تحقیق اور کمالِ عشق

میرے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی ذات وصفات میں گفتگو کرنا سراسر باعثِ حق ہے کیونکہ میرے نزدیک آپ کی ذات متشابہات میں سے متشابہ ترین ہے جس کی تاویل اللہ تعالٰی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جو شخص جو کچھ بھی کہے گا وہ اپنے اندازۂ عقل و دانش کے مطابق ہی کہے گا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم عالم کی فہم و

دانش سے بلند تر ہیں۔ ع

او برتر از انست کہ آید بخیال

(آپ کی ذات مبارک ہمارے فہم وخیال سے بلند وبالا ہے)

آپ جس طرح ہیں اس طرح خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جس طرح پہچان ہونی چاہیئے، کسی کو اس کا ایک جز بھی معلوم نہیں ہے

تراچنانکہ توئی ہر نظر کجا بیند
بقدرِ دانش خود ہر کسے کند ادراک

(آپ کی حقیقت تک ہر نظر کو رسائی نہیں ہے ہر ایک اپنی دانست کے مطابق ادراک کرتا ہے)

ایک شخص نے کسی عارف سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا:

اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ۔ — میرے قلب پر حجاب آجاتا ہے۔

تو اس عارف نے کہا: آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے قلب وعین کے متعلق سوال کیا ہے اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اگر کسی اور کے قلب و حجاب کے متعلق سوال کرتے تو میں اپنی دانست کے مطابق جواب دیتا۔ اس حدیث کی شرح مرج البحرین میں مذکور ہے وہاں دیکھیں۔

المَقَالَةُ الحَادِيَةُ وَالسِّتُّوْنَ

قَالَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ مُكَلَّفٌ بِالتَّوَقُّفِ وَالتَّفْتِيْشِ عِنْدَ حُضُوْرِ
الْاَقْسَامِ عَنِ التَّنَاوُلِ وَالْاَخْذِ حَتّٰى يَشْهَدَ لَهُ الْحُكْمُ بِالْاِبَاحَةِ
وَالْعِلْمُ بِالْقِسْمِ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَنَّ الْمُؤْمِنَ فَتَّاشٌ وَالْمُنَافِقُ لَقَّافٌ وَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَا لَا يُرِيْبُكَ فَالْمُؤْمِنُ يَقِفُ عِنْدَ
كُلِّ قِسْمٍ مِنْ مَّاكُوْلٍ وَّمَشْرُوْبٍ وَّمَلْبُوْسٍ وَّمَنْكُوْحٍ
وَّسَائِرِ الْاَشْيَاءِ الَّتِيْ يُفْتَحُ لَهُ فَلَا يَاْخُذُ حَتّٰى يَحْكُمَ لَهُ
بِجَوَازِ الْاَخْذِ وَالتَّنَاوُلِ الْحُكْمُ اِذَا كَانَ فِيْ حَالَةِ التَّقْوٰى
اَوْ حَتّٰى يَحْكُمَ لَهُ بِذٰلِكَ الْاَمْرُ اِذَا كَانَ فِيْ حَالَةِ الْوِلَايَةِ اَوْ حَتّٰى
يَحْكُمَ لَهُ الْعِلْمُ اِذَا كَانَ فِيْ حَالَةِ الْبَدَلِيَّةِ وَالْغَوْثِيَّةِ
وَالْفِعْلُ الَّذِيْ هُوَ الْقَدْرُ الْمَحْضُ وَهِيَ حَالَةُ الْفَنَاءِ
ثُمَّ يَاْتِيْهِ حَالَةٌ اُخْرٰى يَتَنَاوَلُ كُلَّمَا يَاْتِيْهِ وَيُفْتَحُ لَهُ مَا لَمْ
يَعْتَرِضْ عَلَيْهِ الْحُكْمُ اَوِ الْاَمْرُ اَوِ الْعِلْمُ فَاِذَا اعْتَرَضَ
اَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ امْتَنَعَ مِنَ التَّنَاوُلِ وَتَرَكَهُ فَهِيَ ضِدُّ
الْاُوْلٰى فَفِي الْاُوْلٰى الْغَالِبُ عَلَيْهِ التَّوَقُّفُ وَالتَّثَبُّتُ وَفِي

الثَّانِيَةِ الْغَالِبُ عَلَيْهِ التَّنَاوُلُ وَالْاَخْذُ وَالتَّلَبُّسُ بِالْمَفْتُوْحِ ثُمَّ
يَاْتِي الْحَالَةُ الثَّالِثَةُ فَالتَّنَاوُلُ الْمَحْضُ وَالتَّلَبُّسُ بِمَا يُفْتَحُ
مِنَ النِّعَمِ مِنْ غَيْرِ اِعْتِرَاضِ اَحَدِ الْاَشْيَاءِ الثَّلٰثَةِ وَهِيَ
حَقِيْقَةُ الْفَنَاءِ فَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ فِيْهَا مَحْفُوْظًا مِّنَ الْاٰفَاتِ وَ
خَرْقِ حُدُوْدِ الشَّرْعِ مَصُوْنًا مَصْرُوْفًا عَنْهُ الْاَسْوَاءُ كَمَا
قَالَ اللهُ تَعَالٰى كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْءَ وَالْفَحْشَاءَ اِنَّهُ
مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ فَيَصِيْرُ الْعَبْدُ مَعَ الْحِفْظِ مِنْ
خَرْقِ الْحُدُوْدِ كَالْمُفَوَّضِ اِلَيْهِ الْمَاْذُوْنِ لَهُ وَالْمُطْلَقِ لَهُ
فِي الْاِبَاحَاتِ الْمُيَسَّرِ لَهُ الْخَيْرُ فَجَمِيْعُ مَا يَاْتِيْهِ قِسْمُهُ
الْمُصَفّٰى لَهُ مِنَ الْاٰفَاتِ وَالْكُدُوْرَاتِ وَالتَّبِعَاتِ فِي الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ وَالْمُوَافِقُ لِاِرَادَةِ الْحَقِّ وَرِضَاهُ وَفِعْلِهِ وَلَا حَالَةَ فَوْقَهَا
وَهِيَ الْغَايَةُ وَهِيَ لِسَادَاتِ الْاَوْلِيَاءِ الْكِبَارِ الْخُلَّصِ خَالِصِ اَصْحَابِ
الْاَسْرَارِ الَّذِيْنَ اَشْرَفُوْا اِلٰى عَتَبَةِ اَحْوَالِ الْاَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ
اللهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ ط

مقالہ ۶۱

ہر شئے پر توقّف

حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب مقسومات مومن تک پہنچیں تو انھیں لینے اور قبول کرنے[۱] میں تفتیش ضروری ہے کہ حکم شریعت ان کا مباح ہونے اور علمِ شریعت[۲] اس کا کھانا جائز ہونے کی گواہی دیں، جیسا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن رزق یا تمام دینی کاموں میں بہت تفتیش و جستجو کرتا ہے اور منافق بلاتحقیق لے لیتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: اَلْمُؤْمِنُ وَقَّافٌ (مومن توقف کرنیوالا ہے)

---

(۱) **اخذ اور تناول میں فرق** تناول کے معنی ہیں کسی کے دینے اور پکڑنے کے بعد لینا اور اخذ کے معنی عام ہیں یعنی جب رزق کے متعلق کوئی چیز ملے تو جلدی قبول نہ کرے، پہلے تحقیق و تفتیش کرلے۔

(۲) علم سے مراد علم کشفی لدنی بھی ہوسکتا ہے کہ اسے علم کشفی لدنی کے ذریعے معلوم ہوجائے کہ یہ اس کی قسمت کا ہے جیسا کہ اس قسم کا آخر مقالہ میں بیان ہوگا۔

ایک اور مقام پر فرمایا: جو شئی مشکوک ہو اسے چھوڑ دو اور جس میں شک نہ ہو اسے لے لو۔[۳] چنانچہ مومن کھانے پینے، پہننے، نکاح کے متعلق اور تمام دوسری قسمت کی چیزیں جو اس پر ظاہر ہوتی ہیں تحقیق و تفتیش کے لیے ان پر توقف کرتا ہے جب وہ تقویٰ کی حالت میں[۴] ہو تو شرع کے جواز کے حکم کے بغیر اور جب وہ ولایت کی حالت میں ہو امر باطن[۵] کے بغیر وہ چیز نہیں لیتا، اور جب وہ بدلیت و غوثیت کی حالت میں ہو تو تقدیر کا علم[۶] یا فعلِ الٰہی سے لینے کا کرتا ہے جو کہ قدرِ محض ہے[۷] اور یہ حالتِ بدلیت و غوثیت محض فنا کی حالت ہے[۸]۔

---

(۳) یعنی اوّلاً تحقیق کرو جس کی درستی کا یقین ہو اس پر عمل کرو اور جس میں اشتباہ ہو اسے چھوڑ دو یریبک ولا یریبک میں یا پر فتح اور ضمہ دونوں درست ہیں دَاب اور اَدَاب دونوں شک کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں فتح زیادہ مشہور اور فصیح ہے۔

(۴) بندہ جانبِ حق تعالےٰ سے امرِ باطن کی عدم موجودگی میں حکمِ شرع پر توقف کرتا ہے۔

(۵) امرِ باطن کی کئی صورتیں ہیں: (۱) خواب میں بطریق الہام امر باطن ہو (۲) ہاتف کے ذریعے حکم ہو (۳) بیداری میں صراحۃً حکم ہو کہ اس کی صحت کا یقین ہوجائے۔

(۶) مذکورہ طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے اسے تقدیر کا علم حاصل ہوجائے کہ یہ چیز اس کی قسمت کی ہے۔

(۷) بندے کے فعل و ارادہ کے بغیر۔

(۸) بندے کے وجود کا اس میں قطعاً دخل نہیں ہے۔

اس کے بعد مومن پر دوسری حالت آتی ہے اس میں جو کچھ اس کے پاس آتا اور ظاہر ہوتا ہے اسے اس وقت لیتا رہتا ہے جب تک حکمِ شریعت یا امرِ باطن یا تقدیر کا علم اس پر اعتراض نہ کرے اور جب ان چیزوں میں سے کوئی چیز اعتراض کرتی ہے تو وہ اسے لینے سے باز آجاتا ہے اور چھوڑ دیتا ہے۔ یہ حالت پہلی حالت کی ضد ہے[9]۔ پہلی حالت میں توقف و تثبت غالب ہوتا ہے[10] اور دوسری حالت میں ظاہر ہونے والی چیز کو لینا، تناول کرنا اور اس سے تلبس غالب ہوتا ہے[11]۔ پھر تیسری حالت طاری ہوتی ہے اس میں شریعت یا امرِ باطن یا علمِ تقدیر میں سے کسی کا اعتراض نہیں ہوتا[12]، اور یہ حقیقت فنا ہے[13] اس میں مومن آفات سے اور

---

(۹) پہلی حالتِ فنا، قیام بالعلم اور قدر محض کی حالت ہے لیکن اس میں حکم شریعت کے ساتھ قیام کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

(۱۰) علم اور امر کے انتظار کی وجہ سے اس کے لینے میں دیر بھی ہوتی ہے غالباً اس لیے فرمایا گیا ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قسمت کی چیز حاصل ہونے سے قبل ہی اس کا علم حاصل ہو جاتا ہے کہ فلاں وقت فلاں جگہ سے تمھارے پاس حلال روزی پہنچ رہی ہے ایسی صورت میں قسمت کی چیز لینے میں توقف نہیں کرنا پڑتا۔

(۱۱) اس قسم میں بھی غالب کا لفظ پہلی صورت کی مشاکلت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے واللہ اعلم۔

(۱۲) اس صورت میں ان چیزوں کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا کہ اگر اعتراض ہوا تو رک جاؤں گا اگر اعتراض نہ ہوا تو لے لوں گا بلکہ یہ مقام ایسے تردد سے اصلاً خالی ہے۔

(۱۳) کہ یہ مذکورہ اشیاء میں سے کسی پر موقوف نہیں ہے اور اس میں قطعاً اعتراض ملحوظ نہیں۔

حدودِ شریعت توڑنے سے محفوظ و مامون ہے اور اسے برائیوں سے بچا لیا جاتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ہم نے (یوسف علیہ السلام سے) یہ معاملہ اس طرح کیا تاکہ آپ سے برائی اور بےحیائی کو دور رکھیں یقیناً وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں اس وقت بندہ حدود توڑنے کی حفاظت کی حالت میں اس طرح ہوتا ہے جیسا کہ کام اس کے سپرد کر دیے گئے ہوں اور اسے مولا کریم کے اذن سے اس کے مباحات کی قیود و شروط اٹھالی گئی ہوں، اور نیکی آسان کر دی گئی ہو[14]۔ اس حالت میں مومن کو جو کچھ ملتا ہے وہ دنیا و آخرت کی کدورتوں، آفتوں اور انجامِ بد سے پاک و صاف ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے فعل اور ارادہ و رضا کے موافق ہوتا ہے۔ اس حالت سے بڑھ کر کوئی حالت نہیں ہے۔ یہی انتہاءِ کار ہے اور یہ ان کی حالت ہے جو اولیاءِ کبار کے سادات ارادہ، فعل اور تقدیر سے منازعت کے شائبہ سے خالی اصحابِ اسرار ہونے کے باعث جنہیں انبیاءِ کرام کی چوکھٹ تک رسائی حاصل ہوتی ہے[15] صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

---

(۱۴) کہ وہ جو کچھ کرے وہ مولا کریم کی رضا کے موافق ہے اور سراسر خیر و مصلحت ہے۔

(۱۵) ولایت اور اولیاء کے درجات و مقامات یہیں تک ہیں اس سے اوپر مقامِ نبوت اور اس کے درجات ہیں اولیاء کو ان تک رسائی نہیں۔

المقالة الثانية والستون

قال ؓ ما أكثر ما تقول قرب فلان وبعدت وأعطي فلان و
حرمت وأغني فلان وأفقرت وعوفي فلان وأسقمت وعظم
فلان وحقرت وحمد فلان وذممت وصدق فلان وكذبت
أما تعلم أنه الواحد وأن الواحد يحب الوحدانية في
المحبة ويحب الواحد في محبته إذا قربك بطريق غيره نقصت
محبتك له وتشعبت فربما دخلك الميل إلى من ظهرت
المواصلة والنعمة على يديه فتنقص محبة الله في قلبك و
هو عز وجل غيور لا يحب شريكا فكف أيدي الغير عنك
بالمواصلة ولسانه عن حمدك وثنائك ورجليه عن السعي
إليك كيلا تشتغل به عنه أما سمعت قول النبي صلى الله
عليه وسلم جبلت القلوب على حب من أحسن إليها وبغض
من أساء إليها فهو يكف الخلق عن الإحسان إليك من كل
وجه حتى توحده وتحبه وتصير له من كل وجه بظاهرك
وباطنك في حركاتك وسكناتك فلا ترى الخير إلا منه ولا
الشر إلا منه وتفنى عن الخلق وعن النفس والهوى وعن

الإرادة والمنى وعن جميع ما سوى المولى ثم يطلق الأيدي
إليك بالبسط والبذل والعطاء والألسن بالحمد والثناء
فيدللك أبدا في الدنيا ثم في العقبى فلا تسئ الأدب أنظر
إلى من ينظر إليك وأقبل على من أقبل عليك وأحب من
يحبك واستجب من يدعوك وأعط يدك من يثبتك من
سقطتك ويخرجك من ظلمات جهلك وينجيك من هلكتك
ويغسلك من أنجاسك وينظفك من أوساخك يخلصك من
جيفتك ونتنك ومن هممك الردية ونفسك الأمارة
بالسوء وأقرانك الضلال المضلين شياطينك هواك وأخلائك
الجهال قطاع طريق الحق الحائلين بينك وبين كل
نفيس وثمين وعزيز إلى متى العادة إلى متى الخلق إلى
متى الهوى إلى متى الرعونة إلى متى الدنيا إلى متى الآخرة
إلى متى ما سوى المولى أين أنت من خالق الأشياء المكون
كل شيء الأول الآخر الظاهر والباطن المرجع
والمصدر إليه وله القلوب وطمأنينة الأرواح ومحط
الأثقال والعطاء والامتنان.

مقالہ ٦٢

محبت و محبوب

حضرت قطب ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تعجب ہے تم اکثر یہ کہتے ہو فلاں مقرب بنا دیا گیا ہے اور مجھے دُور رکھا گیا ہے(۱) فلاں کو عطا کیا گیا اور میں محروم ہوں، فلاں کو غنی بنا دیا گیا ہے اور مجھے محتاج، فلاں عافیت سے نوازا گیا ہے اور میں بیمار ہوں، فلاں بزرگ ہے اور مجھے حقیر کیا گیا ہے، فلاں کی تعریف کی گئی ہے اور میری مذمت، فلاں کی تصدیق کی گئی ہے اور میری تکذیب۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ذات وصفات میں یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور واحد دوستی میں بھی وحدت کو پسند کرتا ہے اور اسی کو دوست بناتا ہے جو دوستی میں یگانہ ہو اور جب اللہ تعالیٰ غیر کے ذریعے اپنے فضل ونعمت سے قریب کرے(۲) تو خدا سے تمہاری محبت کم

(۱) یعنی فلاں آدمی کو لوگ نزدیک کرتے ہیں اور اس کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں جبکہ مجھے دُور رکھتے اور تحقیر کرتے ہیں، باقی فقرا کا بھی یہی حال ہے۔

(۲) یعنی وہ نعمت غیر کے ہاتھ پر ظاہر کرے جیسا کہ اس کی عادت کریمہ ہے اور جس پر تم رشک کرتے ہو اسے بھی انہی اغیار کے ہاتھوں سے نعمت ملی ہے۔

ہو جائے گی اور بٹ جائے گی۔ بسا اوقات جس کے ذریعے اور جس کے ہاتھوں پر نعمت ظاہر ہوتی ہو اس کی طرف میلان پیدا ہو گا تو تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کم ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ غیور ہے وہ محبت میں کسی شریک کو گوارا نہیں فرماتا، وہ غیر کے ہاتھوں کو تمہاری امداد واحسان سے اس کی زبان کو تمہاری تعریف وستائش سے اور اس کے پاؤں کو تیری طرف آنے سے روک دے گا تاکہ ان کی وجہ سے تم خدا سے اعتراض نہ کرو، کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قول نہیں سنا انسانی قلوب کو طبعاً اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اپنے احسان کرنے والے سے محبت اور برائی کرنے والوں سے نفرت رکھتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو تم پر کسی قسم کا احسان کرنے سے روک دے گا یہاں تک کہ تمہاری محبت اسی سے رہے گی اور ظاہر و باطن کے ساتھ تمام حرکات وسکنات میں اللہ ہی کے لیے ہو جاؤ گے اور خیر وشر کو صرف اس کی طرف سے دیکھو گے(۳) خلق، نفس وہوا، ارادہ و آرزو اور جمیع ماسوا اللہ سے فانی ہو جاؤ گے(۴) پھر(۵) تمہاری طرف عطا وبخشش کے ہاتھ حمد وثنا کیلئے

(۳) غیر کو اس کی طرف سے دیکھو گے تو غیر کے شکر گزار نہ بنو گے اور شر کو اس کی قدرت سے جانو گے تو کسی کی شکایت نہ کرو گے۔

(۴) یہ عوام الناس کے بارے میں ہے جو سائط ووسائل پر نظر رکھتے ہیں نفع ونقصان اور منع وعطا کو مخلوق کی طرف سے سمجھتے ہیں لیکن جن کی نگاہِ بصیرت میں یہ واسطے اور وسیلے ساقط الاعتبار ہو چکے ہیں اور ہر چیز کو اللہ عزوجل کی جانب سے سمجھتے ہیں انھیں کوئی نقصان نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کی محبت کم ہوتی ہے۔

زبانیں کھول دی جائیں گی اور اللہ تعالےٰ دنیا و آخرت میں تمھیں ناز و نعمت اور ولایت و کرامت کے ساتھ رکھے گا۔ پس بے ادبی نہ کرو(۶) جو تمھاری طرف انعامؔ

شیخ شاذلی علیہ الرحمۃ کی حکایت

کسی شخص نے شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ فقط خدا کی محبت کے دعویدار ہیں جبکہ مخلوق آپ پر احسان کرتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انعام کرنے والے سے محبت کرنا آدمی کی جبلت میں داخل ہے تو یہ کیسے درست ہو سکتا ہے؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ جب میں احسان کو غیر اللہ کی طرف خیال کروں گا تو غیر کے ساتھ محبت متعلق ہو سکتی ہے، لیکن ہم تو ہر چیز خدا کی طرف سے جانتے ہیں۔ یہ حکایت اس مقام کی طرف اشارہ ہے۔

(۵) جب حصولِ فنا کے بعد غیر کی محبت محو ہو کر اس کی محبت تمکن و استقرار حاصل کرلے گی۔

(۶) پروردگارِ عالم کی غیر کے سامنے شکایت نہ کرو اور یہ نہ کہو کہ فلاں کو بہت کچھ ملا اور مجھے کچھ بھی نہیں ملا۔ تمھیں نہ دینے میں ہی تمھارا فائدہ تھا، اور اگر باادب رہتے ہوئے صبر کرو گے اور محبت میں راسخ ہو جاؤ گے تو جو چیز جس قدر چاہو گے بیحد و بیحساب عطا کی جائے گی۔ دُوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب یہ نعمتیں مل جائیں تو بے ادبی کی روش اختیار نہ کرو انبساط کا اظہار کرتے ہُوئے شکر اور نعمت شناسی کی حد سے تجاوز نہ کرو، اور عبودیت، احتیاط اور احتراس کے دائرہ سے قدم باہر نہ رکھو ع

اے ایاز آں پوستیں را یاد دار

اکرام کی نگاہ کرتا ہے تم اس کی طرف ادب و احترام اور حق کی رعایت کے ساتھ دیکھو(۷) اور جو کرم و عطا کے ساتھ تمھاری طرف متوجہ ہوتا ہے تم اس کی طرف طلبؔ و امید کے ساتھ متوجہ ہو جو تمھیں دُنیا و آخرت کی بھلائی کی طرف بلاتا ہے(۸) تم اس کا جواب دو، اور تم اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاؤ جو تمھیں بچاتا ہے اور جہل کی تاریکیوں سے نکالتا ہے ہلاکت سے نجات دیتا ہے(۹) گندگی دُور کرتا ہے(۱۰) آلائشوں سے پاک کرتا ہے(۱۱)، تمھارے نفس مراد اور اس کی بدبو اور ناقص اور گھٹیا ارادوں سے(۱۲)، اور بُرائی کا حکم دینے والے نفس اور بھٹکے ہوئے گمراہ کرنے والے ساتھیوں یعنی شیاطین اور تمھاری خواہش سے تمھارے جاہل دوستوں سے جو راہِ حق کے ایسے راہزن ہیں کہ تمھارے اور ہر اچھی قیمتی

---

(۷) وہ تمھارا پروردگار ہے جو ہر حال میں تسلسل و تواتر کے ساتھ تم پر انعامات کی بارش کر رہا ہے۔

(۸) بعض نسخوں میں یُبَیِّتُكَ کی بجائے یَشِیْلُكَ ہے۔ شول کے معنی ہیں اٹھانا اور کھینچنا۔

(۹) آفات و بلیات سے محفوظ رکھتے ہُوئے اور شرائع و احکام نازل فرماکر

هَلَكَةٌ میں دو لغتیں ہیں (۱) ہا اور لام پر فتح (۲) ہا پر ضمہ اور لام ساکن۔

(۱۰) ایمان اور عمل صالح کی توفیق دے کر۔

(۱۱) بُرے اخلاق اور اوصاف کو تبدیل فرماکر۔

(۱۲) بعض نسخوں میں من همك الردية واؤ کے بغیر ہے اس صورت میں یہ اور اس کا ما بعد انجاس او ساخ جیفہ اور نتن کا بیان ہوگا یعنی یہ چیزیں بھی گھٹیا ارادے اور بعد میں ذکر ہونے والی چیزیں ہیں۔

اور عزیز[13] چیز کے درمیان حائل ہیں ان سب سے تمھیں پاک اور خالص کرتا ہے، کب تک رسم ورواج، خلق وخواہش، سرکشی وسبکی دنیا وآخرت اور ماسوا اللہ میں مقید رہو گے۔ تم ہر شئے کے پیدا کرنے والے اور وجود بخشنے والے سے کہاں دُور جا پڑے ہو وہ اوّل وآخر ہے[14] ظاہر و باطن[15] ہے اس کی طرف سب کو لوٹنا ہے تمام دل اس کے تصرف واختیار میں ہیں ارواح کی طمانیت اس سے ہے تمام اسی کے لطف وکرم کے دروازے پر اترتے ہیں وہی عطا اور احسان[16] فرماتا ہے۔

---

(۱۳) یعنی دنیا وآخرت کی سعادت وبرکات اور ذات وصفات باری تعالےٰ کے حقائق ومعارف۔

(۱۴) وجود کے اعتبار سے اوّل وصول کے اعتبار سے آخر یا ازلیت کے اعتبار سے اول اور ابدیت کے اعتبار سے آخر ہے۔

(۱۵) آثار کے اعتبار سے ظاہر ہے اور ذات کے لحاظ سے باطن یا کہ عقل کے سامنے ظاہر ہے اور حواس پر پوشیدہ۔

(۱۶) بعض نسخوں میں بِلاَ اِمۡتِنَانٍ ہے امتنان کے معنی ہیں اڑانا، کم کرنا۔ یعنی وہ بخشش میں کمی نہیں فرماتا، جیسا کہ لَهُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ میں ہے کہ ان کے لیے اجر ہے کم نہ ہونے والا۔

اَلۡمَقَالَةُ الثَّالِثَةُ وَالسِّتُّوۡنَ

قَالَ رضؓ رَاَیۡتُ فِی الۡمَنَامِ کَاَنِّیۡ اَقُوۡلُ یَا مُشۡرِکًا بِرَبِّهٖ فِیۡ بَاطِنِهٖ بِنَفۡسِهٖ وَفِیۡ ظَاهِرِهٖ بِخَلۡقِهٖ وَفِیۡ عَمَلِهٖ بِاِرَادَتِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ اِلٰی جَنۡبِیۡ مَا هٰذَا الۡکَلَامُ فَقُلۡتُ هٰذَا نَوۡعٌ مِّنَ الۡمَعۡرِفَةِ۔

مقالہ ۶۳

معرفت کی ایک قسم

فرماتے ہیں میں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ میں کہہ رہا ہوں لے اپنے باطن میں اپنے نفس(۱) کو، ظاہر میں خلق(۲) کو اور عمل میں اپنے ارادے(۳) کو خدا کا شریک بنانے والے۔ اس پر ایک شخص نے جو میرے پاس کھڑا تھا کہا یہ کیسی بات ہے(۴)؟ میں نے جواب دیا کہ یہ معرفتِ حق کی ایک قسم ہے(۵)۔

---

(۱) یعنی دعویٰ ہستی، انانیت اور بطریقِ استقلال و استبداد افعال کی اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے۔

(۲) کہ نفع و نقصان اور خیر و شر کی نسبت مخلوق کی طرف کرتے ہو اور ان سے خوف و رجا رکھتے ہو۔

(۳) کہ میں یہ کروں گا وہ کروں گا اِس طرح ہو گا اُس طرح ہو گا۔

(۴) اس کا مطلب کیا ہے؟

(۵) کیونکہ معرفت کا دارومدار سلوک، تحصیلِ فنا اور موتِ ارادی پر ہے اس کا حصول خلق و نفس اور ارادے کی فنا پر موقوف ہے جیسا کہ گزشتہ مقالات میں مذکور ہوا، یا اس سے مراد یہ ہے کہ اس معنی کا صدور دریافت اور اس پر تنبیہ بھی معرفت اور حقیقتِ کار کی شناخت کی ایک قسم ہے قطع نظر اس کے حصول کے، واللہ اعلم۔

المقالة الرابعة والستون

قال رض ضاق بي الامر يوما فتحركت النفس تحت حملها و
طلبت الراحة والمخرج والفرج فقيل لي ماذا تريد فقلت
اريد موتا لا حيوة فيها وحيوة لاموت فيها فقيل لي ما الموت
الذي لا حيوة فيه وما الحيوة التي لاموت فيها قلت الموت
الذي لاحيوة فيه موتي عن جنسي من الخلق فلا اراهم
في الضر والنفع وموتي عن نفسي وهواي وارادتي ومناي
في دنياي واخراي فلا احيى في جميع ذلك ولا اوجد واما
الحيوة التي لاموت فيها فحياتي بفعل ربي ولا وجودي
فيه والموت في ذلك وجودي معه فكانت هذه الارادة انفس
ارادة اردتها منذ عقلت۔

مقالہ ۶۴

وُہ موت جس میں زندگی نہیں

حضرت شیخ السمٰوٰت والارض رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا: مجھے ایک دن کام میں دشواری پیدا ہُوئی میرے نفس نے اس کے بوجھ سے نکلنے کے لیے حرکت کی(۱)، راحت اور کشادگی کی طلب کی تو مجھے کہا گیا: تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا ایسی موت جس میں حیات نہ ہو اور ایسی حیات جس میں موت نہ ہو۔ پُوچھا گیا: وُہ کون سی موت ہے جس میں حیات نہ ہو اور کون سی حیات ہے جس میں موت نہ ہو؟ میں نے کہا: ایسی موت جس میں حیات نہ ہو میرا اپنی ہم جنس مخلوق سے مرجانا ہے کہ میں نفع و نقصان ان کی طرف سے نہ دیکھوں(۲) اور دنیا و آخرت میں اپنے نفس و خواہش اور ارادہ و آرزو سے مرجاؤں(۳) ان چیزوں میں میری حیات اور میرا وجود نہ رہے اور لیکن وہ حیات جس میں

---

(۱) صبر اور برداشت سے کام نہ لیا۔

(۲) بلکہ تمام کو تقدیرِ حق سے جانوں۔

(۳) کہ دونوں جہانوں میں نفسانی لذات و تمتعات کی آرزو نہ کروں۔

موت نہ ہو وہ یہ کہ اپنے پروردگار کے فعل میں زندہ رہوں اور میرا وجود مزاحمت نہ کرے(۴) اور اس حالت میں میری موت وجودِ حق کے ساتھ میری حیات ہے(۵) جب سے میں اس معاملہ کی حقیقت سے واقف ہوا ہوں میری یہ خواہش نفیس ترین خواہش ہے(۶)۔

---

(۴) کیونکہ فعلِ باری تعالیٰ میں فنا اس کے شہود کا موجب ہے جس میں حیاتی اور راحت نہیں ملتی۔

(۵) کیونکہ جہان میں ماسوا کی طرف توجہ نہ کرنے کے وقت یہ وجود قلب کی موت کا سبب ہے۔ اس سوال کا خلاصہ فنا و بقا ہے جو کہ مقامات میں عزیز ترین اور نفیس ترین ہے۔

(۶) اس میں عدمًا لا وجود معه کی تشریح بعض بزرگوں کا یہ قول کہ ایسا عدم چاہتا ہوں کہ جس کے ساتھ وجود نہ ہو یہ پہلے فقرے کے متعلق ظاہر ہے اور اس میں فنا کا ذکر ہے حیات کا ذکر نہیں اس طرح یہ دوسرے فقرے کے متعلق سکوت عنہ کے حکم میں ہے لیکن اسے بیان اس لیے نہیں کیا کہ اہلِ معرفت فرماتے ہیں فنا کو بقا لازم ہے۔ لیکن اس عارف کا یہ کہنا کہ ہر ایک محال کی آرزو کرتا ہے اور یہ بھی آرزو ہے اگرچہ محال ہے، محلِ نظر ہے انہوں نے اسے محال کیوں کہا جب کہ یہ عرفاء کے لیے نفس الامر میں واقع ہے۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس مقام کے علوِ مرتبہ، اپنی قسمت سے ناامیدی اور شکستگی و نامرادی کے اظہار کے لیے ایسا کیا ہو

وصل خاصاں راست من زلیشاں نیم اے بخت بد
بہر من اندازۂ ادبارِ من کارے بکن

(اے بدبخت! وصالِ الٰہی تو خاصوں کا مقام ہے جب کہ میں ان سے نہیں ہوں، تو میری بدبختی کے مطابق کام کر)

حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے قول " اُرِیْدُ اَنْ لَّا اُرِیْدُ " (میں چاہتا ہوں کہ کوئی ارادہ نہ کروں) کے معنی بھی یہی ہیں۔

جُہلاء کا ایک اعتراض

ارادہ نہ ہونے کی خواہش بھی ایک خواہش ہے اس لیے آپ کے کلام میں تعارض ہے؟

جواب: یہ اعتراض مقام کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے کیونکہ یہ خواہش عدمِ خواست کے منافی نہیں ہے۔ یہ وُہ خواہش ہے جو اللہ تعالٰے بندے سے طلب کرتا ہے اور جو خواہش اللہ تعالٰے چاہتا ہو وُہ درحقیقت خواہش سے ہی نہیں، تو عدمِ خواہش کی خواہش کیسے ہوگی، اور جو خواہش ممنوع ہے وہ خواہشِ نفس ہے حضرت غوثِ اعظم اور سلطان بایزید بسطامی رحمہما اللہ تعالٰے کے کلام پر اشکال کا حقیقی جواب یہی ہے، اور ظاہری جواب یہ ہے کہ یہ کلام اس مقام تک رسائی سے قبل کا ہے۔ جب خواہش باقی تھی اور آرزو رکھتے تھے کہ خواہش نہ رہے، یہ جواب کورباطن نادانوں کے شوروغل سے زیادہ سلامتی والا ہے۔

اَلْمَقَالَةُ الْخَامِسَةُ وَالسِّتُّوْنَ

قَالَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ: مَا هٰذَا السَّخَطُ عَلٰی رَبِّكَ لِاَجْلِ تَاخِیْرِ اِجَابَةِ الدُّعَاءِ تَقُوْلُ حُرِّمَ عَلَیَّ السُّؤَالُ لَهٗ وَاَنَا اَدْعُوْهُ وَهُوَ لَا یُجِیْبُنِیْ فَیُقَالُ لَكَ اَحُرٌّ اَنْتَ اَمْ عَبْدٌ فَاِنْ قُلْتَ اَنَا حُرٌّ فَاَنْتَ كَافِرٌ وَاِنْ قُلْتَ اَنَا عَبْدٌ فَیُقَالُ لَكَ اَتَتَّهِمُ اَنْتَ لِوَلِیِّكَ فِیْ تَاخِیْرِ اِجَابَةِ دُعَائِكَ وَشَاكٌّ فِیْ حِكْمَتِهٖ وَرَحْمَتِهٖ بِكَ وَبِجَمِیْعِ خَلْقِهٖ وَعِلْمِهٖ بِاَحْوَالِهِمْ اَوْ غَیْرُ مُتَّهِمٍ لَهٗ وَمُقِرٌّ لِحِكْمَتِهٖ وَاِرَادَتِهٖ وَمَصْلَحَتِهٖ لَكَ فِیْ تَاخِیْرِ ذٰلِكَ فَعَلَیْكَ بِالشُّكْرِ لَهٗ لِاَنَّهٗ اخْتَارَ لَكَ الْاَصْلَحَ وَالنِّعْمَةَ وَدَفْعَ الْفَسَادِ وَاِنْ كُنْتَ مُتَّهِمًا لَهٗ فِیْ ذٰلِكَ فَاَنْتَ كَافِرٌ بِتُهْمَتِكَ لَهٗ لِاَنَّكَ بِذٰلِكَ نَسَبْتَ لَهٗ اِلَی الظُّلْمِ وَهُوَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ لَا یَقْبَلُ الظُّلْمَ وَیَسْتَحِیْلُ عَلَیْهِ اَنْ یَّظْلِمَ اِذْ هُوَ مَالِكُكَ وَمَالِكُ كُلِّ شَیْءٍ وَالْمَالِكُ لَهُ التَّصَرُّفُ فِیْ مِلْكِهٖ كَیْفَ یَشَاءُ فَلَا یُطْلَقُ عَلَیْهِ اِسْمُ الظُّلْمِ وَاِنَّمَا الظَّالِمُ مَنْ یَّتَصَرَّفُ فِیْ مِلْكِ غَیْرِهٖ بِغَیْرِ اِذْنِهٖ فَاسْدُدْ عَلَیْكَ سَبِیْلَ التَّسَخُّطِ عَلَیْهِ فِیْ فِعْلِهٖ فِیْكَ بِمَا یُخَالِفُ طَبْعَكَ وَشَهْوَةَ نَفْسِكَ وَاِنْ كَانَ فِی الظَّاهِرِ مُفْسِدَةً لَكَ فَعَلَیْكَ

بِالشُّكْرِ وَالصَّبْرِ وَالْمُوَافَقَةِ وَالرِّضَا وَتَرْكِ التَّسَخُّطِ وَالتُّهْمَةِ
وَالْقِيَامِ مَعَ رَعُوْنَةِ النَّفْسِ وَهَوَاهَا الَّذِىْ يُضِلُّ عَنْ
سَبِيْلِ اللهِ وَعَلَيْكَ بِدَوَامِ الدُّعَاءِ وَصِدْقِ الْمَلْجَأِ وَحُسْنِ
الظَّنِّ بِرَبِّكَ وَانْتِظَارِ الْفَرَجِ وَالتَّصْدِيْقِ بِوَعْدِهٖ وَالْحَيَاءِ
مِنْهُ وَالْمُوَافَقَةِ لِاَمْرِهٖ وَحِفْظِ تَوْحِيْدِهٖ وَالْمُسَارَعَةِ اِلٰى اَدَاءِ
اَوَامِرِهٖ وَالتَّقَاعُدِ مِنْ اِرْتِكَابِ نَهْيِهٖ وَالتَّمَاوُتِ عِنْدَ نُزُوْلِ
قَدَرِهٖ بِكَ وَفِعْلِهٖ فِيْكَ وَاِنْ كَانَ لَا بُدَّ اَنْ تَتَّهِمَ وَتُسِيْءَ الظَّنَّ
فَنَفْسُكَ الْاَمَّارَةُ بِالسُّوْءِ الْعَاصِيَةِ لِرَبِّهَا عَزَّ وَجَلَّ اَوْلٰى بِهَا
وَنِسْبَتُكَ الظُّلْمَ اِلَيْهَا اَحْرٰى مِنْ مَوْلَاكَ فَاحْذَرْ مُوَافَقَتَهَا وَ
مُوَالَاتَهَا وَالرِّضَا بِفِعْلِهَا وَقَوْلِهَا فِى الْاَحْوَالِ كُلِّهَا لِاَنَّهَا عَدُوٌّ
لِلّٰهِ وَعَدُوُّكَ وَمُوَالِيَةٌ لِعَدُوِّ اللهِ وَعَدُوِّكَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
هِىَ خَلِيْفَةُ الشَّيْطَانِ وَجَاسُوْسُهٗ وَمُصَافِيَتُهٗ اَللهَ اَللهَ ثُمَّ اللهَ
اَلْحَذَرَ اَلْحَذَرَ اَلنَّجَا اَلنَّجَا اِتَّهِمْهَا وَانْسُبِ الظُّلْمَ اِلَيْهَا
وَاقْرَءْ عَلَيْهَا قَوْلَهٗ مَا يَفْعَلُ اللهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ
اٰمَنْتُمْ وَقَوْلَهٗ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ اَنَّ اللهَ لَيْسَ
بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ وَقَوْلَهٗ اِنَّ اللهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ
النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ وَغَيْرَهَا مِنَ الْاٰيَاتِ وَالْاَخْبَارِ
كُنْ مُّخَاصِمًا لِلّٰهِ عَلٰى نَفْسِكَ وَمُجَادِلًا لَهَا عَنْهُ وَمُحَارِبًا وَسَيَّافًا
لَهٗ وَصَاحِبَ جُنْدِهٖ وَعَسْكَرِهٖ فَاِنَّهَا اَعْدٰى عَدُوِّ اللهِ قَالَ اللهُ
تَعَالٰى يَا دَاوٗدُ اهْجُرْ هَوَاكَ فَاِنَّهٗ لَا مُنَازِعَ يُنَازِعُنِىْ فِىْ مُلْكِىْ غَيْرَ الْهَوٰى۔

مقالہ ۶۵

دُعا کی تاخیرِ قبولیّت خدا کی ناراضگی کو مستلزم نہیں

حضرت سرکارِ بغداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اجابتِ دُعا میں تاخیر ہونے کی صورت میں ناپسندیدگی کیسی؟[1] تم کہتے ہو کہ مخلوق سے سوال کرنا حرام ہے اور خدا سے مانگنا فرض ہے اور جب دُعا کرتا ہُوں تو قبول نہیں ہوتی۔[2] اس سلسلہ میں تجھ سے پُوچھا جائے گا کیا تُو آزاد ہے یا غلام؟ اگر کہو میں آزاد ہوں[3] تو کافر ہو، اور اگر کہو کہ غلام ہُوں تو کہا جائے گا کیا تم دعا کی اجابت میں تاخیر کی صورت میں اپنے آقا پر تہمت لگاتے ہو[4]۔ اپنے اور تمام

---

(۱) عدم رضا، کراہت اور عطا کو کم جاننا کیسا ہے؟

(۲) عجیب مشکل میں مبتلا ہُوں نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن، نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے۔

ع پیوستن بتو مشکل و جدائی مشکل

(ملنا بھی مشکل اور جدائی بھی مشکل ہے)

(۳) کسی کی قید میں اور کسی کے حکم کے تابع نہیں ہوں۔

(۴) جہالت کی طرف نسبت کرتے ہو کہ اس نے جانا نہیں یا سُنا نہیں یا

مخلوق کے متعلق اس کی حکمت و رحمت اور ان کے احوال سے باخبری کے متعلق شک کرتے ہو، یا تو تم اپنے رب پر تہمت نہیں لگاتے۔ اگر تہمت نہیں لگاتے اور اس حکمت، ارادے(۵) اور قبولیتِ دعا میں تاخیر کو اپنے لیے مصلحت سمجھتے تو تم پر شکر لازم ہے کیونکہ اس نے تمہارے حال کے زیادہ لائق نعمت اختیار کی ہے اور تمہارے فساد کو دور کیا ہے(۶) اور اگر تم تاخیرِ قبولیت میں تہمت لگاتے اور اس کی حکمت و رحمت میں شک کرتے ہو تو تم تہمت لگانے کی وجہ سے کافر ہو کیونکہ اس طرح تم نے خدا کی جانب ظلم(۷) کی نسبت کی ہے جبکہ وہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا، نہ ہی ظلم کو پسند کرتا ہے۔ مخلوق پر ظلم کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے، کیونکہ وہ تیرا اور ہر چیز کا مالک ہے اور مالک کو اپنی ملک میں

نسیان کی طرف نسبت کرتے ہو کہ سنا تو ہے مگر بھول گیا ہے یا یاد تو ہے مگر بخل سے کام لے رہا ہے یا کہ وہ جواد ہے لیکن بے حکمتی اور بے مہری سے کام لے رہا ہے، ان وجوہ سے بعض کا تخصیص سے ذکر فرما رہے ہیں۔ ۵

(۵) جو کہ علم کو بھی مستلزم ہے۔

(۶) ممکن ہے کہ عدمِ قبولیت ہی تمہارے حق میں بہتر ہو چہ جائیکہ تاخیر کو پسند کیا جائے

؎ پس دعا ہا کان زیانست و وبال
از کرم می نشنود شانِ ذوالجلال

یعنی بہت سی دعائیں تیرے لیے زیان و وبال کا باعث ہیں یہ ربِّ ذوالجلال کا کرم ہے کہ وہ قبول نہیں فرماتا۔ لیکن اس نے قبولیت کا وعدہ فرما رکھا ہے اگر تاخیر ہو بھی گئی تو دنیا یا آخرت میں وقتِ معیّن پر قبول ہو جائے گی۔

(۷) اور حکمت و انصاف کی حد سے نکلنے۔

جس طرح چاہے تصرف کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ لہٰذا اس پر ظلم کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور ظالم کی تعریف یہی ہے کہ وہ غیر کی ملک میں اجازت کے بغیر تصرف کرے(۸)۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے تمہاری ذات کے متعلق فعل پر جو تمہاری طبیعت اور خواہشِ نفس کے خلاف ہے۔ ناراضگی کا دروازہ بند کر دو اگرچہ بظاہر وہ تمہاری مصلحت کے خلاف ہے۔ تم پر واجب ہے کہ شکر(۹)، صبر، موافقت اور رضائے الٰہی کو اختیار کرو اور ناراضی(۱۰)، تہمت تراشی ان کے رذائل کے ارتکاب ہیں نفس کی سرکشی کے ساتھ اپنے قیام اور خدا سے گمراہ کرنے والی ہر خواہش(۱۱) کو چھوڑ دو ہمیشہ دعا کرتے رہو(۱۲)۔ صدق و خلوص سے اس کی پناہ ڈھونڈو اپنے رب پر حسنِ ظن رکھو۔ اس سے کشائش کی امید رکھو۔ وعدۂ الٰہی کی تصدیق کرو۔ وعدۂ الٰہی میں جلد بازی سے کام لینے سے جہاد کرو۔ اور اس کے حکم کی موافقت کرو(۱۳)۔ اس کی ذات و صفات میں وحدانیت کی

---

(۸) اگر مالک کی طرف سے اجازت مل جائے تو ظلم نہیں ہے۔ ظالم کی تعریف مکمل کرنے کے لیے بغیرِ اذن کی قید کا ذکر کیا ہے۔

(۹) الطاف خفیہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تمام احوال میں شکر گزاری لازم ہے۔

(۱۰) جو باتیں بارگاہِ ربّ العزت جل وعلا کے خلاف ہیں۔

(۱۱) یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے ولا تتبع الھوٰی فیضلک عن سبیل اللہ۔

(۱۲) اگرچہ قبولیت میں تاخیر واقع ہو۔

(۱۳) چنانچہ اس کا حکم ہے دعا کرو اور آدابِ بندگی کا لحاظ رکھو؎

اے اخی دست از دعا کردن مدار   با قبول یار دا آنت چہ کار

حفاظت کرو اس کے حکم کی تعمیل جلدی کرو۔ جن کاموں سے منع کیا ہے انہیں نہ کرو، تمہارے بارے میں جب تقدیر اور فعلِ خداوندی کا نزول ہو تو اس کے سامنے خود کو مردہ سمجھو اور اگر تم تہمت تراشی اور سوءِ ظن پہ مجبور ہو تو تمہارا نفسِ امارہ ربِ کریم کا نافرمان اس کا زیادہ مستحق ہے اور اپنے مولا کریم کی بجائے نفس کی طرف ظلم منسوب کرنا زیادہ مناسب ہے[14] اس لیے ہر حال میں نفس کی موافقت و دوستی اور اس کے قول و فعل پہ رضامندی سے بچو، کیونکہ یہ خدا کا اور تمہارا دشمن ہے[15]۔ تمہارے اور خدا کے دشمن شیطان لعین کا مخلص دوست بدنِ انسان میں اس کا خلیفہ اور جاسوس ہے[16] اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے ڈرو، پھر خدا سے ڈرو، پرہیز کرو، پرہیز کرو، اپنے نفس کو عذاب سے خلاصی دینے کے لیے جلدی بہت جلدی

(اے بھائی! دُعا کرنے سے ہاتھ نہ روکو تمہیں اس کی قبولیت
یا عدمِ قبولیت سے کیا کام)

(۱۴) کیونکہ یہ اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے اپنے اوپر ظلم کر رہا ہے اور رب کریم کی بارگاہ میں ظلم کی گنجائش نہیں ہے۔

(۱۵) تم سے خدا کی نافرمانی کروا کر معصیات کا ارتکاب کرانا چاہتا ہے جو کہ رب الارباب سے بُعد، اس کی ناراضگی اور عذاب کا سبب ہے۔

(۱۶) شیطان نے اسے انسان کے احوال کی جستجو کرنے اور شیطان تک ان کی خبریں پہنچانے پر مقرر کر رکھا ہے۔

کرو۔ نفس پہ عداوت کی تہمت لگاؤ[17]۔ اس کی طرف ظلم کی نسبت کرو، اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول سناؤ ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و اٰمنتم اور یہ قولِ باری عز اسمہٗ بھی پڑھو ذٰلک بما قدمت ایدیکم ان اللہ لیس بظلام للعبید اور یہ قول باری تعالیٰ بھی پڑھو انّ اللہ لا یظلم الناس شیئا و لٰکن الناس انفسھم یظلمون اور اس طرح کی دیگر آیات و احادیث بھی پڑھو تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ظلم سے منزّہ و مبرّا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے نفس کے دشمن بن جاؤ، خدا کی طرف سے اس کے ساتھ جدال و محاربہ کرو اور اس کے لیے تلوار نکال کر[18] نفس کے قہر و شکست کے لیے اللہ تعالیٰ کے لشکری بن جاؤ کیونکہ یہ خدا کا بدترین دشمن ہے[19]۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا:

---

(۱۷) اگرچہ یہ دوستی اور خیر خواہی کا اظہار کرتا رہے ؎

خَالِفِ النَّفْسَ وَ الشَّیْطَانَ وَ اعْصِہِمَا
وَ اِنْ ھُمَا محضاکَ النُّصْحَ فَاتَّہِمِ

(اور نفس و شیطان کی مخالفت اور حکم عدولی کرو اور اگر یہ
محض خیر خواہی کا دم بھریں تو ان کو متہم جانو)

(۱۸) نفس و شیطان اور اعداءِ دین پر چلانے کے لیے۔

(۱۹) نفس شیطان سے بڑھ کر ہے کہ نفس کمالِ قدرتِ خداوندی کے بغیر کسی صورت میں بھی سرکشی اور نافرمانی سے باز نہیں آتا؛ جبکہ شیطان ایک بار ذکرِ خدا کرنے سے یا اسمِ ذات اللہ لینے سے بھاگ جاتا ہے اور نفس اس سے بھی

اے داؤد! ہوائے نفس کو چھوڑ دو کیونکہ میرے ملک میں اس کے سوا مجھ سے جھگڑا کرنے والا کوئی نہیں ہے[20]۔

ریاکاری اور خودنمائی کے ذریعے اپنا حظ حاصل کرلیتا ہے، اس لیے کہتے ہیں نفس سے بڑھ کر کوئی چیز پیدا نہیں ہوئی یہاں تک کہ یہ خدائی کا دعویدار بن جاتا ہے، اور دوسری کسی مخلوق نے ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ کیا خوب کہا گیا ہے: ؎

نفس را ہفصد سر است و ہر سرے
از فرازِ عرش تا تحت الثریٰ

(یعنی نفس کے سات سو راز ہیں اور ہر راز عرشِ عُلا سے لے کر تحت الثریٰ تک پھیلا ہوا ہے)

(۲۰) انبیاءِ کرام علیہم السلام سے اتباعِ نفس ممکن نہیں

یہ قرآن حکیم کی اس آیۂ کریمہ کے موافق ہے:

ولا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ۔

اگرچہ انبیاء و رسل علیہم السلام سے نفس و ہوا کی اتباع نہیں ہوسکتی۔ لیکن اس سے مقصود اجر و منع ہے اور اس بات کی طرف تعریض ہے حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ کہ ابرار کی نیکیاں مقربین کے سامنے سیئات کا حکم رکھتی ہیں اور ان پر اولیٰ و افضل ترک کرنے اور خطراتِ نفس پر بھی مواخذہ ہونا ہے، اس کے باوجود آداب کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ انہیں عتاب فرمائے تو یہ تواضع اور انکساری سے

کام لیتے ہیں اور ہمیں اس معاملہ میں دخل نہیں دینا چاہیے اور شرکت و ہمسری نہیں ڈھونڈنی چاہیے۔ آقاؤں کو اپنے مقربین سے اور مقربین کو اپنے آقاؤں سے راز و نیاز کے معاملات ہوتے ہیں دوسروں کی وہاں مجال نہیں ہوتی ؎

اے محرمِ رازِ دردمندان — اے مونسِ جانِ مستمندان
چشمِ کرمِ تو عینِ ناز است — نازے کہ در دو صد نیاز است

(اے دردمندوں کے محرم راز! اے حاجتمندوں کے مونسِ جان! تیری چشمِ کرم عین ناز ہے اور اس ناز میں سیکڑوں نیاز ہیں)

ایمان سے بے بہرہ لوگوں کی علامت

بعض حضرات کئی دفعہ یہ آیت پڑھتے ہیں: اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ۔

اور اس ضعیف و مستمند (شیخ عبدالحق قدس سرہٗ) پر یہ بات سخت ناگوار گزرتی ہے ایسے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ ہیں، یہ اِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ کی تلاوت کیوں نہیں کرتے۔ ہم سوءِ ادبی سے خدا وند قدوس کی پناہ چاہتے ہیں۔

المقالة السادسة والستون

قَالَ رضی اللہ عنہ لَا تَقُلْ لَا أَدْعُو اللّٰهَ فَإِنْ كَانَ مَا أَسْأَلُهُ مَقْسُومًا لِي فَسَيَأْتِينِي
إِنْ سَأَلْتُهُ أَوْ لَمْ أَسْأَلْهُ وَإِنْ كَانَ غَيْرَ مَقْسُومٍ فَلَا يُعْطِينِي بِسُؤَالِي
بَلْ أَسْأَلُهُ جَمِيعَ مَا تُرِيدُ وَتَحْتَاجُ إِلَيْهِ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ مُحَرَّمٌ وَمَفْسَدَةٌ لِأَنَّ اللّٰهَ أَمَرَ
بِالسُّؤَالِ وَحَثَّ إِلَيْهِ وَقَالَ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ وَقَالَ وَاسْأَلُوا
اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْأَلُوا اللّٰهَ وَأَنْتُمْ
مُوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْأَلُوا
اللّٰهَ بِبُطُونِ أَكُفِّكُمْ وَغَيْرُ ذٰلِكَ مِنَ الْأَخْبَارِ وَلَا تَقُلْ إِنِّي أَسْأَلُهُ
فَلَا يُعْطِينِي فَإِذَنْ لَا أَسْأَلُهُ بَلْ دُمْ عَلَى دُعَائِهِ فَإِنَّهُ إِنْ كَانَ
ذٰلِكَ مَقْسُومًا سَاقَهُ إِلَيْكَ بَعْدَ أَنْ تَسْأَلَهُ فَيَزِيدُ ذٰلِكَ إِيمَانًا
وَيَقِينًا وَتَوْحِيدًا وَتَرْكَ سُؤَالِ الْخَلْقِ وَالرُّجُوعَ إِلَيْهِ فِي
جَمِيعِ أَحْوَالِكَ وَإِنْزَالَ حَوَائِجِكَ بِهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَقْسُومًا
لَكَ أَعْطَاكَ الْغِنَاءَ عَنْهُ وَالرِّضَا عَنْهُ عَزَّ وَجَلَّ بِالْفَقْرِ فَإِنْ
كَانَ فَقْرًا أَوْ مَرَضًا أَرْضَاكَ بِهِمَا وَإِنْ كَانَ دَيْنًا قَلَبَ قَلْبَ

صَاحِبِ الدَّيْنِ مِنْ سُوءِ الْمُطَالَبَةِ إِلَى الرِّفْقِ بِكَ وَالتَّأْخِيرِ
وَالتَّسْهِيلِ إِلَى حِينِ مَيْسَرَتِكَ أَوْ إِسْقَاطِهِ عَنْكَ أَوْ نَقْصِهِ فَإِنْ
لَمْ يُسْقِطْهُ عَنْكَ وَلَمْ يَتْرُكْ مِنْهُ فِي الدُّنْيَا أَعْطَاكَ عَزَّ وَجَلَّ
فِي الْآخِرَةِ ثَوَابًا جَزِيلًا بَدَلَ مَا لَمْ يُعْطِكَ بِسُؤَالِكَ فِي الدُّنْيَا
لِأَنَّهُ كَرِيمٌ غَنِيٌّ رَحِيمٌ فَلَا يُخَيِّبُ سَائِلَهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
فَلَا بُدَّ مِنْ فَائِدَةٍ وَنَائِلَةٍ إِمَّا عَاجِلًا وَإِمَّا آجِلًا وَقَدْ جَاءَ
فِي الْحَدِيثِ أَنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَى فِي صَحِيفَتِهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَسَنَاتٍ
لَمْ يَعْمَلْهَا وَلَمْ يَدْرِ بِهَا فَيُقَالُ لَهُ أَتَعْرِفُهَا فَيَقُولُ مَا أَعْرِفُهَا
مِنْ أَيْنَ لِي هٰذِهِ فَيُقَالُ لَهُ إِنَّهَا بَدَلُ مَسْأَلَتِكَ الَّتِي سَأَلْتَهَا
فِي دَارِ الدُّنْيَا وَذٰلِكَ أَنَّهُ بِسُؤَالِهِ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَكُونُ ذَاكِرًا لِلّٰهِ
وَمُوَحِّدًا وَوَاضِعَ الشَّيْءِ فِي مَوْضِعِهِ وَمُعْطِيَ الْحَقِّ أَهْلَهُ وَمُتَبَرِّيًا
مِنْ حَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ وَتَارِكًا لِلتَّكَبُّرِ وَالتَّعَظُّمِ وَالْأَنَفَةِ وَجَمِيعُ
ذٰلِكَ أَعْمَالٌ صَالِحَةٌ لَهَا ثَوَابٌ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ -

مقالہ ۶۶

دُعا کرنے کا حکم اور دُعا چھوڑنے سے ممانعت

حضرت شاہِ بغداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ نہ کہو کہ میں خدا سے دعا نہیں مانگتا اس لیے کہ اگر وہ چیز میری قسمت میں ہے تو مل ہی جائے گی سوال کروں یا نہ کروں۔ اور اگر وہ میری قسمت میں نہیں تو میرا سوال مجھے نہیں دے سکتا[۱] بلکہ دنیا و آخرت کی بھلائی سے جس چیز کی ضرورت یا خواہش ہو اس کا سوال کرو جب کہ وہ چیز حرام یا باعثِ فساد نہ ہو[۲] کیونکہ خدا نے تمھیں مانگنے کا حکم دیا ہے اور ترغیب دلائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ادعونی استجب لکم نیز فرمایا[۳]: واسئلوا اللہ من فضلہ۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(۱) تو سوال کیوں کروں۔

(۲) یعنی وہ چیز اگرچہ حرام نہیں ہے لیکن خلافِ مصلحت ہے مثلاً متبعین اور اموال کی کثرت، جبکہ ان میں ضرر و فساد کا خوف ہو۔

(۳) یہاں سوال کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور سیاقِ آیت میں تمنا منع فرمایا ہے، چنانچہ حکم ہوتا ہے:

فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ سے اس حال میں دعا کرو کہ تمھیں اجابتِ دعا کا یقین ہو[۴]۔ ایک حدیث شریف میں ہے: اللہ تعالیٰ سے اپنے ہاتھوں کے باطن کے ساتھ سوال کرو[۵]۔ اس سلسلہ میں اور بھی احادیث وارد ہیں[۶]۔ یہ مت کہو میں

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔

یعنی محض آرزو کی کوئی حقیقت نہیں اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ عمل کی ضرورت ہے، اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا ایک فعل ہے۔

(۴) یعنی دُعا کے وقت یقین ہونا چاہیے نہ کہ شک و تردد۔ کیونکہ حصولِ قبولیت میں یقین کی تاثیر ہوتی ہے اور اس کی وجودِ باری تعالیٰ کے ساتھ ایک نسبت ہے۔

(۵) **دُعا مانگنے کا مسنون طریقہ** دُعا میں ماثور و مسنون یہی ہے کہ ہاتھ بلند کرے اور ہتھیلیاں سینے کے مقابل ہوں یہ اِسْأَلُوا اللّٰہ سے استشہاد ہے اور بِبُطُوْنِ اَکُفِّکُمْ (ہاتھوں کے باطن سے) آدابِ دُعا کی تعلیم کے لیے ہے اور اگر معنی کی طرف خیال کریں تو اس کا مطلب یہ ہو گا دُعا کی قبولیت کا اس طرح یقین ہو گویا کہ عطیات نازل ہو رہے ہیں اور میں اٹھانے کے لیے ہاتھ بلند کر رہا ہوں اسے سمجھ لو۔

(۶) دعا کے حکم اور اس کی ترغیب و فضیلت میں بے شمار احادیث وارد ہیں۔ مثنوی: ؎

(۱) من ہمیدانم کہ میخواہد دلش
تا بود غوغا بگردِ منزلش

(۲) میکنم چنداں فغاں در حضرتش
تا فرود تا آید ز بالا رحمتش

خدا سے مانگتا ہوں وہ مجھے دیتا نہیں، اس لیے اب نہیں مانگوں گا،(۷) بلکہ تم ہمیشہ دُعا مانگتے رہو کہ اگر وہ چیز تمہارے مقدر میں ہے اور دُعا کرنے کے بعد ملی ہے تو تمہارا ایمان ویقین اور عقیدۂ توحید پختہ ہوگا(۸) مخلوق سے سوال نہ کرنے، تمام احوال میں خدا کی جانب رجوع کرنے اور حاجات پیش کرنے میں اضافہ

---

(۳) چیست اُدعونی کدام است اسئلوا

گر نمیخواہد گدایا نرا غلو

(۴) آہ گر بر درش چنداں کنم

تا بخود آن غنچہ را خنداں کنم

(۱) میں تو یہی جانتا ہوں کہ محبوب کی مرضی ہے اس کی بارگاہ کے اردگرد شور وغوغا ہوتا رہے۔

(۲) میں آسمان سے رحمت نازل ہونے تک آہ وفغاں کرتا رہوں گا۔

(۳) اگر اسے گداؤں کا شور وغل ناپسند ہے تو اُدْعُوْنِیْ اور اِسْئَلُوْا کے احکام کس لئے؟

(۴) میں اس کے درِ اقدس پر اس قدر آہ وزاری کرونگا کہ وہ غنچہ تر وتازہ کردوں۔

(۷) جب وہ دیتا نہیں تو سوال کرنے سے کیا فائدہ؟

(۸) کہ تم اللہ تعالےٰ کی صفت جُود وکرم اور رحمت ورافت کی تصدیق کروگے اور ان صفات سے اتصاف اور عطا کرنے میں اسے یگانہ جانوگے کہ صرف وہی عطا کرتا ہے۔

ہوگا اور اگر مطلوب چیز تمہارے مقدر میں نہیں تو تمہیں دُعا کے بعد اس سے بے نیاز کر دیا جائے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے فقر اختیار کرتے(۹)

---

(۹) یہ بخشش بارگاہِ رب العزت والجلال میں توبہ واقبال کا باعث اور ذکر ومناجات ومشغولیِ ذکر کا موجب ثابت ہوگی دُعا میں مطلوب ومقصود بھی یہی ہونا چاہئے اور فقط حصول مدعا پر بحث کا اقتصار نہیں چاہیئے تاکہ زیادتیِ محبت کا سبب بنے۔ سیدی ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دُعا میں تمہارا حظ ونصیب محبوب سے مناجات کا ذوق وفرحت چاہیئے نہ کہ حصولِ مطلوب اور قضائے حاجت، تاکہ تم نعمت کی موجودگی میں منعم سے محجوب نہ رہو۔ مثنوی: ؎

(i) دل ز حرص ومدعا خالی شدہ

ذوقِ عجز وبندگی حالی شدہ

(ii) گر اجابت کرد شان فہو المراد

ورنہ با دیدار نقد آیند شاد

(iii) ہیچ نبود از دعا مطلوب شان

جز سخن بآن شیریں زبان

دُور کند رد لذتِ آں بیشتر

(iv) بہر تقریبِ سخن بارِ دگر

(i) دل مدعا کی حرص سے خالی ہوچکا ہے اور حال میں عجز وبندگی کا ذوق رچ بس چکا ہے۔

(ii) اگر دُعا قبول ہوگئی تو مدعا حاصل ورنہ اس نقد دیدار پہ

پر راضی کر دے گا[۱۰] اور اگر دُعا کے ذریعے مرض و فقر دُور نہیں فرمائے گا تو تمھیں اس حالت میں خوش رکھے گا[۱۱] اور اگر قرض دار ہو[۱۲] تو اللہ تعالیٰ قرضخواہ کے دل کو تمھارے ساتھ درشتی کی بجائے نرمی کرنے، فراخی تک مہلت دینے اور آسانی کرنے یا قرض معاف کرنے یا کم کرنے پر آمادہ کر دے گا[۱۳] اور اگر قرضخواہ تمھارا قرض معاف یا کم نہ کرے[۱۴] تو اللہ تعالیٰ دنیا میں سوال پورا نہ کرنے کے بدلے آخرت میں تمھیں بے حساب اجر دے گا[۱۵]۔ کیونکہ وہ

ہی خوش ہیں۔

(iii) ان لوگوں کا شیریں زبان محبوب سے گفتگو کے سوا اور کوئی مطلوب نہیں ہوتا۔

(iv) جب محبوب چہرہ پھیر لیتا ہے تو دوبارہ گفتگو کی امید پر لذت و سرور میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۱۰) اور تمھیں یقین سے معلوم ہو جائیگا کہ میری مصلحت اور حکمت اسی میں ہے۔

(۱۱) اور تمھیں بلند ترین مقام مقامِ رضا بھی حاصل ہو جائے گا۔ یہ ایسی چیز ہے جس کا فائدہ صحت و غنا سے کہیں زیادہ عزیز و نفیس ہے۔

(۱۲) جس کی ادائی کی آسانی کی دعا کی تھی اور وہ قبول نہیں ہوئی تھی۔

(۱۳) جیسا کہ سنّتِ الٰہیہ جاری ہے اور اہلِ معاملہ کے تجربے میں آ چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اجابتِ دُعا کی بجائے تمھاری دلجوئی کے مذکورہ معاملات سے کوئی صورت پیدا فرما دے گا۔

(۱۴) یعنی قبولیتِ دعا کے مذکورہ آثار میں سے کوئی اثر بھی ظاہر نہ ہو۔

(۱۵) کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے: جب بندۂ مومن کی دُعا دنیا میں

کریم[۱۶]، غنی[۱۷] اور رحیم[۱۸] ہے، وہ سوال کرنے والے کو دُنیا و آخرت میں مایوس نہیں لوٹاتا چنانچہ دُعا کرنے میں فائدہ اور عطا ضرور ہے[۱۹] خواہ اس جہان میں ہو یا اس عالم میں۔ حدیث شریف میں ہے: مومن قیامت کے روز اپنے نامۂ اعمال میں ایسی نیکیاں بھی دیکھے گا جنھیں اس نے نہ دنیا میں کیا تھا اور نہ ان کے متعلق علم رکھتا ہو گا[۲۰]۔ اس سے پوچھا جائے گا: کیا ان نیکیوں کو جانتے ہو؟

مقبول نہیں ہوتی اور مقصود حاصل نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے اس دن کے لیے ذخیرہ کر دیتا ہے جس دن بہت سخت ضرورت ہو گی۔

(۱۶) اور کریم سائل کو واپس نہیں لوٹاتا۔

(۱۷) وہ کسی چیز کا محتاج نہیں جس کی وجہ سے وہ بخل سے کام لے۔

(۱۸) علماء فرماتے ہیں: رحمٰن کے معنیٰ ہیں سوال کرنے پر دینے والا اور رحیم کے معنی ہیں سوال نہ کرنے پر ناراض ہونے والا ؎

بلے نومید نباشی گرت آں یار براند
گرت امروز براند نہ کہ فردات بخواند

(اگر وہ محبوب پیارا در سے ہٹا دے تو نا امید نہیں ہونا چاہیے
اگر وہ آج بھگاتا ہے تو کل ضرور بلا لے گا)

(۱۹) صراح میں فائدہ کے معنیٰ لکھے ہیں مال و دانش سے لی جانے والی چیز۔ اور نول کے معنی عطا کرنا اور نائلہ فائدہ کی طرح ہے۔

(۲۰) وہ دُعا کے ضمن میں اعمال و حسنات کی تفصیل ہو گی یا اس سے مراد وہ درجات ہیں جن کے لیے ایسے عمل نہیں کیے تھے جو اصالۃً اور تفصیلاً درجات کا سبب بنتے۔

وہ عرض کرے گا مجھے تو معلوم نہیں یہ کہاں سے آ گئیں، اسے بتایا جائے گا کہ یہ نیکیاں تیرے ان سوالوں کا بدلہ ہے جنہیں خدا سے دنیا میں طلب کرتا تھا اور یہ بدلہ اس لیے ہے کہ مومن دُعا کے وقت خدا کا ذاکر اور اس کی توحید پر کاربند رہتا ہے ہر چیز کو اس کے محل پر رکھنے والا، حق دار کو حق دینے والا(۲۱)، اپنے حول و قوت سے بیزار(۲۲)، تکبر و تعظیم اور ننگ و عار کو ترک کرنے والا تھا(۲۳)۔ یہ سب اعمال حسنہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب ملتا ہے۔

---

(۲۱) جو حق بندے کے ذمے لازم ہے کہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں تضرع و التجا اور عبودیت و احتیاج ظاہر کرتا رہے۔

(۲۲) خود کو کمزور و ناتواں جانتا ہوا اس کی بارگاہ بیکس پناہ میں سوال و دعا میں مشغول رہتا تھا۔

(۲۳) **دُعا عبادت کا مغز ہے** دُعا کو عبادت کا مغز اس لیے کہتے ہیں کہ یہ مذکورہ معانی پر مشتمل ہے، قرآن حکیم میں ہے: جو شخص میری عبادت کرنے سے تکبر کرے گا میں اسے دوزخ میں ڈالوں گا، یہاں عبادت سے مراد دعا ہے، جیسا کہ سیاقِ آیت اس پر دلالت کرتا ہے، نیز استجابِ دعا میں مبالغہ و تاکید اور اس کے ترک پر وعید پر بھی دلالت ظاہر ہے۔ اگر دعا کرنے سے استکبار و نفرت کی بنا پر دُعا نہ کرے گا تو یہی حشر ہوگا۔ اور اگر رب کریم کے علم و ارادہ کو تفویض و تسلیم کرتے ہوئے دُعا نہ کرے گا تو یہ ایک الگ مقام ہے۔ بزرگوں کے مختلف احوال ہوتے ہیں، کبھی دُعا کرتے ہیں اور کبھی

خاموشی اختیار کرتے ہیں اور کبھی تعریض و کنایہ سے کام لیتے ہیں اور عرض کرتے ہیں جیسا اس کے لُطف و کرم کا تقاضا ہے اسی طرح ہوگا۔ یہ بھی رمز و کنایہ کی زبان میں سوال کی ایک قسم ہے اور کبھی اس بات میں تکلم کی نسبت خاموشی بلند تر گنی جاتی ہے یہ تمام باتیں انبیاء علیہم السلام کے احوال و افعال میں منقول ہے، جیسا وقت کا تقاضا ہوتا ہے وہ اسی طرح کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں استاد ابو القاسم قشیری قدس سرہٗ کا کلام مقالہ ۳۴ میں منقول ہو چکا ہے اسے ذہن نشین کر لو۔

المقالة السابعة والستون

قال رضي الله عنه كلما جاهدت نفسك وغلبتها وقتلتها بسيف المخالفة
احياها الله تعالى ونازعتك وطلبت منك الشهوات واللذات
الجناح منها والمباح لتعود الى المجاهدة والمسابقة
لتكتب لك ثوابا دائما وهو معنى قول النبي صلى الله عليه
وسلم رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر اراد
به مجاهدة النفس لدوامها واستقرارها على الشهوات
واللذات وانهماكها في المعاصي وهو معنى قوله تعالى
واعبد ربك حتى ياتيك اليقين امر الله لنبيه صلى الله
تعالى عليه وسلم بالعبادة وهي مخالفة النفس لان العبادة
كلها تاباها النفس وتريد ضدها الى ان ياتيه اليقين
يعني الموت فان قيل كيف تابى نفس رسول الله العبادة و
هو لا هوى له قال الله تعالى ما ينطق عن الهوى ان هو الا
وحي يوحى فيقال انه خاطب نبيه بهذا الخطاب ليتقرر

به الشرع فيكون عاما بين امته الى ان تقوم الساعة
ثم هو عز وجل اعطى نبيه القوة على النفس والهوى كيلا
يضره ولا يحوجه الى المجاهدة بخلاف امته فاذا دام
المؤمن على المجاهدة لهذه الى ان ياتيه الموت ويلحق
بربه بسيف مسلول ملطخ بدم النفس والهوى اعطاه
ما ضمن له من الجنة لقوله واما من خاف مقام ربه
ونهى النفس عن الهوى فان الجنة هي الماوى فاذا دخله
الجنة جعلها داره ومقره ومصيره امن من التحويل
عنها والنقلة الى غيرها والعود الى دار الدنيا جدد له
كل يوم وكل ساعة من انواع النعيم وتغير عليه
انواع الحلل والحلى الى ما لا نهاية له ولا نفاد كما جدد هو في
الدنيا كل يوم وكل ساعة ولحظة مجاهدة النفس والهوى
واما الكافر والمنافق والعاصي لما تركوا مجاهدة النفس
والهوى في الدنيا وتابعوا ووافقوا الشيطان فانمرجوا في
انواع المعاصي من الكفر والشرك وما دونهما حتى اتاهم
الموت من غير الاسلام والتوبة ادخلهم الله النار التي
اعدت للكافرين في قوله تعالى واتقوا النار التي اعدت
للكفرين فاذا ادخلهم فيها وجعلها مقرهم ومصيرهم و
امهم فاحرقت جلودهم ولحومهم وجدد جلودا ولحوما
غيرها كما قال عز وجل كلما نضجت جلودهم بدلناهم

جُلُوۡدًا غَیۡرَهَا یَفۡعَلُ عَزَّ وَجَلَّ بِهِمۡ ذٰلِكَ كَمَا وَافَقُوۡا اَنۡفُسَهُمۡ
وَاَهۡوَاءَهُمۡ فِی الدُّنۡیَا فِیۡ مَعَاصِیۡهِ فَاَهۡلُ النَّارِ یُجَدَّدُ لَهُمۡ
كُلَّ وَقۡتٍ جُلُوۡدٌ وَلُحُوۡمٌ لِاِیۡصَالِ الۡعَذَابِ وَالۡاٰلَامِ اِلَیۡهِمۡ
وَاَهۡلُ الۡجَنَّةِ یُجَدَّدُ لَهُمۡ كُلَّ وَقۡتٍ النَّعِیۡمُ لِیَتَضَاعَفَ
الشَّهَوَاتُ وَاللَّذَّاتُ لَدَیۡهِمۡ وَسَبَبُ ذٰلِكَ مُجَاهَدَةُ النَّفۡسِ وَ
مُوَافَقَتُهَا فِیۡ دَارِ الدُّنۡیَا وَهٰذَا مَعۡنٰی قَوۡلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ
وَسَلَّمَ اَلدُّنۡیَا مَزۡرَعَةُ الۡاٰخِرَةِ۔

مقالہ ۶۷

نفس سے جہاد اور اس کی تفصیل

حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: جب تم اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرتے ہو[1] اس پر غلبہ پاکر اسے شمشیرِ مخالفت سے قتل کرتے ہو تو اللہ تعالٰی اسے زندہ کر دیتا ہے[2] وہ تم سے جھگڑا کرتا ہے[3] اور حرام[4] و مباح چیزوں کی لذات و شہوات طلب کرتا ہے تاکہ تم اسی مجاہدہ و ریاضت و مسابقت کی حالت کی طرف لوٹ آؤ اور دائمی ثواب کے حق دار بن جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کا یہی مطلب ہے ہم نے جہادِ اصغر سے

---

(۱) اور اپنے نفس کو مشقت میں ڈالتے رہو۔
(۲) حیاتِ معنوی کے ساتھ زندہ کرتا ہے جو کہ باری تعالٰی کی ذات و صفات کی معرفت اور حقیقت کا ر معلوم کر لینے سے عبارت ہے۔
(۳) اپنی جبلی سرکشی کی وجہ سے۔
(۴) الجناح فارسی کے لفظ گناہ سے عربی بنایا گیا ہے بمعنی اثم۔ یہاں اس سے مراد حرام ہے کیونکہ یہ گناہ کا سبب ہے۔

جہادِ اکبر کی طرف رجوع کیا ہے۔ جہادِ اکبر سے مراد مجاہدۂ نفس ہے کیونکہ یہ ہمیشہ لذات و شہوات اور گناہوں میں مشغول رہتا ہے[5]۔ اللہ عز و جل کے اس قول کے بھی یہی معنیٰ ہیں کہ اپنے رب کی عبادت کرو یہاں تک کہ تمھیں موت آجائے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو عبادت کا حکم دیا جو کہ مخالفتِ نفس ہی ہے کیونکہ ہر قسم کی عبادت میں نفس سرکشی کرتا ہے اور ان عبادتوں کی ضد چاہتا ہے[6] یہاں تک کہ اسے یقین موت آجائے[7]

اعتراض: حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا نفس عبادت سے کس طرح انکار کرسکتا ہے جبکہ آپ میں خواہشِ نفس ہی نہ تھی[8]۔ اللہ تعالےٰ

---

(۵) جہاد بالنفس دائمی جہاد ہے اس سے مقصود مسلسل جہاد میں مشغول رہنے کی ترغیب ہے، اور اس کا اہتمام و اعتنا کرتے رہنے پر تنبیہ ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ کفار سے جہاد سے فارغ ہونے کے بعد اس جہاد کو شروع کیا جائے کیونکہ یہ جہاد ہمیشہ جاری رہتا ہے کفار کے ساتھ جہاد کے ضمن میں بھی اور دیگر عبادات کے ضمن میں بھی، بلکہ تمام عبادات و اعمال سے مقصود جہاد بالنفس ہی ہے تاکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور اس کی عبادت میں قائم و ثابت رہے جیسا کہ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں۔

(۶) جیسا کہ اس کی سرشت میں داخل ہے اور خسیس اشیاء کی لذتیں اور خواہشیں اس کی جبلت میں شامل ہیں۔

(۷) موت کے ناموں میں سے ایک نام یقین ہے کیونکہ اس کے وقوع میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

(۸) اور آپ بتمام و کمال حق تعالیٰ اور اس کے حکم کے تابع تھے۔

فرماتا ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی۔[9]

جواب: اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ سے خطاب فرمایا تاکہ حکمِ شریعت قرار پائے اور یہ حکم قیامت تک آپ کی ساری اُمت کے لیے عام ہے[10]۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو

---

(۹) وحی خفی ہو یا وحی جلی، جب اقوال میں آپ سے خواہشِ نفس منتفی ہے تو افعال میں بھی منتفی ہوگی۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ نطق سے مراد مطلق نطق ہے جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے اور اگر نطق بالقرآن مراد ہو تو یہ استدلال نہیں ہوسکتا، اور یہ جواب بر تقدیر تسلیم ہوگا۔

(۱۰) بظاہر مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مراد امت ہے

یہ حکم بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن درحقیقت اس کے مخاطب اُمتی ہیں ایسا انداز اپنانے میں تاکید و مبالغہ مقصود ہے کہ جب اس بارگاہ میں محب و محبوب اس بات کے مامور و محکوم ہیں تو دوسرے بطریق اولیٰ اس کے پابند ہوں گے۔ قرآن حکیم میں یہ اندازِ تخاطب بہت مستعمل ہے مثلاً لَئِنْ اَشْرَكْتَ ، وَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ وغیرہ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم معصوم ہیں اور نفس کے انکار یعنی شک و شرک میں آپ کا پڑنا تصوّر سے بھی بالاتر ہے اگرچہ بعض طبعی اور نفسی حکم جبلّت کے مطابق آپ میں باقی رکھے گئے ہیں کیونکہ اس میں آپ کی تربیت و ترقی نزولِ قرآن اور تشریعِ احکام کی حکمت و مصلحت پنہاں ہیں جیسا کہ علماء بیان فرماتے ہیں لیکن عصمت و فطرت کے تقاضے کے مطابق آپ کے نفس کی سرکشی اور خواہش کے آثار کا اظہار معدوم و مفقود ہے جیسا کہ آگے بیان ہو رہا ہے۔

نفس اور خواہش نفس پر غلبہ دیا ہے تاکہ وہ نقصان دہ نہ ہوں اور مجاہدہ کی ضرورت پیش نہ آئے بخلاف امت کے نفوس(۱۱) کے مومن جب زندگی بھر نفس سے جہاد کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اُسے موت آجاتی ہے اور وہ نفس و خواہش کے خون سے بھری ننگی تلوار لے کر اپنے رب سے ملاقات کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے بدلے جنت عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: وَاَمّا من خاف مقام ربہٖ ونھی النفس عن الھوٰی فان الجنۃ ھی الماوٰی ۔ جب اللہ تعالےٰ اسے جنت میں داخل کرے گا جنت کو اس کا گھر، ٹھکانا اور جائے بازگشت بنا دے گا۔ جنت سے باہر آنے اور اس کے علاوہ کسی اور جگہ منتقل ہونے اور دنیا کی طرف واپس آنے کے خوف سے بے پرواکر دے گا تو اُسے ہر دن ہر آن طرح طرح کی نئی نعمتیں ملیں گی اور انواع و اقسام کے زیور اور لباس پہنائے جائیں گے جن کی کوئی حد و غایت نہیں اور نہ ہی وہ ختم ہونے والے ہیں جیسا کہ یہ دنیا میں ہر روز ہر لحظہ(۱۲) نفس اور اس کی

---

(۱۱) جبکہ اُمت کے نفوس طاقتور اور توانا ہیں وہ نقصان پہنچانے کی پوزیشن میں ہیں اگر مجاہدے کے ذریعے ان کا قلع قمع نہ کیا جائے تو نقصان دے سکتے ہیں۔ اگر یہ خطاب حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے لیے تسلیم کیا جائے تو بھی درست ہے۔ اور یہ خطاب اصل نفس کے وجود کی بنا پر ہوگا اگرچہ وہ مغلوب و مقہور ہے۔ غایت باب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو یہ چیز بلا مشقت و مجاہدہ حاصل ہو جائیگی اور امت کو مشقت اور نفس و خواہش کے ساتھ مجاہدہ کی ضرورت ہے۔

(۱۲) لَحظ کے لغوی معنی ہیں بدنبال چشم نگریستن، آنکھ کے پچھواڑے سے دیکھنا، اور لحظۃ کے معنی ایک بار دیکھنا۔ یہاں لحظہ سے مختصر سا وقت مراد ہے۔

خواہشات کے خلاف نئے نئے مجاہدے کیا کرتا تھا۔ لیکن کافر، منافق اور گنہگار جب نفس اور اس کی خواہشات کے خلاف مجاہدہ کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی متابعت اور شیطان کی موافقت کرتے ہوئے کفر و شرک(۱۳) اور ان کے علاوہ طرح طرح کے دوسرے افعالِ قبیحہ اور اخلاقِ ذمیمہ کا ارتکاب کرنے میں مشغول رہتے ہیں(۱۴) تو اللہ تعالےٰ انہیں آگ میں داخل کر دیتا ہے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: واتقوا النار التی اعدت للکٰفرین(۱۵)۔ پھر جب اللہ تعالےٰ انہیں آگ میں داخل کرے گا تو اسے کافروں کا مستقل ٹھکانا، جائے بازگشت اور ماوٰی(۱۶) بنا دے گا آگ ان کے گوشت اور کھال کو جلا دے گی تو اللہ تعالےٰ ان کے بدلے نیا گوشت اور کھال پہنا دے گا۔ جیسا کہ ارشادِ ربِ قدوس ہے:

---

(۱۳) کُفرِ ظاہر ہو یا کفرِ باطن، شرکِ خفی ہو یا شرکِ جلی۔

(۱۴) مَرَج کے معنی اختلاط و اضطراب کے ہیں بعض نسخوں میں اِنمَزَجُوا زا کے ساتھ ہے یعنی ایک چیز کو دوسری کے ساتھ ملانا۔ باہم ملنا اور مخلوط ہونا۔

(۱۵) تاکہ اس میں ہمیشہ رہیں۔ آگ دراصل کافروں کا مرکز و مقام ہے، انہی کے لیے تیار کی گئی ہے گنہگار اس میں داخل ہوں گے مگر ہمیشہ نہیں رہیں گے۔

(۱۶) اُمّ بمعنی ماں ہے یہاں بطریقِ تشبیہ تھکی ماوٰی اور لوٹنے کی جگہ مراد ہے جیسا کہ بچے کی بازگشت کی جگہ ماں ہوا کرتی ہے اسی طرح کفار و عصاۃ کے لوٹنے کی جگہ آگ ہوگی۔ قرآنِ حکیم میں ہے: فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ۔

كلما نضجت جلودهم بدّلناهم جلوداً غيرها انھیں یہ عذاب
اس لیے ہوگا کہ وُہ دنیا میں نفس و خواہشاتِ نفس کی موافقت اور خدا کی
نافرمانی کرتے تھے[17]۔ چنانچہ اہلِ جہنم کو درد و عذاب میں مبتلا رکھنے کے لیے ان
کے گوشت پوست کو تبدیل کیا جاتا رہے گا اور اہلِ جنّت کو ہر وقت تازہ اور
جدید نعمتوں سے نوازا جاتا رہے گا تاکہ ان کی لذات و خواہشات دوچند ہوں[18]
اس کا سبب مجاہدۂ نفس ہے جیسا کہ اہلِ ایمان کرتے ہیں اور موافقت نفس
ہے جیسا کہ کفار و نافرمانوں کا طریقہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
ارشادِ گرامی کا بھی یہی مفہوم ہے کہ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

---

(17) اور ہر روز بلکہ ہر آن نئے انداز اور جدید لباس میں شہوات و لذات کی
داد دیتے تھے اور عیش و عشرت کے عہد کو تازہ کرتے تھے۔

(18) جیسا کہ وہ اپنے تمام اوقات کو عبادت و طاعت اور ذکرِ حق سے
معمور رکھتے تھے آخرت کا ثواب و عذاب دنیا کی طاعت اور گناہ کے مطابق
ہوگا، جیسا کہ آگے بیان فرما رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جَزَاءً
وِّفَاقًا جیسے کو تیسا بدلہ۔ اور حدیث شریف میں ہے: کَمَا تَدِیْنُ
تُدَانُ (یہاں جو کرتے ہو وہاں پا لو گے) ؎

از مذاہب مذہب دہقاں خوش است اے مولوی!
مذہب دہقان چہ باشد ہرچہ کاری بدر دی
(اے مولوی! طریقوں میں سے دہقان کا طریقہ بہت ہی اچھا ہے
وہ اس طرح ہے کہ جو بوؤ گے وہی کاٹو گے)

اَلْمَقَالَةُ الثَّامِنَةُ وَالسِّتُّوْنَ

قَالَ رضی اللہ عنہ: اِذَا اَجَابَ اللّٰهُ عَبْدًا مَا سَاَلَهٗ وَاَعْطَاهُ مَا طَلَبَهٗ لَمْ يَنْخَرِمْ
بِذٰلِكَ اِرَادَتُهٗ وَلَا مَا جَفَّ بِهِ الْقَلَمُ وَسَبَقَ بِهِ الْعِلْمُ وَلٰكِنَّهٗ
يُوَافِقُ سُوَالَهٗ مُرَادَ رَبِّهٖ فِيْ وَقْتِهٖ فَتَحْصُلُ الْاِجَابَةُ وَقَضَاءُ
الْحَاجَةِ فِي الْوَقْتِ الْمَقْدُوْرِ وَقُدِّرَ لَهٗ فِي السَّابِقَةِ لِبُلُوْغِ الْقَدَرِ
وَقْتَهٗ كَمَا قَالَ اَهْلُ الْعِلْمِ فِيْ قَوْلِهٖ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ
اَيْ يَسُوْقُ الْمَقَادِيْرَ اِلَى الْمَوَاقِيْتِ فَلَا يُعْطِي اللّٰهُ اَحَدًا شَيْئًا
فِي الدُّنْيَا بِمُجَرَّدِ دُعَائِهٖ وَكَذٰلِكَ لَا يَصْرِفُ عَنْهُ شَيْئًا بِدُعَاءِ
الْمُجَرَّدِ وَالَّذِيْ وَرَدَ فِي الْحَدِيْثِ قِيْلَ الْمُرَادُ بِهٖ لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ
اِلَّا الدُّعَاءُ الَّذِيْ قُضِيَ اَنْ يَرُدَّ الْقَضَاءُ بِهٖ كَذٰلِكَ لَا يَدْخُلُ
اَحَدٌ الْجَنَّةَ فِي الْاٰخِرَةِ بِعَمَلِهٖ بَلْ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ لٰكِنَّهٗ يُعْطِي
الْعِبَادَ الدَّرَجَاتِ فِي الْجَنَّةِ عَلٰى قَدْرِ اَعْمَالِهِمْ وَقَدْ وَرَدَ فِيْ
حَدِيْثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّهَا سَاَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى
اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ يَدْخُلُ اَحَدٌ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهٖ

فَقَالَ لَا بَلْ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ فَقَالَتْ وَلَا اَنْتَ فَقَالَ وَلَا اَنَا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ
اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ وَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى هَامَتِهٖ وَذٰلِكَ لِاَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ
لَا يَجِبُ عَلَيْهِ لِاَحَدٍ حَقٌّ وَّلَا يَلْزِمُهُ الْوَفَاءُ بِالْعَهْدِ بَلْ يَفْعَلُ
مَا يُرِيْدُ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَيَغْفِرُ مَنْ يَّشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ
يَّشَاءُ وَيُنْعِمُ مَنْ يَّشَاءُ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ لَا يُسْاَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ
يُسْاَلُوْنَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ بِفَضْلِ رَحْمَتِهٖ وَمِنَّتِهٖ وَ
يَمْنَعُ مِنْ يَّشَاءُ بِعَدْلِهٖ وَكَيْفَ لَا يَكُوْنُ كَذٰلِكَ وَالْخَلْقُ
مِنْ لَّدُنِ الْعَرْشِ اِلَى الثَّرٰى الَّتِىْ هِىَ الْاَرْضُ السَّابِعَةُ السُّفْلٰى
مُلْكُهٗ وَصُنْعُهٗ لَا مَالِكَ لَهُمْ غَيْرُهٗ وَلَا صَانِعَ لَهُمْ غَيْرُهٗ وَقَالَ
اللّٰهُ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ وَقَالَ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ وَقَالَ
هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا وَقَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ
مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَ
تُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝
اِلٰى قَوْلِهٖ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

مقالہ ۶۸

خدا تعالیٰ ہر آن نئی شان

حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اللہ تعالےٰ بندے کے سوال کو پورا کر کے طلب کردہ چیز عطا فرما دیتا ہے اس سے نہ خدا کا ارادہ تبدیل ہوتا ہے نہ قسمت میں فرق آتا ہے جیسے لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے اور اس پر علمِ خداوندی سبقت کر چکا ہے[1] لیکن مقررہ وقت پر بندے کا سوال اللہ تعالےٰ کے ارادے کے موافق ہو جاتا ہے تو اسے اجابتِ دُعا اور قضاءِ حاجت کے لیے پہلے سے مقررہ وقت کے پہنچنے پر دُعا قبول اور حاجت پُوری ہو جاتی ہے[2] جیسا کہ علماء نے اللہ تعالےٰ کے اس قول کی تشریح

---

(۱) یعنی یہ بات نہیں کہ اللہ تعالےٰ ازل میں بندے کے سوال و دعا کے خلاف دینا چاہتا ہے۔

(۲) **قبولیتِ دُعا کی مختلف صُورتیں** تقدیر میں یہ بھی لکھا جا چکا ہے فلاں شخص فلاں وقت فلاں چیز طلب کرے گا تو طلب کے بعد فلاں وقت وہ چیز اسے

میں فرمایا ہر روز یعنی ہر وقت وہ نئی شان میں ہے یعنی تقادیر کو ان کے اوقاتِ مقررہ پر چلاتا ہے[۳]۔ چنانچہ جس طرح کسی بندے کو صرف اس کی دعا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کوئی چیز عطا نہیں فرماتا اسی طرح محض دعا کے ذریعے

مل جائے گی۔ اگر بالفرض بندہ اس چیز کے وقوع کے وقت سے پہلے یا بعد اس کے وقوع کی طلب کرتا ہے تو یہ طلب پوری نہیں ہوتی لیکن تقدیر میں اس کا سوال اس وقت تھا اگر اس کا سوال مقبول نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سوال تو مقدر میں تھا مسئول مقدر میں نہیں تھا لیکن تقدیر میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ مسئول کی مثل دنیا میں مل جائے یا آخرت میں اس کا ثواب پائے گا، یا دعا کے مطابق اس سے مصیبت اُٹھالی جائے گی جیسا کہ وارد ہے اس کی بارگاہ میں کوئی سوال ضائع اور مردود نہیں ہوتا۔ لہذا ہر چیز اس کے ارادہ وتقدیر کے دائرہ کے اندر ہے بعض حضرات کے اس قول کا بھی یہی مفہوم ہے وہ کہتے ہیں ارادہ مراد کے تابع ہوتا ہے اور علم معلوم کے۔ بالجملہ تقادیر کے وقوع کے لیے اوقات متعین ومقرر ہیں۔

(۳) **دو آیتوں میں تطبیق** یعنی اللہ تعالیٰ کا علم وارادہ ازلی ہے لیکن معلوم ومراد کا وقوع لایزال میں اوقاتِ معینہ پر ہوگا جن کا تعین اللہ تعالیٰ کے علم وارادہ میں ہو چکا ہے اور آیۂ کریمہ یمحو اللہ ما یشاء ویثبت کا جس محو واثبات کی طرف اشارہ ہے وہ بھی اوقات کے حدوث ووقوع کے اعتبار سے ہے اور آیۂ کریمہ ما یبدل القول لدیّ کا تعلق علم وارادہ کے ساتھ ہے۔

کسی چیز کو رد بھی نہیں فرماتا۔[۴]

ایک شبہ کا ازالہ حدیث شریف میں ہے کہ قضا کو صرف دعا ہی ٹال سکتی ہے[۵]۔ اس کی توجیہ میں کہا جائے گا اس سے مراد یہ ہے کہ قضا کو وہ دعا ہی رد کر سکتی ہے جس کے متعلق قضا میں فیصلہ ہو چکا ہے کہ اس دعا کے ساتھ قضا رد کر دی جائے گی[۶]۔ اور اس

---

(۴) بلکہ یہ عطائے محض اور ارادۂ ازلی کی بنا پر ہے کہ عالم لایزال میں بندے کے سوال ودعا کے بعد اس کا وقوع ہوگا۔ اس اعتبار سے اگر کسی سببِ عادی کو ان کے لیے ثابت کیا جائے تو جائز ہے مگر اسے علت نہیں بنا سکتے۔ شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ "کتاب الحکم" میں فرماتے ہیں کَیْفَ یَکُوْنُ طَلَبُکَ اللَّاحِقُ سَبَبًا فِیْ عَطَائِهِ السَّابِقِ یعنی حق تعالیٰ کی قسمت وعطا ازلی اور سابق ہے اور بندے کی دُعا وسوال حادث ولاحق ہے لاحق سابق کا اور حادث قدیم کا سبب نہیں بن سکتا۔

شیخ واسطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: قسمتیں ازل میں لکھی جا چکی ہیں اور صفتیں روزِ ازل سے جاری ہو چکی ہیں انھیں اعمال اور کوششوں کے ذریعے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

(۵) حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ارادہ ٹوٹتا نہیں اور مقدر تبدیل نہیں ہوتا جب کہ حدیث شریف میں وارد ہے: لَا یَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ (قضا کو صرف دعا ہی ٹال سکتی ہے)

(۶) **قضا معلق اور مبرم میں فرق** یہ قضا معلق ہے اس میں حکم دیا گیا ہے کہ اگر یہ آدمی

[7] طرح اپنے عمل کے ذریعے کوئی شخص آخرت میں جنت میں داخل نہیں ہو گا بلکہ

دُعا کرے گا تو ایسا ہو گا ورنہ نہیں۔ لہذا قضا اور رد قضا میں منافات نہیں ہے بلکہ یہ اس طرح ہونا چاہیے کیونکہ قضا میں اسی طرح ہے اور رد قضا کا اطلاق ظاہر کے اعتبار سے ہے نہ کہ حقیقت کے اعتبار سے۔ اکثر دنیاوی کاموں میں جو قضا اسباب و شروط کے ساتھ مربوط و معلق ہے وہ اس طرح کی قضا ہے جب کہ قضا مبرم کسی چیز کے ساتھ معلق نہیں ہے اور اس کے رَد میں دعا تاثیر بھی نہیں رکھتی لہذا مفروغ عنہ (جن سے فراغت ہو چکی ہے) امور میں دعا ممنوع ہے جیسا کہ رزق کی ضمانت، بعثتِ انبیاء، قیامِ قیامت مومنوں کا جنت میں اور کافروں کا دوزخ میں داخلہ اور اس طرح کے دُوسرے احکام۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے اللہ تعالیٰ نے ردِ قضا کے اسباب عادیہ سے قرار دیا ہے جیسے جلانے کے لیے آگ، سیر ہونے کے لیے طعام۔ اسی طرح حکم دیا ہے کہ اگر کسی نے ادب و شرائط کی پابندی کے ساتھ دعا کی تو اس سے قضا پھیر دی جائے گی۔ اس طرح دعا کی سببیت قضا کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بھی اس کی قضا ہے اور قضا تمام امور کو شامل ہے۔

اعتراض: اس طرح تو ردِ قضا دُعا کے ساتھ مخصوص نہیں رہے گا بلکہ جس امر کے ساتھ قضا معلق ہو گی وہ قضا کو رد کر سکتی ہے؟

جواب: جس طرح تم کہتے ہو وہ درست ہے یہ معنی دعا کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں لیکن دعا کی فضیلت بیان کرنے اور اس کی ترغیب دلانے کے لیے تخصیص کے ساتھ دعا کا ذکر کیا گیا ہے، مذکورہ حدیث کی

جنت میں ہر شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے داخل ہو گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ آدمیوں کو ان کے اعمال کے مطابق جنت میں درجات عطا کرے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کوئی آدمی محض اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل ہو گا؟ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ محض اللہ کی رحمت میں داخلِ بہشت ہو گا۔ عرض کیا آپ بھی؟ [8] فرمایا: ہاں، میں بھی اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گا جب تک رحمت خداوندی مجھے ڈھانپ نہ لے، یہ فرما کر آپ نے اپنا ہاتھ سر پر رکھ لیا۔ [9] محض اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہونے کا مستحق

مشہور توجیہ یہی ہے۔ بعض علماء نے اور بھی توجیہیں بیان کی ہیں:

(۱) کہ اس حدیث میں قضا سے مراد امر مکروہ ہے۔ بندے کو جس کے نزول کا خطرہ ہوتا ہے اور جب وُہ توفیقِ الٰہی سے دُعا کرتا ہے تو وہ امرِ مکروہ دُور کر دیا جاتا ہے اسے مجازاً کہہ لیتے ہیں۔

(۲) اس سے مراد حقیقتاً قضا ہے اور ردِ قضا سے مراد قضا کو آسان کرنا ہے گویا کہ یہ نازل ہی نہیں ہوئی یہ جواب پہلے جواب سے ملتا جلتا ہے کہ قضا تمام کو شامل ہے اسے سمجھ لو۔

(۷) جس طرح ہر چیز قضائے الٰہی ہے اور دُعا جس میں فعلِ عبد کا دخل بھی ہے اس کی قضا سے متعلق ہے۔

(۸) اس قدر عظیم و رفیع اعمال کے ہوتے ہُوئے بھی۔

(۹) امر الٰہی کے قبول و تعظیم اور رحمتِ خداوندی کے احسان کے اظہار کے لیے سر پر ہاتھ رکھا جیسا کہ لوگ بالراس والعین کہتے ہوئے سر پہ ہاتھ رکھ

نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ واجب تعالیٰ پر کسی کا حق لازم نہیں ہے(۱۰) نہ ہی اس کے لیے وعدہ کی تکمیل ضروری ہے(۱۱) بلکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جسے چاہے معاف فرماتا اور رحم کرتا اور انعام سے نوازتا ہے

لیتے ہیں : ؎

منکہ باشم کہ بر آن خاطر عاطر گزرم
لطفہا میکنی اے خاک درت تاج سرم

(میں کون ہوں کہ اس معطر دل پر میرا گزر ہو یہ تو محض اس کا
لطف وکرم ہے جس کے در کی مٹی میرے سر کا تاج ہے)

(۱۰) کیونکہ اس کی نعمات وعطیات بیحد و بے حساب ہیں اور بندوں کے افعال و اعمال سب اس کی قدرت و توفیق سے ہوتے ہیں۔

(۱۱) کیونکہ اس کی ذات بے پرواہ ہے، غنا ذاتی اس کی صفت ہے اگرچہ وہ محض اپنے فضل وکرم سے بندوں کے امور کا ضامن ہے اور اس نے ان کے کام اپنے ذمے لے لئے ہیں مثلاً دنیا میں رزق پہنچانا اور آخرت میں ثواب سے نوازنا۔ لیکن یہ چیز اس پر لازم نہیں ہے اور وہ نہ کرے تو کوئی اعتراض لازم نہیں آتا ؎

کردگار آن کند کہ خود خواہد
حکم بر کردگار نتواں کرد

(اللہ تعالےٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر
کسی کا حکم نہیں چل سکتا)

وہ جو چاہے کرے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کرسکتا(۱۲) اور بندوں سے سوال کیا جاتا ہے(۱۳)۔ جسے چاہے وفورِ رحمت واحسان سے بے حساب رزق عطا کرتا ہے اور جسے چاہے اپنے انصاف کے ذریعے دونوں جہانوں میں کچھ نہیں دیتا(۱۴)۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ تمام کائنات میں عرش بریں سے لے کر

---

(۱۲) کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ کہے یہ کیوں کیا ہے؟ کیسے کیا ہے؟ اس لیے کہ اس کی ربوبیت کی دلیل بہت قوی ہے۔

(۱۳) اس لیے کہ ان کی عبودیت ثابت ہے۔

(۱۴) کیونکہ حقوق اللہ کی ادائی میں بندوں سے اس قدر ظلم وتقصیر واقع ہوتی ہے کہ اگر وہ حساب وعدل پر آئے تو تمام عذاب ونکال کے مستحق ٹھہریں اور عبودیت وربوبیت کا حق اس قدر ہے کہ ظاہر وباطن میں اپنے پورے جسم وجان کو اس کی نعمتوں کی شکر گزاری میں صرف کردیں۔ ایک لمحہ بھی خدمت میں کوتاہی اور یادِ حق سے غفلت نہ ہو ؎

(ا) کسے کو غافل از حق یکزمان ست
در آندم کافرست اما نہانست

(اا) اگر آن غفلتش پیوستہ بودے
در اسلام بروے بستہ بودے

(ا) جو شخص چند لمحے اللہ تعالےٰ کی یاد سے غافل ہوگا وہ اُس گھڑی اندرونی طور پر کافر ہوگا۔

(اا) اگر یہ غفلت مسلسل طاری رہی تو اس پر درِ اسلام بند ہوجائیگا، یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ درگزر فرماتا ہے، گرفت نہیں کرتا)

زمین کے ساتوں طبقوں کے نیچے تحت الثریٰ تک کی تمام مخلوق اسی کی ملک ہے اور اسی کی بنائی ہوئی ہے ان سب چیزوں کا خالق و مالک اس کے سوا کوئی نہیں۔ خالقِ اکبر خود فرماتا ہے، کیا خدا کے سوا کوئی خالق ہے؟ نیز فرماتا ہے، کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ ایک اور مقام پر فرمایا کیا تو اللہ کے کسی (شریک) کو جانتا ہے جو اس کا ہمنام ہو(۱۵)۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: (اے حبیبؐ) یوں عرض کر! اے ملک کے مالک اللہ تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ تو دن کا حصہ رات میں ڈالے اور رات کا حصہ دن میں ڈالے اور مردہ سے زندہ نکالے اور زندہ سے مردہ نکالے اور جسے چاہے بے حساب دے۔

---

(۱۵) یہ بات قدرتِ باری تعالیٰ کے غرائبات سے ہے کہ اس کے سوا کسی کا نام اَللّٰہ نہیں رکھا گیا حتیٰ کہ مشرکین بتوں کو اِلٰہ کہتے تھے اللّٰہ نہیں کہتے تھے فرعون نے اَنَا رَبُّکُمْ تو کہا لیکن اَنَا اللّٰہُ نہیں کہا۔ بعض اہلِ عرفان و توحید نے بھی اس قسم کی بات کہی ہے لیکن کسی نے اَنَا اللّٰہُ نہیں کہا کیونکہ اس میں سلطانِ احدیت اور برہانِ الوہیت کا اس قدر ظہور ہے کہ اس مکابرہ والتباس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

اَلْمَقَالَةُ التَّاسِعَةُ وَالسِّتُّوْنَ

قَالَ رضی الله عنه لَا تَطْلُبَنَّ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ شَيْئًا سِوَى الْمَغْفِرَةِ لِلذُّنُوْبِ
السَّالِفَةِ وَالْعِصْمَةِ مِنْهَا فِي الْاَيَّامِ الْاٰتِيَةِ وَاللَّاحِقَةِ وَ
التَّوْفِيْقِ لِحُسْنِ الطَّاعَةِ وَامْتِثَالِ الْاَمْرِ وَالْاِنْتِهَاءِ عَنِ
النَّوَاهِيْ وَالرِّضَاءِ بِمُرِّ الْقَضَاءِ وَالصَّبْرِ عَلٰى شَدَائِدِ الْبَلَاءِ
وَالشُّكْرِ عَلٰى جَزِيْلِ النَّعْمَاءِ وَالْعَطَاءِ ثُمَّ الْوَفَاتِ بِخَاتِمَةِ
الْخَيْرِ وَاللُّحُوْقِ بِالْاَنْبِيَاءِ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَ
الصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيْقًا وَلَا تَطْلُبْ مِنْهُ الدُّنْيَا وَلَا
كَشْفَ الْفَقْرِ وَالْبَلَاءِ اِلَى الْغِنَاءِ وَالْعَافِيَةِ بَلِ الرِّضَاءَ
بِمَا قَسَمَ وَدَبَّرَ وَاسْاَلْهُ الْحِفْظَ الدَّائِمَ عَلٰى مَا اَقَامَكَ
فِيْهِ وَاَحَلَّكَ وَابْتَلَاكَ اِلٰى اَنْ يَّنْقُلَكَ مِنْهُ اِلٰى غَيْرِهٖ وَضِدِّهٖ
لِاَنَّكَ لَا تَعْلَمُ الْخَيْرَ فِيْ اَيِّهِمَا فِي الْفَقْرِ اَوْ فِي الْغِنَاءِ فِي الْبَلَاءِ
اَوْ فِي الْعَافِيَةِ طَوٰى عَنْكَ عِلْمَ الْاَشْيَاءِ وَتَفَرَّدَ هُوَ بِمَصَالِحِهَا
وَمَفَاسِدِهَا وَقَدْ وَرَدَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ قَالَ
لَا اُبَالِيْ عَلٰى اَيِّ حَالٍ اُصْبِحُ عَلٰى مَا اَكْرَهُ اَوْ عَلٰى مَا اُحِبُّ
لِاَنِّيْ لَا اَدْرِيْ الْخَيْرَ فِيْ اَيِّهِمَا قَالَ ذٰلِكَ لِحُسْنِ رِضَاهُ بِتَدْبِيْرِ

اللّٰہِ تعالیٰ والطمانیۃ علی اختیارہ وقضائہ عزوجل قال اللّٰہ
تعالیٰ کُتِبَ علیکم القتال وھو کرہ لکم وعسیٰ ان تکرھوا
شیئاً وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم واللّٰہ
یعلم وانتم لا تعلمون کن علیٰ ھذا الحال الیٰ ان یزال ھواک وتنکسر
نفسک فتکون ذلیلۃً مغلوبۃً تابعۃً ثم تزول ارادتک
وامانیک وتخرج الاکوان من قلبک ولا یبقیٰ فی قلبک شیء
سوی اللّٰہ تعالیٰ فیمتلی قلبک لحب اللّٰہ وتصدق ارادتک
فی طلبہ فیرد الیک الارادۃ بامرہ بطلب حظ من الحظوظ
دنیویۃ واخرویۃ فحِ تسئلہ عزوجل ذلک وتطلبہ
ممتثلاً لامرہ وموافقاً لہ ان اعطاک شکرتہ وتلبست
بہ وان منعک لم تتسخط علیہ ولم تتغیر فی باطنک ولا
تتھمہ فی ذلک لانک لم تکن طلبتہ بھواک وارادتک لانک
فارغ القلب عن ذلک غیر مرید لہ بل ممتثلاً لامرہ بالسؤال
والسلام۔

مقالہ ۶۹

خدا سے مغفرت طلب کرو

حضرت شاہِ جیلان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے صرف یہ چاہو(۱) کہ گزشتہ گناہ بخشے جائیں موجودہ اور آئندہ دنوں میں گناہوں سے محفوظ رہیں۔ حُسنِ طاعت، تعمیلِ حکم نافرمانی سے بچنے، نفس وطبیعت کے خلاف قضا وقدر کی تلخی پر راضی رہنے، بلاؤں کی شدت پر صبر کرنے، رحمتوں اور عطاؤں پر شکر کرنے پھر خاتمہ بالخیر ہونے کی اُمید اور انبیاء و صدیقین شہداء وصالحین کی مصاحبت ورفاقت جو کہ بہت اچھی ہے، مانگو۔ اللہ تعالیٰ سے دُنیا طلب نہ کرو(۲)۔ عافیت وتونگری مانگتے ہوئے فقر(۳) و بلا(۴) سے

---

(۱) جب اللہ تعالیٰ سے طلب وسوال مطلوب ومسؤل کو ثابت کرتے ہیں تو اس لیے بیان فرماتے ہیں کہ مطلوب کیا ہونا چاہیئے۔

(۲) جو تمہارے دین میں مددگار ثابت نہ ہو اور اس کے قیام وثبات کا سبب نہ بنے۔

(۳) وہ فقر جو دین میں خلل انداز نہ ہو اور کفر ومعصیت کا باعث نہ بنے۔

(۴) وہ بلا جو جزع وفزع اور رضا سے ناراضی کا موجب نہ ہو۔

نجات نہ چاہو بلکہ خدا کی تدبیر کے مطابق قسمت میں لکھے ہوئے پر رضا کے طالب بنو، جس حال میں رکھا ہے اور جس مصیبت میں مبتلا کیا ہے اس پر اس وقت تک دائمی حفاظت کا سوال کرو جب تک خدا تمہیں موجودہ حال کے برعکس مخالف حال کی طرف نہ لوٹا دے(۵)۔ کیونکہ تمہیں معلوم نہیں کہ بھلائی کس بات میں ہے، فقر میں ہے یا غنا میں، بلا میں ہے یا عافیت میں۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے اشیاء کے احوال کی حقیقت کا اور صلاح و فساد کا علم پوشیدہ رکھا ہے، اللہ تعالیٰ ہی ان کی مصلحتوں اور مضرتوں کو بہتر جانتا ہے(۶)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں کہ میری صبح کس حال میں ہوگی، اس حال میں جو مجھے ناپسند ہے یا ایسے حال میں جو پسند ہے اس لیے کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ میری بہتری کس میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کی وجہ یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی تدبیر پر حسنِ رضا اور اس کی قضا و اختیار پر آرام و قرار کی نعمت سے مالا مال تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

(۵) تمہیں اپنے اختیار و تدبیر سے اس موجودہ حال سے باہر نکلنے کا ارادہ نہیں کرنا چاہیئے اور اپنی نفسی خواہش کے پیشِ نظر کوئی تدبیر و تفکر نہیں کرنا چاہیئے۔

(۶) اس میں اللہ تعالیٰ کی کئی حکمتیں پنہاں ہیں مثلاً اس کی ربوبیت کے سطوت و غلبہ کی بقا بندے کا افتقار و انکسار، اپنے اکساب و اعمال پر اعتماد اور تقصیر و کوتاہی کی صورت میں مایوس نہ ہونا وغیرہ۔

اس لیے تمہیں چاہیئے اس وقت تک اس مذکورہ(۸) حال پر قائم رہو جب تک تمہاری خواہشیں ختم نہ ہو جائیں۔ تمہارا نفس شکستہ ہو کر ذلیل، مطیع اور مغلوب نہ ہو جائے(۹) پھر تمہارا ارادہ اور خواہشیں مٹ نہ جائیں اور تمام کائنات اور اس کے تعلقات تمہارے دل سے نکل نہ جائیں، اور تمہارے دل میں خدا کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہے پھر تمہارا دل محبت الٰہی سے لبریز ہو جائے گا۔ طلبِ خدا میں تمہارا ارادہ صادق قرار پائیگا(۱۰)

---

(۷) شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بندہ فقر و گمنامی اور مصیبت کو مکروہ جانتا ہے حالانکہ یہ چیزیں قیامت کے روز مفید ثابت ہوں گی اور اس کے برعکس غنا و شہرت اور مال و عافیت کو پسند کرتا ہے ممکن ہے کہ یہ چیز انجام کے اعتبار سے بدتر ثابت ہو۔ اَسْبَغَ عَلَيْهِ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً کے معنی کرتے ہیں اس سے مراد بلیات ہیں جو کہ آخرت کی نعمتیں ہیں لہٰذا بندے کو مولا کریم کی طرف سے جو کچھ ملتا ہے وہ سب نعمت ہے۔

(۸) یعنی طاعت و عبادت، صبر و شکر، تسلیم و رضا اور ترکِ تدبیر کا حال۔

(۹) تاکہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی مخالفت ترک کر دے جیسا کہ نفسِ مطمئنہ کی صفت ہے۔

(۱۰) دنیا و آخرت کی کوئی چیز اس کے خیمۂ دل کے گرد نہ گھومے گی اور اخلاصِ حقیقی حاصل ہو جاتے گا۔

حکمِ خداوندی سے دُنیا و آخرت کے حصوں سے اپنا حصہ طلب کرنے کا ارادہ تمہاری طرف لوٹا دیا جائے گا(۱۱) اور تم امرِ خداوندی کی اتباع و

حقیقتِ طلب

بزرگ فرماتے ہیں حقیقتِ طلب یہ ہے کہ ایک بات پر تمام عقلاء متفق ہوں کہ یہ محال امر ہے اور اس کے میسر ہونے کی کوئی صورت نہ ہو تو طالب ان کی گفتگو پر توجہ نہ دے اور جستجو سے پیچھے نہ ہٹے اگر یہ حال ہے تو طلب ہے ورنہ ہوس سے زائد اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مثنوی

(i) ایں طلبگاری عجائب جنبشی
ایں طلب در راہِ حق مانع کشی

(ii) ایں طلب مفتاحِ مطلوبات ست
ایں نشانِ دولت و آیات ست

(iii) ایں طلب ہمچوں فروسی در صباح
میکند افغاں کہ مے آید صباح

(i) یہ طلبگاری عجیب جنبش ہے یہ راہِ حق کے مانع کی قاتل ہے۔
(ii) یہ معلومات کی کنجی اور دولت و آیات کی نشانی ہے۔
(iii) یہ طلبِ مُرغ کی مانند ہے جو صبح کی نموداری کے لیے آہ و فغاں کرتا ہے۔

اگر اس کا خالص و صادق ارادہ اور جہت و وحدت متحقق ہو گئی تو فنائے کامل حاصل ہے۔

(۱۱) بعض نسخوں میں بِاَمْرِہٖ کی بجائے یَاْمُرُکَ ہے کہ اللہ تعالیٰ دیگر اولیاء کی طرح مجھے اپنا لینے کا باطنی امر فرمائے گا۔

موافقت میں اپنا حصہ طلب کرو گے اگر وہ تمہیں عطا کرے تو شکر کے ساتھ قبول کرو گے اور اگر نہ دے گا تو تم اپنے رب سے ناراض نہیں ہو گے۔ تمہارے باطن میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی اور اس سلسلہ میں تم اللہ تعالیٰ پر بخل وغیرہ نامناسب بات کی تہمت نہیں لگاؤ گے اس لیے کہ تم نے اپنے ارادہ و خواہش سے کچھ بھی طلب نہیں کیا کیونکہ تمہارا دل ان سے بالکل خالی ہو چکا ہے بلکہ تم نے تو صرف حکمِ خداوندی بجالانے کے لیے طلب کیا ہے۔ والسلام(۱۲)

---

(۱۲) اپنی خواہش سے کنارہ کشی کرنے والے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے پر سلام ہو۔

شیخ ابن عطاء اللہ کی حکایت

اللہ تعالیٰ جس مقام پر ٹھہرائے وہیں قیام کرنا ایک مقام ہے

جہاں ٹھہرنا بندے پر واجب ہے اس کی شرط یہ ہے اللہ تعالیٰ جب تک یہاں ٹھہرائے وہاں سے ذاتی خواہش کے تحت نکلنے کی آرزو نہ کرے اور جب تک خود رب العزت نہ نکالے وہاں سے نہ نکلے صبر سے کام لے۔ شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف "تنویر فی اسقاط التدبیر" میں فرماتے ہیں ایک دن مجھ پر وقت بہت تنگ ہو گیا میں نے اپنے آپ سے کہا کہ کب تک علمِ فقہ اور قیل و قال میں مشغول رہوں گا اس کی بجائے خلوت میں ذکر و فکر میں مشغول ہو جاؤں تو بہتر ہے۔ اسی خیال سے حضرت شیخ ابو العباس مرسی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ میرے دلی ارادہ پر بطور کشف مطلع ہو کر فرمانے لگے میں تو مسلمان بنانے کی بہت کوشش کرتا ہوں لیکن تم مسلمان نہیں بن رہے۔ تم غلام ہو تمہیں اس بات سے کیا سروکار کہ علمِ فقہ سے ہٹ کر

گوشہ نشینی اختیار کرو اور کہو کہ میں یہ کام کرتا ہوں اور وہ نہیں کرتا۔ اپنا اختیار چھوڑ کر اختیارِ حق اپنالو۔ وہ چاہے گا تو اس مقام سے نکال دے گا ورنہ قُمْ حَیْثُ اَقَامَکَ جہاں ٹھہرائے ٹھہرے رہو۔ آپ کی اس گفتگو کے بعد میرے دل کا خیال جاتا رہا اور مجھے سکون حاصل ہو گیا۔ کسی مقام پر خدا تعالیٰ سے ٹھہرانے کی نشانی یہ ہے کہ آدمی شریعت کے اس کام کے حقوق و آداب کی پابندی کرتا ہے اور حق تعالےٰ کی مرضی کے مطابق کام کرتا ہے۔ اور اگر حقوق شرع میں خلل و اہمال واقع ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ خدا کی مرضی کے مطابق نہیں ہے۔ اس صورت میں حکمِ خداوندی کے مطابق یہاں سے نکلنے کا ارادہ کرے مگر مضطرب نہ ہو اور اپنی قدرت کی طرف استناد و استبداد نہ کرے نہ ہی اپنے حول و قوت کا دعویٰ کرے اور ہر حال میں اپنے معاملات خدا کو سونپ دے اور اس تقدیر پر پہلے سے ملتا جلتا کام شروع کرے مثلاً کھیتی باڑی سے تنگ آجائے تو تجارت شروع کرے اور اگر تجارت بھی مولیٰ کریم کی مرضی کے موافق نہ ہو تو اس سے ملتا جلتا پیشہ شروع نہ کرے تاکہ خروج کم تر ہو واللہ اعلم۔

اَلْمَقَالَةُ السَّبْعُوْن

قَالَ رضی اللہ عنہ كَيْفَ يَحْسُنُ مِنْكَ الْعُجْبُ فِي اَعْمَالِكَ وَرُؤْيَةُ نَفْسِكَ فِيْهَا وَطَلَبُ الْاَعْوَاضِ عَلَيْهَا وَجَمِيْعُ ذٰلِكَ بِتَوْفِيْقِ اللهِ وَعَوْنِهٖ وَقُوَّتِهٖ وَاِرَادَتِهٖ وَفَضْلِهٖ وَاِنْ كَانَ تَرْكُ مَعْصِيَةٍ فَبِعِصْمَتِهٖ وَحِفْظِهٖ وَحِمْيَتِهٖ اَيْنَ اَنْتَ مِنَ الشُّكْرِ عَلٰى ذٰلِكَ وَالْاِعْتِرَافِ بِهٰذِهِ النِّعَمِ الَّتِيْ اَوْلَاكَهَا مَا هٰذِهِ الرُّعُوْنَةُ وَالْجَهْلُ تُعْجَبُ بِشَجَاعَةِ غَيْرِكَ وَسَخَاهُ وَبَذْلِهٖ لِمَالِهٖ اِذَا لَمْ تَكُنْ قَاتِلًا لِعَدُوِّكَ اِلَّا بَعْدَ مُعَاوَنَةِ شُجَاعٍ ضَرَبَ فِيْ عَدُوِّكَ ثُمَّ اَتْمَمْتَ قَتْلَهٗ لَوْلَاهُ كُنْتَ مَصْرُوْعًا مَكَانَهٗ وَبَدَلَهٗ وَلَا بَاذِلًا لِبَعْضِ مَالِكَ اِلَّا بَعْدَ ضَمَانِ صَادِقٍ كَرِيْمٍ اَمِيْنٍ ضَمِنَ لَكَ عِوَضَهٗ وَخَلَفَهٗ وَلَوْلَا قَوْلُهٗ وَطَمَعُكَ فِيْمَا وَعَدَ لَكَ وَضَمِنَ لَكَ مَا بَذَلْتَ حَبَّةً مِنْهُ كَيْفَ تُعْجَبُ بِمُجَرَّدِ فِعْلِكَ اَحْسَنُ حَالِكَ الشُّكْرُ وَالثَّنَاءُ عَلَى الْمُعِيْنِ وَالْحَمْدُ الدَّائِمُ وَاِضَافَةُ ذٰلِكَ اِلَيْهِ فِي الْاَحْوَالِ كُلِّهَا اِلَّا الشَّرَّ وَالْمَعَاصِيَ وَاللَّوْمَ فَاِنَّكَ تُضِيْفُهَا اِلٰى نَفْسِكَ وَتَنْسِبُهَا اِلَى الظُّلْمِ وَسُوْءِ الْاَدَبِ وَتَتَّهِمُهَا بِهٖ فَهِيَ اَحَقُّ بِذٰلِكَ لِاَنَّهَا مَاْوٰى لِكُلِّ شَرٍّ وَاَمَّارَةٌ بِكُلِّ سُوْءٍ وَدَاهِيَةٍ وَاِنْ كَانَ هُوَ عَزَّ وَجَلَّ خَالِقَكَ وَخَالِقَ اَفْعَالِكَ مَعَ كَسْبِكَ اَنْتَ الْكَاسِبُ وَهُوَ الْخَالِقُ كَمَا قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ بِاللهِ عَزَّ وَجَلَّ يَجِيْءُ وَلَا بُدَّ مِنْكَ وَقَوْلُهٗ اِعْمَلُوْا وَقَارِبُوْا وَسَدِّدُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ۔

مقالہ ۷۰

شکر اور اعترافِ قصور

حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: تمہاری اپنے اعمال میں خود بینی، اپنے نفس کو پیشِ نظر رکھنا اور اعمال پر معاوضہ طلب کرنا کیسے اچھا ہو سکتا ہے؛ جبکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق و امدادِ خداوندی، قوتِ ایزدی اور ارادۂ الٰہی کی وجہ سے ہیں۔ اگر تمہارا گناہ چھوڑنے کا سبب بھی اس کی نگہبانی اور حفاظت وحمایت ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو نعمتیں عطا کی ہیں ان کے اعتراف و شکر گزاری سے مفر کیوں؟[۱] یہ رعونت اور جہالت کیسی کہ غیر کی شجاعت و

(۱) یعنی ان نعمتوں کی پہچان اور حقِ شکر گزاری ادا کرنے سے تم اس قدر دُور کیوں ہو گئے ہو، یہ بات بہت تعجب خیز ہے۔

عجب و خود پسندی زائل کرنے کا طریقہ

عجب زائل کرنے کا ذریعہ

اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچاننا، احسان مند ہونا اور شکر بجا لانا ہے تاکہ نفس خود بینی کے گڑھے میں نہ گرے۔

سخاوت اور اس کا مال خرچ کرنے پر عُجب و خود پسندی کا شکار ہو رہے ہو[۲] جبکہ تم غیر کی معاونت کے بغیر اپنے دشمن کو قتل نہیں کر سکتے پہلے اس شجاع نے زخمی کیا پھر تم قتل کرنے کے قابل ہوئے اگر وہ شجاع مرد تمہارا معاون نہ ہو تو تم اپنے دشمن کی بجائے خود شکست کھا جاتے اور قتل ہو جاتے، اگر صادق و کریم اور امین کی ضمانت نہ ہوتی جس نے پہلے بدلہ دینے کی ضمانت دی ہے تو تم اپنی قلیل دولت خرچ نہ کر سکتے، اگر ضامن کا قول نہ ہوتا اور اس کے عہد وضمان پر تمہیں لالچ نہ ہوتا تو تم اس مال سے ایک پیسہ بھی خرچ نہ سکتے پھر اپنے فعل پر خود بینی کیسی[۳]؛ تمہارا

(۲) یعنی تمہارا حال اس آدمی کی طرح ہو رہا ہے جو غیر کی شجاعت و دلیری پر ناز کرتا ہوا مقابلہ کرتا ہے، یعنی تمہارے اعمال اللہ تعالیٰ کی توفیق و امداد سے ہیں تو تم کس بات پر نازاں ہو اور خود بینی میں مبتلا ہو۔ آگے اس تمثیل کی وضاحت فرما رہے ہیں۔

(۳) اور یہ غرور کیسا کہ تم نے محض اپنے کسب و فعل سے یہ کام کیا ہے یعنی تمہارا عمل اللہ تعالیٰ کے اسباب و آلات کے پیدا کرنے اور اس کی توفیق تیسیر کا رہینِ منت ہے۔ یہ اعمال خدا کی مخلوق ہیں اور اس کی قدرت سے تعلق رکھتے ہیں اور تمہاری طرف سے صرف قصد اور حرکت ہے جسے فعل و کسب کہتے ہیں۔ جس اختیار کو بندے کے لیے ثابت کرتے ہیں وہ صرف اسی قدر ہے اور فعل کے تمام مبادی اللہ عزوجل کی طرف سے ہی ہیں۔ اس میں تمہارا کوئی اختیار نہیں ہے۔ تمثیل مذکورہ میں جس شجاع کا ذکر ہے کہ اس نے اولاً غنیم پر ضرب کاری لگائی پھر تم نے اسے قتل کیا یہ بندے کے اس قصد و کسب کی طرف اشارہ ہے، اور جس طرح سنتِ الٰہیہ جاری ہے کہ بندے سے قصد کے بعد قدرتِ باری تعالیٰ کا فعل کے ساتھ تعلق ہوتا ہے

بہترین حال یہی ہے کہ تم ہر حال میں مددگار و توفیق دہندہ کا شکر ادا کرتے رہو، اور ہمیشہ اس کی حمد وثنا میں مصروف رہو اور اپنے اعمال کو اس سے منسوب کرو(۴) البتہ شر، معاصی، ملامت کی نسبت اپنے نفس سے رکھو اور اپنے نفس کو ظلم، سوءِ ادبی کی طرف منسوب کرتے ہوئے اسے متہم رکھو اس لیے کہ یہ اس کا مستحق ہے کیونکہ یہ ہر برائی اور سخت و دشوار کام کا حکم دیتا ہے اگرچہ تمہارے کسب، وجود اور تمہارے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور تم کاسب و فاعل ہو جیسا کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ فعل تخلیقِ خدا اور کسبِ بندہ ہے(۵) اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا

اور اللہ تعالیٰ وہ چیز پیدا فرما دیتا ہے یہ اس ذاتِ وہاب کی کریمی ہے کہ اس پر بھی بے شمار ثواب عنایت فرما دیتا ہے اور اس کا معاوضہ دے کر عزّت افزائی فرماتا ہے اور تم اس قدر حرکت کی بناء پر عمل پر اعتماد کرتے ہوئے اس کا لالچ کرتے ہو، ناز کرتے ہو اور خود بینی سے کام لیتے ہو۔

(۴) کیونکہ ان کا خالق اور توفیق دہندہ وہی ہے۔

(۵) **بندے کے کسب و اختیار کی تشریح** اس بات کی تحقیق یہ ہے کہ بندے میں ایک صفت ہے جس کی بناء پر بندہ فعل و ترک کی دو حالتوں میں سے ایک کو ترجیح دیتا ہے اگر وہ کام بندے کی طبیعت اور خواہش کے مطابق ہو فعل کو ترجیح دیتا ہے ورنہ جانبِ ترک۔ اور کسب و اختیار کے معنی یہ ہیں کہ پروردگارِ عالم نے ہر چیز کا سبب مقرر کیا ہے جیسا کہ جلانے کے لیے آگ، سیراب کرنے کے لیے پانی اور بندوں کے افعال پیدا کرنے کا سبب بندے کا قصد ہے۔ جب بندہ فعل، ترکِ فعل کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے پیدا فرما دیتا ہے لہٰذا

قول بھی دونوں امروں کا مثبت ہے(۶) کہ عمل کرو(۷) اور طاعت و عبادت کے ذریعے

ہر فعل خالقیت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور سببیت کے اعتبار سے بندے کی جانب سے، لیکن ادب کا تقاضا یہ ہے کہ خیر میں محض جانبِ خالقیت منظور و ملحوظ ہو اور شر میں کاسبیت کی جہت معتبر رہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں اس ادب کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتا ہے: وَمَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ۔ یعنی یوں کہہ کہ نیکی اللہ کی طرف سے ہے اور برائی اپنے نفس کی طرف سے۔

سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرتے ہیں، اَلْخَيْرُ كُلُّهٗ بِيَدَيْكَ وَ الشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ یعنی نیکی اور بدی اگرچہ تیری پیدا کردہ ہیں لیکن بدی تجھ سے منسوب کرنا سوءِ ادبی ہے نیز خالقِ شر شر نہیں ہے کیونکہ اس کے پیدا کرنے میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں موجود ہیں ہاں فعلِ شر شر ہے بالجملہ آدمی کا افعال میں دخل ہے اگر حقیقت منکشف نہ ہو کہ وہ کیسی کیفیت ہے جو آدمی کی طرف سے نہیں لیکن اس کے بغیر بھی نہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے؛

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔ اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تم عمل کرتے ہو۔

اس میں ان دونوں جہتوں کا اثبات ہے۔ اللہ عزوجل کے لیے خلق اور آدمیوں کی طرف عمل کی نسبت دونوں کو تسلیم کرنا چاہیے اور حقیقت کو خدا پر چھوڑنا چاہیے۔

(۶) جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سوال کیا جب جنتیوں اور دوزخیوں کے متعلق قضا و قدر کا حکم ہو چکا ہے تو عمل کس لیے ہیں، اور یہ حکم یہ کرو اور یہ نہ کرو، کیوں؟ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ جواب دیا۔

(۷) راستی و درستی اور استقامت و عدالت والے عمل کرو اور افراط و تفریط اور غلو و تقصیر سے دُور رہو۔

خدا کا قرب ڈھونڈو اور درستی اختیار کرو[8]۔ پس جو آدمی جس کام کے لیے تخلیق کیا گیا ہے وہی کام اس کے لیے آسان بنا دیا گیا ہے[9]۔

---

(۸) جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کرتے ہوئے عرض کیا اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ وَسَدِّدْنِیْ اے اللہ! مجھے ہدایت عطا فرما اور راہِ راست پر چلا۔ ھُدیٰ سے مراد راستے کی ہدایت ہے اور سَداد سے سُداد سہم کو یاد رکھو یعنی مجھے راہِ راست پر اس طرح چلا جس طرح تیر سیدھا جاتا ہے۔

(۹) اہلِ سعادت عملِ سعادت کے لیے اور اہلِ شقاوت عملِ شقاوت کے لیے یعنی تقدیرِ الٰہی تدبیرِ ربوبیت کے مطابق بندوں کے حق میں واقع ہوئی ہے اور یہ بات بندوں کے حقِ عبودیت کا مکلف ہونے کو باطل قرار نہیں دیتی، نیز تکلیف کا تعلق بھی احکامِ قضاو قدر سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ ان میں سے ایک حکمتِ قضا میں باطنی غیوب کا اور بندوں کی شقاوت و سعادت اور معصیت و طاعت کا اظہار ہے۔

خلاصۃ المرام: قضاو قدر امر و نہی کے منافی نہیں جیسا کہ ثواب و عقاب منافی نہیں کیونکہ سب اس کی ملک ہیں اور مالک جس طرح چاہے تصرف کرے وہ ظلم نہیں کرتا۔

المقالة الحادية والسبعون

قال رضي الله تعالى عنه لا تخلو إما أن تكون مريدا أو مرادا فإن كنت مريدا فأنت محتمل وحمال تحمل كل شديد وثقيل لأنك طالب والطالب مشقوق عليه متعوب حتى يصل إلى مطلوبه ويظفر بمحبوبه ويدرك مرامه ولا ينبغي لك أن تنفر من بلاء ينزل بك في النفس والمال والأهل والولد إلى أن تحط عنك الأحمال ويزال عنك الأثقال ويرفع عنك الآلام ويزال عنك الأذى والأذلال فتصان عن جميع الرذائل والأدران والأوساخ والمهانات والأدواء والأوجاع والافتقار إلى الخليقة والبريات فتدخل في زمرة المحبوبين المدللين المرادين وإن كنت مرادا فلا تتهمن الحق في إنزال البلية بك أيضا ولا تشكن في منزلتك وقدرك عنده لأنه قد يبتليك ليبلغك مبلغ الرجال ويرفع منزلتك إلى منازل الأولياء والأبدال أتحب أن تحط منزلتك عن منازلهم ودرجتك عن درجاتهم وأن تكون خلعتك و أنوارك ونعيمك دون ما لهم فإن رضيت أنت بالدون فالحق عز وجل لا يرضى بذلك وقال الله تعالى والله يعلم وأنتم لا تعلمون

يَخْتَارُ لَكَ الْاَعْلٰى وَالْاَسْنٰى وَالْاَرْفَعَ وَالْاَصْلَحَ وَاَنْتَ يَاْبٰى فَاِنْ
قُلْتَ كَيْفَ يَصِحُّ اِبْتِلَاءُ الْمُرَادِ مَعَ هٰذَا التَّقْسِيْمِ وَالْبَيَانِ مَعَ
اَنَّ الْاِبْتِلَاءَ اِنَّمَا هُوَ لِلْمُحِبِّ وَالْمُدَلَّلُ اِنَّمَا هُوَ الْمَحْبُوْبُ يُقَالُ لَكَ
ذَكَرْنَا الْاَغْلَبَ اَوَّلًا وَسَمَرْنَا بِالنَّادِرِ الْمُمْكِنِ ثَانِيًا لَا خِلَافَ اَنَّ النَّبِيَّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ سَيِّدَ الْمَحْبُوْبِيْنَ وَكَانَ اَشَدَّ النَّاسِ
بَلَاءً وَقَدْ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اُخِفْتُ فِي اللّٰهِ مَا لَا يَخَافُ
اَحَدٌ وَلَقَدْ اُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ مَا لَمْ يُؤْذَ اَحَدٌ وَلَقَدْ اَتٰى عَلَيَّ ثَلٰثُوْنَ مِنْ
يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ مَا لَنَا طَعَامٌ اِلَّا شَيْءٌ يُوَارِيْهِ اِبْطُ بِلَالٍ وَقَدْ قَالَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ اَشَدُّ النَّاسِ
بَلَاءً ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَعْرَفُكُمْ
بِاللّٰهِ وَاَشَدُّكُمْ مِنْهُ خَوْفًا فَكَيْفَ يُبْتَلَى الْمَحْبُوْبُ وَيُخَافُ الْمُدَلَّلُ
الْمُرَادُ وَلَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ اِلَّا لِمَا اَشَرْنَا اِلَيْهِ مِنْ بُلُوْغِ الْمَنَازِلِ الْعَالِيَةِ
فِي الْجَنَّةِ لِاَنَّ الْمَنَازِلَ فِي الْجَنَّةِ لَا تُشَيَّدُ وَلَا تُرْفَعُ اِلَّا بِاَعْمَالِ
فِي الدُّنْيَا اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ وَاَعْمَالُ الْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ
بَعْدَ اَدَاءِ الْاَوَامِرِ وَانْتِهَاءِ النَّوَاهِي اَلصَّبْرُ وَالرِّضَاءُ وَالْمُوَافَقَةُ
فِي حَالَةِ الْبَلَاءِ ثُمَّ يُكْشَفُ عَنْهُمُ الْبَلَاءُ وَيُوَاصَلُوْا بِالنَّعِيْمِ
وَالْفَضْلِ وَالدَّلَالِ اِلَى اللِّقَاءِ اَبَدَ الْاٰبَادِ ۔

مقالہ ۷۱

مُرید و مُراد

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم دو حال سے خالی نہیں ہو، تم مرید ہو گے یا مراد[1]۔ اگر تم مرید ہو تو تم پر بوجھ ڈالا جائے گا اور تمھیں ہر قسم کی مشقت اور سختی برداشت کرنا ہو گی کیونکہ تم طالب ہو اور طالب پر مشقت اور رنج کا بوجھ ڈالا جاتا ہے[2] حتیٰ کہ مطلوب تک وصول اور محبوب کے

---

(۱) مرید بارگاہِ رب العزت کے طالب اور اس کے قرب کے متلاشی ہوتے ہیں انھیں مخلِص (بکسر لام) کہا جاتا ہے یعنی مجاہدہ و ریاضت کے ذریعے بارگاہِ خدا کا تقرب حاصل کرنے والے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے محبوب و مطلوب ہوتے ہیں انھیں مخلَص (بفتح لام) کہا جاتا ہے وہ عنایتِ خداوندی کے ساتھ مخصوص ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف جذب و کشش سے اس طرف آتے ہیں۔ حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں بہر صورت شدت و مشقت کا بوجھ برداشت کرنا ہو گا اور بلا سے بھاگنا نہیں ہو گا۔

(۲) ع ہر کس کہ طلبگار شد او دربدر افتاد
(جو طلبگار بنے اسے دربدر گرنا پڑتا ہے)

حصول پر کامیاب ہو اور اپنا مقصود پائے[۳] تمہارے لیے یہ مناسب نہیں کہ تمہاری جان و مال اور آل و اولاد پر جو بلائیں نازل ہوں ان سے فرار اختیار کرو یہاں تک کہ تم سے بوجھ اٹھا لیے جائیں اور کمر توڑ سختیوں سے آزاد کر دیا جائے پھر تمام اذیتیں، تکلیفیں اور ذلتیں رفع کر دی جائیں، پھر ہر قسم کی رذالتوں ظاہری و باطنی میل کچیل، اہانتوں، دکھ درد، بیماریوں اور مخلوق کے سامنے پیش آنے والی حاجتوں سے محفوظ و مامون کر دئے جاؤ گے۔ پھر ناز و نعمت والے محبوبوں اور مرادین میں داخل کر دئے جاؤ گے اور اگر تم خدا کے محبوب و مراد ہو تو بلائیں نازل ہوتے پر ہرگز اللہ تعالیٰ پر تہمت نہ لگاؤ[۴]۔ اور اس کے نزدیک جو تمہاری قدر و منزلت ہے اسے شک کی نگاہ سے نہ دیکھو۔ وہ تمہیں ابتلاء و آزمائش میں اس لیے مبتلا کرتا ہے کہ تمہیں مردانِ[۵] راہ کے درجے تک پہنچائے اور تمہیں اولیاء و ابدال

---

(۳) ؎ من عجب دارم ز خوبانِ صفا
که گریزند وقت صیقل از جفا
(مجھے ایسے وفا کے طالبوں پر تعجب ہے جو صیقل کے وقت
جفا سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں)

(۴) یعنی یہ گمان نہ کرو کہ محنت و مشقت مرادیت و محبوبیت کے منافی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آفات نازل فرما کر محبت کی علامت اٹھا لی ہے، جیسا کہ آنجناب رحمۃ اللہ علیہ بیان فرما رہے ہیں۔

(۵) جو اپنی نفسی خواہشوں اور وجود سے فانی اور ان کے ارادے ارادۂ الٰہی سے تبدیل ہو چکے ہیں۔ مثنوی ؎

(i) من ترا غمگین و گریاں زاں کنم
تاکت از چشم بداں پنہاں کنم

کے منازل و مقامات تک رسائی دے کر رفعت بخشے۔ کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہاری منزل و درجہ دوسروں کے درجات و منازل سے نیچے رہے اور تم لباس، نوازش، ایمان و معرفت کے انوار اور ناز و نعمت میں دوسروں سے کم رہو۔ اگر تم مرتبہ کی کمی کو پسند کرو[۶] تو خدا تعالیٰ کو یہ پسند نہیں ہے[۷]۔ اللہ تعالیٰ

(ii) زاں بجوشانم که مکروه منی
بلکه تا گیری تو ذوق چاشنی

(iii) زاں حدیث تلخ میگویم ترا
تا ز تلخیہا فرو شویم ترا

(iv) تو ز تلخی چوں ہمہ پر خوں شوی
پس ز تلخیہا ہمہ بیروں شوی

(i) میں تمہیں بدوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کے لیے گریاں و غمگین رکھتا ہوں۔

(ii) میں تمہیں ذوق چاشنی سے آگاہ کرنے کے لیے جوش دلاتا ہوں نہ اس لیے کہ تم مجھے ناپسند ہو۔

(iii) میں تمھیں دوسری تلخیوں سے آزاد کرنے کے لیے تلخ بات کرتا ہوں۔

(iv) جب تم تلخی کی وجہ سے مکمل طور پر پُرخون ہو جاؤ گے تو تمام تلخیوں سے نجات پا جاؤ گے۔

(۶) اپنی جہالت نفس کی اتباع اور عاقبت نااندیشی کی وجہ سے۔

(۷) اپنے کمال کرم و رحمت اور تمہارے ساتھ محبت رکھتا ہے اور تمہاری عاقبت اور انجام حال سے واقف ہے۔

جانتا ہے اور (خیر و برکت کی حقیقت) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے[8]۔ وہ تمہارے لیے دنیاوی لحاظ سے اعلیٰ، دینی لحاظ سے اسنیٰ، آخرت کے اعتبار سے ارفع اور تمہارے حال کے زیادہ لائق مقام و حیثیت کو پسند کرتا ہے اور تم انکار کرتے ہو[9]۔

سوال: اگر تم یہ کہو کہ اس تقسیم و بیان کے مطابق ابتلاء و مصائب تو طالب و مرید کے لیے ہیں[10] اور ناز پروردہ محبوب مراد کے لیے ابتلاء کیسے درست قرار پائے گی؟

جواب: اولاً مذکور قول اکثر و اغلب وقوع پذیر ہوتا ہے اور دوسرا قول[11] کم اور نادر واقع ہونے کے متعلق ہے۔ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تمام محبوبوں کے سردار ہیں اور تمام لوگوں سے سخت ترین بلاؤں میں رہے اور آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

---

(۸) تم کبھی خیر کو شر اور کبھی شر کو خیر سمجھ لیتے ہو۔

(۹) اعلیٰ، اسنیٰ، ارفع اور اصلح چاروں لفظ ہم معنی ہیں سنا مد کے ساتھ ہو تو معنی ہوں گے بلند، اور قصر کے ساتھ ہو تو معنی ہوں گے روشنی۔ یہ بات تکرار سے ذکر کی گئی ہے۔ اس کتاب شریف میں الفاظ مترادفہ بکثرت مستعمل ہیں اس سے تاکید مقصود ہے تاکہ ہر ایک کا ایک علیحدہ چیز سے تعلق ہو اور امر مغایر پر حمل کیا جا سکے جیسا کہ ترجمہ میں اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔

(۱۰) اس لیے کہ ترتیب اور تادیب و تہذیب شدت و صعوبت اس کے حل کے مطابق ہے۔

(۱۱) سمر کے لغوی معنی افسانہ بیان کرنا۔ نادر اور قلیل الوقوع بات کو سمر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ خدا کے دین کی تقویت و تائید میں جس قدر مجھے ڈرایا گیا ہے کسی اور کو نہیں[12] اور خدا کی عبادت اور اس کے دین میں جتنی تکلیفیں میں نے برداشت کی ہیں کسی اور نے نہیں کیں بیشک تیس دن اور راتیں مجھ پر ایسی گزریں کہ ان میں ہمارے کھانے پینے کے لیے اتنا ہوتا جو (حضرت) بلال رضی اللہ عنہ کی بغل میں سما جائے۔

---

(۱۲) چنانچہ مشرکین و منافقین ہر وقت آپ کے حبس و قتال اور اخراج کے خیال میں رہتے تھے چونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام انبیاء کرام سے بڑھ کر لوگوں کے ایمان کے حریص تھے تو یقیناً ان کے کفر و شرک کی وجہ سے تکلیف بھی زیادہ ہوتی، نیز آپ کا وجود مسعود تمام سے زیادہ لطیف اور نازک تھا اس لیے اس میں تکلیف کا اثر بھی زیادہ ہوتا۔

(i) نازک بدنی کش ز گل آزار شود
از بادِ سحر سنبلش افگار شود

(ii) بنگر چہ رسد بپائے سیمینش کہ راہ
از دست ستمگراں پر از خار شود

(i) وہ نازک بدن محبوب پھول سے تکلیف محسوس کرتا ہے اور بادِ سحر سے اس کی زلفیں بکھر جاتی ہیں۔

(ii) دیکھیے آپ کے سیمیں قدموں کو کس قدر تکلیف کا سامنا ہے کہ ظالموں کے ہاتھوں راستہ پُر خار ہے۔

حدیث شریف میں ہے جناب ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد کفار کی تکالیف اور بڑھ گئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اشراف ثقیف کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے مکہ مکرمہ سے طائف تشریف

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ ہم انبیاء کا گروہ بلاؤں کے نزول کے

لے گئے تو اہلِ طائف نے آپ کی دعوت سے اتفاق نہ کیا بلکہ اپنے غلاموں اور بچوں کے ذریعے آپ کو گالیاں دلائیں پتھر مروائے اور آپ کے نرم و نازک اعضاء مبارکہ کو خون آلود کر دیا۔

زدرِ اغیار وز دیوارِ سنگ یار مے آید
بلائے دردمنداں از درو دیوار مے آید

(اغیار کے دروازے اور پتھر کی دیوار سے یار برآمد ہو رہا ہے
دردمندوں کے لیے درودیوار سے آفت آ رہی ہے)

آپ کا خون مبارک زمین پر گر رہا تھا آپ کے بازو مبارک پکڑ کر کھڑا کیا جاتا جب آپ چلتے تو اغیار پھر خشت باری کرتے اور ہنسی اڑاتے۔ حضرت زید بن حارثؓ رضی اللہ عنہ جو کہ آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے آپ کے سامنے ڈھال بن جاتے یہاں تک کہ آپ کا پورا جسم مبارک زخمی ہو گیا۔ صحیحین میں ہے آپ فرماتے ہیں اس دن میں قبیلہ ثقیف کو دیکھ کر مغموم و محزون سر جھکائے آ رہا تھا اچانک سر اٹھا کر دیکھا تو سر پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ فگن تھا اس میں جبرئیل امین موجود تھے ندا کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں آپ کی قوم کا جواب اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے وہ ان کے فعل کو دیکھ رہا ہے یہ پہاڑوں پر مقرر فرشتہ حاضر ہے عرض کرتا ہے اگر حکم ہو تو اخشبین (وہ دو پہاڑ جن کے درمیان مکہ ہے) اٹھا کر ان پر گرا دوں اور آنِ واحد میں ان کو ہلاک کر کے رکھ دوں۔ آپ نے فرمایا: نہیں نہیں، قسم بخدا مجھے امید ہے کہ ان کی اصلاب سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو توحیدِ خداوندی کا اقرار کریں گے۔ یہ تکالیف تو اغیار دیتے تھے فقر و فاقہ اس سے زائد ہے اس کا کیا بیان ہو سکتا ہے۔

اعتبار سے دوسرے لوگوں سے سخت ہیں پھر اس طرح دوسرے فضیلت والے اور پھر ان کے بعد والے مرتبے والے۔[۱۳] اور آپ نے یہ بھی فرمایا: میں تم سب سے زیادہ خدا کو پہچاننے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والا ہوں۔[۱۴] اس سے ظاہر ہو گیا کہ نازپروردہ اور بارگاہِ رب العزت کے محبوب و مراد کو کس طرح مبتلائے آفات کیا جاتا ہے اور کس طرح ڈرایا جاتا ہے۔ یہ خوف و بلا جیسا کہ ہم نے قبل ازیں اشارہ کیا ہے بہشت بریں کی اعلیٰ منازل تک پہنچانے کے لیے ہی ہے۔[۱۵] کیونکہ دنیا کے اعمال کے ذریعے ہی جنت میں مراتب اور درجات بلند کیے جاتے ہیں،[۱۶] دنیا آخرت

---

(۱۳) جو شخص جس قدر خیر کے قریب تر ہو گا اسی قدر اس کی ریاضت و محنت سخت تر ہو گی۔

(۱۴) خوف و ہیبت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت سے پیدا ہوتی ہے کہ وہ بے نیاز ہے اور کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہے اور یہ خوف پختہ وعدوں کے باوجود برقرار رہتا ہے ؎

کرشمہائے تو از بس کہ ہست رنگ آمیز
نہ آشتی تو داند کسے نہ جنگ ترا

(آپ کے کرشمہائے ناز بڑے رنگین ہیں نہ کسی کو دشمنی کا علم ہوتا ہے نہ دوستی کا)

(۱۵) اگر دنیا میں اس کے حصول میں توقف و تاخیر بھی ہو جائے تو آخرت میں ان کا حصول متعین و متیقن ہے۔

(۱۶) دنیا میں جس قدر اعمال زیادہ ہوں گے اسی قدر آخرت میں مدارج زیادہ ہوں گے اور جس قدر اعمال میں پاکیزگی ہو گی اسی قدر درجات بلند تر ہوں گے۔

کی کھیتی ہے۔ اور انبیاء و اولیاء علیہم السلام کے اعمال یہ ہیں کہ وہ اوامر کی بجاآوری اور نواہی سے اجتناب کے بعد حالتِ بلا میں صبر و رضا اور موافقت سے کام لیتے ہیں[17]۔ پھر ان سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی سنّتِ جاریہ کے مطابق بلائیں دُور کی جاتی ہیں اور دیدارِ الٰہی کی نعمت سے فیضیاب ہونے تک ابدالآباد تک نازو نعمت اور فضل سے نوازے جاتے ہیں[18]۔

---

(۱۷) درحقیقت نماز و روزہ کی طرح صبر و رضا اور موافقت وغیرہ صفات بھی واجب ہیں کیونکہ ان تمام کا حکم ہوا ہے اور ان کے ترک پر وعید آئی ہے اس کا نام وجوب و فرضیت ہے لیکن یہاں اوامر و نواہی سے مراد اعمالِ جوارح ہیں۔

(۱۸) ؎ بفقر و نیستی یکدو روزہ خوش میباش
کہ یار خود ز کرم عذر خواہ گردد
(ایک دو دن کی فقر و نیستی پر خوش رہو وُہ محبوب خود ہی کرم کرتے ہوئے ہمارا عذر خواہ بن جائے گا)

؎ دوستم کرمش داد نویدی کہ معالی
غافل نیم از حال تو غمناک نباش
(میرے دوست نے کرم نوازی کرتے ہوئے یہ نوید جانفزا سُنائی کہ اے معالی! غمناک ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں تیرے حال سے آگاہ ہوں)

المقالة الثانية والسبعون

قَالَ الَّذِيْنَ يَدْخُلُوْنَ الْاَسْوَاقَ مِنْ اَهْلِ الدِّيْنِ وَالنُّسُكِ فِيْ
مَخْرَجِهِمْ اِلٰى اَدَاءِ اَوَامِرِ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ وَالْجَمَاعَاتِ
وَقَضَاءِ حَوَائِجَ تَعْرِضُ لَهُمْ فِيْهَا عَلٰى اَضْرُبٍ مِنْهُمْ مَنْ اِذَا دَخَلَ السُّوْقَ
وَرَاٰى فِيْهِ مِنْ اَنْوَاعِ الشَّهَوَاتِ وَاللَّذَّاتِ تَقَيَّدَ بِهَا وَعَلِقَتْ بِقَلْبِهٖ
فَافْتَتَنَ وَكَانَ ذٰلِكَ سَبَبَ هَلَاكِهٖ وَتَرْكِ دِيْنِهٖ وَتَسَئُّلِهٖ وَرُجُوْعِهٖ اِلٰى
مُوَافَقَةِ طَبْعِهٖ وَاتِّبَاعِ هَوَاهُ اِلَّا اَنْ يَّتَدَارَكَهُ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ وَ
عِصْمَتِهٖ وَاصْبَارِهٖ اِيَّاهُ عَنْهَا فَيَسْلَمُ وَمِنْهُمْ مَنْ اِذَا رَاٰى ذٰلِكَ وَ
كَادَ اَنْ يُّهْلِكَ بِهَا رَجَعَ اِلٰى عَقْلِهٖ وَدِيْنِهٖ وَتَصَبَّرَ وَتَكَلَّفَ وَ
تَجَرَّعَ مَرَارَةَ تَرْكِهَا فَهُوَ كَالْمُجَاهِدِ يَنْصُرُهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى نَفْسِهٖ
وَطَبْعِهٖ وَهَوَاهُ وَشَهْوَتِهٖ وَيَكْتُبُ لَهُ الثَّوَابَ الْجَزِيْلَ فِي الْاٰخِرَةِ كَمَا
جَاءَ فِيْ بَعْضِ الْاَخْبَارِ عَنِ النَّبِيِّ اَنَّهٗ قَالَ يُكْتَبُ لِلْمُؤْمِنِ بِتَرْكِ
شَهْوَةٍ عِنْدَ الْعِجْزِ عَنْهَا اَوْ عِنْدَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهَا سَبْعُوْنَ حَسَنَةً اَوْ
كَمَا قَالَ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّتَنَاوَلُ وَيَتَلَبَّسُ بِهَا وَيُحَصِّلُهَا بِفَضْلِ نِعْمَةِ
اللّٰهِ الَّتِيْ عِنْدَهٗ مِنْ سِعَةِ الدُّنْيَا وَالْمَالِ وَيَشْكُرُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ
عَلَيْهَا وَمِنْهُمْ مَنْ لَا يَرٰى وَلَا يَشْعُرُ بِهَا فَهُوَ اَعْمٰى عَمَّا سِوَى اللّٰهِ

عَزَّوَجَلَّ فَلَا يَرٰى غَيْرَهٗ وَاَصَمَّ عَمَّا سِوَاهُ فَلَا يَسْمَعُ مِنْ غَيْرِهٖ

عِنْدَهٗ شُغُلٌ عَنِ النَّظَرِ اِلٰى غَيْرِ مَحْبُوْبِهٖ وَاشْتِهَائِهٖ فَهُوَ فِیْ

مَعْزَلٍ عَمَّا الْعَالَمُ فِيْهِ فَاِذَا رَاَيْتَهٗ قَدْ دَخَلَ السُّوْقَ فَسَاَلْتَهٗ

عَمَّا رَاٰى فِی السُّوْقِ يَقُوْلُ مَا رَاَيْتُ شَيْئًا نَعَمْ قَدْ رَاَى الْاَشْيَاءَ لٰكِنْ

رَاٰهَا بِبَصَرِ رَاْسِهٖ لَا بِبَصَرِ قَلْبِهٖ وَنَظَرَهَا نَظْرَةَ فُجَاءَةٍ لَا نَظْرَةَ شَهْوَةٍ

نَظَرَ صُوْرَةٍ لَا نَظَرَ مَعْنًى نَظَرَ الظَّاهِرِ لَا نَظَرَ الْبَاطِنِ فَبِظَاهِرِهٖ

يَنْظُرُ مَا فِی السُّوْقِ وَبِقَلْبِهٖ يَنْظُرُ اِلٰى رَبِّهٖ اِلٰى جَلَالِهٖ تَارَةً وَاِلٰى

جَمَالِهٖ تَارَةً اُخْرٰى وَمِنْهُمْ مَنْ اِذَا دَخَلَ السُّوْقَ اِمْتَلَاَ قَلْبُهٗ

بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ رَحْمَةً لَّهُمْ فَتَشْغَلُهُ الرَّحْمَةُ لَهُمْ عَنِ النَّظَرِ

اِلٰى مَا لَهُمْ وَبَيْنَ اَيْدِيْهِمْ فَهُوَ مِنْ حِيْنِ دُخُوْلِهٖ اِلٰى حِيْنِ

خُرُوْجِهٖ فِی الدُّعَاءِ وَالْاِسْتِغْفَارِ وَشَفَاعَةِ اَهْلِهٖ وَشَفَقَةٍ وَرَحْمَةٍ

فَقَلْبُهٗ مُحْتَرِقٌ عَلَيْهِمْ وَلَهُمْ وَعَيْنُهٗ مُغْرَوْرِقَةٌ وَلِسَانُهٗ فِیْ ثَنَاءٍ

وَحَمْدٍ لِلّٰهِ بِمَا اَوْلَى الْكَافَّةَ مِنْ نِعَمِهٖ وَفَضْلِهٖ وَهٰذَا يُسَمّٰى

شِحْنَةَ الْبِلَادِ وَالْعِبَادِ وَاِنْ شِئْتَ فَتُسَمِّيْهِ عَارِفًا وَبَدَلًا وَ

زَاهِدًا وَعَالِمًا غَيْبًا وَبَدَلًا مَحْبُوْبًا وَمُرَادًا وَنَائِبًا فِی الْاَرْضِ

عَلٰى عِبَادِهٖ وَسَفِيْرًا وَنَفَّاذَ خَيْرٍ وَجِهْبِذًا وَهَادِيًا وَمَهْدِيًّا وَدَالًّا

وَمُرْشِدًا فَهٰذَا هُوَ الْكِبْرِيْتُ الْاَحْمَرُ وَبَيْضَةُ الْعَقْعَقِ رِضْوَانُ اللّٰهِ

وَصَلَوَاتُهٗ عَلَيْهِ وَعَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ مُرِيْدٍ لِلّٰهِ وَصَلَ اِلٰى اِنْتِهَاءِ الْمَقَامِ۔

مقالہ ۷۲

بازار میں جانے والوں کے احوال

حضرت سرکارِ بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اہلِ دین عبادت گزاروں میں سے جو لوگ احکامِ خداوندی کی بجاآوری مثلاً نمازِ جمعہ، نماز باجماعت اور پیش آمدہ حوائج کے وقت بازاروں میں داخل ہوتے ہیں وہ پانچ قسم کے ہیں:

پہلی قسم وہ لوگ ہیں جو بازاروں میں داخل ہو کر طرح طرح کی لذات دیکھ کر ان میں پھنس جاتے ہیں ایسی چیزیں ان کے دلوں پر اثر انداز ہوتی ہیں اور وہ فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں[1] اور یہ چیز ان کی ہلاکت، دین وعبادت ترک کرنے، طبیعت کی موافقت اور اتباعِ ہوا کی طرف رجوع کا سبب بن جاتی ہے مگر کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اسے پہنچ جائے، ان لذتوں پر صبر عطا کر دے اور آدمی اتباعِ ہوا اور موافقتِ طبع کی آفت سے رہائی پالے۔

دوسری قسم ایسے لوگوں کی ہے جو ان لذتوں کو دیکھتے ہیں اور اس کی

---

(۱) اور اُن کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے۔

وجہ سے ان کی ہلاکت قریب ہوتی ہے تو اپنی عقل و دین کی طرف رجوع کرتے ہیں بزورِ صبر و تکلف سے کام لیتے ہوئے ان لذات کے ترک کی تلخی نوش کرجاتے ہیں۔ یہ لوگ اس مجاہد کی طرح ہیں کہ اللہ تعالٰے اسے نفس و طبع اور ہوا و خواہش پر مدد فرماتا ہے اور اس کے لیے اجرِ عظیم لکھ دیتا ہے جیسا کہ بعض احادیث میں وارد ہے، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا: بندۂ مومن کے لیے قدرت[۲] پاکر عاجز ہونے کی وجہ سے شہوتِ نفس چھوڑنے پر ستّر نیکیوں کا ثواب ملتا ہے، یا جن الفاظ سے حدیث وارد ہے۔

تیسری قسم ایسے لوگوں کی ہے جو لذات و شہوات سے تلبس اختلاط کرتے ہیں انہیں اللہ تعالٰے کے فضل و انعام سے مالِ دنیا کی فراوانی حاصل ہے وہ انھیں لیتے ہیں اور خدا کا شکر بجالاتے ہیں۔

چوتھی قسم وہ حضرات ہیں جو بازاروں میں جاتے وقت اس قسم کی لذات و شہوات کی طرف نظر بھی نہیں اٹھاتے اور نہ ہی انھیں اس کا احساس

---

(۲) قدرت ہوتے ہوئے شہواتِ نفس ترک کرنے پر ثواب ملنا تو ظاہر ہے لیکن عجز و ناتوانی کی حالت میں ثواب، یہ محض اللہ کریم کا کمال فضل و رحمت ہے نیز اس فعل کے وجود میں نہ آنے کے باوجود اس سے نفرت اور عدمِ تعلق تو باقی ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ اس مقام پر شہوت مباح کو بھی شامل ہے اگر ان کو تقرب اور دنیا سے زُہد اختیار کرنے کی نیت سے ترک کرے گا تو ثواب و درجہ پائے گا۔ دراصل مسئلہ کتاب کے مطابق بھی شہواتِ مباحہ مراد ہیں جیسا کہ قسمِ سوم میں بیان ہوگا۔

ہوتا ہے اور یادِ خدا میں اس طرح مشغول ہوتے ہیں گویا کہ وہ بہر ما سوا اللہ سے نابینا ہیں غیر اللہ کو دیکھ ہی نہیں سکتے ما سوا اللہ سے بہرے ہیں غیر کی بات نہیں سُن سکتے اور انھیں غیر محبوب کی طرف دیکھنے اور اس سے رغبت رکھنے کی دلچسپی ہی نہیں، اور وُہ جہان کی چیزوں سے صرفِ نظر کیے ہوئے ہیں اگر تم انہیں بازار میں داخل ہوتے دیکھو اور پوچھو تم نے کیا دیکھا ہے؟ تو وہ جواب دیں گے ہم نے کچھ بھی نہیں دیکھا کیونکہ انہوں نے بازار کی اشیاء کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے دل کی آنکھوں سے نہیں دیکھا ان پر اچانک نظر پڑتی ہے۔ میل و محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ انھیں یہ چیزیں صورت میں نظر آتی ہیں معنیٰ میں نہیں، ظاہر میں دیکھی ہیں باطن میں نہیں۔ وہ ظاہری طور پر بازار کی طرف دیکھ رہے ہوتے ہیں مگر ان کے دل دیدارِ خداوندی میں مشغول ہوتے ہیں کبھی وہ صفاتِ جلالیہ قہریہ کی دیکھتے ہیں اور کبھی صفاتِ جمالیہ لطفیہ کے انوار و آثار کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

پانچویں قسم وُہ لوگ ہیں جو بازار میں داخل ہوتے ہیں تو بازار والوں کی حالت پر رحم کرتے ہُوئے ان کے دل خدا تعالٰے کے فعل و ارادہ سے شفقت و مہربانی سے بھر جاتے ہیں وہ اس کے باعث ان چیزوں کا مشاہدہ نہیں کرسکتے جو ان کے لیے ہوتی ہیں اور ان کے سامنے ہوتی ہیں وہ بازار میں داخل ہونے کے وقت سے لے کر باہر نکلنے کے وقت ان کے دنیا و آخرت کے کاموں میں شفقت و رحمت بن جاتے ہیں ان کے لیے دُعا و استغفار اور شفاعت میں مشغول رہتے ہیں[۳]، ان کی بہتری اور دفعِ شر کے لیے ان کے دل کڑھتے ہیں

---

(۳) کیونکہ یہ لوگ بیع و شرا اور کاروباری حساب میں مشغول رہنے کی وجہ سے اللہ کے ذکر سے غافل رہتے ہیں اور ذکر کے لیے انہیں فرصت نہیں ملتی، جیسا کہ

ان کے ورطۂ غفلت اور مغازۂ وحشت میں گرے ہونے پر ان کی آنکھیں اشکبار رہتی ہیں اور اہلِ بازار بلکہ تمام مخلوق پر خدا کے فضل وکرم ہونے پر ان کی زبانیں حمد و ثنا میں مصروف رہتی ہیں یہ وہی لوگ ہیں جنہیں شہروں اور بندوں پر خدا کا کوتوال کہا جاتا ہے[4]۔ ان لوگوں کو تم عارف[5]، ابدال[6]، زاہد، عالم، غائب[7] حاضر، محبوب،

اہلِ بازار کے غالب احوال میں ہوتا ہے لیکن لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ (تجارت اور بیع ان کو اللہ کے ذکر سے مشغول نہیں کر سکتی) کی شان والے مردانِ باصفا انتہائی نادر الوجود ہیں نیز بازار میں داخل ہوتے وقت لا الٰہ الا اللہ وحده لاشريك له الملك وله الحمد بيده الخير يحيى و يميت وهو على كل شئ قدير پڑھنا اسی لیے مسنون ہے کہ ذکرِ حق اور نورِ توحید کے جھاڑو سے غفلت کی ظلمت اور تفرقہ کے خس وخاشاک کو دُور کر دیا جائے۔

(۴) جو لوگوں کی اصلاحِ احوال اور قضائے حاجات کے لیے مقرر ہیں چوتھی قسم والے اگرچہ ذکرِ حق میں حریص اور مشاہدہ و استغراق کی کیفیت میں ہیں اور مقام جمع پر فائز ہیں لیکن مخلوق کی تربیت و ہدایت سے غائب ہیں اور اس پانچویں قسم کے لوگ صاحبِ تمکین اور فرق بعد الجمع کی منزل پر جاگزیں ہیں حق تعالیٰ کے خلیفہ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں۔

(۵) اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے افعال کے شناسا، مخلوق کی نسبت معرفت کا حق ادا کرنے والے۔

(۶) کہ وُہ اپنی خواہش و آرزو سے نکل چکے ہیں اور ان کی صفاتِ بشریہ تبدیل ہو چکی ہیں۔

(۷) بعض نسخوں میں عَيْنًا وَّيَدًا لیعنی از روئے معائنہ کرنے کے اور

مراد، زمین پر خدا کے نائب، سفیر، لوگوں تک علوم، فیضان، احکام پہنچانے والے، شیریں زبان، ہادی، مہدی، رہنما اور مرشد کے ناموں سے یاد کر سکتے ہو، یہی حضرات کبریتِ احمر[8] ہیں اور عقیق کے انڈے کی طرح کمیاب ہیں[9]۔ ایسے لوگوں پر اور تمام مومنوں پر جو اللہ کے مرید اور بلند مقام پر فائز ہیں اللہ تعالےٰ کی رحمتیں نازل ہوں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہے۔

وست بدست، یعنی وہ تمام علوم کا معاینہ کرتے ہیں اور تمام علوم ان کے سامنے مستحضر رہتے ہیں۔

(۸) وہ عزت و ندرت میں سُرخ گندھک کا حکم رکھتے ہیں جو کہ انتہائی کمیاب اور عزیز الوجود ہے اگر اس کا ایک ذرہ تانبے پر لگ جائے تو وہ سونا بن جاتا ہے۔

(۹) عقیق ابلق یعنی سفید وسیاہ رنگ کا ایک جانور۔ اسے فارسی میں "بمکہ" کہتے ہیں اسے عقیق اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی آواز عین اور قاف کے مشابہ ہوتی ہے اور اس کا انڈا کمیاب ہوتا ہے۔

اَلْمَقَالَةُ الثَّالِثَةُ وَالسَّبْعُونَ

قَالَ رضي الله عنه: قَدْ يَطَّلِعُ اللهُ وَلِيَّهُ عَلَى عُيُوبِ غَيْرِهِ وَكَذِبِهِ وَدَعْوَاهُ وَشِرْكِهِ فِي أَفْعَالِهِ وَأَقْوَالِهِ وَإِضْمَارِهِ وَنِيَّتِهِ فَيَغَارُ وَلِيُّ اللهِ لِرَبِّهِ وَرَسُولِهِ وَدِينِهِ فَيَشْتَدُّ غَضَبُ بَاطِنِهِ ثُمَّ ظَاهِرِهِ كَيْفَ يَدَّعِي السَّلَامَةَ مَعَ الْعِلَلِ وَالْأَوْجَاعِ الْبَاطِنَةِ وَالظَّاهِرَةِ وَكَيْفَ يَدَّعِي التَّوْحِيدَ مَعَ الشِّرْكِ وَالشِّرْكُ كُفْرٌ مُبْعِدٌ عَنْ قُرْبِ اللهِ وَهُوَ صِفَةُ الْعَدُوِّ الشَّيْطَانِ اللَّعِينِ وَالْمُنَافِقِينَ الْمَقْطُوعِ لَهُمْ بِالدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَالْخُلُودِ فِيهَا فَيَجْرِي عَلَى لِسَانِ الْوَلِيِّ ذِكْرُ عُيُوبِهِ وَأَفْعَالِهِ الْخَبِيثَةِ وَوَقَاحَتِهِ بِعَرِيضِ دَعَاوِيهِ وَادِّعَائِهِ أَحْوَالَ الصِّدِّيقِينَ وَمُزَاحَمَتِهِ لِلْفَانِينَ فِي قَدَرِ اللهِ وَفِعْلِهِ وَالْمُرَادِينَ عَلَى وَجْهِ الْغَيْرَةِ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ مَرَّةً وَعَلَى وَجْهِ الْإِنْكَارِ لَهُ وَالْمَوْعِظَةِ لَهُ أُخْرَى وَعَلَى وَجْهِ الْغَلَبَةِ بِفِعْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَإِرَادَتِهِ وَشِدَّةِ غَضَبِهِ عَلَى الْكَذَّابِ الْمُكَذِّبِ أُخْرَى فَيُضَافُ إِلَى وَلِيِّ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ

غِيبَتُهُ فَيُقَالُ أَيَغْتَابُ الْوَلِيُّ وَهُوَ يَمْنَعُ مِنْهَا أَيَذْكُرُ الْغَائِبَ وَالْحَاضِرَ بِمَا لَمْ يَظْهَرْ عِنْدَ الْخَوَاصِّ وَالْعَوَامِّ فَيَصِيرُ ذَلِكَ الْإِنْكَارُ فِي حَقِّهِمْ كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالَى وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا فِي الظَّاهِرِ إِنْكَارُ الْمُنْكَرِ وَفِي الْبَاطِنِ إِسْخَاطُ الرَّبِّ وَالْاعْتِرَاضُ عَلَيْهِ فَيَصِيرُ حَالُهُ الْحَيْرَةَ فَيَكُونُ فَرْضُهُ فِيهَا السُّكُوتَ وَالتَّسْلِيمَ وَطَلَبَ الْمَسَاغِ لِذَلِكَ فِي الشَّرْعِ وَالْجَوَازِ لَا الْاعْتِرَاضَ عَلَى الرَّبِّ وَالْوَلِيِّ الطَّعَّانِ لِافْتِرَائِهِ وَكَذِبِهِ وَقَدْ يَكُونُ ذَلِكَ سَبَبًا لِإِقْلَاعِهِ وَتَوْبَتِهِ وَرُجُوعِهِ عَنْ جَهْلِهِ وَحَيْرَتِهِ فَيَكُونُ كَرَّةً لِلْوَلِيِّ وَنَفْعًا لِلْمَغْرُورِ الْهَالِكِ لِغُرُورِهِ وَدَعْوَتِهِ وَاللهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ.

مقالہ ۳۷

اولیاءِ کرام کی قسمیں

حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا: کبھی اللہ تعالیٰ آپنے اولیاء کو لوگوں کے گناہوں، جھوٹوں، دعووں، افعال و اقوال میں ان کے شرک، باطنی برائیوں اور دلی نیتوں سے آگاہ کر دیتا ہے پس اللہ کا ولی خدا تعالےٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دینِ اسلام کے لیے غیرت کرتا ہے[1]۔ باطن میں اسے بہت غصہ آتا ہے پھر غصّے کے آثار اس کے ظاہر پر رُونما ہوتے ہیں[2]۔

---

(۱) کہ وُہ آدمی خدا و رسول جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم کے ناپسندیدہ اور دین میں نامشروع افعال کا ارادہ کیوں کئے ہوئے ہے۔

(۲) **حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی حکایت** بہجۃ الاسرار میں ہے کہ ایک شخص کسی امرد لڑکے کو لے کر جناب غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہُوا، آپ کے دریافت کرنے پر کہنے لگا: ہم دونوں باپ بیٹا ہیں۔ جبکہ فی الواقع ایسا نہیں تھا آپ انتہائی غصّے کے عالم میں فرمانے لگے: سبحان اللہ! تمھارا معاملہ

ظاہری و باطنی امراض کے باوجود حال کی صحت و سلامتی کا دعوٰی کیسے درست ہو سکتا ہے؟ اور شرک کی موجودگی میں توحید کا دعوٰی کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اور شرک کفرِ (طریقت) ہے[3] جو قُربِ خداوندی سے دُور کر دیتا ہے اور شرک دشمنِ خدا شیطان لعین اور منافقین کی صفت ہے جن کے لیے جہنم کا سب سے نچلا درجہ تیار کیا گیا ہے اور انھیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے[4]۔ اس سے اولیاء کی زبان پر ان کے عیوب، افعالِ خبیثہ، انتہائی بے حیائی، مردانِ خدا صدیقین کے احوال کے حامل ہونے کے، قضا و قدر اور فعلِ خداوندی ہیں

اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ میرے سامنے جھوٹ بولتے ہو اور خلافِ واقعہ باتیں کرتے ہو۔ آپ کی ناراضگی کا اثر اس قدر ظاہر ہُوا کہ شہر میں آگ لگ گئی اور شہر نے جلنا شروع کر دیا، لوگوں نے آکر معذرت کی تو آپ کا غصّہ فرو ہوا ؎

مسازچشم سیہ سُرخ ترکہ من زغضب
کہ آتش زدہ درمرد ماں چہ قہرست این
(اپنی سیاہ آنکھ سُرخ نہ کیجئے یہ کیسا قہر ہے کہ میں لوگوں کے درمیان آتش زدہ ہوں)

بزرگ فرماتے ہیں یہ ولی اللہ حاضر و غائب دونوں حالتوں میں اپنے جھوٹے دعویدار پر اس کے ابطال کو رَد کرنے کے لیے غضبناک ہوتا ہے۔

(۳) اگرچہ شرک خفی ہو یہ کفرِ طریقت ہے۔

(۴) جس طرح منافقینِ شریعت کا ٹھکانا سب سے نچلا طبقہ ہے اسی طرح منافقین طریقت کی جگہ بھی ہجر و بُعد کی آخری منزل ہے۔

خانی مرادین کے زمرے میں شامل ہونے سے دعووں کا ذکر آجاتا ہے، کبھی
یہ تذکرہ خدا کے لیے غیرت(۵) کی بنا پر ہوتا ہے اور کبھی ایسے شخص کے انکار(۶) اور
لوگوں کو نصیحت کرنے کے پیشِ نظر(۷) کبھی فعلِ خداوندی، ارادۂ ایزدی کے غلبہ
اور جھوٹے دعویدار اور احکامِ دین کو جھٹلانے والے(۸) پر شدتِ غضب کی وجہ سے ایسا
ہوتا ہے پھر ولی اللہ کی طرف عیوب بیان کرنے کی وجہ سے غیبت کی نسبت کی جاتی
ہے اور کہا جاتا ہے کہ ولی غیبت کرتا ہے حالانکہ وہ لوگوں کو اس گناہ سے منع
کرتا ہے۔ کیا ولی حاضر و غائب کے ایسے عیوب بیان کرسکتا ہے جو خواص و
عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہوں(۹)؟ یہ اعتراض ان لوگوں کے حق میں اس
ارشادِ خداوندی کا مصداق ہے(۱۰) کہ ان کا گناہ اس کے نفع سے زیادہ ہے(۱۱)

---

(۵) اور حمیتِ دین کے پیشِ نظر ہوتا ہے کہ اس نے عظمتِ حق اور حرمتِ دین کی ہتک کی ہے۔

(۶) کہ وہ اس قباحت اور بےحیائی کا مرتکب کیوں ہوتا ہے۔

(۷) کہ ایسی باتیں تیرے لیے مناسب نہیں ہیں۔

(۸) مکذب بفتح ذال بھی پڑھ سکتے ہیں کہ خدا اور خلقِ خدا کی طرف سے اس کی تکذیب کی گئی ہے اور اس کے مناسبِ حال یہی ہے کہ اس کی تکذیب کی جائے۔

(۹) اس طرح لوگ اس ولی کا انکار کرتے ہیں کہ یہ لوگوں کے سامنے اس مدعیِ کذاب کے عیوب ظاہر کرتا ہے۔

(۱۰) جو شراب اور جوا کا نفع و نقصان بیان کرنے کے بعد فرمایا۔

(۱۱) یعنی لوگوں کا اس ولی پر انکار بظاہر سودمند ہے کہ وہ غیبت اور عیب گوئی سے انکار کر رہے ہیں۔ لیکن باطن کے اعتبار سے عزتِ حق اور حمیتِ دین سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور خدا تعالیٰ کو ناراض کر رہے ہیں۔

بظاہر ولی پر یہ انکار اچھا ہے کہ یہ ایک ایسے عیب کا انکار ہے جو شریعت میں
ناپسند ہے مگر حقیقتاً اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے اور اسے ناراض کرنا ہے(۱۲) اور
اور اس منکرِ ولی کا حال (تعارض کی وجہ سے) حیرت و توقف بن جاتا ہے اس
حال میں منکر پر خاموشی، تسلیم، اس کی تاویل اور شریعت میں اس کے جواز
کی تلاش فرض بھی ہے(۱۳) نہ کہ وہ مفتری و کذاب پر طعنہ زنی کرنے والے ولی اور خدا پر
اعتراض کرتا(۱۴)۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ولی کا اس شخص کے عیوب بیان کرنا

---

(۱۲) کسی کے عیوب بیان کرنا کس وقت جائز ہے

کیونکہ یہ ولی حمیتِ دین، عزتِ حق، مسلمانوں کی خیر خواہی کے لیے اس
جھوٹے دعویدار کا انکار کر رہا ہے۔ یہ محدثین کی راویوں پر جرح و تعدیل کی طرح
ہی ہے۔ وہ آدمی اپنے عیب پر مطلع ہونے اور پند و نصیحت کے باوجود اپنے
گناہ پر مُصر ہے گویا یہ شخص اس مجاہر کا حکم رکھتا ہے جس نے حیا کی چادر اتار
ڈالی ہو۔ مسلمانوں کے ساتھ دغا و فریب کے معاملات کرتا ہو۔ لوگ حقیقت
حال سے ناواقف ہوں، تو جو حقیقتِ حال سے واقف ہے اس کے لیے مستحب
ہے کہ لوگوں کے سامنے حقیقتِ حال بیان کرے۔

خلاصۂ کلام، حقیقتِ حال سے ناواقف لوگوں کے حق میں یہ غیبت
اور ذکرِ قبائح ہے لیکن اس ولی کی بہ نسبت جسے اللہ تعالیٰ نے مطلع فرما دیا ہو
اور بذریعہ کشف باخبر ہو یہ مقامِ توقف و تردد ہے۔

(۱۳) کیونکہ حیرت و توقف کے مقام میں سکوت و توقف لازم ہے۔

(۱۴) جو کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے اور اس پر اعتراض کرنے کا سبب ہے۔

ہی اس کے جھوٹے دعووں سے توبہ کرنے اور نفاق کے درخت کی بیخ کنی کا سبب بن جاتا ہے اور وہ اپنی جہالت و حیرت سے واپس لوٹ آتا ہے(۱۵)۔ ایسے میں قباحتوں کا ذکر ولی کی طرف سے جہاد اور حملہ قرار پاتا ہے اور غرور و رعونت میں ہلاک ہونے والے کے لیے نفع رساں ثابت ہوتا ہے اور خدا جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے(۱۶)۔

---

(۱۵) لِاِقْلَاعِهٖ وَتَوْبَتِهٖ وَرُجُوْعِهٖ عَنْ جَهْلِهٖ وَحَيْرَتِهٖ کی ضمیروں میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ منکر کی طرف راجع ہوں، اور ذٰلك کا اشارہ تسلیم و سکون کی طرف ہو، تو معنی یہ ہوں گے منکر کا یہ توقف و سکوت اور تسلیم ولی کے انکار سے توبہ و رجوع کا سبب بن سکتا ہے۔

(۱۶) ولی اللہ پر اعتراض کرنے سے بچنا ضروری ہے

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مسئلہ انتہائی غامض و دقیق ہے اور حیرتِ افہام و زلّتِ اقدام کا مقام ہے کہ ولی اپنے کشف و علم کی بنا پر جھوٹے مدعی کی غیبت کرتا اور اس کی باطنی برائیوں، نیت پر نظر رکھتا ہے اور لوگوں کے انکار میں خطا و صواب دونوں پہلو موجود ہیں اس کلام میں تنبیہ ہے اہلِ تحقیق و اربابِ احوال کے اقوال و افعال پر انکار میں جلد بازی نہیں چاہیے اگرچہ وہ افعال و اقوال بظاہر عقل سے ماوراء ہوں پھر بھی توقف، تسلیم، سکوت لازم ہے۔ اور ظاہر شریعت کے مطابق ان کی توجیہ و تاویل میں سعی کرنا چاہیے کیونکہ ان حضرات کے مقاصد عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ اگرچہ شریعت کی موافقت و مطابقت کے بغیر ان کی اتباع

جائز نہیں ہے اور ما نحن فیہ میں اس کی وجہ ظاہر ہے کہ غیبت اور عیوب و نقائص بیان کرنے کا ایک موقع و محل ہے کہ حفاظتِ دین، حمایتِ حق اور نصیحتِ مسلمین کے لیے انہیں ذکر کیا جائے جیسا کہ ظنِ غالب کے اعتبار سے راویوں میں جرح و تعدیل بلا شبہ مستحسن و محمود ہے۔ غایت یہ کہ اس صورت میں ذریعۂ علم ولی کا کشف و یقین ہے گویا کہ صراطِ مستقیم اس توقف و تسلیم کی طرف اشارہ ہے اور اس کا طریقہ توسط و اعتدال ہے۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ اَسْلِمْ تَسْلَمْ تسلیم کرلو مان لو سلامتی پاؤ گے واللہ اعلم۔ اس سلسلہ میں تحقیق مزید ہمارے رسالہ "مرج البحرین" میں ملاحظہ فرمائیں اور خدا تعالیٰ ہی توفیق عنایت فرمانے والا ہے۔

اَلْمَقَالَةُ الرَّابِعَةُ وَالسَّبْعُوْنَ

قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَوَّلُ مَا يَنْظُرُ الْعَاقِلُ فِيْ صِفَةِ نَفْسِهٖ وَ تَرْكِيْبِهٖ ثُمَّ فِيْ جَمِيْعِ الْمَخْلُوْقَاتِ وَالْمُبْدِعَاتِ فَيَسْتَدِلُّ بِذٰلِكَ عَلٰى خَالِقِهَا وَمُبْدِعِهَا لِاَنَّ فِي الصَّنْعَةِ دَلَالَةً عَلَى الصَّانِعِ وَفِي الْقُدْرَةِ الْمُحْكَمَةِ اٰيَةً عَلَى الْفَاعِلِ الْحَكِيْمِ فَاِنَّ الْاَشْيَاءَ كُلَّهَا مَوْجُوْدَةٌ بِهٖ وَفِيْ مَعْنَاهُ مَا ذُكِرَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِيْ تَفْسِيْرِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ فَقَالَ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ اِسْمٌ مِّنْ اَسْمَآئِهٖ وَاسْمُ كُلِّ شَيْءٍ مِّنْ اِسْمِهٖ فَاِنَّمَا اَنْتَ بَيْنَ اَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَاَفْعَالِهٖ بَاطِنًا بِقُدْرَتِهٖ ظَاهِرًا بِحِكْمَتِهٖ ظَهَرَ بِصِفَاتِهٖ وَبَطَنَ بِذَاتِهٖ حَجَبَ الذَّاتَ بِالصِّفَاتِ وَحَجَبَ الصِّفَاتِ بِالْاَفْعَالِ وَكَشَفَ الْعِلْمَ بِالْاِرَادَةِ وَاَظْهَرَ الْاِرَادَةَ بِالْحَرَكَاتِ وَاَخْفَى الصَّنْعَ وَالصَّنِيْعَةَ وَاَظْهَرَ الصَّنْعَةَ بِالْاِرَادَةِ فَهُوَ بَاطِنٌ فِيْ غَيْبِهٖ وَظَاهِرٌ فِيْ حِكْمَتِهٖ وَقُدْرَتِهٖ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ وَلَقَدْ اَظْهَرَ فِيْ هٰذَا الْكَلَامِ مِنْ اَسْرَارِ الْمَعْرِفَةِ مَا لَا يَظْهَرُ اِلَّا مِنْ مِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَمْرُهٗ بِرَفْعِ يَدِ الْعِصْمَةِ بِالْاِبْتِهَالِ اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ اَنَالَنَا اللّٰهُ بَرَكَاتِهِمْ وَحَشَرَنَا فِيْ زُمْرَتِهِمْ بِحُرْمَتِهِمْ۔

مقالہ ۷۴

عقل سے وحدانیت کا ثبوت

فرمایا، عاقل پہلے اپنی ذات کے احوال[1] اور اس کی ہیئتِ ترکیبی[2] دیکھتا ہے، پھر ساری مخلوقات اور ایجادات میں غور کرتا ہے، تو اپنے خالق اور ازسرِ نو پیدا کرنے والے پر استدلال کرتا ہے کیونکہ صنعت کی صانع پر اور قدرتِ محکمہ[3] میں فاعلِ حکیم پر دلالت موجود ہے۔ تمام چیزوں کا وجود قادرِ قیوم کی صنعت و قدرت

---

(۱) مثلاً اس کا تغیر و تبدّل، احوال و اوضاع کا اختلاف اور حدوث و امکان کے دوسرے لوازم۔

(۲) کہ ہر عضو اپنی جگہ پر مخصوص کام میں مصروف ہے۔ غریب و دقیق حکمتوں اور عظیم و نفیس مصلحتوں کا مرقّع ہے۔

(۳) مقدرات کے قائم و ثابت اور متیقن وجود ہیں، یا قدرتِ محکمہ جو کہ دلیلِ اتقان اور احکامِ مقدورات سے ثابت ہے فاعلِ حکیم پر دلالت کرتی ہے۔ جو اشیاء کی آفرینش میں کمالِ حکمت کا لحاظ رکھتا ہے اور صفتِ حکمت حیات، علم، قدرت اور ارادہ وغیرہ تمام صفات کو مستلزم ہے۔

سے ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کے اسماءِ گرامی میں سے کوئی اسم ہے(۴) اور ہر چیز کا نام و نشان اسم الٰہی کا اثر ہے تم تو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اور افعال کا اثر ہو۔ باطنی طور پر(۵) اس کی قدرت کا اور ظاہری طور پر حکمت کا(۶)۔ اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے باطن ہے(۷) اور صفات کے اعتبار سے ظاہر۔ اس نے اپنی ذات کو صفات(۸) میں

---

(۴) اور ہر چیز اسماءِ الٰہیہ میں سے کسی اسم کا مظہر ہے اور ہر اسم اس چیز کا مبدءِ تعین ہے جس کا وہ مُربّی ہے۔

(۵) یعنی مرتبۂ امکان و ماہیت میں۔

(۶) یعنی مرتبۂ وجود و فعل میں۔

(۷) کہ اس کی کُنہ اور حقیقت کو کوئی نہیں جانتا۔

(۸) **صفت پردہ ذات ہے** صفت پردۂ ذات ہے۔ ذات کا ادراک صفت کے بغیر ناممکن ہے بلکہ مدرک وُہ صفت ہی ہے اور ذات مبہم رہتی ہے اور بر سبیلِ ابہام صفت کے ضمن میں منظور و مشہود ہوتی ہے۔ مثلاً قادر وُہ ہوتا ہے جس میں قدرت موجود ہو اور عالم وُہ ہوتا ہے جو علم رکھتا ہو۔ لہٰذا مشارٌ الیہ ذات ہے جو تمام صفات میں ایک ہی ہے۔ اسی طرح کسی چیز کو دیکھیں کہ وہ سیاہ ہے یا سفید، کوتاہ ہے یا دراز، نرم ہے یا سخت، اس میں ذات ایک ہی ہے۔ اور یہ تمام صفتیں اس پر محمول ہو رہی ہیں۔ غایتِ باب یہ کہ کسی کی نظرِ بصیرت

اور صفات کو افعال میں پوشیدہ کر رکھا ہے(۹)۔ اس نے علم کو ارادے سے(۱۰) اور ارادے کو حرکات(۱۱) کے ذریعے ظاہر فرمایا اور کمال وصفت کو چھپایا اور صفت کو

اور توجہ باطن اسی ایک پر ہے وہ اسی میں گرفتار ہے اور ان کے مفہومات کا تعدد اس کی نظرِ شہود سے ساقط ہے۔ اگر ملحوظ ہو بھی تو بالتبع اور طفیل ہوگا اور دوسرا شخص اسی تعدد اور کثرت میں گرفتار ہے اور بالتبع ذات کا ملاحظہ کرتا ہے پہلا شخص سُنے گا تو قادر، علیم، سمیع، بصیر، لطیف اور خبیر وہی ایک ذات ملحوظ رکھے گا اور یہ مفہومات ساقط ہوں گے اور دوسرے شخص کا مقصودِ نظر یہ مفہوماتِ متعددہ ہیں اور ملاحظۂ ذات بالتبع ہے۔ اگر بالفرض اسے پہلے اس بات کا علم نہ ہو کہ یہ ایک ذات کی صفات ہیں تو وُہ صفاتِ متعددہ کے لیے ذواتِ متعددہ جائز قرار دے گا، دونوں صورتوں میں صفت ذات کے پردہ میں ہے۔ لیکن ایک کی نظر پردے پر مقصور ہے اور دوسرا پسِ پردہ پر نظر جمائے ہوئے ہے، ان دونوں صورتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

(۹) افعال پردۂ صفات ہیں صفات افعال سے مکشوف ہوتی ہیں جیسا کہ ذات صفات سے مشہود ہوتی ہے۔

(۱۰) کیونکہ اس کا علم مخفی ہے کسی کو علم پر اطلاع نہیں ہے جب کسی چیز کا ارادہ ہوتا ہے تو وُہ چیز وجود میں آجاتی ہے اور اس بات کا انکشاف ہو جاتا ہے کہ علمِ الٰہی یہ تھا۔

(۱۱) انسانوں اور دیگر مخلوقات کی جنبش و افعال کا نام حرکات ہے ارادہ بھی اس صورت میں معلوم ہوگا، جب افعال ہوں گے یہ جو کچھ کریں گے اس سے معلوم ہوگا کہ حق تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حرکات سے مراد تمام

ارادے کے ذریعے ظاہر فرمایا۔[12] اور اللہ تعالٰے اپنی غیب ذات میں باطن اور اپنی حکمت و قدرت کے آثار میں ظاہر ہے۔ کوئی شے اس کی مثل نہیں[13] اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔[14] حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کلام میں ایسے اسرار و معرفت ظاہر فرمائے ہیں جو صرف شمعِ نورِ عرفان سے منوّر سینے کے مالک سے ہی ظاہر ہو سکتے ہیں،[15] آپ کی یہ شان اس لیے ہے کہ ان کے حق میں معصوم ہاتھ دُعا کے لیے بلند ہُوئے تھے اور رحمتِ دوعالم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ان کے بچپن میں دعا کی تھی: "اے اللہ! اسے دین کی فہم عطا کر اور قرآن کی تاویل کا علم عطا فرما۔"[16] اللہ تعالٰی ہمیں بھی ان کی برکتیں[17]

اشیاء کا حدوث و وجود ہو۔ یعنی قوت سے فعل کی طرف نکلنا اور یہ معنیٰ زیادہ جامع ہے۔

(۱۲) کیونکہ ارادہ وجود افعال کی علّت ہے۔

(۱۳) یہ ذاتِ باری تعالٰے کی تنزیہہ اور عینیت کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۴) یہ عالمِ شہادت میں اس کی صنعت کے آثار کے ظہور کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۵) یہ قلبِ مومن میں نورِ حق کے ظہور کی مثال ہے اور اس آیۂ کریمہ کی طرف اشارہ ہے: اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ۔

(۱۶) تاویل بھی تفسیر کے مقابل استعمال ہوتی ہے یعنی کلام کو اس کے ظاہر سے پھیرنا اور کبھی مَا یَؤُوْلُ اِلَیْہِ کے معنی میں آتی ہے یعنی حقیقتِ معنی جو کہ خدا تعالٰے کی مراد ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ۔

(۱۷) جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور تابع ہیں دین کے عالم اور کلامِ ربّانی کے اشارات کا ادراک رکھنے والے ہیں۔

عطا کرے اور ان کے گروہ میں ہمارا حشر کرے۔[18]

---

(۱۸) بہجۃ الاسرار کے مصنّف اپنے مشائخ سے باسند روایت کرتے ہیں کہ ایک روز قاری صاحب نے حضرتِ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ایک آیت تلاوت کی آپ نے اس کی گیارہ طریقوں سے تفسیر فرمائی، اور حاضرین کا علم اسی قدر تھا پھر آپ نے دیگر طریقوں سے تفسیر و تشریح فرمائی یہاں تک کہ چالیس کا عدد مکمل کر دیا اور ہر تفسیر کی سند ذکر فرمائی اور ہر طریقے کی دلیل اور ہر دلیل کی تفصیل بیان کی تو سامعین متعجب و متحیر رہ گئے۔ اس کے بعد اتصال کے معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا: رَجَعْنَا اِلَی الْحَالِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہ اب ہم حال کی طرف لوٹنے والے ہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ کلمہ کہنے کی دیر تھی کہ حاضرین کے دل میں ایک شورش اور انقلاب و اضطراب پیدا ہو گیا اور وہ کپڑے پھاڑتے ہوئے صحرا کا رُخ کر گئے۔

سخن کہ ز دل بروں آید بدلہا درون آید
سخنہاے زبانی جملہ برباد ہوا گردد
(دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے اور محض زبانی باتیں یونہی برباد و بیکار جاتی ہیں)

اَلْمَقَالَۃُ الْخَامِسَۃُ وَالسَّبْعُوْنَ

قَالَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اُوْصِیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَطَاعَتِہٖ وَلُزُوْمِ ظَاھِرِ
الشَّرْعِ وَسَلَامَۃِ الصَّدْرِ وَسَخَا النَّفْسِ وَبَشَاشَۃِ الْوَجْہِ وَ
بَذْلِ النَّدٰی وَکَفِّ الْاَذٰی وَحَمْلِ الْاَذٰی وَالْفَقْرِ وَحِفْظِ حُرُمَاتِ الْمَشَائِخِ وَ
حُسْنِ الْعِشْرَۃِ مَعَ الْاِخْوَانِ وَالنَّصِیْحَۃِ لِلْاَصَاغِرِ وَتَرْکِ الْخُصُوْمَۃِ
فِی الْاَرْفَاقِ وَمُلَازَمَۃِ الْاِیْثَارِ وَمُجَانَبَۃِ الْاِدِّخَارِ وَتَرْکِ صُحْبَۃِ
مَنْ لَیْسَ فِیْ طَبَقَتِھِمْ وَالْمُعَاوَنَۃِ فِیْ اَمْرِ الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَ
حَقِیْقَۃُ الْفَقْرِ اَنْ لَا تَفْتَقِرَ اِلٰی مَنْ ھُوَ مِثْلُکَ وَحَقِیْقَۃُ الْغِنٰی
اَنْ تَسْتَغْنِیَ عَمَّا ھُوَ مِثْلُکَ اَلتَّصَوُّفُ مَا اُخِذَ مِنَ الْقِیْلِ وَالْقَالِ
وَلٰکِنْ اُخِذَ عَنِ الْجُوْعِ وَقَطْعِ الْمَاْلُوْفَاتِ وَالْمُسْتَحْسَنَاتِ
وَلَا تَبْتَدِءِ الْفَقِیْرَ بِالْعِلْمِ وَابْتَدِئْہُ بِالرِّفْقِ فَاِنَّ الْعِلْمَ یُوْحِشُہٗ
وَالرِّفْقَ یُؤْنِسُہٗ وَالتَّصَوُّفُ مَبْنِیٌّ عَلٰی ثَمَانِ خِصَالٍ اَلسَّخَاءُ
لِاِبْرَاھِیْمَ وَالرِّضَاءُ لِاِسْحٰقَ وَالصَّبْرُ لِاَیُّوْبَ وَالْاِشَارَۃُ لِزَکَرِیَّا
وَالْغُرْبَۃُ لِیَحْیٰی وَلُبْسُ الصُّوْفِ لِمُوْسٰی وَالسِّیَاحَۃُ لِعِیْسٰی
اَلْفَقْرُ لِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ۔

مقالہ ۷۵

تصوّف کا منبع و مخزن

حضرت سرکارِ بغداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمھیں وصیت کرتا ہُوں خدا سے ڈرو، اس کی طاعت کرو، ظاہری شریعت کی پیروی کرو، سینے کو پاک رکھو،(۱) نفس کی سخاوت اور چہرے کی بشاشت کا اہتمام کرو، مصرف میں آنے والی چیزوں کو خرچ کرو، مخلوق کو ایذا دینے سے ہاتھ روک لو، ان کی تکالیف برداشت کرو، فقر لازم کرلو، مشائخ کا احترام کرو، بھائیوں سے حُسنِ معاشرت کا برتاؤ کرو، چھوٹوں کو نصیحت کرتے رہو، دوستوں سے خصومت ترک کردو، اور ایثار کو شعار بنالو۔(۲) ذخیرہ اندوزی سے احتراز کرو، اور جو لوگ

(۱) غل و غش و حسد و کینہ وغیرہ صفاتِ ذمیمہ کی آفت سے۔

(۲) **ایثار کا مفہوم اور اس کی تفصیل** ایثار کے معنی ہیں اپنے حق کو پسِ پُشت ڈالتے ہُوئے اپنے مسلمان بھائی کا حق مقدم جاننا۔ ایثار دنیاوی حقوق میں ہوتا ہے طاعت و قربات میں نہیں۔ مثلاً ایک شخص وضو کا پانی دوسرے کو

سالکینِ راہِ مولیٰ اور طالبینِ درگاہِ حق نہیں ان کی صحبت ترک کر دو، مسلمانوں

اور خود تیمم کر کے نماز ادا کرے یا ستر ڈھانپنے کے لیے اپنا کپڑا دوسرے کو دے کر خود برہنہ نماز ادا کرے، اسی طرح تواضع کرتا ہوا امام کے قرب یا صفِ اوّل میں اپنی جگہ کسی اور کو دے اور خود دوسری صف میں امام سے دُور نماز پڑھے تو ایسا کرنا جائز اور پسندیدہ نہیں ہے۔

بعض بزرگوں نے قربات وطاعات میں ایثار کے متعلق روایات ملتی ہیں یہ بات تم نے سُنی ہوگی کہ ایک شیخ نے اپنے شاگرد کو ایثار کی وصیت فرمائی تو ایک دفعہ بھری مجلس میں ایک برہنہ سائل آگیا اس شاگرد نے اپنا کپڑا اتار کر اسے دے دیا تو اس شیخ نے فرمایا: میں نے تجھے اس طرح کے ایثار کی نصیحت نہیں کی تھی تم سائل کو کوئی اور کپڑا دے دیتے اور خود اسے پہنے رکھتے۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ عبادات میں ایثار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی عدمِ تقربِ الٰہی کو پسند کرتا ہے جو کہ باری تعالیٰ و تقدس سے اعراض کو مستلزم ہے۔ اور مشائخ فرماتے ہیں کہ یہ بھی تقرب کا ایک ذریعہ ہے لہٰذا اس سے ترکِ تقرب لازم نہیں آتا، واللہ اعلم۔

راقم الحروف (شیخ محقق علیہ الرحمۃ) فرماتے ہیں صحیحین کی حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں دودھ یا پانی کا پیالہ پیش کیا گیا آپ نے نوش فرمایا آپ کی دائیں جانب نوعمر بچہ تھا، ایک روایت کے مطابق وہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ تھے، اور دوسری جانب عمر رسیدہ حضرات موجود تھے۔ آپ نے اس بچے سے فرمایا کہ یہ بقیہ ان بزرگوں کو دے دوں؟ تو وہ بچہ عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! نہیں، آپ کا بقیہ تبرک

کی ان کے دینی اور دنیاوی معاملات میں مدد کرو۔[۳] حقیقتِ فقر یہ ہے کہ اپنے جیسی مخلوق سے احتیاج نہ رکھو۔[۴] حقیقتِ غنا یہ ہے کہ اپنے جیسوں سے استغنا اختیار کرو[۵] اور تصوف قیل وقال سے نہیں لیا گیا[۶] بلکہ بھوک[۷] اور پسندیدہ و

ایثار کرتے ہوئے کسی اور کو دینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ آپ نے وہ پیالہ اس بچے کو دے دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا اذن طلب فرمانا اس لیے تھا کہ اگر بچہ اجازت دے گا تو دوسروں کو دینا درست ہوگا۔ اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ عبادات میں ایثار جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پس خوردہ تناول کرنا افضل قربات و اعظم برکات سے ہے؛ مگر آپ نے دُنیوی امور کی رعایت کرتے ہوئے اذن طلب فرمایا کیونکہ دُودھ پینے سے دُنیوی نفع حاصل ہوتا ہے اور جب آپ نے دیکھا کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس طاعت وعبادت کو اپنے لیے ہی پسند کرتے ہیں تو آپ نے ایثار کا حکم نہ دیا اور ایثار ترک کرنے پر تقریر فرما دی، اسے سمجھ لو۔

(۳) بشرطیکہ وہ کام حرام نہ ہو۔

(۴) جو کہ خود خدا کا محتاج ہے یعنی فقرِ حقیقی جس پر فخر کیا جا سکتا ہے وہ فقر الی اللہ ہے

(۵) خداوند قدوس کے نیاز مند رہتے ہوئے، یعنی حقیقۃً غنا غنا باللہ ہے اس کے ماسوا حتّٰی کہ اعمال وطاعات پر بھی اعتماد و بھروسا نہ ہو۔

(۶) **تصوّف کی تعریف** تصوّف کے معنی ہیں تہذیب اخلاق، تزکیۂ نفس اور ماسوی اللہ کی طرف التفات ترک کرتے ہوئے مولا کریم کی بارگاہ کا قرب ووصول حاصل کرنا۔

(۷) کھانا تناول کرنے میں ریاضتِ نفس ارکانِ طریقت میں سے ایک رکن ہے اور نفس لذات وشہوات کا قلع قمع کرنے میں ایک عمدہ چیز ہے۔

محبوب چیز(۸) کو چھوڑ دینے سے لیا گیا، جو فقیر طلب کے لیے حاضر ہو اس کا آغاز علم کے ذریعے نہ کرو(۹) بلکہ نرمی سے اس کی ابتداء(۱۰) کرو، کیونکہ ابتداءِ صحبت میں احکامِ علم کا مطالبہ وحشت کا باعث ہوگا اور نرمی الفت پیدا کرے گی(۱۱)۔

(۸) جنہیں لوگوں کی طبیعتیں عرف و عادات کے اعتبار سے پسندیدہ خیال کرتی ہیں۔

(۹) احکام اور اس کے مقتضیات کا مطالبہ و مواخذہ نہ کرو، آداب و حقوق کی رعایت کرتے ہوئے اس پر راہ تنگ نہ کرو۔

(۱۰) اغماض اور چشم پوشی سے کام لو۔

(۱۱) اور صحبت کے بعد بلا تکلف یہ حالت پیدا ہو جائے گی۔

تاثیرِ صحبت کا ایک واقعہ

مجھے یہ حکایت یاد آ رہی ہے کہ ہمارے حضرت شیخ (علی متقی) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکہ شریف میں ہمارے شیخ کی خدمت میں ہندوستان کا ایک طالبعلم حاضر ہوا اور اس کی ڈاڑھی پوری نہ تھی ساتھی ہر وقت اس کوشش میں رہتے کہ وہ ڈاڑھی مکمل کر لے اس پر اعتراض کرتے، مگر وہ بضد تھا جھگڑے کے لیے تیار ہو جاتا، تو حضرت شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا اسے وحشت نہ دلاؤ۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو تاکہ یہ ہماری صحبت سے متمتع ہو اس سے محروم نہ کرو یہ کام بہت آسان ہے ایک ہی مرتبہ کہنے سے حل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ہوا کہ چند دنوں میں جب وہ مانوس ہو گیا تو حضرت شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا تھا تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، تمہارا یہ کام درست نہیں ہے آئندہ ایسا نہ کرنا۔ اس طالب علم نے حضرت شیخ کے اتنا کہنے سے ہی اپنی ڈاڑھی مکمل کر لی۔

تصوف کی بنیاد آٹھ چیزوں پر ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی سخاوت(۱۲)، حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرح قضا پر رضا(۱۳)، حضرت ایوب علیہ السلام جیسا صبر(۱۴)، حضرت زکریا علیہ السلام کی طرح مناجات(۱۵)، حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسی غربت و مسافرت(۱۶)، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح صوف

(۱۲) آپ ہمیشہ مہمان نوازی اور راہِ حق میں مال خرچ کرتے میں مصروف رہتے۔

(۱۳) ایک قول کے مطابق حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح اللہ ہیں یہ قول حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے کلام میں دوسری جگہ بھی منقول ہے۔

(۱۴) مشہور ہے کہ آپ پر عظیم آزمائش نازل ہوئی اور آپ نے صبر کیا۔

(۱۵) یعنی آپ کی ندا خفی اور اپنے حال کی شکستگی عرض کرنا اور بارگاہِ رب العزت میں ان کی باریابی۔

(۱۶) حضرت یحییٰ علیہ السلام کو جس طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ و زاری، تضرع و ابتہال اور تجرد کا حال تھا کسی اور کو کم میسر آتا ہے۔

حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا مذاکرہ

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پر ہمیشہ گریہ و زاری اور انقباض کی کیفیت رہتی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انبساط و خوشی کی حالت رہتی، ایک مرتبہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اَیِمَنْتَ مِنْ مَکْرِ اللّٰہِ (ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے) آپ اللہ تعالےٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہوں، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اَیَئِسْتَ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰہِ (ایسا لگتا ہے جیسے) آپ اللہ تعالےٰ کی رحمت سے مایوس ہو گئے ہوں۔

کا لباس پہننا[17]، حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی طرح سیر و سیاحت[18]، عالمِ قدس
کے بادشاہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کا فقر[19]۔ اللہ تعالیٰ کی آپ پر
اور تمام انبیاء پر رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔

---

(17) آپ غالب احوال میں فقراء کی ہیئت پر پشم کا درست لباس زیبِ تن فرماتے۔

(18) آپ نے (عیسےٰ علیہ السلام نے) رہائش کے لیے کوئی مخصوص مکان نہ بنایا اور کسی خاص شہر میں رہائش اختیار نہ فرمائی اسی لیے آپ کو عیسٰی مجرد کہا جاتا ہے۔

(19) اور جمیع ماسوی اللہ کو ترک کر دینا ؎

زہے سلطانِ درویشانِ عالم
بسلطانی و درویشی مسلم
محمد عربی شاہِ کشورِ لولاک
بفقر فخر کند باوجود سالاری

(سارے جہان کے درویشوں کے سلطان کتنے مبارک ہیں جن کی درویشی اور سلطانی مسلّم ہے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کشورِ لولاک کے بادشاہ ہیں جو سالار ہونے کے باوجود فقر پر فخر فرماتے ہیں)

اَلْمَقَالَةُ السَّادِسَةُ وَالسَّبْعُوْنَ

قَالَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اُوْصِیْكَ اَنْ تَصْحَبَ الْاَغْنِیَاءَ بِالتَّعَزُّزِ وَ
الْفُقَرَآءَ بِالتَّذَلُّلِ وَعَلَیْكَ بِالتَّذَلُّلِ وَالْاِخْلَاصِ وَهُوَ دَوَامُ رُؤْیَةِ
الْخَالِقِ وَلَا تَتَّهِمِ اللّٰهَ فِی الْاَسْبَابِ وَاسْتَكِنْ اِلَیْهِ فِیْ كُلِّ الْاَحْوَالِ
وَلَا تُضَیِّعْ حَقَّ اَخِیْكَ اِتِّكَالًا عَلٰی مَا بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ مِنَ الْمَوَدَّةِ
وَعَلَیْكَ بِصُحْبَةِ الْفُقَرَاءِ بِالتَّوَاضُعِ وَحُسْنِ الْاَدَبِ وَالسَّخَاءِ
وَاَمِتْ نَفْسَكَ حَتّٰی تَحْیٰی وَاَقْرَبُ الْخَلْقِ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ
اَوْسَعُهُمْ خُلُقًا وَاَفْضَلُ الْاَعْمَالِ رِعَایَةُ السِّرِّ عَنِ الْاِلْتِفَاتِ
اِلٰی مَا سِوَی اللّٰهِ تَعَالٰی وَعَلَیْكَ بِالتَّوَاصِیْ بِالْحَقِّ وَبِالصَّبْرِ
وَحَسْبُكَ صُحْبَةُ فَقِیْرٍ وَخِدْمَةُ وَلِیٍّ وَالْفَقِیْرُ هُوَ الَّذِیْ
لَا یَسْتَغْنِیْ بِشَیْءٍ دُوْنَ اللّٰهِ وَالصَّوْلَةُ عَلٰی مَنْ هُوَ دُوْنَكَ ضُعْفٌ
وَعَلٰی مَنْ هُوَ فَوْقَكَ وُقَاحَةٌ وَعَلٰی مَنْ هُوَ مِثْلُكَ سُوْءُ خُلُقٍ
اَلْفَقْرُ وَالتَّصَوُّفُ كُلُّهٗ جِدٌّ وَلَا تُخَالِطُهٗ بِشَیْءٍ مِّنَ
الْهَزْلِ وَفَّقَنَا اللّٰهُ وَاِیَّاكُمْ یَا وَلِیُّ عَلَیْكَ بِذِكْرِ اللّٰهِ عَلٰی كُلِّ
حَالٍ فَاِنَّهٗ لِلْخَیْرِ جَامِعٌ وَعَلَیْكَ الْاِعْتِصَامُ بِحَبْلِ اللّٰهِ
فَاِنَّهٗ لِلْمَضَارِّ دَافِعٌ وَعَلَیْكَ بِالتَّاَهُّبِ لِلتَّلَقِّیْ مَوَارِدَ

القضاء فانه واقع۔ واعلم انك مسئول عن حركاتك وسكناتك فاشتغل بما هو اولى في الوقت واياك وفضول تصرفات الجوارح وعليك بطاعة الله ورسوله ومن والاه وادّ اليه حقه ولا تطالبه بما يجب عليه وادع في كل حال له وعليك بحسن الظن للمسلمين واصلاح النية لهم والسعي بينهم في كل خير وان لا تبيت ولاحد في قلبك شر ولا شحناء ولا بغض وان تدعو لمن ظلمك وراقب الله عز وجل وعليك باكل الحلال والسؤال لاهل العلم بالله فيما لا تعلم وعليك بالحياء من الله عز وجل واجعل صحبتك مع الله واصحب من سوى الله بصحبته وتصدق في كل صباح بعرضك واذا امسيت فصل صلوة الجنازة على كل من مات من المسلمين في ذلك اليوم واذا صليت المغرب فصل صلوة الاستخارة وتقول بكرة وعشيا سبع مرات اللهم اجرنا من النار وحافظ على قول اعوذ بالله العليم من الشيطن الرجيم هو الله الذي لا اله الا هو عالم الغيب والشهادة هو الرحمن الرحيم الى اخر سورة الحشر والموفق والمعين اذ لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم۔

مقالہ ۷۶

وصیّتِ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اگر اغنیاء اور دُنیاداروں سے ملنے کا اتفاق ہو تو عزت و وقار سے ملو اور فقراء سے ملو تو عاجزی اور تواضع کے ساتھ۔ عاجزی اور اخلاص کو ہمیشہ کے لیے لازم کر لو۔ اخلاص کے معنی ہمیشہ اللہ تعالےٰ اور اغراض و اعواض کی طلب کے بغیر اس کی محبّت و رضا ملحوظ رکھنا ہیں۔ اسباب میں خدا تعالےٰ پر تہمت نہ لگاؤ[1]۔ ہر حال میں[2] اللہ تعالےٰ کے سامنے اپنی بیچارگی کا اظہار کرو

---

(۱) یہ وہم نہ کرنا کہ اسباب اس لیے پیدا کئے ہیں کہ ان کے بغیر اسے قدرت حاصل نہیں۔ ایسا وہم خطا ہے کیونکہ جو اسباب کو پیدا کر سکتا ہے وہ مسببات کو بھی پیدا کر سکتا ہے۔ درحقیقت اسباب کی تخلیق اور اس پر مسببات کی ترتیب میں بلا اسباب تخلیق کی بہ نسبت قدرت و خالقیت کا ظہور زیادہ ہے۔ دوسرا مطلب یہ کہ جب اسباب کو بروئے کار لا کر روزی حاصل کرو تو اسباب کو رزق کی علت نہ سمجھ بیٹھنا اور اس پر نظر نہ لگا لینا کیونکہ خالق و

تم اپنے اور اپنے بھائی کے درمیان دوستی پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے حقوق ضائع نہ کرو[3]۔ تواضع، حسنِ ادب اور سخاوت کے ساتھ صحبتِ فقراء لازم کرلو۔ موت اختیاری کے ذریعے اپنی نفس کشی کرو یہاں تک کہ حیاتِ معنوی سے زندہ کر دیا جائے۔ جو شخص خُلق کے اعتبار سے اچھا ہے وہ خدا کے زیادہ قریب ہے[4]۔ حصولِ ثواب اور قربِ الٰہی میں افضل ترین عمل اپنے باطن کو ماسوا اللہ

روزی رسان اللہ تعالےٰ ہے۔ ممکن ہے کہ یہ وصیت ترکِ اسباب کے متعلق ہو جیساکہ ابتدائے حال میں مقامِ توکل کو پختہ کرنے کے لیے ہوتا ہے گویا کہ اسباب کی طرف ہاتھ بڑھانا خالق پر عجز کا اتہام تراشنا ہے۔

(۲) خواہ تونگری و غنا کی حالت ہو یا فقر و احتیاج کی ۔ ع

آنہا کہ غنی تر اند محتاج تر اند

(جو جس قدر زیادہ مالدار ہیں اسی قدر زیادہ محتاج ہیں)

(۳) یعنی وہ دوست ہے اس لیے بُرا نہیں منائے گا اور ناراض ہو کر گلہ شکوہ نہیں کرے گا کیونکہ ممکن ہے یہی تضییعِ حقوق دوستی میں فتور کا باعث بن جائے۔ دوستی حقوق کی حفاظت کا سبب ہے نہ کہ ضیاع کا۔ لہٰذا دوستی پر اعتماد کرتے ہوئے حقوق ضائع کرنا خلافِ وضع ہے۔

(۴) کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائی سے تنگ دل نہیں ہوتا، دائرۂ انصاف و اعتدال سے قدم باہر نہیں رکھتا۔ اس کو شرح صدر کا نام دیا جاتا ہے بتمام وکمال اس مقام کا حصول حضورِ اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے جوہر شریف کا خاصہ ہے اور دوسروں کو جس قدر نسبت آپ کی ذاتِ شریفہ سے حاصل ہے اور جس قدر اتباع کرتے ہیں اسی قدر یہ اس مقام سے

کی طرف التفات[5] سے محفوظ رکھنا ہے، لوگوں کو حق اور صبر کی تلقین کرنا اپنے اوپر ضروری قرار دے لو[6]۔ تمھیں فقیر کی صحبت اور ولی کی خدمت کافی ہے[7]۔ فقیر وہ ہے جو

بہرہ یاب ہوتے ہیں۔ بعض بعض کے اوپر ہیں۔ اس سلسلہ میں دوسرے رسائل میں تفصیل سے کلام کیا گیا ہے وہاں ملاحظہ کرنا چاہیے۔

(۵) التفات کے معنی پلٹ کر دائیں بائیں دیکھنا گویا کہ سالکِ راہِ حقیقت اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ ہے اور وہی پیشِ نظر ہے، اور سالک اس سے توجہ ہٹا کر کسی اور کی طرف قطعاً نہیں دیکھتا۔

(۶) اور طاعت پر مقیم و مستقیم رہنے کی تلقین کرتے رہو، جیساکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔

تواصی کے معنی ایک دوسرے کو وصیت کرنے کے ہیں۔

(۷) کارِ سلوک، طلبِ حق اور دریافتِ مقصود میں فقراءِ حقیقی میں سے کسی فقیر اور اولیاء اللہ میں سے کسی ولی کی خدمت و صحبت کافی ہے اگرچہ اعمال، ریاضات اور عبادات اس قدر زیادہ نہ ہوں، بشرطیکہ غیب و اخلاص ہو کیونکہ پیر مریدوں کو راہِ طریقت کے راہرو بنا دیتے ہیں ؎

راہ ہائے صعب پایاں بردہ ایم
راہ بر اہلِ خویش آساں کردہ ایم

(ہم نے دشوار گزار راستے طے کئے ہیں مگر اپنوں کے لیے راستہ آسان بنا دیا ہے)

شیخ ابو العباس قدس سرہ کے متعلق منقول ہے کہ اگر کوئی درویش لمبی لمبی نمازیں پڑھتا تو فرماتے: بیٹا! سو جاؤ یہ پیر جو کچھ کرتا ہے تمہارے لئے ہی کرتا ہے

اللہ تعالیٰ سے کسی چیز سے بے نیاز نہ ہو۔ اور اپنے سے چھوٹے پر حملہ کرنا نامردی ہے(۸) اور اپنے سے بڑے پر حملہ کرنا بے حیائی اور شوخی کے مترادف ہے اور اپنے برابر والے پر حملہ کرنا بد اخلاقی ہے(۹)۔ فقر و تصوف مجاہدہ ہے اسے کسی بیہودہ چیز سے نہ ملاؤ(۱۰)

اسے اور کوئی کام نہیں ہے اور تمہاری اس قدر ریاضت کی حاجت بھی نہیں ہے۔

دُوسرا مفہوم یہ ہے کہ ایک مردِ فقیر اور ایک ولی کی خدمت ہی کافی ہے در بدر جانے اور پراگندہ حال ہونے کا کوئی مطلب نہیں۔ یکدر گیر محکم گیر۔ بزرگ فرماتے ہیں،

ہر کہ یک جا ہمہ جا و ہر کہ ہمہ جا ہیچ جا۔

(جو ایک جگہ ہے اس کا رابطہ ہر جگہ سے ہو سکتا ہے اور جو در بدر پھرتا ہے وہ کسی جگہ کا بھی نہیں رہتا)

ع یک دل داری بس ست یکدوست ترا

(تمہارا دل ایک ہی ہے اس لیے دوست بھی ایک ہی کافی ہے)

(۸) ایسا کرنا صورۃً اگرچہ قوت کا اظہار ہے لیکن حقیقۃً ناتوانی اور نامردی ہے۔

(۹) صولت سے مراد حسی طور پر ظاہر میں حملہ کرنا ہے یعنی کسی کو شکست دینے اور اذیت پہنچانے کے لیے حملہ کرنا۔ یا صولت سے مراد معنوی طور پر باطن میں حملہ کرنا ہے۔ چنانچہ بعض اہلِ قوت اولیاء مقامِ طلب اور کسی ولی کو اس کے مرتبہ و مقام سے گرانے کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ کام اچھا نہیں ہے اور مقامِ شفقت و رحمت جو کہ مقامِ ولایت کو لازم ہے اس کے لائق بھی نہیں ہے۔

(۱۰) ہزل اقوال و احوال اور افعال میں جد (کوشش) کی ضد ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بات کی توفیق دے(۱۱)۔ اے خدا کے ولی! تم ہر حال میں خدا کا ذکر کرو(۱۲) کیونکہ ذکر تمام نیکیوں کا جامع ہے(۱۳)، اور اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اس کی پناہ میں آجاؤ کیونکہ اللہ کی رسّی سے تمسک ہر قسم کے خسارے کو دُور کرنے والا ہے(۱۴) تمہارے لیے قضائے الٰہی سے پیش آنے والے موقعوں کے لیے ہر وقت تیار رہنا لازم ہے(۱۵)۔ جان لو کہ ہر حرکت اور ہر سکون پر تمہاری پرسش ہو گی اس لیے وقت کی مناسبت سے جو کام سب سے اچھا ہے اس میں مشغول رہو اور اپنے اعضاء کو فضول کاموں سے بچائے رکھو۔ اللہ تعالیٰ

---

(۱۱) کہ ہم سراسر کوشش بن جائیں، یہ جِد کے عُلوِ مقام کی طرف اشارہ ہے اور سالکین کے لیے تعلیم ہے کہ اس کی تحصیل طلب کریں سُستی کا مظاہرہ نہ کریں، جیسا کہ اولیاءِ عظام اور مقربین ذوالجلال والاکرام اسے طلب کرتے چلے آئے ہیں، مراتبِ مقام اور علوِ ہمت کے فرق کے لحاظ سے اس کے بھی درجات و مراتب ہیں، بعض بعض سے اوپر ہیں۔

(۱۲) اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے وقت، شدت و رخا میں، صحت و مرض میں، مصروفیت و فراغت میں، شادی غمی میں اور قُرب و بُعد میں۔

(۱۳) کیونکہ جو کام بھی خدا کی رضا کے لیے کیا جائے وہ ذکر ہے خصوصاً شریعت کے امر و نہی میں۔ اور مشائخ کی زبان میں ذکر سے متعارف لا الٰہ الا اللہ یا الا اللہ کا سِرّی یا جہری وِرد کرنا ہے۔

(۱۴) خواہ وہ نقصان دنیا و آخرت کا ہو یا آفاقی و انفسی ہو یا رُوحی و جسدی ہو۔

(۱۵) کیونکہ اس سے غفلت اختیار کرنے اور بھاگنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اور رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور حاکم کی اطاعت تمہارے لیے لازم ہے اور حاکم کا حق ادا کرو اور اس سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہ کرو جو اس پر واجب ہے۔[16] اور ہر حال میں اس کے لیے طلبِ توفیق کی دُعا کرتے رہو۔[17] مسلمانوں کے بارے میں حُسنِ ظن رکھنا،[18] ان کے متعلق نیک نیتی سے کام لینا[19] اور ان کے ساتھ نیکی کے[20] کاموں میں شریک رہنا لازم ہے تمہاری کوئی رات ایسی نہیں گزرنی چاہیئے کہ تمہارے دل میں کسی کے بارے میں برائی، کینہ اور دشمنی ہو، اور جو شخص تم پر ظلم کرے اس کے لیے نیک دُعا کرو۔ اللہ تعالےٰ کی طرف توجہ[21] رکھو، تمہارے لیے ضروری ہے کہ رزقِ حلال کھاؤ اور جس چیز کے بارے میں علم نہ ہو اہلِ علم

---

(۱۶) یعنی تم اس کا حق ادا کرتے رہے اور وہ بھی تمہارا حق ادا کر دے گا اور اگر حق ادا نہ کرے اور ظلم کرے تو صبر سے کام لو اور اپنا حق طلب کرنے میں مبالغہ نہ کرو تاکہ فتنہ و فساد پیدا نہ ہو۔

(۱۷) وہ والی عادل ہو یا جائر۔

(۱۸) تردد و احتمال کی صورت میں، اور اگر قرائن کے لحاظ سے بُرائی والی جانب راجح بھی ہو تو توجیہ کرتے ہوئے نیکی کا پہلو نکالنا چاہیئے۔ علماء فرماتے ہیں حسنِ ظن کی وجہ سے سَو کافر کو کفر سے نکالنا ایک مؤمن کو کفر میں داخل کرنے سے بہتر ہے اس کی بنیاد بھی حُسنِ ظن پر ہے۔

(۱۹) ہمیشہ یہی ارادہ رکھنا کہ ان سے بھلائی کروں گا۔

(۲۰) نہ شر کے کاموں میں۔

(۲۱) کہ وہ تمہارے احوال کا علم رکھتا ہے تاکہ تم معصیت و نافرمانی کے مرتکب نہ ہو سکو۔

سے سوال کرو، اللہ تعالےٰ سے حیا کرو اور اس کی صحبت اختیار کرو[22] ماسوا اللہ کی صحبت محض صحبتِ خدا کے پیشِ نظر رکھو،[23] ہر صبح اپنے مال و اسباب سے صدقہ کرو[24] اور ہر شام کو اس دن فوت ہونے والے مسلمانوں کی نمازِ جنازہ ادا کرو،[25] اور نمازِ مغرب کے بعد نمازِ استخارہ پڑھا کرو،[26] اور صبح و شام

---

(۲۲) بندے کی خدا سے صحبت سے مراد مراقبہ، حفظِ ادب، حضور مع اللہ اور ذکرِ الٰہی سے انس ہے اور خدا کی بندے سے صحبت سے مراد عنایت و حفاظت، انس پیدا کرنا، انعام و احسان اور قسم قسم کے انعامات سے نوازنا ہے حدیث مبارک میں ہے؛

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ — اے اللہ! تو ہمارا سفر کا ساتھی ہے

وَرَبَّنَا صَاحِبْنَا۔ — اے پروردگار! ہمیں اپنی صحبت سے مشرف رکھ۔

(۲۳) مثلاً ماسوا اللہ سے صحبت مثلاً طلبِ دین، تعلیم و تعلم اور مذاکرہ حق کیلئے ہونا چاہیئے۔ بعض مشائخ کے کلام میں درج ہے کہ خدا کی صحبت اختیار کرو اگر یہ میسر نہ ہو تو ایسے شخص کی صحبت اختیار کرو جو خدا کی صحبت سے مشرف ہے۔ بہر تقدیر جناب باری تعالیٰ پر مصاحبت کا اطلاق ہوا ہے۔

(۲۴) خصوصاً اپنی عزت و آبرو سے کہ مسلمانوں کی فلاح، خدمتِ خلق اور ترویج دین میں صرف کرو۔

(۲۵) بظاہر یہ چیز دین میں داخل ہے کہ اہلِ عبادت اور اربابِ تمسک مسلمان فوت شدگان کے ایصالِ ثواب کے لیے ایسا کرتے ہیں جیسا کہ زندہ لوگوں کے لیے صدقہ ہے اس کی بنیاد احناف کے علاوہ دیگر ائمہ کے اس فتوٰی پر ہے کہ غائبانہ نمازِ جنازہ جائز ہے۔

(۲۶) سارے دن کی بھلائی طلب کرنے کے لئے۔ اور اگر صبح کو نمازِ استخارہ

سات مرتبہ یہ دعا پڑھو : اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ[27] (اے اللہ ! ہمیں آگ سے بچا) اور یہ آیات ہمیشہ سورۂ حشر کے آخر تک پڑھا کرو : اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے اور وہی مددگار ہے کیونکہ معصیت سے بچانے والا اور نیکی کی قوت دینے والا وہی خدائے بزرگ و برتر ہے[28] ۔

پڑھی جائے تو اتم و اکمل ہوگی ۔

(۲۷) کہ موجودات کی علیت کا سلسلہ اس پر جاکر منتہی ہوتا ہے ۔

(۲۸) کوئی عقل اس کی کنہ و ذات کا ادراک نہیں کرسکتی ۔

اَلْمَقَالَةُ السَّابِعَةُ وَالسَّبْعُوْنَ

قَالَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ كُنْ مَعَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ كَاَنْ لَا خَلْقَ وَ
مَعَ الْخَلْقِ كَاَنْ لَا نَفْسَ فَاِذَا كُنْتَ مَعَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ بِلَا خَلْقٍ
وَجَدْتَّ وَعَنِ الْكُلِّ فَنِيْتَ وَاِذَا كُنْتَ مَعَ الْخَالِقِ بِلَا نَفْسٍ
عَدَلْتَ وَاتَّقَيْتَ وَعَنِ التَّبِعَاتِ سَلِمْتَ وَاتْرُكِ الْكُلَّ عَلٰی بَابِ
خَلْوَتِكَ وَادْخُلْ وَحْدَكَ تَرٰی مُؤْنِسَكَ فِیْ خَلْوَتِكَ بِعَيْنِ سِرِّكَ
وَتُشَاهِدُ مَا وَرَاءَ الْعِيَانِ وَتَزُوْلُ النَّفْسُ وَيَاْتِیْ مَكَانَهَا اَمْرُ
اللّٰهِ وَقُرْبُهٗ فَاِذَنْ جَهْلُكَ عِلْمٌ وَبُعْدُكَ قُرْبٌ وَصَمْتُكَ ذِكْرٌ وَ
وَحْشَتُكَ اُنْسٌ يَا هٰذَا اَمَا ثَمَّ اِلَّا خَلْقٌ وَخَالِقٌ فَاِنِ اخْتَرْتَ
الْخَالِقَ فَقُلْ لَهُمْ اِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ ثُمَّ قَالَ
رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ ذَاقَهٗ عَرَفَهٗ فَقِيْلَ لَهٗ مَنْ غَلَبَ عَلَيْهِ
مَرَارَةُ صَفْرَائِهٖ كَيْفَ يَجِدُ حَلَاوَةَ الذَّوْقِ فَقَالَ يَتَعَمَّلُ فِیْ
الشَّهَوَاتِ مِنْ قَبْلِهٖ ۔ يَا هٰذَا الْمُؤْمِنُ اِذَا عَمِلَ صَالِحًا انْقَلَبَ
نَفْسُهٗ قَلْبًا وَاَدْرَكَ مُدْرَكَاتِ قَلْبٍ ثُمَّ انْقَلَبَ قَلْبُهٗ

سِرًّا ثُمَّ انْقَلَبَ السِّرُّ فَصَارَ فَنَاءً ثُمَّ انْقَلَبَ الْفَنَاءُ
فَصَارَ وُجُودًا ثُمَّ قَالَ الْاَحْبَابُ يَسْعُهُمْ كُلًّا بَابٍ
يَا هٰذَا الْفَنَاءُ اِعْدَامُ الْخَلَائِقِ وَانْقِلَابُ طَبْعِكَ اِلٰى طَبْعِ
الْمَلٰئِكَةِ ثُمَّ الْفَنَاءُ عَنْ طَبْعِ الْمَلٰئِكَةِ ثُمَّ لُحُوقُكَ بِالْمِنْهَاجِ الْاَوَّلِ
وَحِيْنَئِذٍ يُسْقِيْكَ رَبُّكَ مَا يُسْقِيْكَ وَيَزْرَعُ فِيْكَ مَا يَزْرَعُ اِنْ
اَرَدْتَ هٰذَا فَعَلَيْكَ بِالْاِسْلَامِ ثُمَّ الْاِسْتِسْلَامُ ثُمَّ الْعِلْمُ بِاللّٰهِ
ثُمَّ الْمَعْرِفَةُ بِهٖ ثُمَّ الْوُجُوْدُ وَاِذَا كَانَ وُجُوْدُكَ كَانَ كُلُّكَ لَهٗ۔
اَلزُّهْدُ عَمَلُ سَاعَةٍ وَالْوَرَعُ عَمَلُ سَاعَتَيْنِ وَالْمَعْرِفَةُ عَمَلُ الْاَبَدِ۔

مقالہ ۷۷

وقوف مع اللہ

حضرت شاہِ جیلان رضی اللہ عنہ نے فرمایا : خدائے یگانہ کے ساتھ اس طرح اخلاص وحضور کے ساتھ رہو گویا مخلوق کا وجود ہی نہیں اور رعایتِ حق اور حفاظتِ حدودِ شرع کرتے ہوئے مخلوق کے ساتھ اس طرح رہو گویا نفس ناپید ہے۔ پس جب تم مخلوق کے وجود کو نظر انداز کرتے ہوئے خدا کے ساتھ رہو گے تو اسے پالو گے اور ہر چیز سے فانی ہو جاؤ گے ، اور جب نفس کی مداخلت کے بغیر مخلوق کے ساتھ رہو گے تو عدل وانصاف سے کام لو گے اور حق پر استقامت اور خلافِ حق سے پرہیز کرو گے ، انجامِ بد سے محفوظ ہو جاؤ گے[۱]، خلق ونفس خلوت کے دروازے پر چھوڑ کر خلوت میں تنہا داخل ہو جاؤ۔ تم خلوت کی تنہائیوں میں چشمِ باطن سے اپنے مونس کو دیکھ لو گے اور چشمِ سر سے نظر آنے والی موجودات اعیان واشخاص کے ماوراء کا عین الیقین

---

(۱) اور برے افعال کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے گناہوں سے مامون رہو گے۔

سے مشاہدہ کرلوگے اور نفس زائل ہوجائے گا، اور اس کی جگہ اللہ تعالیٰ
کا قرب وامر لے لے گا۔ اس حالت میں تمہارا جہل علم بن جائے گا اور بُعد
قُرب کی جگہ لے لے گا۔ تمہاری خاموشی ذکر کی حیثیت اختیار کرلے گی اور وحشت
کی جگہ انس وچین حاصل ہوگا۔(۲)

---

(۲) جب نفس اور اس کی ظلمت نکل جائے تو قُرب و معرفت کا نور جلوہ گر ہوجاتا ہے، اور یہ صفات جوکہ بظاہر نقصان کا باعث ہیں کمال کا حکم لے لیتی ہیں۔ البتہ اس جگہ نیت معرفت اور حال کی ضرورت ہے جس طرح کہ ان کے اضداد میں ہے کیونکہ فانی شخص جو کچھ کرتا ہے خدا کے لیے بلکہ خدا کے ساتھ کرتا ہے اور نفسانی جو کچھ کرتا ہے نفس کے ساتھ کرتا ہے اور جب تک نفس درمیان میں ہے تمام کمالات نقصان کا حکم رکھتے ہیں اور نفس کوچ کرجاتا ہے اور باطن شرک کی آلائش سے پاک ہوجاتا ہے تو تمام کمالات بن جاتے ہیں ؎

ہرچہ گیرد علتے علت شود
کفر گیرد کاملے ملت شود

(بیمار جو چیز پکڑتا ہے وُہ علت بن جاتی ہے اور کامل اگر کفر پکڑے تو ملت بن جاتا ہے)

بیمار جو کچھ کھائے گا نقصان دے گی اگرچہ میٹھی ہو، اور تندرست جو کچھ کھائے گا فائدہ مند ہوگی اگرچہ وُہ چیز تلخ ہو ؎

گر گلشکر خوری بتکلف زیاں کند
در نانِ خشک دیر خوری گلشکر بود

(اگر تکلف سے گلقند کھائی جائے تو نقصان دیتی ہے اور اگر بوقتِ ضرورت خشک روٹی کھائی جائے تو گلقند بن جاتی ہے)

اے آدمی! اس جگہ(۳) صرف خلق اور خالق ہیں(۴)، اگر تم خالق کو اختیار کرتے ہو تو مخلوقات سے کہہ کہ رب العالمین کے سوا یہ سب تیرے دشمن ہیں۔(۵)
پھر حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے دورانِ گفتگو فرمایا: جس نے قُربِ خداوندی کا مزا چکھا وہی اس لذت سے آشنا ہے۔(۶) آپ سے کسی نے سوال کیا جس شخص پر صفرا کی کڑواہٹ غالب ہے وُہ ذوقِ حلاوت کیسے پائے؟ آپ نے فرمایا: کوشش وتکلف کے ساتھ خواہشات سے دُور رہنے کی سعی کرے(۷)۔ اے آدمی!

---

(۳) مقامِ عبودیت و ربوبیت اور امر و نہی میں۔
(۴) خالق جس نے خلق کو پیدا کیا اور ان سے حقوقِ عبودیت کا مطالبہ کیا اور احکامِ ربوبیت اور جمیع ما سوا اللہ سے تبری و توحید کو لازم قرار دیا۔
(۵) جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتوں کے بارے میں فرمایا جن کی آپ کی قوم پوجا کرتی تھی۔
(۶) ع ذوق این می نشناسی بخدا تا نچشی
(قسم بخدا جب تک اس شراب کو نہیں چکھو گے اس کی لذت سے واقف نہیں ہوسکتے)
(۷) یعنی ریاضت اور تزکیۂ نفس کرے۔

نفس و رُوح کی تعریف

متصوفین کی اصطلاح میں حسی لذات و شہوات کے مبدء کو نفس کہا جاتا ہے یہ ایک لطیف بخار ہے جو حرارت عزیزی کے بلند ہونے سے جوفِ قلب سے اٹھتا ہے اور رگوں کے سوراخوں کے ذریعے بدن کے تمام اعضا میں پھیل جاتا ہے بدن کی حس وحرکت، بھوک وسیری، حرص وہوا اور تمام نفسانی صفات اس کے

صاحبِ ایمان جب نیک اعمال کرتا ہے تو اس کا نفس اپنا حال چھوڑ کر

ساتھ قائم ہیں۔ اطباء کی اصطلاح میں اسے رُوحِ حیوانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بدن کے ساتھ رُوحِ انسانی کا تعلق اسی کے واسطے سے ہے اور یہ ان کے درمیان برزخ کا کام دیتی ہے کیونکہ اس میں لطافت و کثافت میں دونوں کے ساتھ تعلق ہے۔ نفس و رُوح کا تعلق زوجین کے تعلق کے مشابہ ہے۔ ان کے ازدواج سے ایک اور چیز پیدا ہوتی ہے جسے قلب کہتے ہیں اور قلب ان دونوں کے درمیان متعلق و منقلب ہے اور غلبۂ احکام کے اعتبار سے یہ دونوں میں سے ایک کے تابع ہے۔ محسوسات کا مدرک نفس ہے۔ معقولات کا روح اور محسوس و معقول سے مرکب اشیا کا مدرک قلب ہے اور جو چیز محسوسات و معقولات کے قبیل سے نہ ہو جیسا کہ ذات و صفاتِ باری تعالےٰ ان کا مدرک کوئی اور ہونا چاہئے اس لیے اللہ تعالےٰ نے قلب سے اصفیٰ و اعلیٰ لطیفہ نازل فرمایا جسے "سِر" کہا جاتا ہے اور تیسرا لطیفہ جو اس سے بھی زیادہ صاف ہے اور لطیفہ سِر سے متعلق ہے اسے لطیفۂ خفی کہا جاتا ہے اور ذات باری تعالےٰ کا کشف اسی لطیفۂ خفی کے ذریعے ہوتا ہے۔

بندۂ مسکین (شیخ محقق) نور اللہ قلبہ بنور المعرفۃ والیقین کہتا ہے کہ لطیفۂ سِر کا ذات کے ساتھ اتصال اسماء و صفات کے ساتھ تلبس کی حیثیت سے ہے اور خفی کا اتصال اسماء و صفات سے تجرد و تنزہ کی حیثیت سے ہے اس سلسلہ میں حدیث نقل کرتے ہیں:

وَفِی الْخَفِیِّ اَنَا (اور خفی میں مَیں ہوں)

اور بعض حضرات لطیفہ اخفی کا اثبات بھی کرتے ہیں گویا ذات کے ساتھ

صفات و نورانیت میں قلب کا حکم حاصل کرلیتا ہے اور معارفِ قلب کا ادراک کرتا ہے پھر اس کا دل ذات و صفاتِ حق کے کشف میں "سِر" کے حکم میں تبدیل ہوتا ہے(۸) پھر "سِر" منقلب ہوکر فانی ہوجاتا ہے اور پھر فنا تبدیل ہوکر وجود و بقا بن جاتی ہے، پھر فرمایا، حق تعالیٰ کے دوستوں کے لیے ہر دروازے میں گنجائش ہے(۹)۔ اے

لطیفہ اخفی کا انجذاب تجرد و تنزہ کی قید سے بھی منزّہ و مبرّا ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ لطائف ہر فرد انسان میں رُوح علوی کے ساتھ ودیعت رکھے گئے ہوں۔ اور حجاباتِ ظلماتی اور صفاتِ نفسانی کی وجہ سے مستور ہوگئے ہوں۔ لیکن تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب اور تجلیۂ روح کے بعد ظاہر ہوجاتے ہیں اور یہ احتمال بھی ہے تجلیۂ روح کے بعد از سرِ نو ان کا افاضہ کیا جاتا ہے اور وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔

(۸) یہاں رُوح کا ذکر نہیں فرمایا گیا جبکہ بظاہر اس طرح ہونا چاہیے تھا قلب رُوح بن جاتا ہے اور رُوح "سِر" میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روح انسان کی اصل اور ذات ہے اور یہ لطائف اس کی صفات اور عوارض ہیں جن کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے۔ ممکن ہے کہ آئندہ کلام میں خفی اور اخفی کا ذکر بھی ضمناً ہو۔

(۹) یعنی اپنے دوستوں کو جس دروازے اور راستے سے اندر لانا چاہے لاسکتا ہے، اور جسے نہ چاہے اس پر دروازہ بند کردیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، جو شخص وضو کے بعد کلمۂ شہادت پڑھتا ہے اللہ رب العزت اس کے لیے بہشت کے تمام دروازے کھول دیتا ہے جس دروازے سے چاہے داخل ہوجائے ؎

تو از ہر در کہ باز آئی بدین خوبی و زیبائی
دری باشد کہ از رحمت بروی خلق بکشائی

شخص! فنا کے معنی ہیں مخلوقات کو اپنی چشمِ شہود سے معدوم کر دینا اور طبعِ انسانی کا طبعِ ملائکہ بن جانا اور پھر طبعِ ملائکہ سے فانی ہو جانا اور پھر پہلے طریقے سے مل جانا[10] ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ تمہاری استعداد کی زمین کو جو پانی دینا چاہے گا

(10) جس منہاج کو لاہوت حقیقت نے کھولا ہے۔

(۱) مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ؎

(i) مردم از حیوان و آدم شدم
از چہ ترسم کہ ز مردن کم شدم

(ii) حملۂ دیگر بمیرم از بشر
تا بر آرم از ملائک پر و سر

(iii) از ملک بایدم جستن ز جُو
کل شیءٍ ھالکٌ اِلّا وجھہٗ

(iv) بار دیگر از ملک قربان شوم
آنچہ اندر وہم ناید آن شوم

(v) پس عدم گردم عدم چوں ارغنون
گویدم کانا الیہ راجعون

دے گا[11]، اور جو کاشت کرنا چاہے گا کاشت کرے گا[12]۔ اگر تم اس مقام کے حصول کا ارادہ رکھتے ہو تو تم پر واجب ہے کہ پہلے مسلمان ہو جاؤ[13]۔ پھر قضا و قدر کے سامنے[14] سرِ تسلیم خم کر دو پھر اوامر و نواہی کا علم حاصل کرو[15] پھر ربِ کریم کی ذات و صفات کی معرفت حاصل کرو[16] پھر اپنے وجود سے فانی ہو کر وجودِ حق کے ساتھ بقا پا لو[17]۔ اور جب تمہارا وجود وجودِ حق کے ساتھ ہو گا تو تمہاری[18] ہر چیز اسی کے لیے ہو گی، اور زُہد ایک ساعت کا کام ہے[19] اور تقویٰ دو ساعت کا[20]، اور

(11) اور جو پلانا چاہے گا پلائے گا۔

(12) اور تمہارے اندر حدِ شرح و بیان سے باہر احوال، اسرار اور انوار کے نتائج پیدا فرمائے گا۔

(13) دینِ اسلام اختیار کرو اور اس کی بھلائی سے پھل کھاؤ۔

(14) اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے گردن جھکا دو۔

(15) جو کہ علم الیقین کا مرتبہ ہے۔

(16) یہ عین الیقین کی منزل ہے۔

(17) جو کہ حق الیقین کا مقام ہے۔

(18) یعنی وجود کے آثار و فروع مثلاً ظاہری و باطنی احوال و صفات اور قلب و جوارح

(19) یعنی دنیا و مافیہا کو ترک کر دینا۔ چنانچہ بزرگ فرماتے ہیں:

اَلدُّنْیَا سَاعَةٌ فَاجْعَلْهَا طَاعَةً۔ دنیا ایک ساعت ہے اسے طاعت میں صرف کرو۔

یعنی ساعت سے مراد مدتِ قلیل ہے، اس لیے کہتے ہیں:

معرفتِ خداوندی دائمی کام ہے[21] ۔

اَلدُّنْيَا يَوْمٌ وَلَنَا فِيْهَا صَوْمٌ۔ دنیا ایک یوم ہے اور ہمارا اس میں روزہ ہے۔

(۲۰) ایک ساعت میں دنیا کو ترک کرو اور دوسری میں نفس کو۔ خدا بہتر جانتا ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ عالی ہمتوں کے نزدیک یہ کام اللہ تعالےٰ کی توفیق و تیسیر سے بہت آسان ہے گویا کہ ایک دو ساعت میں ہو جاتا ہے۔

(۲۱) کیونکہ یہ اس عالم میں قدم رکھنا ہے جس کی نہایت نہیں ہے۔

اَلْمَقَالَةُ الثَّامِنَةُ وَالسَّبْعُوْنَ

قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لِاَهْلِ الْمُجَاهَدَةِ وَالْمُحَاسَبَةِ وَاُولِى الْعَزْمِ عَشْرُ خِصَالٍ وَاظِبُوْهَا فَاِذَا اَقَامُوْهَا وَاَحْكَمُوْهَا بِاِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَصَلُوْا اِلٰى مَنَازِلِ الشَّرِيْفَةِ اَلْاُوْلٰى اَنْ لَّا يَحْلِفَ الْعَبْدُ بِاللّٰهِ صَادِقًا وَّلَا كَاذِبًا وَّعَامِدًا اَوْ لَا سَاهِيًا لِاَنَّهٗ اِذَا اَحْكَمَ ذٰلِكَ مِنْ نَّفْسِهٖ وَعَوَّدَ لِسَانَهٗ رَفَعَهٗ ذٰلِكَ اِلٰى تَرْكِ الْحَلَفِ سَاهِيًا وَّعَامِدًا فَاِذَا اعْتَادَ ذٰلِكَ فَتَحَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهٗ بَابًا مِّنْ اَنْوَارِهٖ يَعْرِفُ مَنْفَعَةَ ذٰلِكَ فِيْ قَلْبِهٖ وَرِفْعَةً فِيْ دَرَجَتِهٖ وَقُوَّةً فِيْ عَزْمِهٖ وَفِيْ صَبْرِهٖ وَالثَّنَاءَ عِنْدَ الْاِخْوَانِ وَالْكَرَامَةَ عِنْدَ الْجِيْرَانِ حَتّٰى يَاْتَمَّ بِهٖ مَنْ يَّعْرِفُهٗ وَيَهَابُهٗ مَنْ يَّرَاهُ۔ اَلثَّانِيَةُ يَجْتَنِبُ الْكِذْبَ هَازِلًا وَّجَادًّا لِاَنَّهٗ اِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ وَاَحْكَمَهٗ مِنْ نَّفْسِهٖ وَاعْتَادَهٗ لِسَانُهٗ شَرَحَ اللّٰهُ بِهٖ صَدْرَهٗ وَصَفَا بِهٖ عِلْمُهٗ كَاَنَّهٗ لَا يَعْرِفُ الْكِذْبَ وَاِذَا سَمِعَهٗ مِنْ غَيْرِهٖ عَابَ ذٰلِكَ عَلَيْهِ وَعَيَّرَهٗ بِهٖ فِيْ نَفْسِهٖ وَاِنْ دَعَا لَهٗ بِزَوَالِ ذٰلِكَ كَانَ لَهٗ ثَوَابٌ۔ اَلثَّالِثَةُ اَنْ يَّحْذَرَ اَنْ يَّعِدَ اَحَدًا شَيْئًا فَيُخْلِفَهٗ اَوْ يَقْطَعَ

الْوَعْدَةَ اَلْبَتَّةَ فَاِنَّهٗ اَقْوٰى لِاَمْرِهٖ وَاَقْصَدُ لِطَرِيْقِهٖ لِاَنَّ الْخُلْفَ
مِنَ الْكِذْبِ فَاِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ فَتَحَ لَهٗ بَابَ السَّخَاءِ وَدَرَجَةَ الْحَيَاءِ وَ
اُعْطِىَ مَوَدَّةً فِى الصَّادِقِيْنَ وَرِفْعَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۔ اَلرَّابِعَةُ اَنْ يَّجْتَنِبَ
اَنْ يَّلْعَنَ شَيْئًا مِّنَ الْخَلْقِ اَوْ يُؤْذِىَ ذَرَّةً فَمَا فَوْقَهَا لِاَنَّهَا مِنْ اَخْلَاقِ
الْاَبْرَارِ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَلَهٗ عَاقِبَةٌ حَسَنَةٌ فِىْ حِفْظِ اللّٰهِ اِيَّاهُ فِى
الدُّنْيَا مَعَ مَا يُدَّخَرُ لَهٗ مِنَ الدَّرَجَاتِ وَيَسْتَنْقِذُهٗ مِنْ مَصَارِعِ الْهَلَكَةِ
وَيُسَلِّمُهٗ مِنَ الْخَلْقِ وَيَرْزُقُهٗ رَحْمَةَ الْعِبَادِ وَالْقُرْبَ مِنْهُ اَلْخَامِسَةُ
اَنْ يَّجْتَنِبَ اَنْ يَّدْعُوَ عَلٰى اَحَدٍ مِّنَ الْخَلْقِ وَاِنْ ظَلَمَهٗ فَلَا يَقْطَعُهٗ
بِلِسَانِهٖ وَلَا يُكَافِيْهِ بِفِعَالِهٖ وَيَتَحَمَّلُ ذٰلِكَ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَلَا يُكَافِيْهِ بِقَوْلٍ
وَلَا فِعْلٍ فَاِنَّ هٰذِهِ الْخَصْلَةَ تَرْفَعُ صَاحِبَهَا اِلَى الدَّرَجَاتِ الْعُلٰى
اِذَا تَاَدَّبَ بِهَا يَنَالُ مَنْزِلَةً شَرِيْفَةً فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَالْحُبَّ
وَالْمَوَدَّةَ فِىْ قُبُوْلِ الْحَقِّ اَجْمَعِيْنَ مِنْ قَرِيْبٍ وَّبَعِيْدٍ وَّاِجَابَةَ
الدَّعْوَةِ وَالْعُلُوَّ فِى الْخَيْرِ وَالْعِزَّ فِى الدُّنْيَا فِىْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔
اَلسَّادِسَةُ اَنْ لَّا يَقْطَعَ الشَّهَادَةَ عَلٰى اَحَدٍ مِّنَ الْخَلْقِ مِنْ اَهْلِ
الْقِبْلَةِ بِشِرْكٍ وَّلَا كُفْرٍ وَّلَا نِفَاقٍ فَاِنَّهٗ اَقْرَبُ لِلرَّحْمَةِ وَهِىَ تَمَامُ
السُّنَّةِ وَاَبْعَدُ عَنِ الدُّخُوْلِ فِىْ عِلْمِ اللّٰهِ وَاَبْعَدُ مِنْ مَّقْتِ اللّٰهِ وَ
اَقْرَبُ اِلٰى رِضَاءِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهٖ فَاِنَّهٗ بَابٌ شَرِيْفٌ كَرِيْمٌ عَلَى اللّٰهِ
تَعَالٰى يُوْرِثُ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الرَّحْمَةَ لِلْخَلْقِ اَجْمَعِيْنَ ۔ اَلسَّابِعَةُ
اَنْ يَّجْتَنِبَ النَّظَرَ اِلٰى شَىْءٍ مِّنَ الْمَعَاصِىْ ظَاهِرًا اَوْ بَاطِنًا وَيَكُفَّ عَنْهَا
جَوَارِحَهٗ فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ اَسْرَعِ الْاَعْمَالِ ثَوَابًا فِى الْقَلْبِ وَالْجَوَارِحِ

فِىْ عَاجِلِ الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهٗ مِنْ خَيْرِ الْاٰخِرَةِ
نَسْاَلُ اللّٰهَ اَنْ يَّمُنَّ عَلَيْنَا اَجْمَعِيْنَ بِالْعَمَلِ بِهٰذِهِ الْخِصَالِ وَ
اَنْ يُّخْرِجَ شَهَوَاتِنَا عَنْ قُلُوْبِنَا ۔ اَلثَّامِنَةُ اَنْ يَّجْتَنِبَ اَنْ يَّجْعَلَ
عَلٰى اَحَدٍ مِّنَ الْخَلْقِ مِنْهُ مُؤْنَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً بَلْ يَرْفَعُ
مُؤْنَتَهٗ عَنِ الْخَلْقِ اَجْمَعِيْنَ مِمَّا احْتَاجَ اِلَيْهِ وَاسْتَغْنٰى عَنْهُ
فَاِنَّ ذٰلِكَ تَمَامُ عِزَّةِ الْعَابِدِيْنَ وَشَرَفِ الْمُتَّقِيْنَ وَبِهٖ يَقْوٰى
عَلَى الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْىِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيَكُوْنُ الْخَلْقُ عِنْدَهٗ
اَجْمَعِيْنَ بِمَنْزِلَةٍ وَّاحِدَةٍ فَاِذَا كَانَ كَذٰلِكَ نَقَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَى
الْغِنٰى وَالْيَقِيْنِ وَالثِّقَةِ بِهٖ وَلَا يَرْفَعُ اَحَدًا بِهَوَاهُ وَيَكُوْنُ الْخَلْقُ
عِنْدَهٗ فِى الْحَقِّ سَوَاءً وَّيُقْطَعُ بِاَنَّ هٰذَا الْبَابَ عِزُّ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ
شَرَفُ الْمُتَّقِيْنَ وَهُوَ اَقْرَبُ بَابٍ اِلَى الْاِخْلَاصِ ۔ اَلتَّاسِعَةُ يَنْبَغِىْ
لَهٗ اَنْ يَّقْطَعَ طَمْعَهٗ مِنَ الْاٰدَمِيِّيْنَ وَلَا يُطْمِعُ نَفْسَهٗ فِيْمَا اَيْدِيْهِمْ
فَاِنَّهُ الْعِزُّ الْاَكْبَرُ وَالْغِنَى الْخَالِصُ وَالْمُلْكُ الْعَظِيْمُ وَالْفَخْرُ
الْجَلِيْلُ وَالْيَقِيْنُ الصَّافِىْ وَالتَّوَكُّلُ الشَّافِى الصَّرِيْحُ وَهُوَ بَابٌ
مِّنْ اَبْوَابِ الثِّقَةِ بِاللّٰهِ وَهُوَ بَابٌ مِّنْ اَبْوَابِ الزُّهْدِ وَبِهٖ يُنَالُ الْوَرَعُ
وَيَسْتَكْمِلُ نُسُكَهٗ وَهُوَ مِنْ عَلَامَاتِ الْمُنْقَطِعِيْنَ اِلَى اللّٰهِ ۔ اَلْعَاشِرَةُ
اَلتَّوَاضُعُ لِاَنَّ بِهَا يُشَيَّدُ مَحَلُّ الْعَابِدِ وَيَعْلُوْ مَنْزِلُهٗ وَيَسْتَكْمِلُ الْعِزَّ
وَالرِّفْعَةَ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَعِنْدَ الْخَلْقِ وَيَقْدِرُ عَلٰى مَا يُرِيْدُ مِنْ
اَمْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَهٰذِهِ الْخَصْلَةُ اَصْلُ الطَّاعَاتِ كُلِّهَا وَفَرْعُهَا
وَكَمَالُهَا وَبِهٖ يُدْرِكُ الْعَبْدُ مَنَازِلَ الصَّالِحِيْنَ الرَّاضِيْنَ عَنِ اللّٰهِ

فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَهِيَ كَمَالُ التَّقْوَى وَالتَّوَاضُعُ هُوَ أَنْ لَا يَلْقَى الْعَبْدُ أَحَدًا مِّنَ النَّاسِ إِلَّا رَأَى لَهُ الْفَضْلَ عَلَيْهِ وَيَقُولُ عَسَى أَنْ يَكُونَ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرًا مِّنِّي وَأَرْفَعَ دَرَجَةً فَإِنْ كَانَ صَغِيرًا قَالَ هٰذَا لَمْ يَعْصِ اللّٰهَ تَعَالٰى وَأَنَا قَدْ عَصَيْتُ فَلَا شَكَّ أَنَّهُ خَيْرٌ مِّنِّي وَإِنْ كَانَ كَبِيرًا قَالَ هٰذَا عَبَدَ اللّٰهَ تَعَالٰى قَبْلِي وَإِنْ كَانَ عَالِمًا قَالَ هٰذَا أُعْطِيَ مَا لَمْ أَبْلُغْ وَقَالَ مَا لَمْ أَنَلْ وَعَلِمَ مَا جَهِلْتُ وَهُوَ يَعْلَمُ بِعِلْمِهِ وَإِنْ كَانَ جَاهِلًا قَالَ هٰذَا عَصَى اللّٰهَ بِجَهْلٍ وَأَنَا عَصَيْتُهُ بِعِلْمٍ وَلَا أَدْرِي بِمَ يُخْتَمُ لِي وَبِمَ يُخْتَمُ لَهُ وَإِنْ كَانَ كَافِرًا قَالَ لَا أَدْرِي عَسَى أَنْ يُسْلِمَ هٰذَا فَيُخْتَمَ لَهُ بِخَيْرِ الْعَمَلِ وَعَسَى أَنْ أَكْفُرَ فَيُخْتَمَ لِي بِسُوءِ الْعَمَلِ وَهٰذَا بَابُ الشَّفَقَةِ وَالْوَجَلِ وَأَوَّلُ مَا يُصْحَبُ وَآخِرُ مَا يَبْقَى عَلَى الْعِبَادِ فَإِذَا كَانَ الْعَبْدُ كَذٰلِكَ سَلَّمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ الْغَوَائِلِ وَبَلَّغَهُ بِهِ مَنَازِلَ الصُّحْبَةِ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَكَانَ مِنْ أَصْفِيَاءِ الرَّحْمٰنِ وَأَحِبَّائِهِ وَكَانَ مِنْ أَعْدَاءِ إِبْلِيسَ عَدُوِّ اللّٰهِ وَهُوَ بَابُ الرَّحْمَةِ وَمَعَ ذٰلِكَ يَكُونُ قَطَعَ بَابَ الْكِبْرِ وَحِبَالَ الْعُجْبِ وَرَفَضَ دَرَجَةَ الْعُلُوِّ فِي نَفْسِهِ فِي الدِّينِ وَالدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَهُوَ مُخُّ الْعِبَادَةِ وَغَايَةُ شَرَفِ الزَّاهِدِينَ وَسِيمَاءُ النَّاسِكِينَ فَلَا شَيْءَ مِنْهُ أَفْضَلُ وَمَعَ ذٰلِكَ يَقْطَعُ لِسَانَهُ عَنْ ذِكْرِ الْعٰلَمِينَ وَمَا لَا يَعْنِي فَلَا يَتِمُّ لَهُ عَمَلٌ إِلَّا بِهِ وَيُخْرِجُ الْغِلَّ وَالْكِبْرَ وَالْبَغْيَ مِنْ قَلْبِهِ فِي جَمِيعِ أَحْوَالِهِ وَكَانَ لِسَانُهُ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَاحِدَةً وَمَشِيئَتُهُ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَاحِدَةً وَكَلَامُهُ كَذٰلِكَ وَالْخَلْقُ عِنْدَهُ فِي النَّصِيحَةِ وَاحِدًا وَلَا يَكُونُ

مِنَ النَّاصِحِينَ وَهُوَ يَذْكُرُ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِ اللّٰهِ بِسُوءٍ أَوْ يُعَيِّرُهُ بِفِعْلٍ أَوْ يُحِبُّ أَنْ يُذْكَرَ عِنْدَهُ وَاحِدٌ بِسُوءٍ أَوْ يَرْتَاحُ قَلْبُهُ إِنْ ذُكِرَ عِنْدَهُ أَحَدٌ بِسُوءٍ وَهٰذِهِ آفَةُ الْعَابِدِينَ وَعَطَبُ النُّسَّاكِ وَهَلَاكُ الزَّاهِدِينَ إِلَّا مَنْ أَعَانَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حِفْظِ لِسَانِهِ وَقَلْبِهِ بِرَحْمَتِهِ۔

مقالہ ۷۸

سالکینِ راہِ خدا کی دس خصلتیں

فرمایا: اہلِ مجاہدہ و محاسبہ(۱) اور اولوالعزم سالکوں کے لیے دس خصلتیں ہیں جن پر انہوں نے مواظبت کی ہے، جب ان پر قائم رہتے ہوئے انھیں اللہ کے حکم سے مضبوط کر لیتے ہیں تو منازل ارفع تک رسائی حاصل لیتے ہیں۔

پہلی خصلت یہ ہے کہ بندہ کسی طرح بھی خدا کی قسم نہ کھائے(۲)، سچی نہ جھوٹی، اور نہ عمداً نہ سہواً،(۳) جس نے اپنی ذات میں اسے پختہ کر لیا اور اپنی زبان کی

(۱) جو ہر وقت نفس کے ساتھ جنگ اور اس کے محاسبے میں مصروف ہیں۔

(۲) اس لیے نہیں کہ سچی قسم کھانا حرام ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی دل میں اس قدر ہو کہ اسے زبان پر لانے کی تاب نہ رکھتا ہو۔

(۳) یعنی اسی قدر احتیاط کرے اور عادت بنالے کہ غفلت سے بھی قسم زبان پر نہ آئے جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے بلا ارادہ زبان سے قسمیں کھاتے رہتے ہیں، یہ بھی ایک قسم کی ریاضت ہے جو طالب کے لیے ضروری ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت دل میں استقرار پا کر مذکورہ انوار و آثار کا موجب بن جائے

عادت بنا لیا تو وہ عمداً یا سہواً قسم کھانے سے بچ جاتا ہے اور جب بندہ ترکِ حلف کا عادی ہو جائے تو اس پر انوارِ خداوندی کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھل جاتا ہے اور بندہ اپنے دل میں اس کی منفعت معلوم کر لیتا ہے اس کا درجہ بلند ہو جاتا ہے اپنے عزم و صبر میں قوت پاتا ہے بھائی اس کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے ہیں اور پڑوسی اس کا احترام کرتے ہیں یہاں تک کہ اسے پہچاننے والے اس کی تقلید کرتے ہیں اور دیکھنے والے اس سے خوف کھاتے ہیں۔

دوسری خصلت یہ ہے کہ بندہ قصداً یا مذاقاً جھوٹ کہنے سے بچے، کیونکہ جب بندہ ترکِ کذب کی عادت پختہ کر لے گا اور اپنی زبان کو اس کا عادی بنا لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا شرحِ صدر فرما دے گا اور اس کے علم کو اتنا روشن کر دے گا گویا وہ کذب کو جانتا ہی نہیں اور جب کسی دوسرے سے جھوٹی بات سنے گا تو اسے قبیح جانے گا(۴) اور اپنے دل میں جھوٹے کو برا سمجھے گا(۵) اور اگر جھوٹے سے جھوٹ

لیکن منتہی واصلین اور مقربینِ بارگاہ جن کے دل اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی سے بھرپور ہیں سے قسم صادر ہو جائے تو اس کا تعلق اس عالم سے نہیں ہوگا بلکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ذکر و تعظیم سے ہے اور قسم کی کثرت کثرتِ ذکر کے قبیل سے ہے جو کہ زبانِ شریعت پر محمود و مامور بہ ہے اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس پر کثیر الوقوع ہے۔ اسے سمجھ لو اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

(۴) جھوٹ بولنے سے نفرت و کراہت کی بنا پر اور اس کی قباحت و شناعت معلوم ہونے کی وجہ سے۔

(۵) اگرچہ خوف و حیا یا جھوٹے کے تکبر و ترفع سے ڈرتے ہوئے زبان سے کچھ نہ کہے۔

بولنے کی عادت چھوٹ جانے کی دُعا کرے گا تو ثواب کا حقدار ہو گا۔

تیسری خصلت یہ ہے کہ کسی سے وعدہ کرتے وقت وعدہ خلافی سے ڈرے یا وعدہ ہی نہ کرے[6]، کیونکہ وعدہ خلافی سے احتراز بہت قوی امر ہے اور راہِ سلوک میں میانہ روی یہی ہے کیونکہ وعدہ کو نہ نبھانا جھُوٹ کی ایک قسم ہے اور جب بندہ ایسا کرے گا تو اس کے لیے سخاوت کا دروازہ کھُل جائے گا اور اسے حیا کا درجہ مل جائے گا اور صادقین کے دل میں اس کی محبت پیدا ہو جائے گی اور دربارِ خداوندی میں اسے رفعت حاصل ہو گی۔

چوتھی خصلت یہ ہے کہ مخلوق میں کسی چیز پر لعنت کرنے یا ذرّہ بھر بھی اذیت دینے سے اجتناب کرے کیونکہ یہ صفت ابرار و صدیقین کے اخلاق سے ہے۔ ایسے شخص کا انجام بخیر ہو گا دنیا میں وہ آفات سے خدا کی حفاظت میں رہے گا، اس کے ساتھ اللہ تعالٰے اس کے لیے آخرت میں درجات ذخیرہ فرمائے گا اور ہلاکت کے قعر اور مخلوق کی گزند سے محفوظ رہے گا۔ بندوں پر شفقت اور اپنا قُربِ عطا فرمائے گا[7]۔

---

(۶) تاکہ خلاف ورزی نہ ہو۔

(۷) **لعنت کی قسمیں** لعنت کے معنی رحمتِ حق سے دوری کے ہیں، کفر پر یقینی موت کے بغیر اس کا حکم نہیں لگایا جا سکتا اور مخبرِ صادق کی خبر کے بغیر لعنت کا اطلاق ورطۂ اشتباہ میں ڈال دیتا ہے۔ لعنت کی دوسری قسم رحمت خاص اور قربِ مخصوص سے محرومی ہے اور یہ قسم غیر کفار کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے، اس تحقیق سے بہت سی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔

پانچویں خصلت یہ ہے کہ بندہ مخلوق میں سے کسی کے لیے بد دُعا نہ کرے، اگرچہ کسی نے اس پر ظلم کیا ہو اور زبان سے قطع تعلق نہ کرے[8] اور اس کے کردار کا انتقام کبھی نہ لے۔ خدا کی رضا اور طلبِ ثواب کے لیے اس کی اذیتیں برداشت کرے، قول و فعل سے اس کا بدلہ نہ لے، کیونکہ جس شخص میں یہ صفت ہو گی اس کے درجات بلند ہوں گے اور جب بندہ اس خصلت کا عادی ہو جاتا ہے تو دنیا و آخرت میں بلند درجے پاتا ہے اور قریب و بعید[9] کی تمام مخلوق میں ظاہری و باطنی محبّت اور مقبولیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ مُستجاب الدعوات بن جاتا ہے[10] نیکی کے کاموں میں اس کا مرتبہ بلند ہوتا ہے اور اہلِ ایمان کے دلوں میں عزیز ہو جاتا ہے۔

چھٹی خصلت یہ ہے کہ اہلِ قبلہ میں سے کسی پر یقین کے ساتھ کفر و شرک اور نفاق کی گواہی نہ دے کیونکہ اہلِ قبلہ کی عدم تکفیر مخلوق پر رحمت و شفقت کے زیادہ قریب ہے[11] اور درجہ عُلیا کے حصول کا سبب ہے اور یہ خصلت اتباعِ سنّت کا

حاصلِ کلام، حضرتِ غوثِ اعظم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، لعنت کرنا نیکوں کا کام نہیں۔ اور بعض لوگ جو باتوں باتوں میں حیوانات و جمادات پر لعنت کر جاتے ہیں ان کی یہ عادت انتہائی قبیح ہے۔

(۸) بد دُعا نہ کرے کیونکہ اس سے قطع رحمی اور اسلامی حقوق کا ترک لازم آتا ہے۔

(۹) خواہ وہ اپنے ہوں یا پرائے، اپنے شہر کے باشندے ہوں یا دوسرے شہر کے۔

(۱۰) جب اس نے صبر سے کام لیتے ہُوئے ظالم کے لیے بد دُعا نہ کی تو اس کا صلہ مستجاب الدعوات ہونے کی صورت میں ظاہر ہو گا۔

(۱۱) یا اس عادت والے آدمی پر نزولِ رحمت زیادہ قریب ہے۔

کمال ہے[12] اور اللہ کے علم میں دخل دینے[13] اور اس کے غضب سے بہت زیادہ دُور رکھتی ہے اور اللہ عزوجل کی رضا و رحمت کے بہت زیادہ قریب ہے[14]، اور یہ خصلت خدا تک رسائی کے لیے بہت بڑا دروازہ ہے، اور اس کا نتیجہ مخلوق پر مہربانی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

ساتویں خصلت یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہر و باطن میں گناہوں کی طرف میلان سے بچائے رکھے اور اپنے اعضاء و جوارح کو معاصی سے روکے رکھے، کیونکہ اس خصلت کی موجودگی میں بندے کو بہت جلد قلب و جوارح میں اعمال کا ثواب ملتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اجر پاتا ہے اور خیرِ آخرت بھی ذخیرہ کی جاتی ہے[15]۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم پر احسان کرتے ہوئے ہمیں ان خصلتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے دلوں سے خواہشات کو

---

(۱۲) مسلمانوں کے قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والوں کی تکفیر سے ممانعت وارد ہے اگرچہ رعایت و ترویجِ سنّت کے لیے اہلِ بدعت کی مذمت و انکار اور تشنیع و تقبیح وارد ہے لیکن ان کی تکفیر خلافِ سنّت ہے اور سنت کا کمال ان کی تکفیر سے کفِ لسان میں ہے۔

(۱۳) کہ یہ عند اللہ کا اثر ہے۔

(۱۴) کیونکہ اللہ تعالیٰ کفر کو پسند نہیں فرماتا اس کی رحمت عام ہے اور کفر کی نفی رحمت و رضا کا موجب ہے۔

(۱۵) اگرچہ جس طرح بھی ہو ترکِ گناہ موجبِ ثواب ہے لیکن اس کی طرف قطعاً میلان نہ کرنا اور اگر نفس میلان کرے بھی تو زور و تکلف سے روک لینا اعلیٰ درجے کے ثواب کا کام ہے۔

نکال دے[16]۔

آٹھویں خصلت یہ ہے کہ کسی آدمی پر کم یا زیادہ بوجھ ڈالنے سے احتراز کرے بلکہ اپنا بوجھ تمام مخلوق سے اُٹھالے خواہ اسے اس کی احتیاج ہو نہ ہو، کیونکہ یہ خصلت عابدین کی عزت کا کمال[17] اور متقین کا شرف ہے اس خصلت کی وجہ سے عزت و ہیبت حاصل ہونے کی وجہ سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر قوت پاتا ہے اس شخص کے نزدیک تمام لوگ اغنیاء و فقراء ایک جیسے ہو جاتے ہیں، جب مومن اس خصلت پر راسخ ہو جاتا ہے تو اسے غنا الیقین اور وثوق باللہ کی منزل پر منتقل کر دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی خواہش سے بلند نہیں کرتا، پھر اس مومن کے نزدیک حق کہنے میں تمام مخلوق برابر ہو جاتی ہے اور یقین کر لینا چاہئے اس دروازے میں داخل ہونا مسلمانوں کی عزت اور متقین کے شرف کا سبب ہے اور یہ اخلاص تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ ہے۔

نویں خصلت یہ ہے کہ سالک لوگوں سے حرص و طمع ختم کر دے اور ان کے ہاتھوں میں جو چیز موجود ہے نفس کو اس کے لالچ سے بچائے، کیونکہ یہ خصلت بڑی عزت، خالص استغناء، ملک عظیم، فخرِ جلیل، یقین صافی، اور شرک اور غیر پر اعتماد کی بیماری سے نجات دہندہ اور خالص توکل ہے اور وثوق باللہ اور

---

(۱۶) راہِ طریقت کے طالبین و سالکین کے لیے یہ بڑی احسن دوا ہے اور اس کا حصولِ اجابت میں زیادہ دخل ہے اور طالبین کے لیے ایک اعزاز ہے کہ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو دُعا و سوال میں شریک فرمایا۔

(۱۷) کہ وہ عبادت کی وجہ سے عزت رکھتے ہیں اور مخلوق سے اپنا بوجھ اٹھا لینے کی وجہ سے عزیز تر ہو جاتے ہیں۔

زُہد کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اسی کی وجہ سے تقویٰ کی دولت ملتی ہے اور عبادات کی تکمیل ہوتی ہے اور یہ ان لوگوں کی علامت ہے جو سب رشتے توڑ کر اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ ہیں۔

دسویں خصلت تواضع ہے اس خصلت کی وجہ سے عابد کا محل آراستہ اور مضبوط ہوتا ہے اور اس کا مقام بلند ہوتا ہے، عند اللہ اور عند الناس اس کی عزت بڑھتی ہے اور مراتب بلند ہوتے ہیں اور دنیا و آخرت کی جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس پر قادر ہوجاتا ہے۔ سب اطاعتوں کی اصل[18]، ان کی فرع اور ان کا کمال یہی خصلت ہے[19]۔ اسی کے ذریعے بندہ صالحین کے مقامات حاصل کرتا ہے جو تنگی و آسانی کی حالت میں خدا سے خوش رہتے ہیں اور صفتِ تواضع ہی کمالِ تقویٰ ہے[20]۔

---

(۱۸) یعنی طاعات تواضع سے پیدا ہوتی ہیں اور پھر یہی طاعات و تواضع بارآور ہوتی ہیں۔

(۱۹) سیر و سلوک والوں کی منازل کا اتمام تواضع پر ہوتا ہے۔

حقیقتِ تواضع

بزرگ فرماتے ہیں عقل کو سمع کے معارض نہ بنانا، شارع علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا ہے اسے قبول کرلینا اور دلیلِ عقل کی مزاحمت کے بغیر حکمِ شارع کی تعمیل میں جلدی کرنا حقیقتِ تواضع ہے۔

(۲۰) کیونکہ اگر متقی تکبّر کرتے ہوئے تعمیلِ حکم سے گردن پھیرے گا تو اس کے ضائع ہوجائیں گے۔

تواضع کے معنی و تشریح

تواضع کے لغوی معنی عاجزی اور نرمی کرنا ہیں حقیقتِ تواضع یہ ہے کہ آدمی طلبِ حقوق

تواضع کی ایک علامت یہ ہے کہ آدمی جس سے ملے اس کو اپنی ذات سے بڑا سمجھے اور کہے شاید یہ شخص خدا کے نزدیک مجھ سے بہتر اور مرتبے میں مجھ سے بڑا ہو۔ اگر ملنے والا چھوٹا ہے تو کہے کہ اس نے اللہ تعالےٰ کی نافرمانی نہیں کی اور میں نافرمانی کا مرتکب ہُوا ہُوں، اس لیے بلاشُبہ یہ مجھ سے بہتر ہے[21]۔ اگر ملنے والا عمر میں بڑا ہے جو کہے کہ اس نے مجھ سے پہلے رب کی عبادت کی ہے اور اگر ملنے والا عالم ہے تو کہے کہ اسے وہ چیز عطا کی گئی ہے جس تک میری رسائی نہیں اور اس نے وُہ کچھ پایا ہے جو میں نہیں پاسکا، اور اسے وہ علم ہے جو مجھے نہیں اور وہ علم کے ساتھ عمل بھی کرتا ہے۔ اگر ملنے والا جاہل ہے تو کہے اس نے تو نادانی میں خدا کی نافرمانی کی ہے اور میں جانتے بُوجھتے جُرم کا مرتکب ہُوا ہُوں اور مجھے یہ علم نہیں کہ میرا انجام کیسا ہوگا اور اس کا خاتمہ کس حال میں ہوگا۔ اور اگر ملنے والا کافر ہے تو کہے ممکن ہے اسے دولتِ ایمان نصیب ہو جائے اور اس کا خاتمہ

میں خود کو اپنے حال کے لائق مرتبہ میں رکھے اگر اپنے مرتبہ سے بلند ہوگا تو اسے تکبّر کہتے ہیں اور اس سے نیچے گرے گا تو خلو کہتے ہیں، یہ بھی تکبر کی طرح ناپسندیدہ ہے کیونکہ یہ دونوں شقیں افراط و تفریط میں داخل ہیں اور تواضع ان کے وسط میں ہے۔ مشائخ کرام نے رعایتِ تواضع میں اس قدر مبالغہ کیا ہے گویا اسے کمزوری کی حد تک پہنچا دیا ہے اس سے ان کا مقصود تکبّر میں مبتلا مریدین کے نفوس سے تکبر کا قلع قمع کرنا ہے۔

(۲۱) ملنے والا اگر بالغ ہو اور عمر میں اس سے چھوٹا تو اسے اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔

بالخیر ہو اور ممکن ہے کہ میں کافر ہو جاؤں اور میرا خاتمہ بُرے حال میں ہو۔ یہ دوسرول پر شفقت اور اپنے نفس پر خوف کا باب ہے اور یہ چیز مصاحبت کے زیادہ لائق ہے اور یہ آخری چیز کا اثر بندوں پر باقی رہے گا۔ جب بندہ صفتِ تواضع سے متصف ہو جائے گا تو اللہ تعالےٰ اسے نفسانی اور اچانک پہنچنے والے شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھے گا اور اسے خدا کے خیر خواہ اور حقوقِ خدا ادا کرنے والے کے مقام عطا کرے گا اور وہ اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ دوستوں سے ہو جائے گا اور دشمنِ خدا یعنی ابلیس کے دشمنوں سے ہو گا۔ تواضع رحمت کا دروازہ ہے اس کے ساتھ تکبر کا دروازہ ٹوٹ جاتا ہے اور خود پسندی کی رسّی کٹ جاتی ہے اور اس سے دین و دُنیا اور آخرت میں بندے کے نفس کی بڑائی کا درجہ گھٹ جاتا ہے۔ تواضع عبادت کا مغز ہے۔ زہاد و عباد کی انتہائی بزرگی پر دلالت کرتی ہے۔ کوئی چیز اس سے افضل نہیں ہے اس خصلت کے ساتھ انسان کی زبان اہلِ عالم کے ذکر اور بے فائدہ باتوں سے رُک جاتی ہے اس کے بغیر بندے کا کوئی عمل پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچتا، یہ خصلت تمام احوال میں کینہ، تکبّر اور حد سے گزر جانے کی خواہش میں اس کی زبان، اس کا چاہنا اور اس کا کلام کرنا ظاہر و باطن میں ایک ہو جاتا ہے[22] اور پوری مخلوق خیر خواہی اور حقوق کی ادائی میں ایک ہو جاتی ہے۔[23] وہ مخلوقِ خدا میں سے کسی کو نصیحت کرتے ہُوئے برائی سے یاد نہیں کرتا اور کسی کو مصلحت و نصیحت

(۲۲) ایسا نہیں ہوتا کہ بظاہر زُہد اور ریاضت و مجاہدہ کا مدعی ہو اور دل میں دنیا و دولت اور ناز و نعمت کا خواہاں۔

(۲۳) ہر ایک کے حقوق اس کے مرتبہ و مقام کے مطابق ادا کرتا ہے خواہ وہ اپنا ہو یا پرایا، قریبی ہو یا دُور کا تعلق دار۔

کے بغیر سرزنش نہیں کرتا۔ وہ اسے پسند نہیں کرتا کہ اس کے سامنے کسی کا برائی سے ذکر کیا جائے اس سے اس کا دل راحت نہیں پاتا بلکہ رنجیدہ ہوتا ہے اور یہ صفتِ غیبت عابدوں کے لیے آفت اور زاہدوں اور اطاعت گزاروں کے حق میں ہلاکت ہے۔[24] اللہ تعالےٰ اپنی رحمت سے جس کی زبان اور دل کی حفاظت فرمائے وہی بچتا ہے۔[25]

(۲۴) جو سالکین ابھی مرتبۂ استقامت پر فائز نہیں ہُوئے اور نفس و ہوا کی گرفتاری سے آزاد نہیں ہُوئے وہ دنیا داروں اور دین کے معاملہ میں سست اور بیکار لوگوں کی غیبت کر کے خوش ہوتے ہیں اور عُجب و ریا کا شکار ہو جاتے ہیں۔

(۲۵) فتوح الغیب شریف کے ہمارے پاس موجود دو نسخوں میں یہ مقالہ موجود نہیں ہے لیکن شیخ اجل و اکمل عبدالوہاب متقی قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اس فقیر (شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ) کو جو ارشاد نامہ عنایت کرتے ہُوئے حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے کلام سے پند و نصائح ذکر فرمائیں ان میں یہ بھی مذکور تھا ایسے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس موجود فتوح الغیب کے نسخے میں یا حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی مشہور تصنیف غنیۃ الطالبین میں یہ مقالہ موجود ہے یا حضرت کی کسی اور تصنیف میں مندرج ہے اسی لیے میں نے تبرکاً اسے یہاں بھی درج کر دیا ہے۔ تکملہ میں حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے وصال شریف کے ذکر پر کتاب کا اختتام کرتے ہیں۔ بہجۃ الاسرار، تکملہ، روض الریاحین اور دیگر تالیفات میں آپ کے احوالِ شریفہ اور مناقب منیفہ تفصیلاً درج ہیں۔ شیخ مجد الدین شیرازی لغوی صاحبِ قاموس اللغات نے بھی روضۃ الناظر فی ترجمۃ الشیخ عبدالقادر کے نام سے ایک کتاب تالیف فرمائی ہے۔ منقول ہے کہ ابتداءً

چار آدمی قلم و کاغذ لے کر آپ کی مجلسِ وعظ میں بیٹھتے اور آپ کی گفتگو لکھتے، اور جب حاضرینِ مجلس کا ہجوم بڑھ گیا مسجد و خانقاہ میں گنجائش نہ رہی تو عیدگاہ میں منبر بچھایا جاتا اور حاضرین کی تعداد ستر ہزار تک پہنچ جاتی۔

اللہ تعالےٰ دین و دنیا میں آپ کی اور آپ کے علوم کی برکات سے نفع عطا فرمائے

وصلی اللہ علی سید الخلق و امام الکل محمد و آلہ و اصحابہ و اتباعہ و احزابہ اجمعین۔

تَكْمِلَةٌ

فِي ذِكْرِ وَفَاتِهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

لَمَّا مَرِضَ مَرَضَهُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ قَالَ لَهُ ابْنُهُ عَبْدُ الْوَهَّابِ أَوْصِنِي بِمَا أَعْمَلُ بِهِ بَعْدَكَ فَقَالَ عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَلَا تَخَفْ أَحَدًا سِوَى اللّٰهِ وَلَا تَرْجُ أَحَدًا سِوَى اللّٰهِ وَكِلِ الْحَوَائِجَ إِلَى اللّٰهِ وَلَا تَعْتَمِدْ إِلَّا إِلَيْهِ وَاطْلُبْهَا جَمِيعًا مِنْهُ وَلَا تَثِقْ بِأَحَدٍ غَيْرِ اللّٰهِ اَلتَّوْحِيدَ اَلتَّوْحِيدَ إِجْمَاعُ الْكُلِّ وَقَالَ إِذَا صَحَّ الْقَلْبُ مَعَ اللّٰهِ لَا يَخْلُو مِنْهُ شَيْءٌ وَلَا يَخْرُجُ مِنْهُ شَيْءٌ وَقَالَ أَنَا لُبٌّ بِلَا قُشُورٍ وَقَالَ لِأَوْلَادِهِ ابْعُدُوا مِنْ حَوْلِي فَإِنِّي مَعَكُمْ بِالظَّاهِرِ وَمَعَ غَيْرِكُمْ بِالْبَاطِنِ وَقَالَ قَدْ حَضَرَ عِنْدِي غَيْرُكُمْ فَأَوْسِعُوا لَهُمْ وَتَأَدَّبُوا مَعَهُمْ هٰهُنَا رَحْمَةٌ عَظِيمَةٌ وَلَا تُضَيِّقُوا عَلَيْهِمُ الْمَكَانَ وَكَانَ يَقُولُ وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ غَفَرَ اللّٰهُ لِي وَلَكُمْ يَا مَلَكَ الْمَوْتِ لَا بِمَلَكِكَ وَلَا بِمَلَكِ الْمَوْتِ وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيَّ وَعَلَيْكُمْ بِسْمِ اللّٰهِ غَيْرَ مُوَدِّعِينَ

قَالَ ذٰلِكَ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَقَالَ وَيْلُكُمْ اَنَا لَا اُبَالِيْ بِشَيْءٍ
مَنْ جَاءَنَا مَنْ يَتَوَلَّانَا سِوَاكَ وَصَاحَ صَيْحَةً عَظِيْمَةً وَ ذٰلِكَ فِيْ
يَوْمِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْ عَشِيَّتِهٖ وَاَخْبَرَنِيْ وَلَدُهٗ عَبْدُ الرَّزَّاقِ
وَمُوْسٰى اَنَّهٗ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ وَيَمُدُّهُمَا وَيَقُوْلُ وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَ
رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ تُوْبُوْا وَادْخُلُوْا فِي الصَّفِّ هُوَ ذَا اَجِيْءُ
اِلَيْكُمْ وَكَانَ يَقُوْلُ اِرْفِقُوْا ثُمَّ اَتَاهُ الْحَقُّ وَسَكْرَةُ الْمَوْتِ۔

تکملہ

مرضِ وصال اور وصایا

مرضِ وصال میں آپ کے صاحبزادے شیخ سیف الدین عبدالوہاب[1] نے آپ کی خدمت میں عرض کیا مجھے وصیّت فرمائیں آپ کے بعد کیا عمل کروں؟ آپ نے فرمایا: تم پر خدا سے ڈرنا واجب ہے اس کے سوا کسی سے نہ ڈرنا، نہ کسی سے کوئی اُمید رکھنا، اپنی تمام حاجات خدا کے سپرد کر دینا، اس کے سوا کسی پر اعتماد نہ کرنا، ہر چیز اسی سے طلب کرنا، اس کے سوا کسی پر وثوق نہ کرنا، توحید اور فقط توحید پر قائم رہنا، اس پر سب کا اجماع ہے۔[2]

---

(۱) جو کہ آپ کے بڑے صاحبزادے ہیں ان کے فضائل و مناقب بہجۃ الاسرار اور دیگر کتابوں میں موجود ہیں۔

(۲) **توحید کی تعریف** حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے توحید کا مطلب یُوں بیان فرمایا: تمام اشیاء میں کسی کی شرکت و امتزاج کے بغیر قدرتِ باری تعالیٰ کا اعتراف۔ بلا علّت و علاج تمام اشیاء میں اس کی صنعت کو تسلیم کرنا، ہر چیز کے لیے اس کی صنعت

فرمایا: جب دل کا تعلق خدا سے درست ہو جاتا ہے تو علومِ ضروریہ سے کوئی چیز اس سے خالی اور جدا نہیں ہوتی۔ فرمایا: میں ایسا مغز ہوں جس کا پوست نہیں۔ اپنے پاس بیٹھی ہوئی اولاد کو حکم دیا: مجھ سے ذرا ہٹ جاؤ کیونکہ میں بظاہر تمہارے ساتھ ہوں مگر بباطن کسی اور کے ساتھ۔ فرمایا: تمہارے سوا اور بھی لوگ حاضر ہوئے ہیں ان کے لیے جگہ خالی کرو اور ان کا ادب کرو، اس جگہ بڑی رحمت ہے، ان پر جگہ تنگ نہ کرو۔ آپ ملائکہ اور ارواحِ مقربین کو سلام کہتے ہوئے مسلسل فرماتے جاتے تھے:

وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ غَفَرَ اللّٰهُ لِيْ
وَلَكُمْ وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيَّ وَعَلَيْكُمْ بِسْمِ اللّٰهِ غَيْرَ مُوَدِّعِيْنَ۔

(اور تم پر اللہ کی سلامتی، رحمتیں اور برکتیں ہوں اللہ تعالٰے میری اور تمہاری مغفرت اور توبہ قبول فرمائے[3]، بسم اللہ بغیر رخصت

علت ہے اور اس کی صنعت کے لیے کوئی چیز علت نہیں، زمین و آسمان میں اس کے سوا کوئی مدبر اور خالق نہیں ہے اور یہ یقین کر لینا کہ دل میں جس چیز کا خطرہ پیدا ہو یا جس کا ادراک کیا جائے اللہ تعالٰے اس سے ماوراء ہے اور اس کا غیر ہے ؎

ہر چہ اندیشی پذیرائے فنا است
آنچہ در اندیشہ ناید آں خدا است

(جس چیز کا بھی خیال کرو وہ قابلِ فنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خیالات میں آنے سے بلند و بالا ہے)

(۳) **توبہ کے معنی** توبہ کے معنی رجوع کرنا ہیں۔ جب اس کی نسبت اللہ تعالٰے کی طرف ہو تو اس سے مراد رجوع برحمت و

کیے ہوئے آؤ)[4]

آپ مسلسل ایک رات دن ملائکہ کے سلام کے جواب میں یہی فرماتے رہے۔ پھر فرمایا: تم پر افسوس ہو[5] مجھے کسی چیز کا ڈر نہیں، نہ کسی عام فرشتے کا نہ ہی ملک الموت کا۔ اے ملک الموت! مجھے تو اس نے عطا کیا ہے جو تیرے سوا میرے امور کا والی ہے[6]۔ جس شام کو آپ کا وصال ہوا اس صبح آپ نے زوردار نعرہ مارا۔ راقم الحروف کو آپ کے صاحبزادوں شیخ عبدالرزاق اور شیخ موسیٰ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے خبر دی کہ آپ مصافحہ کرنے کے انداز میں دونوں ہاتھ بلند کرتے اور کہتے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اپنے باطن سے خدا کی طرف رجوع کرو اور صف میں داخل ہو جاؤ میں ابھی تمہاری طرف آرہا ہوں۔ آپ فرماتے تھے: نرمی سے کام لو۔ پھر آپ کے پاس حق اور موت کی مستی آگئی[7]۔

عنایت ہوگی۔ اور بندے کی طرف نسبت کریں تو مطلب ہوگا معصیت سے طاعت کی طرف آنا۔ بندے پر خدا کی توبہ کے معنی توبہ کی توفیق دینا ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے، ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فَتَابُوْا۔

(۴) قرآن حکیم میں ہے، نَحْنُ اَوْلِيَآؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

(۵) میرے متعلق کیا خیال کرتے ہو۔

(۶) اس کی عطا و دوستی کی موجودگی میں ماسوا کا ہرگز خوف نہیں ہے۔

(۷) یہ اس آیہ کریمہ کی طرف اشارہ ہے: وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ۔ آپ کے قول مبارک اِرْفَقُوْا (نرمی کرو) کی سکرات موت کی سختی پر دلالت ہے، اس پر دلیل حضرت سید کائنات علیہ من الصلوٰۃ افضلہا ومن التحیات اتمہا واکملہا کی حالت شریفہ ہے اس سلسلہ میں علماء و عرفاء نے جو وجوہ ذکر فرمائی ہیں

ہم نے انھیں شرح مشکوٰۃ میں نقل کیا ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے حال کی خصوصیت سے قطع نظر اس کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ شیخ اجل و اکرم عبدالوہاب متقی قدس سرہٗ نے فرمایا ہمارے شیخ معظم علیہ الرحمۃ نے بوقتِ وصال فرمایا کہ اگر سکراتِ موت کی شدّت ملاحظہ کرو تو دلگیر نہ ہونا کیونکہ سکرات کی شدّت مقامِ قطبیت کو لازم ہے (انتہی) بظاہر اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مقامِ قطبیت سرداری اور عہدہ داری کا منصب ہے اور بارگاہِ رب العزت میں حاضری کے وقت سوال وجواب کا احتمال ہوتا ہے کہ اپنے فرائض کس طرح ادا کیے ہیں اور عدل وانصاف کو کس حد تک اپنایا ہے جیسا کہ جب مجازی امراء وحکام کو سلطان کی بارگاہ میں لے جایا جائے تو اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

اَلْمَقَالَةُ الثَّمَانُوْنَ

وَقَالَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ
بُعْدُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ فَلَا تَقِيْسُوْنِيْ بِاَحَدٍ وَلَا تَقِيْسُوْا
عَلَيَّ اَحَدًا ثُمَّ سَاَلَهٗ وَلَدُهٗ عَبْدُ الْعَزِيْزِ عَنْ اَلَمِهٖ وَحَالِهٖ فَقَالَ
لَا يَسْاَلُنِيْ اَحَدٌ مِّنْ شَيْءٍ اَنَا اَتَقَلَّبُ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ وَقَالَ قَدْ سَاَلَهٗ
وَلَدُهٗ عَبْدُ الْعَزِيْزِ عَنْ مَرَضِهٖ قَالَ اِنَّ مَرَضِيْ لَا يَعْلَمُهٗ اَحَدٌ
وَلَا يَعْقِلُهٗ اَحَدٌ اِنْسِيٌّ وَلَا جِنِّيٌّ وَلَا مَلَكٌ مَا يَنْقُصُ عِلْمُ اللّٰهِ
بِحُكْمِ اللّٰهِ اَلْحُكْمُ يَتَغَيَّرُ وَالْعِلْمُ لَا يَتَغَيَّرُ وَالْعِلْمُ لَا يُنْسَخُ يَمْحُوا
اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ وَلَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ
هُمْ يُسْئَلُوْنَ اَخْبَارُ الصِّفَاتِ تُمَرُّ كَمَا جَاءَتْ وَسَاَلَهٗ وَلَدُهٗ
عَبْدُ الْجَبَّارِ مَاذَا يُؤْلِمُكَ مِنْ جِسْمِكَ قَالَ جَمِيْعُ اَعْضَائِيْ يُؤْلِمُنِيْ
اِلَّا قَلْبِيْ فَمَا بِهٖ اَلَمٌ وَهُوَ صَحِيْحٌ مَعَ اللّٰهِ ثُمَّ اَتَاهُ الْمَوْتُ فَكَانَ
يَقُوْلُ اِسْتَعَنْتُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى وَالْحَيُّ الَّذِيْ
لَا يَخْشَى الْفَوْتَ سُبْحَانَ مَنْ تَعَزَّزَ بِالْقُدْرَةِ وَقَهَرَ الْعِبَادَ

بِالْمَوْتِ - لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاَخْبَرَنِيْ وَلَدُهٗ
مُوْسٰى اَنَّهٗ قَالَ تَعَزَّزَ وَلَمْ يُؤَدِّهَا لِسَانُهٗ عَلَى الصِّحَّةِ فَمَا زَالَ
يُكَرِّرُهَا حَتّٰى اِذَا قَالَ تَعَزَّزَ وَمَدَّ بِهَا صَوْتَهٗ وَشَدَّ بِهَا حَتّٰى صَحَّ
لِسَانُهٗ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ ثُمَّ خَفِيَ صَوْتُهٗ وَلِسَانُهٗ يَلْتَصِقُ
بِسَقْفِ حَلْقِهٖ ثُمَّ خَرَجَتْ رُوْحُهُ الْكَرِيْمَةُ - رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ
وَاَعَادَ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِهٖ وَخَتَمَ لَنَا بِخَيْرٍ وَلِجَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ
وَاَلْحَقَنَا بِالصَّالِحِيْنَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا مَفْتُوْنِيْنَ - اٰمِيْنَ اٰمِيْنَ اٰمِيْنَ -

مقالہ ۸۰

دُوسروں کو مجھ پر قیاس نہ کرو

حضرت شیخ السمٰوٰت والارض غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میرے اور تمہارے اور تمام مخلوق کے درمیان اُسی طرح بُعد ہے جس طرح زمین و آسمان میں دُوری ہے اس لیے مجھ کو کسی اور پر اور کسی اور کو مجھ پر قیاس نہ کرو۔ پھر آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے درد اور حال کے متعلق دریافت فرمایا تو فرمایا مجھ سے کوئی شخص کچھ نہ پُوچھے آگاہ ہوجاؤ میں علمِ خداوندی کے مطابق ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہو رہا ہُوں[1]۔ آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالعزیز قدس سرہٗ کے سوال کے جواب میں فرمایا: کوئی جن، انسان یا فرشتہ میرے مرض کو جان یا سمجھ نہیں سکتا۔ حقائق و معارف کے سلسلے میں فرمایا: لایزال میں بندوں پر حکم سے علمِ الٰہی ازلی نہیں ٹوٹتا۔ حکم متغیر ہوجاتا ہے علم متغیر نہیں ہوتا، حکم منسوخ ہوجاتا ہے علم منسوخ نہیں

---

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ کی معلومات کے مراتب میں جو کہ غیر متناہی ہیں یا کہ وہ جانتا ہے کہ میں کن مراتب و مقامات اور احوال میں پھر رہا ہُوں۔

ہوتا۔ اللہ تعالےٰ جس چیز کو مٹانا چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو ثابت رکھنا چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے (۲) اور اس کے پاس اُمّ الکتاب ہے (۳)، اس کے کاموں کے بارے میں کوئی سوال نہیں کر سکتا (۴) لیکن بندے اس کے سامنے جواب دہ ہیں (۵)۔ افعال کے صدور و آثار کے متعلق صفات کی خبریں جس طرح آتی ہیں اسی طرح گزرتی ہیں (۶)۔ آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالجبار رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے سوال کیا آپ کے جسم مبارک کا کون سا عضو آپ کو تکلیف دیتا ہے ؟ فرمایا : دل کے سوا باقی تمام اعضا تکلیف دیتے ہیں۔ دل کو کوئی تکلیف نہیں اس کا اللہ تعالےٰ

---

(۲) مقامِ قدر میں محو و اثبات کا تعلق احکام میں ہے۔

(۳) تمام کتابوں کی اصل یعنی لوحِ محفوظ میں اللہ تعالےٰ کے علم و قضا کے متعلق جو کچھ ہے تغیر پذیر نہیں۔

(۴) محو و اثبات، اوامر و احکام اور ثواب و عقاب کے متعلق کسی کو سوال کرنے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اس کے اُوپر کوئی حاکم نہیں اور نہ وہ ظلم کرتا ہے، سب کچھ اس کی مِلک تو سوال کیسے ہو سکتا ہے۔

(۵) کیونکہ ان کے اوپر حاکم و عادل ہے انہیں اس کے حکم کے بغیر کچھ کرنے کی اجازت نہیں، اگر بلا اجازت کریں گے تو سوال اور عقاب و عتاب ہوگا۔

(۶) اور ذات میں تغیر نہیں ہے، ایک بزرگ حضرت شیخ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات متشابہ کے بارے میں جو خبریں وارد ہیں اسی طرح گزرتی ہیں انہیں ان کے ظاہر پر محمول کرنا چاہیئے، اور جو کچھ اللہ تعالیٰ سے ثابت ہے اس پر بلا تامّل ظاہر سے معنی پھیرے بغیر اس پر اعتقاد رکھنا چاہیئے جیسا کہ متقدمین سلف صالحین کا مذہب ہے۔

سے صحیح ربط ہے، پھر موت قریب آئی تو فرمایا، میں کلمۂ توحید کے ساتھ مدد طلب کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اللہ پاک و برتر اور زندہ ذات ہے اُسے موت کا خطرہ نہیں وُہ پاک ہے جو قدرت کے ذریعے غالب ہے اور بندوں کو موت سے مغلوب کر رکھا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) آپ کے صاحبزادے شیخ موسیٰ (رحمۃ اللہ علیہ) نے مجھے بتایا کہ لفظ تَعَزَّزْ آپ کی زبانِ مبارک سے صحت کے ساتھ ادا نہیں ہوتا تھا آپ تکرار سے یہی لفظ دُہراتے رہے یہاں تک کہ لفظ تَعَزَّزْ صحیح تلفّظ کے ساتھ زبان پر جاری ہو گیا اس کے ساتھ آواز مبارک کو کھینچا اور بلند کیا پھر آپ نے تین بار اللہ اللہ اللہ کیا، پھر آپ کی زبان پست ہوتی گئی آپ کی زبان مبارک تالُو سے جا لگی اور آپ کی رُوح مبارک اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملی۔ اللہ تعالےٰ آپ سے راضی رہے ہم سب کو آپ کی برکتوں سے مستفید فرمائے، ہمارا اور تمام اہلِ اسلام کا خاتمہ بالخیر فرمائے ہمیں صالحین کے ساتھ ملائے اور فتنوں اور رسوائیوں میں ڈالے بغیر صالحین کے ساتھ ملائے آمین آمین آمین !

خاتمہ

مصنفین میں یہ طریقہ رائج ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ وتقدس کے اسم گرامی اور اس کی حمد وثنا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے آل واصحاب پر صلوٰۃ وسلام سے کتاب کا آغاز کرتے ہیں اس سے مقصود سنّت اور سیرتِ سلف کی اتباع ہے اور کتاب اللہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ بھی اسی نہج پر واقع ہے اور مقدمہ کے نام سے کچھ چیزیں مزید ذکر کرتے ہیں جس میں علم کی تعریف، غرض، موضوع، علم کا مرتبہ ومقام، واضع فن کا تذکرہ، اپنا نام اور سببِ تالیف وغیرہ بیان کی جاتی ہیں۔ اگر شرح لکھ رہے ہوں تو مصنّف کا ذکر، اس کے حالاتِ زندگی کتاب کا حُسنِ تصنیف وترتیب اور دیگر موجب بصیرت مناسب چیزیں ذکر کرتے ہیں۔ اور میں نے حضرت غوثِ اعظم صاحب قُرب وولایت رحمہ اللہ سے صادر شدہ متن کی حمد وصلوٰۃ پر اکتفا کیا کیونکہ اس سے اوپر متصور ہی نہیں۔

تصوّف کی تعریف تصوف کی ماہیت وحقیقت پسندیدہ طریقے کے مطابق صدق اور توجہ الی اللہ ہے۔ صوفیاء کرام کے تصوّف کے معنی میں بے شمار اقوال واشارات ہیں ہر ایک نے اپنے حال کے مطابق اس کی خبر دی ہے اور اشارات کئے ہیں۔ ان تمام اقوال کا جامع معنی صدق اور توجہ الی اللہ ہیں لیکن پسندیدہ طریقے پر کہ دائرۂ اسلام سے قدم باہر

نہ آنکلے۔

علمِ تصوّف کی شرافت وفضیلت اس علم کا مبدء قدم نبوت کی اتباع ہے اور منتہیٰ قرب بارگاہِ الوہیت کا حصول ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ علم مقصودیت کے اعتبار سے تمام پر مقدم ہے اور طلب وشروع کی حیثیت سے مقدمات علم عربیت یعنی علوم الٰہیہ کی تحصیل کے بعد ہے۔ اگرچہ علمِ تفسیر وحدیث بالذات سب پر مقدّم ہے لیکن درحقیقت علمِ تصوف کتاب اللہ کی تفسیر اور سُنّتِ رسولِ خدا کی شرع کا مدلول ونتیجہ ہے۔ اس علم کو بیان کرنے والے مشہور ومعروف مشائخ طریقت اساطینِ ملّت اور مقربین بارگاہِ خداوندی ہیں۔ اس کتاب "فتوح الغیب شریف" میں کتاب وسنّت ہی کا بیان ہے اس کا بانی وواضع خود شارع ہیں اور اس میں اصطلاحِ جدید کی ضرورت بھی نہیں ہے اس کے مصنّف رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی شروع کتاب میں اصل نسخہ میں موجود ہے۔ آپ کے احوالِ شریفہ اور مناقب منیفہ اظہر من الشمس ہیں اس تصنیف لطیف کا حُسن اور متانت ورزانت (سنجیدگی، وزن) عیاں وواضح ہے۔ اس حقیر (محقق علی الاطلاق سفیر المصطفیٰ فی دیار الہند شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ) کی کیا مجال ہے کہ اس مقام پر اپنا نام درج کرے۔

ع باوجودت زمن آواز نیاید کہ منم

(آپ کے ہوتے ہوئے مجھ سے یہ آواز نہیں نکل سکتی کہ میں ہوں)

سببِ تالیف اس کتاب "ترجمہ فتوح الغیب مسمّٰی بہ مفتاح الفتوح" کا باعثِ حقیقی حضرت ولایت پناہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے غیبی اشارہ ہے اگرچہ وہ نظرِ حسن سے غائب ہو لیکن دلائل وعلامات سے اسے معلوم کیا جا سکتا ہے، اور دوسروں کو بھی اس کی پہچان کرائی جا سکتی ہے لیکن

اس کا علم دل میں ثابت و راسخ ہے کسی حجت و برہان کی ضرورت نہیں ہے جس دوران یہ فقیر حقیر حرمِ مکہ زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً میں قیام پذیر تھا تو حضرت شیخ اجل و اعز، اکرم و اعدل، قطب الوقت عبدالوہاب متقی قادری شاذلی رحمۃ اللہ علیہ و نفعنا ببرکاتہ و برکات علومہ نے اس کتاب معالی قباب کے ایک نسخہ سے مشرف و مستفید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ کتاب لے لو، اسے پڑھو، جس حد تک ہو سکے اس پر عمل کرو اور استقامت اختیار کرو، آگاہ رہو کہ اس طریقۂ حضرت قادریہ کی راہ و روش یہی ہے۔ یہ کام تقدیرِ الٰہی سے کسی وقت پر موقوف تھا وہاں کتاب دستیاب نہ ہوئی جب ہندوستان آیا تو اس سلسلہ سے منسلک ایک بزرگ سے یہ کتاب مل گئی میں نے (حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ نے) ذکرہ اللہ بخیر اسے پڑھنا شروع کر دیا اور ورد بنا لیا مدتوں اس کے الفاظ اور تحت اللفظ معانی پر غور کرتا رہا اس کے مقاصد و مضامین اور اشارات کو سمجھنا میری قوت اور حوصلے سے بالاتر تھا اور کچھ غور و خوض کرنے سے انتساب کتاب کی ہیبت اور ادب مانع تھا کہ کچھ غور و خوض کروں ناگاہ شیر بیشۂ جلالت، سرہنگ دیوانِ قدرت بارگاہِ قادری سے عاشق صادق اسد الدین حضرت شاہ ابو المعالی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام پہنچا جس میں مقامِ جد و یقین کے متعلق دیگر اشارات بھی تھے جن کا یہاں ذکر نہیں کر سکتا اور کتاب "فتوح الغیب شریف" کا ترجمہ اور شرح کرنے کا حکم تھا کہ تمام کام چھوڑ کر اس طرف متوجہ ہو جانے کی تاکید تھی۔ حضرت شاہ ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ جو کچھ فرمائیں میرے اعتقاد میں وہ بلاواسطہ یا بالواسطہ حضرت شیخ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتا ہے کیونکہ آپ میرے نزدیک صاحبِ حال حضرت غوثِ اعظم کے جمالِ باکمال کے عاشق ہیں۔

میرے خیمۂ دل کے گرد ابھی پہلی ہیبت سایہ فگن تھی کام کی طرف متوجہ ہونے اور دامنِ اجلال میں دستِ جرأت دراز کرنے کی ہمت نہ پاتا تھا یہاں تک کہ ایک سال بعد بعض احوال کی تحقیق و جستجو کے قصد سے جاذبۂ شوق و محبت کے پیشِ نظر اور رئیس الابدال حضرت شاہ ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے لاہور حاضر ہوا۔ آپ نے احوال دریافت کرنے کے بعد شرح فتوح کی طرف اشارہ فرمایا اس مرتبہ چونکہ حکم مؤکد اور امر ایجابی تھا بجاآوری کے بغیر چارۂ کار نظر نہ آیا زبانی عذرِ معذرت کرتا رہا اور اسے اپنے لیے خارج از امکان قرار دیتا رہا، اچانک حال تبدیل ہو گیا کام کی ہمت آ گئی فتح باب کی امید لگ گئی۔ پہلا خوف جاتا رہا ہیبت زائل ہو گئی اس کی جگہ انس نے لے لی اور جب شرح شروع کی تو بعض معانی توجہ طلب سے پہلے ہی ذہن میں آجاتے اور بعض جمال سے توجہ و طلب کے بعد پردہ اٹھتا۔ بعض دفعہ ایسا بھی محسوس ہوتا کہ میرے کان میں کچھ کہہ رہے ہیں اور میرے دل میں ڈال رہے ہیں، اگر بطور مسامحت دعویٰ کیا جائے کہ آواز سنائی دیتی تھی اور دلی القا کا مشاہدہ ہوتا تھا تو اہلِ باطن کے نزدیک جھوٹ نہیں ہو گا۔ لیکن اس باب میں تورع اور ایسی باتوں سے اجتناب میرے حال کے دامنگیر ہے جو کہ ادعاء و ابہام سے مانع ہے کیونکہ اہلِ عرف کے فہم کے مطابق اس طرح سننے اور دیکھنے کا دعویٰ درست نہیں ہوتا اس میں تاویل کی ضرورت پڑتی ہے اور شرعی قسم جو کہ عرف پر مبنی ہے درست نہیں ہو گی۔

اسی سے میں نے معلوم کیا کہ اہل سلوک و طریقت کے ظاہری و باطنی کشف کی حقیقت کیا ہے؟ جس کا اظہار ان میں سے کچھ پورے وثوق سے کچھ غیر یقینی انداز سے کرتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ نہ دیکھتے ہیں اور نہ

ہی سنتے ہیں لیکن یوں ہوا ہے جیسے کہ یہ دیکھ بھی رہے ہیں اور سن بھی رہے ہیں۔ لیکن ان کا یہ دیکھنا سر کی آنکھ سے نہیں بلکہ کسی (باطنی) اور آنکھ سے ہوتا ہے۔

اگرچہ کسی نے کہا ہے۔

ے کہ چشم آنست ایں خود سایہ اوست

یعنی حقیقی آنکھ تو وہی ہے یہ (ظاہری آنکھ) تو اس کی نقل ہے۔

لیکن اس کے باوجود دونوں کے درمیان فرق ہے۔ یہ دو باہم بہتے ہوئے سمندر ہیں جن کا درمیان پردہ انہیں آپس میں ختم نہیں ہونے دیتا۔

اور یہ بھی نہیں کہ میں سب کے لئے ایسا ہی کہتا ہوں کیونکہ اس راہ میں ایسے کاملین بھی ہیں جو پوشیدہ حقائق کو مجسم شکل میں اور روحانی امور کو مادی وجود میں دیکھ لیتے ہیں۔ اور وہ جو دوسرے خیال کی آنکھ سے یا خواب میں دیکھتے ہیں یہ (بزرگ) لوگ ظاہری آنکھ سے اس کا ادراک رکھتے اور حالت بیداری میں اسے دیکھتے ہیں اور حقیقتاً بلا حیل و حجت دیکھتے ہیں۔

میں تو اپنی حالت بیان کر رہا ہوں اور اپنے دوستوں کو بھی باخبر کر رہا ہوں کہ ہرگز صداقت و احتیاط کے دائرے سے قدم باہر نہ نکالیں اور دعوی و جواز کی زبان میں بات نہ کریں بھول چوک پر مبنی ظاہری احوال سے آپ ہی آپ خوش نہ ہوں کیونکہ مرتبہ صدق بہت بلندی والا اور نازک مقام ہے۔

فردا کہ بیشگاہ حقیقت شود عیاں
شرمندہ رہ روی کہ عمل بر مجاز کرد

کل محشر میں جب ہر چیز کی حقیقت کھل جائے گی تو محض ظاہر ہی پر عمل کرنے والے کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جان لو کہ قرآن پاک کیا فرماتا ہے۔

فويل للذين يكتبون الكتاب بايديهم ثم يقولون هذا من عندالله ليشتروا به ثمناً قليلاً فويل لهم مماكتب ايديهم وويل لهم مما يكسبون

"پس ہلاکت ہو ان کے لئے جو لکھتے ہیں کتاب خود اپنے ہاتھوں سے پھر کہتے ہیں یہ نوشتہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ حاصل کرلیں اس کے عوض تھوڑے سے دام سو ہلاکت ہو ان کے لئے بوجہ اس کے لئے جو لکھا ان کے ہاتھوں نے اور ہلاکت ہو ان کے لئے بوجہ اسی مال کے جو وہ (یوں) کماتے ہیں۔"

ويقولون هو من عندالله وما هو من عندالله ويقولون على الله الكذب وهم يعلمون

"اور کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے اور وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اس کے باوجود کہ وہ جانتے ہیں۔"

اور فرمان ہے۔

الم يعلم ان الله يعلم سرهم ونجواهم وان الله علام الغيوب

"کیا وہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ان کے خفیہ رازوں اور سرگوشیوں سے بھی واقف ہے۔ اور بے شک اللہ تمام غیبوں کا جاننے والا ہے۔"

حرف درویشاں بدزدد مرد دون

تا بخواند بر سلمی اں فسوں

گھٹیا شخص صوفیہ کرام کی باتیں چراتا ہے تاکہ اہل درد کے سامنے ایسی باتیں سنا کر انہیں دھوکہ دے سکے۔

زانکہ صیاد آورد بانگ صفیر

تا فریبد مرغ را اں مرغ گیر

کیونکہ شکاری پرندے کو پھنسانے کے لئے پرندوں جیسی آوازیں اپنے منہ سے نکالا کرتا ہے۔

کار مرداں روشنی و گرمی است

کار دوناں حیلہ و بے شرمی است

کاملوں کی شان تجلیات الٰہی سے استفادہ اور جذب و حال کی کفیت ہیں

جبکہ ناقصوں اور گھٹیا لوگوں کا کام بہانہ بازی اور بے حیائی ہے۔

چون غرض آمد ہنر پوشیدہ شد

صد حجاب از دل سوئے دیدہ شد

امور دین میں جب ذاتی غرض کا دخل ہو جائے تو صلاحیتیں جواب دے جاتی ہے سینکڑوں حجاب قلب سے آنکھوں تک حائل ہو جاتے ہیں۔

خشم و شہوت مرد را احول کند

زاستقامت روح را ابدل کند

غصہ اور خواہش نفسانی بندے کو بھینگا کر دیتے ہیں اور روح کو راہ استقامت سے پھیر دیتے ہیں۔

میں عارفانہ باتیں بیان نہیں کروں گا اور نہ ہی صوفیہ کرام کی وہ روحانی کیفیات یہاں بیان کروں گا جو مجھ میں نہیں ہیں البتہ وہ حال جو بوقتِ تحریر اور تعمیل ارشاد مجھے میسر ہے اسی کا ذکر کروں گا تاکہ سننے والا کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو اور نفس دھوکہ نہ کھا جائے۔ اور اللہ بطور گواہ کافی ہے۔

اے میرے مالک اور میرے پالنے والے! میرے قدم صداقت کو راہ استقامت سے نہ ہٹا اور میری چشم ہمت کو اپنے غیر کی طرف دیکھنے سے محفوظ رکھ۔ اور میرے دست ہنر کو فضول اور بیکار کاموں سے روک دے اور میری زبان حال کو جھوٹی گفتگو بلکہ سچائی کے دعوے سے بھی محفوظ فرما۔ اور سچ کو میرا سرمایہ نجات بنادے اور ادب کو قرب کے حصول کا ذریعہ بنا۔

بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اس شرح کے حوالے سے ابتدائی حکم تو یہ تھا کہ الفاظ و معانی تحت الفاظ ترجمے پر اکتفا کیا جائے جو اس سلسلے کے درویشوں کے لئے کافی ہو 'وسعت' تفصیل، فقہی آراء اور اقوال کی طرف نہ جایا جائے۔ جبکہ دوبارہ یہ ارشاد صادر ہوا کہ اگر کچھ تفصیل بھی آجائے تو ممانعت نہیں ہے اور ایسا کلام لے آیا جائے جو مفید ہو تو مضائقہ نہیں۔

اس وجہ سے طرز تحریر اس شرح میں دو قسم کا ہے ابتداء کے اکثر مقامات ایجاز و اختصار پر مبنی ہیں اور بعد والے حصے میں بعض مقامات مفصل اور پھیلے ہوتے ہیں کم مائیگی اور علمی نارسائی کے باوجود دوسروں کی کتب و

تصنیفات کی طرف رجوع نہیں کیا گیا اور دوسروں کی چوکھٹ پر گدائی کے لئے جانا نہیں ہوا۔

کسی کو گدائے ایں درگہ ھست
بہ دریوزگی بردرکس نہ رفت

جو اس عالی بارگاہ کا گدا ہو گیا پھر اسے مانگنے کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔

مگر اے مالک! دو تین مقامات پر بعض اصطلاحات تصوف کی تحقیق کے سلسلے میں بقدر ضرورت استفادہ کی ضرورت پیش آئی اور رجوع کرنا پڑا۔ اور اللہ ہی مددگار ہے اسی پر بھروسہ ہے اور اسی کی طرف سے بندہ نوازی ہے آغاز میں بھی اور انجام میں بھی۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل

مرشد که این نامه اسرار نظام
از فضل خدا عزوجل تشت تمام
شائستگی قبول حق روزی باد
والله الموفوق ومنه الاتمام

بے حد شکر ہے کہ یہ اسرار و معارف پر مشتمل کتاب اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے مکمل ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی خاص عنایت سے یہ درجہ قبولیت کو پہنچے۔

اہلِ محبت کیلئے خوشخبری

ایمان والدین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پر تاریخی اور بے مثل مجدد اُمت امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے چھ رسائل
کے تراجم مع عربی الگ الگ شائع ہو کر آ چکے ہیں

1. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے بارے میں اسلاف کا مذہب۔
2. والدین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنتی ہیں۔
3. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء کی شانیں۔
4. والدین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زندہ ہو کر ایمان لانا۔
5. نسبِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام۔
6. والدین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں صحیح عقیدہ۔

مترجم
مُفتی محمد خان قادری

حجاز پبلیکیشنز لاہور